جدید فقہی مباحث

☆اسلام کا نظام عشر و خراج ☆
و اراضی ہند کی شرعی حیثیت

جلد دوم

ترتیب

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی

جلد ـ ۹

ناشر
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ
گلشن اقبال کراچی فون: 34965877

مجمع الفقہ الاسلامی (الھند) Islamic Fiqh Academy (India)

اجازت نامہ سلسلۂ مطبوعات اسلامی فقہ اکیڈمی

محترمی نعیم اشرف نور، فہیم اشرف نور سلمہم اللہ تعالیٰ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعائے عافیت دارین اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی دینی وعلمی خدمات کو قبول فرمائے اور دینی ودنیاوی ترقیات سے نوازیں، آمین۔
اسلامی فقہ اکیڈمی کی جملہ مطبوعات کی پاکستان میں اشاعت وطباعت وتقسیم کے لیے آپ کے ادارے ''ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ'' کو اجازت دی جاتی ہے، اور پاکستان میں یہ حق صرف آپ کے ادارے کو حاصل رہے گا۔ تمام پرسان احوال کو میرا اسلام پہنچا دیں۔

والسلام: مجاہد الاسلام قاسمی
صدر اسلامی فقہ اکیڈمی

باہتمام .... نعیم اشرف نور

ناشر .... ادارۃ القرآن گلشن اقبال

کراچی، فون: 021-34965877

اشاعت ۲۰۰۹ء

ڈسٹری بیوٹرز

☆مکتبۃ القرآن، بنوری ٹاؤن کراچی 021-34856701

مرکز القرآن اردو بازار کراچی 021-32624608

ملنے کے پتے

☆دار الاشاعت اردو بازار کراچی 021-32631861
☆بیت القرآن اردو بازار کراچی 021-32630744
☆ادارۃ المعارف دار العلوم کورنگی 021-35032020
☆مکتبہ معارف القرآن دار العلوم 021-35031565-6
☆ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ H-8/1 اسلام آباد
☆ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور 042-37353255
☆بیت العلوم نابھہ روڈ پرانی انارکلی لاہور 042-37352483
☆مکتبہ رحمانیہ لاہور 042-37334228
☆مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ 2668657

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ مجلہ فقہ اسلامی کی چھٹی جلد کا دوسرا حصہ ہدیۂ ناظرین کیا جارہا ہے۔ چھٹے فقہی سمینار کے مقالات پر مشتمل یہ دستاویزی مجموعہ اسلام کے نظامِ عشر وخراج کے موضوع پر اس دور کا جامع ترین تحقیقی کام ہے۔ جس میں مختلف علماء و اصحاب افتاء نے موضوع کے مختلف گوشوں پر غیر معمولی تحقیقی کام انجام دیا ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی نے پچھلے چند برسوں میں جو تحقیق ومطالعہ کا نیا رجحان پیدا کیا ہے۔ اور ہمارے علماء نے جس طرح قدیم ذخیروں کو کھنگالنے اور نئے حالات پر شرع اسلامی کی تطبیق کا کارنامہ انجام دیا ہے نہ صرف یہ کہ قانون کا رشتہ زندگی سے جوڑتا ہے بلکہ شرع اسلامی کی حرکیت (DYNAMISM) کا بہترین ثبوت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قانون وہی زندہ رہ سکتا ہے جس کا ذہن سے رشتہ ہو اور جو زندگی کے مسائل کو چھوتا ہو۔ قانون اپنے اصول وکلیات کے اعتبار سے دائمی اور پائیدار حیثیت رکھتا ہے جبکہ اسکی جزئیات اور مختلف زمان ومکان میں اس کی تطبیق (APPLICATION) وقت اور مقام کی گرد وغبار سے مبرا نہیں ہوتا۔ فقیہ کا اصل مقام یہی ہے کہ وہ غور کرے کہ کون سے احکام مخصوص احوال، عرف اور کسی خاص جغرافیائی مقام کے تقاضوں پر مبنی ہیں اور حالات، عرف اور زمان ومکان کی تبدیلی کا اصل احکام پر کیا اثر پڑے گا اور پھر قواعد وکلیات، مصالح ومقاصد شرع اور پائیدار اصول وضوابط کو سامنے رکھتے ہوئے نئے حالات پر احکام کی تطبیق کرے۔

اراضی کی حیثیت، کسی ملک کی فتح کے وقت، اس ملک کی اراضی کے ساتھ فاتحین کے برتاؤ پھر

ملک کے حالات کی سیاسی تبدیلیاں، حقوق ملکیت کے سلسلہ میں انسانوں کے بنائے ہوئے مختلف قوانین کے اثرات اور عشر و زکوٰۃ جیسے مسائل میں شریعت کے بنیادی احکام اس مسئلہ کو بلاشبہ بدلتے ہوئے حالات میں غور و فکر کا موضوع بنانے کی ضرورت پر دلیل ہیں۔

مجھے خوشی ہے کہ ہمارے علماء نے مسئلہ کا گہرائی اور گیرائی کے ساتھ جائزہ لیا ہے اور اپنے مقالہ میں نازک و حساس مسائل کو چھیڑا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پچھلے مجموعوں کی طرح یہ مجموعہ بھی مستقبل میں حوالہ کا کام دے گا۔

سود سے متعلق اکیڈمی کے فیصلوں کا شریعہ اپیل کورٹ پاکستان نے اپنے معروف فیصلہ میں حوالہ دیا ہے اور ابھی جب اعضاء کی پیوندکاری کے موضوع پر اسلام آباد میں ایک مذاکرہ منعقد ہوا تو مجلہ فقہ اسلامی، بحث و نظر اور ہمارے سمیناروں میں کئے گئے فیصلوں سے بطور حوالہ استشہاد کیا گیا۔

اب ساتویں فقہی سمینار منعقدہ دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ کی روداد ان شاء اللہ جلد ہی منظر عام پر آئے گی۔ رفقاء سے دعاء کی درخواست ہے۔

مجاہد الاسلام قاسمی

۲۰ ستمبر ۹۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دارالکفر میں عشر وخراج اور ہندوستان

محور چہارم

محمد عبید اللہ الاسعدی ——— الجامعۃ العربیہ ہتھورا، باندہ

اس محور کے تحت مذکورہ سوالات کے اصل جواب سے پہلے بطور تمہید و بنیاد چند امور کا ذکر کرنا مفید وضروری معلوم ہوتا ہے۔

(الف) ہندوستان دارالکفر ہے

ہندوستان موجودہ حالات میں "دارالاسلام" نہیں بلکہ "دارالکفر" یا معروف تعبیر کے مطابق "دارالحرب" ہے۔

اگرچہ فقہ اکیڈمی میں یہ مسئلہ ابھی زیر غور وتحقیق ہے۔ اور اکیڈمی کی طرف سے اس بابت کوئی فیصلہ نہیں ہوسکا ہے مگر دوسرے سیمینار سے متعلق اپنے مقالے میں اور بالخصوص اپنی ایک تالیف "الربا" میں احقر نے وضاحت کے ساتھ اس کو ذکر وثابت کیا ہے۔

ہندوستان سے متعلق یہ رجحان دو صدیوں سے زائد عرصہ سے پایا جارہا ہے اور ۱۸۵۷ء سے پہلے ہی سے برابر علماء محققین کی طرف سے اس کا اظہار کیا جاتا رہا ہے بلکہ فتاوی صادر ہوتے رہے اور ہوتے ہوتے کم از کم ہمارے اکابر وحلقہ کے درمیان ایک درجہ یہ اتفاقی امر ہوگیا۔

۱۸۵۷ء سے پہلے کے عہد میں بالخصوص شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کا اس بابت فتوی معروف ہے، جو کہ شاہ صاحب کے مجموعہ فتاوی میں بھی محفوظ ہے اور ریفا ہران کا یہ فتوی

ان کے حلقہ کا اتفاقی فتویٰ تھا جیسا کہ ان کے اخلاف وحلقہ کے اقدامات سے پتہ چلتا ہے۔

۱۸۵۷ء اور ۱۹۴۷ء کے درمیان جب کہ اس ملک پر انگریزوں کا مکمل تسلط و قبضہ ہو گیا اور رہا تو اس عہد میں بالخصوص اس فتویٰ کی شہرت ہوئی اور اس پر بحث رہی اور اکابر علماء دیوبند نے برابر اس کا اظہار کیا،

معارف السنن میں مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی یہی تحقیق نقل کی گئی ہے اور معارف میں ہی مولانا بنوری نے ذکر کیا ہے کہ جمعیۃ علماء کے اجلاس پشاور میں علامہ انور شاہ صاحب کشمیری نے مستحقین اس کو ثابت فرمایا تھا، مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی نے اپنے ایک فتویٰ میں ذکر فرمایا ہے ــــــ "یہی علماء محققین کی بھی رائے ہے" [۲]

مفتی محمد شفیع صاحب اپنی گرانقدر تالیف "اسلام کے نظام اراضی" میں جو کہ تقسیم و آزادی کے بعد تالیف کی گئی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں :

"۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان پر انگریزوں کے مکمل تسلط اور اسلامی حکومت کے آثار کالعدم ہو جانے کے بعد ہندوستان کا دار الحرب ہونا جمہور علماء ہند کے نزدیک محقق ہو چکا تھا، فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کا مستقل رسالہ اس موضوع پر شائع ہو چکا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تقسیم ملک کے بعد جو انقلاب آیا اس میں بھی وہ حصہ جو بعد تقسیم غیروں کے اقتدار میں رہا اس کے احکام انگریزی عہد سے کچھ مختلف نہیں ہو سکتے، اس لئے موجودہ حصہ کی صورت حال بھی شرعاً واضح ہے۔" [۳]

ایک بات یہ بھی ملحوظ رہے کہ دار الکفر و دار الحرب کی دو اقسام ہیں۔ (۱) "دار الکفر اصلی" :- کفار کے استبداد و اقتدار کا ایسا ملک ہے کہ جس پر کبھی مسلمانوں کا تسلط و اقتدار قائم نہیں ہوا اور "دار الکفر طاری" ــ ایسا ملک جس پر مسلمانوں کی حکومت اور ان کا تسلط و اقتدار تھا جس کو

---

[۱] معارف السنن ج ۵ ص ۲۱۸-۲۶۹ [۲] فتاویٰ دار العلوم جدید ج ۶ ص ۱۷۷
[۳] جواہر الفقہ ج ۲ ص ۲۶۳

کفار نے ان سے چھین لیا۔ ہندوستان اسی دوسری قسم کا دارالکفر ودارالحرب ہے [۱]

(ب) دارالکفر اور عشر وخراج

(۱) دارالکفر میں عشر وخراج معاف ہے

دارالکفر و دارالحرب کی زمین پر کوئی شرعی وظیفہ عائد نہیں ہوتا یعنی وہ عشر یا خراج کی تنفیذ و الزام (لازم کرنے) کا محل نہیں ہے، اس لئے کہ اسلامی احکام اور بالخصوص وہ احکام جو کہ مالیات سے متعلق ہیں اور جن کی تنفیذ و اجرا حکومت کے واسطے سے ہے، ایسے احکام کا محل و موقع دارالاسلام ہے نہ کہ دارالکفر، کم از کم فقہ حنفی میں اور امام ابوحنیفہ کے ایسے کئی مسائل موجود ہیں [۲]

اس بابت کوئی نص تو علم میں نہیں آسکی اور نہ ہی کوئی باقاعدہ صریح و استقلالی جزئیہ تاہم فقہاء کی بعض عبارات کی بنا پر ہمارے علماء یعنی اکابر علماء ہند یا علماء دیوبند اس مسئلہ کو ذکر کرتے رہے ہیں اور کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس پر متفق ہیں اگرچہ ان میں سے بیشتر کے اور اکثر فتاوی عشر وخراج کی ذکر و تفصیل پر مبنی ہیں، بلکہ فقہاء احناف کا بھی اتفاق معلوم ہوتا ہے۔

جن حضرات نے اس کی تصریح کی ہے یا ان سے اس کی صراحت و فتوی منقول ہے ان میں سے چند اہم، حسب ذیل حضرات علماء ہیں :

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی[۳]، مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی[۴]، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی[۵]، مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی[۶]، علامہ انور شاہ صاحب کشمیری[۷]

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے وجوب عشر وخراج کے قول سے رجوع کرکے اس کو اختیار کیا تھا[۸] اور سب سے زیادہ انھوں نے ہی اور بار بار اس کا ذکر فرمایا ہے۔

---

[۱] ایضاً ص۲۶۶ ملخصاً
[۲] ملاحظہ ہو تاتارخانیہ ج ۵ کتاب السیر
[۳] معارف السنن ج ۵ ص۳۱۶
[۴] فتاوی دارالعلوم جدید ج ۲ باب عشر
[۵] امداد الفتاوی ج ۲ ص۶۷-۶۸
[۶] جواہر الفقہ
[۷] معارف السنن ج ۵ ص۳۱۶
[۸] فتاوی دارالعلوم جدید ج ۲ ص۱۶۲-۱۶۳

" اب چند مدت ہوئی ہے کہ شامی جلد ثانی باب الرکاز میں یہ عبارت نظر پڑی جو ذیل میں درج ہے اور جس کا حاصل یہ ہے کہ اراضی دار الحرب نہ عشری ہیں نہ خراجی، یہ مسئلہ اب بوجہ تصریح فقہاء ہندوستان کی اراضی سے عشر کی نفی لکھنی پڑی۔ اور اس کے خلاف اب تک کہیں دیکھا نہیں کہ اراضی حرب میں وجوب عشر کی تصریح کی ہو، لہٰذا پہلے جو فتویٰ حسب قواعد عامہ وجوب عشر کا دیا جاتا تھا اب اس کو چھوڑنا پڑا" [1]

ایک دوسرے فتویٰ میں فرماتے ہیں :

" پھر کچھ زمانے کے بعد مالابد منہ میں حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تحقیق اور تصریح نظر پڑی کہ ہم نے اپنی کتاب میں زکوٰۃ کے مسائل کے ساتھ عشر کے احکام اس وجہ سے نہیں لکھے کہ ان دیار میں زمینیں عشری نہیں ہیں۔ اس کے ساتھ یہ ماننا بھی ضروری ہے کہ قاضی صاحب کا یہ حکم فرمانا کہ یہاں کی زمینیں عشری نہیں ہیں اس زمانہ کا متفقہ مسئلہ ہوگا کیونکہ قاضی صاحب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ۱۱۷۶ھ کے خاص تلمیذ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب وغیرہ کے ہم عصر ہیں اور سب حضرات باہم متفق ہیں، باہم کوئی خلاف نہیں ہے، ضروری ہے کہ یہ مسئلہ اس زمانہ کا متفق علیہ مسئلہ ہوگا کہ ہندوستان میں عشری زمینیں نہیں ہیں، پھر اس کے ساتھ عموماً یہ معمول دیکھ کر کہ کوئی اپنے بزرگوں میں عشر کا اہتمام مثل زکوٰۃ کے نہیں کرتا تعجب ہوتا تھا اور تردد بھی ہوتا تھا، اور گویا حضرت قاضی صاحب کی تحقیق کی تائید ہوتی تھی۔ کہ ایسا بھی کیا ہے کہ سب بزرگوں نے عشر کا اہتمام چھوڑ دیا، ضرور کوئی بات ہے جس کی وجہ سے عملاً یہ متروک ہوگیا ہے، وہ حضرات ہندوستان کی زمینوں کو عشری نہیں سمجھتے کیوں کہ ہندوستان کو وہ حضرات دار الحرب سمجھتے تھے" [2]

رہ گئی یہ بات کہ اس کے باوجود کم از کم علماء دیوبند حضرت گنگوہی وغیرہ بار بار وجوب عشر کو کیوں ذکر فرماتے رہے، تو مفتی صاحب موصوف نے اس اشکال کو ذکر کرکے اور اس کے

---

[1] فتاویٰ دار العلوم جدید ج ۶ ص ۱۶۳—۱۶۳ [2] ایضاً ص ۱۶۶—۱۶۵

کچھ مقتضیات کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:

"حضرت اقدس (گنگوہی) رحمۃ اللہ علیہ کا قول و فعل احتیاط پر مبنی کہا جاوے" [۱]

اور خود مفتی صاحب نے رجوع کے بعد اور اس کو مدلل و مبرھن کر کے ذکر کرنے کے بعد بار بار یہی تحریر فرمایا ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ عشر نکالا جائے اور خود بھی اسی پر عامل تھے [۲]

حضرت تھانوی نے جو عموماً وجوب عشر و خراج کو ذکر فرمایا ہے، فتاوی میں بھی اور دیگر مواقع میں بھی تو احقر سمجھتا ہے کہ اس کی بنیاد بھی یہی ہے، اس لئے کہ حضرت سے اس قسم کے فتاوی و اقوال کے موجود ہوتے ہوئے صراحۃً اور تائیداً بالتعیین یہ بات ذکر فرمائی ہے کہ ہندوستان چونکہ دارالحرب ہے لہذا یہاں کی زمین نہ تو عشری ہے اور نہ خراجی [۳] اور ایسے فتوی کے بعد اور اس کے ساتھ بھی احتمال و تشقیق یا احتیاط کی بنیاد پر عشر و خراج کی ادائیگی کو ذکر کیا گیا ہے۔ ایک فتوی میں مفتی عزیز الرحمن صاحب کے فتوی کی تصدیق و توثیق کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"ہاں صحیح ہے لیکن اگر کسی کے نزدیک یہ دارالاسلام ہو تو یہ حکم ہوگا" [۴]

ایک فتوی میں فرماتے ہیں:

"اگر بعض حضرات کی رائے کے مطابق کہ دارالحرب کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی، کوئی عمل کرے تو ابتلاء کی حالت میں گنجائش ہے" [۵]

ایک فتوی میں ہے:

"اگر ہندوستان ..... غیر دارالاسلام ہے تو اس کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی" [۶]

امداد الاحکام کے ایک فتوی میں ہے:

"اس ملک کے دارالحرب ہونے میں علماء کا اختلاف ہے اس لئے احتیاط اسی میں

---

[۱] ایضاً ص۱۶۶ [۲] ایضاً البتہ شاہ عبدالعزیز صاحب نیز قاضی صاحب وغیرھم کے نزدیک بنیاد کچھ اور معلوم ہوتی ہے جیسا کہ فتاوی عزیزیہ و معارف السنن سے معلوم ہوتا ہے۔ آگے اس کی تفصیل آنے والی ہے۔ ان شاء اللہ۔ [۳] امداد الفتاوی ج ۲ ص۴۲-۵۵، امداد الاحکام ج ۲ ص۳۷-۳۸

[۴] امداد الفتاوی ج ۲ ص۵۵ [۵] ایضاً ص۵۷ [۶] ایضاً ص۵۷

ہے کہ عشر دیا جائے۔[1]

بہر حال مجموعی طور پر فتاوی سے احتیاطاً اس حکم پر عمل کا علم ہوتا ہے۔ اور بعض فتاوی کی صراحت کے مطابق اس احتیاط کی بنیاد ہندوستان کی شرعی حیثیت کی بابت علماء کا اختلاف ہے نہ کہ وجوب عشر کا حکم اور اس کے دلائل، البتہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دارالحرب میں عشر وخراج کے سقوط کا حکم حضرت نے بطور رجوع اختیار کیا یا یہ کہ ابتداء سے یہی رائے رہی، فتاوی کے مجموعہ میں تو ۱۳۳۷ھ سے اس قسم کے فتاوی کا سلسلہ ملتا ہے۔ اس سے تو بظاہر رجوع سمجھ میں آتا ہے اگرچہ اس کی صراحت نہیں ملی۔

(۲) ایک اختلاف

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ علماء دیوبند اس پر متفق معلوم ہوتے ہیں کہ دارالحرب میں عشر وخراج کا حکم نہیں ہے۔ لیکن ایک اختلاف یہ ضرور پایا جاتا ہے کہ یہ حکم ہر دارالحرب کا ہے یا یہ کہ صرف اس دارالکفر ودارالحرب کا جو کہ اصلی ہے۔ اور ہندوستان یا اس جیسے ملک کا جو پہلے دارالاسلام تھا یہ حکم نہیں ہے۔

اس بابت عام رجحان تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی فرق نہیں، اس لئے کہ اکابر کے جو فتاوی محفوظ ہیں وہ سب ہندوستان کی بابت ہیں، مفتی محمد شفیع صاحب نے اس بابت اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ یہ حکم اصلی دارالحرب ودارالکفر کا ہے، ہندوستان جیسے ملکوں کا نہیں، جیسا کہ شرح السیر الکبیر کی عبارت سے واضح ہوتا ہے[2]، شرح السیر میں صاف صاف یہ عبارت موجود ہے:

"ان العشر والخراج انما یجب فی اراضی المسلمین وھذہ اراضی اھل الحرب لیست بعشریة ولاخراجیة"[3]

---

[1] امداد الاحکام ج ۲ ص۳۳ امداد الاحکام حضرت تھانوی کی خانقاہ ودارالافتاء سے صادر ہونے والے ان فتاوی کا مجموعہ ہے جو کہ حضرت کی حیات میں اور ان کی زیر سرپرستی تحریر کئے گئے اور ان کے علم میں لائے جاتے رہے۔ [2] جواھر الفقہ ج ۲ ص۲۲۵

[3] شرح السیر الکبیر ج ۴ ص۲۱۶۷

مفتی صاحب نے حضرت تھانوی کے ایک فتوی کی بھی یہی توجیہ کی ہے[۱]، اگرچہ دوسرے فتاوی سے اس کی تائید نہیں ہوتی، ویسے بعض قرائن سے عام رجحان کی تائید ہوتی ہے مثلاً یہ کہ ایسے علاقے جو کہ دارالحرب ہو گئے ہوں وہاں کے مسلمانوں کے لئے جو احکام فقہاء نے ذکر کئے ہیں جن میں کسی کو قاضی تجویز کرنے کی بات بھی آتی ہے ان احکام میں عشر و خراج کی ادائیگی وصول کرنے کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ البتہ جہاں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ کفار کی طرف سے مسلمانوں کا کوئی والی و حاکم تجویز کیا جائے یا مسلمان بنالیں اور طے کرلیں تو اس کے وظائف میں ضرور اس کا تذکرہ آیا ہے[۲]۔

اہم قرینہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے زیر قبضہ و زیر اقتدار جو علاقے ہوں خواہ وہ اس لئے کہ وہاں کے عام باشندے مسلمان ہوں اور ان کی باقاعدہ حکومت ہو یا یہ کہ باشندے غیر مسلم ہوں اور ان کی حکومت ہو مگر مسلمانوں سے ان کا باقاعدہ عہد ہوچکا ہو اور وہ ان کے پابند ہوں اگر ایسے علاقے سے مسلمانوں کا اقتدار ختم ہوجائے اور کفار کی حکومت قائم ہوجائے تو کتب فتاوی میں صراحۃً یہ مذکور ہے ــــ اور امام محمد سے نقل کیا گیا ہے کہ ایسے علاقوں کا حکم ان کے سابق حال کے مطابق ہوجائے گا اس اعتبار سے کہ اگر دوبارہ مسلمان اس کو فتح کرتے ہیں اور ان کا اقتدار قائم ہوتا ہے تو زمینوں اور غیر مسلم باشندوں کے ساتھ حسب سابق معاملہ کیا جائے گا، صرف اتنا فرق ہوگا کہ مسلمانوں کی جو املاک تھیں اگر مالکان حاضر ہوکر ثبوت پیش کردیں تو سابقہ شرعی وظائف کے ساتھ ان کی زمینیں ان کو ہی واپس کردی جائیں گی، یہ بھی اس وقت جب کہ وہ فتح و اقتدار جدید کے بعد زمینوں وغیرہ کی نئی تقسیم و تنظیم سے پہلے پہلے رابطہ کرکے حاصل کرلیں ورنہ نیا نظام جو نافذ ہوچکا اس کے مطابق ہی ان کو زمینیں مل سکیں گی[۳]۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب نے بھی اس سلسلہ کے ایک فتوی میں اس قسم کی عبارت سے استدلال کیا ہے، فرماتے ہیں:

---

[۱] ملاحظہ ہو جواہر الفقہ ج ۲ ص ۲۶۷-۲۶۹ [۲] تاتارخانیہ ج ۵ ص ۳۲۶

[۳] عالمگیریہ ج ۲ ص ۲۳۳، تاتارخانیہ ج ۵ ص ۳۳۲-۳۳۳، کتاب الاصل ج ۲ ص ۱۳۹-۱۴۰

" وفی العالمگیریة ـــــ ثم هذه الدار اذا صارت دار الحرب لو افتتحها الإمام ثم جاء اهلها قبل القسمة اخذوها بغير شيئ وبعد القسمة بالقيمة ولو افتتحها الإمام عادت الى الحكم الاول الخراجي يصير خراجيا والعشري يصير عشريا "

اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

" قلت فيه دلالة على ان ارض الاسلام اذا صارت دار الحرب لاتبقى خراجية ولاعشرية، دل عليها قوله عادت الى الحكم الاول " [1]

میں کہتا ہوں کہ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ دار الاسلام جب کہ دار الحرب ہو جاتا ہے تو اس کی زمینیں نہ عشری رہ جاتی ہے اور نہ خراجی۔ عادت الی الحکم الاول کے الفاظ اسی پر دلالت کرتے ہیں۔

(۳) استدلال و دلائل

دار الکفر و دار الحرب میں عشر و خراج کے واجب و لازم ہونے کی بابت استدلال و دلائل کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے متعلق کسی نص کا علم نہیں ہو سکا اور نہ ہی استقلالاً و باقاعدہ کسی کلیہ یا جزئیہ کا۔ علامہ انور شاہ صاحب فرماتے ہیں :

" اعلم أن اراضى بلاد الهند ليست بعشرية لأنها اصبحت من دار الحرب ـــ وهكذا اتحقق عندى من كتب الفقه " [2]

ہندوستان کے دار الحرب ہو جانے کی وجہ سے اب یہاں کی زمینیں عشری نہیں رہ گئی ہیں، میرے نزدیک کتب فقہ سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔

لیکن شاہ صاحب کے بیان اور معارف السنن کی تفصیل و توضیح میں دلائل کی بابت کچھ زیادہ وضاحت نہیں ہے۔ ایسے تمام حضرات کے استدلال میں شامی کی ایک عبارت ہی ملتی ہے، بعض حضرات نے

---

[1] امداد الاحکام ج ۲ ص ۳۳ [2] معارف السنن ج ۵ ص ۲۱۵

شرح سیر کبیر کی بھی ایک عبارت ذکر کی ہے[1] اور شامی کی مذکورہ عبارت بھی تبعاً آئی ہے اور اصل متوقع بحث یعنی عشر و خراج سے متعلق بحث میں نہیں بلکہ ایک دوسری بحث اور باب میں ہے، عبارت یہ ہے :

ان أرضها (الی ارض الحرب او أرض دارالحرب) لیست أرض خراج أو عشر"

یہ عبارت کہاں اور کس سیاق میں آئی ہے پوری تفصیل پیش کی جارہی ہے۔ کتب فقہ میں ایک بحث یہ آتی ہے کہ کسی شخص کو اگر کوئی خزانہ کسی زمین میں ملتا ہے تو اس کے کیا احکام ہوں گے، اس سلسلہ میں فقہ حنفی کی کتابوں میں یہ عبارت آتی ہے :

"مسلم او ذمی وجد معدن ذهب اوفضة اوحديد اورصاص أونحاس فی أرض عشر وخراج"[2]

یہ عبارت فقہ حنفی کی مشہور متن "ملتقی الابحر" کی ہے، اور معمولی فرق و اختلاف کے ساتھ فقہ حنفی کے تمام متنوں و شروح میں موجود ہے[3]، بحث یہ ہوئی کہ فقہاء نے یہ قید کیوں لگائی کہ عشری و خراجی زمینوں کے خزانہ کا یہ حکم ہے؟ عام طور سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ مقصد یہ ہے کہ اگر رہائشی مکانوں کے اندر خزانہ ملتا ہے تو یہ حکم نہیں ہوگا۔ علامہ شامی نے یہ ذکر کیا ہے کہ مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دارالحرب کی زمین نہ ہو، اس لئے کہ دارالحرب کی زمین اور اس کے خزانے کے احکام دوسرے ہیں پھر اپنے اس خیال کی تائید میں ایک عبارت نقل کی ہے۔ اس عبارت کی ابتداء میں وہ ٹکڑا و جملہ آیا ہے جو کہ اس مسئلہ میں محل استدلال بن گیا ہے۔ ملاحظہ ہو :

"ثم رأيت عين ماقلته فی شرح الشيخ اسماعيل حيث قال — ويحتمل ان يكون احترازاً عما وجد فی دارالحرب فان أرضها ليست أرض خراج أو عشر"[4]

---

[1] جواهر الفقه ج۲ ص۲۶۶

[2] الملتقی "أبحر مع شرحه الدر المنتقی علی هامش مجمع الانهر ج ۱ ص۲۱۳

[3] الدر المنتقی، مجمع الانهر ج ۱ ص۲۱۳، البحر الرائق مع الکنز ج ۲ ص۲۲۲، فتح القدیر مع الهدایة ج ۲ ص۱۸۰، الدر المختار مع الرد ج ۲ ص۴۴۶ [4] شامی ج ۲ ص۴۸

یعنی ہمارے فقہائے جو یہ کہا ہے کہ "عشری و خراجی زمین کا خزانہ نہ ہو" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دارالحرب کی زمین سے اس کو نہ حاصل کیا گیا ہو۔ یہ اس لئے کہ وہاں کی زمین ہی ایسی ہوتی ہے کہ جس میں عشر و خراج کا حکم نہیں ہوتا۔

بظاہر اس عبارت کے علاوہ کوئی دوسری عبارت ان حضرات کے استدلال میں نہیں آتی ہے کہ جس میں دارالحرب کی زمین سے متعلق اس قسم کے حکم کا ذکر کیا گیا ہو، سارے ہی حضرات نے علامہ شامی کی نقل کردہ اس عبارت کی اس صراحت پر اعتماد کرتے ہوئے ہی یہ استدلال کیا ہے۔

(۴) استدلال کا جائزہ

ظاہر ہے کہ دارالکفر و دارالحرب سے متعلق مذکورہ حکم پر ہمارے اکابر متفق یا متفق سے ہیں اور استدلال پر مطمئن بھی، اور اتفاق سے ان حضرات کی تحریرات میں اس استدلال پر کوئی باقاعدہ بحث یا تفصیل بھی نہیں مل سکی اس لئے مجھ جیسے کو زیب تو نہیں دیتا۔ مگر علمی مسئلہ ہے اور بعض حضرات کی بحث و تحقیق سے تقویت بھی ملتی ہے اس لئے جسارت کرتا ہوں کہ کچھ عرض کروں۔

شرح السیر الکبیر کی جس عبارت سے استدلال کیا جاتا ہے اس پر تو نقد و تبصرہ مفتی محمد شفیع صاحب و مفتی رشید احمد صاحب نے بھی کیا ہے، البتہ مفتی محمد شفیع صاحب نے فرمایا ہے کہ اس میں "دارالکفر اصلی" کے حکم کا بیان ہے نہ کہ "دارالکفر طاری" کا[۱] اور مفتی رشید صاحب کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ اس میں اس کا تذکرہ ہے کہ دارالکفر کے کافر باشندوں کی زمین پر کوئی وظیفہ نہیں ہے مسلمانوں کی زمین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے[۲]

سیر کبیر اور شرح السیر الکبیر میں یہ عبارت جس سیاق و تفصیل کے ساتھ آئی ہے واقعہ یہ ہے کہ اس کا تعلق دارالکفر و دارالحرب کے باشندگان کی زمین سے ہے نہ کہ وہاں کے مسلمان باشندوں کی زمین سے۔ اس لئے اس سے تو مفتی رشید احمد صاحب کی ہی تائید ہوتی ہے۔

امام محمد علیہ الرحمہ نے سیر کبیر میں ایک مسئلہ یہ ذکر فرمایا ہے کہ اگر مسلمانوں کی کوئی فوج یا

---

[۱] جواہر الفقہ ج ۲ ص ۲۶۵ [۲] احسن الفتاوی ج ۴ ص ۳۱

ان کا دستہ اپنی طاقت و زور کی بنیاد پر دارالحرب کے کسی حصہ میں کچھ عرصہ کو مقیم ہو جاتے اور اس عرصہ میں کاشت کرے تو اگر بیج وہ دارالاسلام سے ساتھ لے گئے تھے تو ساری کھیتی جن لوگوں کا بیج ہو ان کی ہو گی اور اگر کسی طرح دارالحرب سے بیج حاصل کیا ہو تو بیج کی بقدر پیداوار کی حیثیت مال غنیمت کی ہو گی اور بقیہ کاشت کرنے والوں کا، اس مسئلہ کو ذکر کرتے ہوئے پہلی شق یعنی جب کہ بیج دارالاسلام سے لے جایا گیا ہو ــــ کے متعلق یہ فرماتے ہوئے کہ کاشت سب کی سب ان کی ہو گی، امام محمد نے فرمایا ہے "ولاعشر ولاخراج" امام محمد کی اس عبارت کی شرح میں امام سرخسی فرماتے ہیں:

"لأن العشر والخراج إنما يجب في اراضي المسلمين وهذه اراضي اهل الحرب ليست بعشرية ولاخراجية" [۱]

عشر و خراج اس کھیتی میں اس لئے واجب نہیں ہے کہ ان کا وجوب ان زمینوں میں ہوتا ہے جو کہ مسلمانوں کی ہوں (یعنی ان کی ملک اور ان کے زیر اقتدار) اور یہ تو اہل حرب کی زمینیں ہیں جو کہ عشری و خراجی نہیں ہوتیں۔

اس پوری تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس میں مسلمانوں کی مملوکہ و زیر دست و تصرف زمین کا حکم بیان ہی نہیں کیا گیا ہے۔ جیسے کہ اس کا اصلاً وجوب عشر و خراج کے مسئلہ د موضوع سے اور اس کے موقع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

رہ گئی شامی میں آنے والی عبارت وجزئیہ تو اس کی بھی اسی انداز کی توضیح مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نے اپنی کتاب "کتاب العشر والزکاۃ" میں کی ہے اور مفتی رشید احمد صاحب نے بھی اور مولانا رحمانی نے تو اس عبارت نیز استدلال اور مستدلین سب پر سخت تبصرہ بھی فرمایا ہے، مفتی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں:

"بعض حضرات کو شامیہ باب الرکاز کی عبارت "فان أرضها أي دارالحرب ليست أرض خراج أو عشر" سے مغالطہ لگا ہے کہ یہ دارالحرب میں رہنے والے

---

[۱] السیر الکبیر مع شرح للسرخسی ج ۴ ص ۲۱۶۲

مسلمانوں کی اراضی کا حکم ہے کہ ان پر نہ عشر ہے نہ خراج، حالاں کہ مقصد یہ ہے کہ اہل حرب کی اراضی پر عشر یا خراج نہیں کیوں کہ وہ احکام شرع کے مکلف نہیں چنانچہ شمس الائمہ سرخسی کی عبارت اس مراد کی وضاحت کرتی ہے" ونصہ — ان العشر والخراج انما یجب فی اراضی المسلمین وھذہ اراضی اھل الحرب لیست بعشریۃ ولاخراجیۃ (شرح السیر الکبیر ۴/۳۲ له)

یعنی اس عبارت میں جو عشر وخراج کی نفی کا تعلق ہے، وہ اس زمین سے ہے جو کہ دارالحرب کی اور اہل حرب کی ہو، مسلمانوں کی زمین سے اس کا کوئی تعلق نہیں خواہ ان کی زمین دارالحرب میں کیوں نہ ہو جب کہ وہ دارالحرب میں سکونت پذیر ہوں۔ مولانا رحمانی صاحب نے بھی اس عبارت کا محمل یہی ذکر فرمایا ہے ٢ه

شامی کی عبارت کی مذکورہ توجیہ کی تائید باب الرکاز میں آنے والے مسائل اور تفصیل سے نیز السیر الکبیر اور اس کی شرح کی عبارت سے بھی ہوتی ہے، اس اعتبار سے کہ یہ مذکورہ قید اسی زمین کو پیش نظر رکھے ہوئے ہے کہ جو دارالحرب کی ہو اور وہاں کے غیر مسلم باشندوں کی ملک اور ان کے زیر اقتدار و زیر تصرف ہو۔

(۵) شامی کی عبارت کی حیثیت

اس توجیہ و تفصیل کے بعد پھر ان عبارات یا مذکورہ عبارت سے اس استدلال کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ پھر یہ استدلال اصولی طور پر بھی محل نظر ہے، اس لئے مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نے سخت الفاظ میں اس پر تبصرہ فرمایا ہے، مولانا فرماتے ہیں کہ شامی کی یہ عبارت:

"مجمل — بلا سند — غیر منسوب الی امام — ہے، نہ دلیل، نہ دوسری کتاب میں۔ اس لئے نہ لائق اعتبار، نہ قابل استناد، نہ لائق فتوی" ٣ه

له احسن الفتاوی ج ۴ ص ۳۱

٢ه کتاب العشر والزکاۃ ص ۱۵۳ حاشیہ ٣ه ایضا

اس کے بعد انھوں نے اس عبارت کا وہ محمل تجویز فرمایا ہے جس کو پیچھے ذکر کیا گیا ہے۔ مولانا نے اس عبارت پر جو تبصرہ و نقد فرمایا ہے، مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر وہ لائق توجہ ہے، ایک طرف تو عشر کی شرعی حیثیت اور اس کے وجوب کے وافر قطعی و قوی دلائل جن میں کوئی استثنار و تفصیل کہیں نہیں ہے دوسری طرف صرف ایک یہ عبارت، نہ تو بطور قاعدہ و کلیہ اس قسم کی کوئی بات کسی کتاب میں، اور نہ ہی بحیثیت جزئیہ کوئی صاف صریح چیز اپنے موقع پر کسی جگہ، نہ ائمہ مذاہب یا متقدمین و متاخرین اہل تحقیق کی کوئی صراحت و وضاحت، نہ ہی ایسی کسی دلیل کا تذکرہ اور اس پر روشنی کی جس سے اس فرق کی وضاحت ہوتی ہو اور پھر مذکورہ عبارت میں بھی یہ صاف صاف نہیں کہ دار الحرب کی کوئی زمین بھی عشری و خراجی نہیں ہوتی اگرچہ مسلمانوں کے زیر تصرف کیوں نہ ہو۔

رہ گیا تاتارخانیہ وغیرہ کا جزئیہ اور یہ مسئلہ کہ دار الاسلام دار الکفر بن جائے تو سابق حیثیت ختم۔ تو خود ان جزئیات میں یہ صراحت موجود ہے کہ سابق مسلمان مالکان جو اپنی اراضی حاصل کریں گے ان کی سابق عشری یا خراجی حیثیت ہی برقرار رہے گی، اور ساتھ ہی یہ کہ جن اراضی کے متعلق ثبوت فراہم کر کے حاصل نہ کیا جا سکا، ان کے ساتھ حکومت وہی معاملہ کرے گی جو کہ اس ملک و علاقہ کو پہلی مرتبہ فتح کرنے کے موقع پر کیا گیا ہو یعنی جو زمینیں سابق مسلمان مالکان نے حاصل کرلیں ———— بقیہ سب حکومت کے زیر تصرف اور ان کی سابق جو بھی حیثیت رہی ہو یا جس کی ملک بھی رہی ہوں وہ سب ختم اب نئے سرے سے جس کو ملیں گی، حسب ضابطہ احکام ہوں گے ———— تو یہ تو دار الاسلام میں بھی بعض زمینوں کے متعلق ہوتا رہتا ہے، ہمارے فقہا نے بار بار ذکر کیا ہے کہ دار الاسلام میں جو زمینیں مالکان کے لاوارث فوت ہونے یا لاپتہ ہو جانے کی وجہ سے حکومت کے زیر تصرف آجائیں ان کا حکم اب سابق حکم سے مختلف ہوگا یعنی حکومتیں نیا تصرف و معاملہ جس قسم کا کریں گی اس کے مطابق کرایہ و اجارہ کے طور پر عوام سے کاشت کرائیں یا حسب صوابدید عارضی طور پر یا مستقل کسی کو دے دیں یا کوئی ان سے بالعوض حاصل کرلے، سب کے الگ الگ احکام ہوں گے[1] حتی کہ بعض حضرات نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ ایسی جو زمینیں بالعوض حکومت سے حاصل

---

[1] ملاحظہ ہو شامی وغیرہ میں اراضی سلطانیہ سے متعلق احکام

کی جائیں گی ان میں نہ توعشر ہوگا اور نہ خراج [۱]

پھر یہ کہ تاتارخانیہ وغیرہ میں یہ حکم صرف زمین وجائداد کی حد تک ہے، بقیہ املاک واموال کے تومسلمان ہی مالک رہیں گے۔ اس صورت میں بھی جب کہ مسلمان باشندے ہوں وہاں کے اور اس صورت میں بھی جب کہ دارالاسلام کا کوئی مسلمان وہاں جاکر کچھ جائداد بنالے۔ البتہ امام ابویوسف دوسرے فقہاء کی طرح یہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ کسی مسلمان کے مالکانہ تصرفات میں ہو وہ سب کا سب اس کا ہوگا [۲] اور مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے امام ابویوسف کی رائے کو ترجیح دی ہے۔

(ج) مسئلہ کا دوسرا رُخ

زمینوں کا شرعی وظیفہ ہر جگہ

دارالحرب کے مسلمانوں کی زمینوں پر شرعی وظیفہ کے عائد ہونے کا ایک رُخ تو یہ ہے جس کی تفصیل مع استدلال پیش کی گئی، اور دوسرا رُخ یہ ہے کہ

(۱) دارالکفر بھی محل احکام ہے

(الف) کسی ملک کے دارالکفر و دارالحرب ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ شرعی طور پر آزادی کی جگہ ہے اور وہاں کے مسلمانوں سے کسی قسم کا کوئی مطالبہ نہیں اور ان پر کوئی حکم عائد نہیں ہوتا۔ بس خاص بات یہ ہوتی ہے کہ جن احکام کی ادائیگی کے لئے حاکم وحکومت کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان سے متعلق نہیں ہوتے، اس لئے کہ مسلم حکمرانوں کا ایسے ملکوں کے اندر اثر و رسوخ نہیں ہوتا کہ وہ اس کے ذریعہ دارالکفر کے مسلمان باشندوں کا مواخذہ دگرفت کریں اور خود وہاں کوئی نظم قائم ہوجائے خواہ مسلمان خود کرلیں یا یہ کہ ان کی کافر حکومت اس کا نظم کردے اور اس کو قبول کرلے تو پھر تمام احکام جاری ہوتے ہیں اور ہوں گے، تاتارخانیہ میں ہے:

---

[۱] ردالمحتار ۳/ ۵۰ ناقلاعن صاحب البحر

[۲] اعلاء السنن ۱۲/ ص ۱۳۸ تا ص ۱۵۳ وص ۲۲۱ وغیرہ

"وكل مصرفيه وال مسلم من جهتهم يجوزفيه اقامة الجمعة والأعياد وأخذ الخراج وتقليد القضاة وتزويج الأيتام لاستيلاء المسلم عليهم"[۱]

کفار کے ملک کے جس شہر وعلاقہ میں کفار کی طرف سے کوئی مسلمان حاکم تجویز ہو تو اس میں جمعہ وعیدین کا قیام اور خراج کی وصولی اور قضاۃ کی تعیین اور یتیموں کی شادی (وغیرہ جیسے) تمام امور جائز ہیں اس لئے کہ مسلمانوں کا حاکم مسلمان ہی ہے۔

خلاصہ یہ کہ مواخذہ وگرفت کے احکام ان کے لئے نہیں ہوتے ورنہ تو وہ مسلمان ہونے کی وجہ سے اور مسلمان ہونے کے ساتھ اسلامی زندگی وشرعی احکام کے پابند ہوتے ہیں، نماز وروزہ کی ادائیگی ان پر فرض ہوتی ہے، اسی طرح اور دیگر حلال وحرام، حقوق اللہ وحقوق العباد کا ان کو خیال رکھنا ہوتا ہے، کتاب وسنت کی نصوص اور فقہا کی تصریحات سب سے یہ واضح ہے۔

مدینہ منورہ کی ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ کی زندگی سب سے بڑی واضح دلیل ہے، نماز مکہ مکرمہ میں فرض ہوئی اور وہیں سے اس کا مطالبہ رہا۔ اس لئے علماء نے اس کی صراحت کی ہے جیسے کہ دیگر احکام سے متعلق خود ہمارے ائمہ کی بھی صراحت ملتی ہے حتیٰ کہ دارالحرب میں کئے جانے والے معاملات سے متعلق بھی اور قتل وغیرہ سے متعلق بھی۔ کوئی مسلمان، خواہ دارالاسلام کا باشندہ ہو جو کسی طرح دارالکفر ودارالحرب میں پہنچ گیا ہو یا وہیں اسلام لایا ہو اور وہیں رہتا ہو۔ اگر دارالکفر کے اور کوئی ایسا مالی معاملہ کسی مسلمان کے ساتھ کرتا ہے جو کہ شرعاً جائز نہیں ہے تو امام صاحب کے یہاں تو کچھ گنجائش ہے باقی جمہور حتیٰ کہ صاحبین بھی منع کرتے ہیں۔

اسی طرح دارالکفر ودارالحرب کے اندر اگر کسی مسلمان کا دوسرے مسلمان کے ذریعہ قتل ہو جائے۔ تو کم از کم کفارہ کے وجوب پر تو ہمارے ائمہ متفق ہیں اور امام ابویوسف ہر صورت میں اس کے ساتھ دیت کو بھی واجب قرار دیتے ہیں اگرچہ استحساناً ہو بعض صورتوں میں امام صاحب بھی موافق ہیں اور امام محمد اکثر مواقع میں موافقت کرتے ہیں[۲]

---

[۱] تاتارخانیہ ۵/۳۲۶ [۲] تاتارخانیہ ۵/۳۳۸، ۳۴۱، ۳۴۲

دارالحرب کا مسلمان اگر ناواقفیت کی وجہ سے نماز و روزہ چھوڑ تا رہے۔ اور دارالاسلام جانے یا منتقل ہونے پر اس کو علم ہو تو امام ابویوسف اور عام فقہاء کہتے ہیں کہ اس کو نماز و روزہ کی قضا کرنی ہوگی [۱]

السیر الکبیر اور اس کی شرح میں یہ بھی صراحت موجود ہے کہ دارالحرب میں رہتے ہوئے اموال پر زکوٰۃ بھی واجب ہے بس یہ کہ فیما بینہ وبین اللہ ادا کرے گا، امام المسلمین نہیں لے گا [۲]، یعنی مواخذہ نہیں کرے گا اس لئے کہ اس کا عمل و دخل نہیں ہے۔ اور اگر زکوٰۃ نہ ادا کی، سالہا سال گذر گئے تو عام فقہاء کہتے ہیں کہ جب مسلمانوں کا اقتدار قائم ہو (یا یہ کہ اس کو علم ہو، یا دارالاسلام منتقل ہو) تو سالہائے گذشتہ کی زکوٰۃ ادا کرے گا [۳] بظاہر ہمارے فقہاء اور بالخصوص امام صاحب زکوٰۃ کی قضا کو بھی واجب نہیں کرتے۔

بہرحال ایسا نہیں کہ دارالکفر و دارالحرب میں مسلمان پر شرعی احکام و مطالبات نہیں ہیں۔ بیشک ہیں اور بالاتفاق ہیں البتہ نوعیت کا فرق ہے۔

(۲) نصوص عشر کا عموم اور اس کا تقاضا

(ب) پھر یہ کہ وجوب عشر کی نصوص عام و مطلق ہیں جن کا تقاضا ہر مسلمان کی زمین پر اس وظیفہ کے عائد ہونے کا ہے۔ خراج کا مطالبہ و وجوب تو اس کو ساقط کر دیا کرتا ہے (کم از کم عند الاحناف) ورنہ اس کا وجوب مسلمانوں کی زمینوں پر اسی طرح سمجھ میں آتا ہے جیسے کہ زکوٰۃ کا وجوب املاک میں سب ہی مانتے ہیں، نصوص کے اس تقاضے کا تذکرہ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے بھی کیا ہے [۴] اور کفایت المفتی کے ایک مبسوط فتوی میں جو کہ بعض اکابر دیوبند کا تصدیق کردہ ہے۔ (اگرچہ مفتی کفایت اللہ صاحب کا تحریر کردہ نہیں ہے بلکہ ان کا نوٹ ہے) اس میں بھی اس کا ذکر ہے [۵] مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نے بھی اس پہلو سے کافی گفتگو فرمائی ہے [۶] اور مفتی عزیز الرحمٰن صاحب

---

[۱] ایضاً ص ۳۳۳، المغنی ۲/۶۸۸ [۲] السیر الکبیر مع شرح ص ۳۶ — ۲۱۲۵ [۳] المغنی ۲/۶۸۸

[۴] فتاوی دارالعلوم جدید ۶/۱۴۷ [۵] کفایت المفتی ص ۲۹۹ تا ۳۰۲ [۶] ملاحظہ ہو کتاب العشر والزکوٰۃ

نے تو اسی بنیاد پر احتیاطاً ہی وجوب عشر کو ذکر فرمایا ہے لیکن مولانا رحمانی صاحب وغیرہ نے وجوبی طور پر ذکر فرمایا ہے۔ مفتی رشید احمد صاحب بھی بظاہر دارالکفر و دارالحرب میں مطلقاً وجوب کے قائل ہیں اس لئے کہ انھوں نے شامی کے جزئیہ کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ اس کا تعلق دارالحرب کے غیر مسلم باشندوں کی زمین سے ہے نہ کہ مسلم باشندوں کی زمین سے[1]

(ج) پھر یہ کہ ہمارے فقہاء عشر کے وجوب کو پیداوار کی ملک سے متعلق کرتے ہیں۔ اور سقوط عشر کے استدلال کی کیا حیثیت ہے تفصیل آچکی ہے۔ اس سب کا تقاضا دارالکفر میں بھی ادائیگی عشر کا ہے۔

(۳) مولانا ظفر احمد صاحب کا محققانہ فیصلہ

شرعی وظیفہ ہر مسلمان کی زمین پر

یہ بحث مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کی اس سلسلہ کی فیصلہ کن و محققانہ رائے پر ختم کی جاتی ہے۔ مولانا نے اعلاء السنن میں ایک عنوان قائم کیا ہے: "حکم ارض الحرب اشتراھا مسلم أو أسلم علیھا ھل ھی خراجیة أو عشریه" اس کے تحت شامی کا گذشتہ جزئیہ اور سیر کبیر و شرح السیر کی عبارت نیز بعض دوسری عبارات نقل فرمائی ہیں۔ اس کے بعد مولانا فرماتے ہیں:

"یہ جو کہا جاتا ہے کہ دارالکفر و دارالحرب کی زمین نہ عشری ہے اور نہ خراجی تو اس کا مبنی بظاہر یہ ہے کہ زمین و جائداد جو کسی کے تصرف میں ہوتی ہے، اس پر متصرف کا قبضہ حقیقی نہیں ہوتا بلکہ حقیقی قبضہ تو اس علاقہ کے حاکم و حکومت کا ہوتا ہے، لہٰذا اہل حرب (دارالحرب کے باشندوں) کی زمین میں عشر نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ ان کے حاکم کے قبضہ میں ہوتی ہے اور (مسلمان اگر حملہ آور ہوئے تو) ان کا حاکم (گرفتار ہوکر) مسلمانوں کا مملوک (اور ان کے لئے مال غنیمت) شمار ہوگا تو جو کچھ اس کے قبضہ میں وہ بھی مسلمانوں کی ملکیت و غنیمت ٹھہرے گا۔ اور عشر صرف اس زمین پر ہوتا ہے جو کہ

---

[1] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۶۷

مسلمانوں کے قبضہ (اور مکمل ملک) میں ہو، اور اس زمین پر خراج اس لئے نہیں ہو گا کہ خراج کا وجوب صرف دارالاسلام کے اندر ہے کیونکہ یہ اسلام کے ان مخصوص احکام میں سے ہے جو کہ صرف دارالاسلام میں رہنے والوں پر جاری ہوتے ہیں۔"

البتہ امام ابویوسف کے قول کا تقاضہ یہ ہے کہ دارالحرب کے مسلم باشندوں کی زمین پر عشر واجب ہو، اس لئے کہ امام ابویوسف یہ فرماتے ہیں کہ اگر دارالحرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے تو وہاں کے مسلم باشندوں کی جملہ املاک مسلمانوں کی ہی رہیں گی وہ غنیمت میں شامل و شمار نہ کی جائیں گی، اور عشر زمین کی زکوٰۃ ہے، جیسے کہ اموال کی زکوٰۃ ہوا کرتی ہے وہ اس پر واجب ہو گی اسی طرح عشر بھی اس پر واجب ہو گا۔

اور پیچھے ایک باب میں یہ بات گذر چکی ہے کہ قوتِ دلیل کی بنا پر امام ابویوسف کا قول ہی ہمارے نزدیک راجح و صحیح ہے اور اس میں عامۃ الناس کی رعایت بھی زیادہ ہے، اس لئے دارالحرب کا جو باشندہ اسلام لائے اس کی زمین پر عشر کا وجوب ہی راجح ہے۔ اور جب اس کی زمین پر عشر واجب ہے تو جو لوگ وہاں کے رہنے والے ہیں اور پشتہا پشت سے مسلمان ہیں جن لوگوں نے اس علاقے کو فتح کیا تھا ان کی اولاد ہیں یا یہ کہ ان کے باپ دادا اسلام لائے تھے اور پورا علاقہ دارالاسلام تھا، پھر کافروں کا تسلط و اقتدار ہو گیا اور کفار حکمرانوں نے ان کی املاک سے کوئی تعرض نہ کیا۔ تو اگرچہ مجھ کو صراحتہً کوئی چیز نہیں ملی لیکن چوں کہ امام ابویوسف کا قول ہمارے نزدیک راجح ہے۔ اس کا تقاضہ یہی ہے کہ ایسے لوگوں کی زمین پر بھی عشر واجب ہو۔

چند سطروں کے بعد مولانا فرماتے ہیں:

"ہمارے علماء نے صراحت کی ہے کہ چوں کہ امام ابویوسف کا قضا سے تعلق رہا اور خوب تجربہ رہا۔ لہٰذا قضا و اوقاف کے باب میں ان کے قول کو ترجیح دی جائے گی اور اسی پر فتویٰ دیا جائے گا، اسی طرح زمین سے متعلق احکام، عشر و خراج میں بھی ان کے قول کو ترجیح ہونی چاہئے اس لئے کہ عشر و خراج کا زمین سے اسی طرح کا تعلق ہے جیسا کہ اوقاف کا ہے"[1]

---

[1] اعلاء السنن ج ۱۲ ص ۲۲-۳۲۱

مولانا ظفر احمد صاحب نے نیز مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نے بھی اپنے استدلال میں ایک عبارت کو بھی ذکر کیا ہے جس میں اس بابت ایک اصولی مسئلہ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ عبارت مسلک امام ابویوسف کی "کتاب الخراج" میں بھی ہے اور امام محمد کی کتاب الاصل میں بھی کتاب الاصل کی عبارت نقل کی جاتی ہے:

"قلت: أرأيت قوما من أهل الحرب أسلموا في دارهم أيكون أرضهم من أرض العشر، قال: نعم قلت: لم؟ قال: لأنهم أسلموا عليها ولم يفتح المسلمون بلادهم فيكون فيئا فأرضهم من أرض العشر"

امام محمد سے دریافت کیا گیا کہ جو اہل حرب اپنے ملک میں رہتے ہوئے مسلمان ہو جائیں تو کیا ان کی زمینیں عشری ہوں گی؟ فرمایا ہاں! اس پر دریافت کیا گیا کہ ایسا کیوں ہے؟ تو فرمایا اس لئے کہ وہ خود سے اسلام لائے ہیں مسلمانوں نے ان پر حملہ کر کے ان کو زیر نہیں کیا ہے اس لئے ان کی زمین فئی قرار پا کر عشری زمین ہو گئی۔ اس کے بعد نظیر میں حجاز و یمن وغیرہ کے علاقوں کا حال اور ان کا حکم ذکر کیا گیا ہے [۱]

البتہ احقر کے خیال میں ان حضرات کا یہ فرمان اس صورت کے لئے ہے جب کہ پورا علاقہ اور پورا ملک اسلام لے آئے، جیساکہ مذکورہ علاقوں میں ہوا تھا نہ یہ کہ بعض افراد۔ تاہم اس ضمن میں بعض افراد بھی آ ہی جاتے ہیں۔

(د) دارالکفر کی زمین کا شرعی وظیفہ

صرف عشر یا عشر وخراج دونوں

یہ طے ہو جانے کے بعد کہ دارالکفر کے مسلمانوں کی زمین پر بھی شرعی وظیفہ ہے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ وظیفہ کیا ہوگا؟ صرف عشر یا حسب ضابطہ خراج بھی۔ یہ سوال خصوصیت

---

[۱] کتاب الاصل ج ۲ ص ۱۳۶ تا ۱۴۰، الخراج لابی یوسف ص ۶۲-۶۳، اعلاء السنن ج ۱۲ ص ۴۲۳

سے بعض حضرات کی بحث اور تفصیل وتحقیق کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، اور یوں بھی تعیین وتوضیح کی ضرورت ہے۔

عام فتاویٰ میں تو جہاں شرعی وظیفہ کی ادائیگی کی بات آئی ہے، عشر وخراج دونوں کی بات آئی ہے اور جن حضرات نے تحقیقی طور پر کچھ لکھا ہے مثلاً مفتی محمد شفیع صاحب و مفتی رشید احمد صاحب و مفتی نظام الدین صاحب[۱] ان حضرات نے بھی حسب ضابطہ دونوں کے لزوم وادائیگی کو ذکر کیا ہے۔ لیکن بعض حضرات کا رجحان یہ ہے یا معلوم ہوتا ہے کہ صرف عشر ہی ہوگا خراج نہیں۔

کفایت المفتی میں مفتی جمیل الرحمٰن صاحب کا جو مبسوط فتویٰ ہے، جو کہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب نیز مفتی مسعود احمد صاحب (مفتیان دار العلوم دیوبند) کا تصدیق کردہ بھی ہے۔ اس میں مدلل طور پر یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ عشر ہی دینا ہوگا۔ اس لئے کہ عشر اصل وظیفہ ہے اور خراج دار الاسلام ہے، اور ملک دار الاسلام رہا نہیں[۲]، مفتی محمد شفیع صاحب نے بھی ذکر فرمایا ہے کہ بعض حضرات اطلاقاً عشر کو فرماتے ہیں[۳] مولانا ظفر احمد صاحب کی جو تحریر ورائے پیچھے نقل کی گئی اس سے بھی کچھ ایسا ہی مترشح ہوتا ہے اس لئے کہ مولانا نے اس بحث کی تمہید میں جو عبارتیں نقل کی ہیں ان میں سیر کبیر کی یہ عبارت بھی آئی ہے :

" ان خراج الأرض لایجب إلا علی من ھو من اھل دار الإسلام لأنه حکم من احکام المسلمین وحکم المسلمین لایجری إلاعلی من ھو من أھل دار الاسلام"[۴]

یعنی زمین کا خراج اسی پر واجب ہوتا ہے جو کہ دار الاسلام کے رہنے والوں میں سے ہو۔ اس لئے کہ یہ مسلمانوں کے احکام میں سے ہے۔ اور مسلمانوں کے احکام انھیں لوگوں پر جاری ہوتے ہیں جو کہ دار الاسلام میں رہتے ہوں۔

---

[۱] جواھر الفقہ جلد دوم رسالہ عشر وخراج، احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۶۸—۳۷۲، نظام الفتاویٰ ۳۵۷/۱

[۲] کفایت المفتی ج ۴ ص ۲۹۹—۳۰۲ [۳] جواھر الفقہ ۲۶۵/۲

[۴] اعلاء السنن ۴۲۱/۱۲ - بحوالہ السیر الکبیر ۳۵۳/۴

ان عبارات کے بعد کی گفتگو میں مولانا نے "لاخراجیہ" کی تفسیر وتشریح میں بھی فرمایا ہے کہ خراج اس لئے نہیں کہ خراج دار الاسلام میں ہوتا ہے[1] "امداد الاحکام" کے ایک فتوی میں بھی اسی انداز کا مضمون آیا ہے[2]

امام سرخسی اور علامہ عینی وغیرہ نے خراج کے لئے دار الاسلام کے مخصوص احکام میں سے ہونے کا یا جزیہ کے تابع ہونے کا تذکرہ آیا ہے اور جزیہ بالاتفاق دار الاسلام میں لازم ونافذ ہوتا ہے[3]

خلاصہ یہ کہ اس دوسری رائے وتحقیق کے مطابق ہندوستان جیسے ملکوں میں صرف عشر ہی لازم ہوگا، اگر ہوگا۔ خراج نہیں، اس لئے کہ خراج دار الاسلام کے خواص میں سے ہے۔ اور اس کے مخصوص مصارف ہیں جو کہ دار الاسلام میں ہی پائے جاتے ہیں۔

مفتی شفیع صاحب نے اس رائے پر یہ نقد فرمایا ہے کہ :

"اس تحقیق میں یہ خاص ہے کہ فقہاء کی جن عبارات کی بناء پر اراضی دار الحرب کے خراج کے ارتفاع کو ثابت کیا گیا ہے انھیں عبارتوں میں عشر کی بھی نفی موجود ہے تو خراج کی نفی سے عشر کا اثبات ان روایات فقہائے سے کس طرح ثابت کیا جاسکتا ہے"[4]

لیکن مفتی صاحب کا یہ نقد شامی کے مشہور جزئیہ یا سیر کبیر کی عبارت "لاعشر ولاخراج" کی حد تک تو صحیح معلوم ہوتا ہے، مفتی جمیل الرحمن صاحب نے جو امور ذکر کئے ہیں نیز مولانا ظفر احمد صاحب نے بھی، جن کا کچھ تذکرہ پیچھے آچکا ہے ان کی نسبت سے یہ نقد محل نظر ہے، اس لئے کہ وہ خصوصیت سے خراج کے سقوط ونفی کے الگ اور مستقل دلائل ہیں اور کہا جا سکتا ہے کہ دار الکفر ودار الحرب کی زمین سے عشر کے سقوط ومعافی کے دلائل سے زیادہ قوی دلائل ہیں۔ فقہاء نے بڑی صراحت کے ساتھ اور بطور اصول دار الاسلام کے ساتھ خراج کا اختصاص ذکر کیا ہے اور عشر کے لئے اس قسم کی صراحت ہم کو نہیں ملتی۔

---

[1] اعلاء السنن ۱۲/۳۲۲ [2] امداد الاحکام ۲/۳۸

[3] کفایت المفتی ۴/۳۰ [4] جواهر الفقه ۲/۲۶۵

اس بحث کے شروع میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ عموماً لوگوں نے اس طرح کا کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ جن حضرات کے سامنے ہندوستان کا دارالکفر و دارالحرب ہونا ہے اور اس کے باوجود انھوں نے احتیاطاً یا تحقیقاً و تعییناً ہندوستان کی زمینوں میں شرعی وظیفہ کی ادائیگی کا فتوی دیا ہے وہ عموماً عشر و خراج دونوں ہی چیزوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ "امداد الاحکام" جو کہ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کے فتاوی پر بھی مشتمل ہے اس میں بھی دارالحرب سے سقوط وظیفہ کے بعد۔ عشر و خراج دونوں کی ادائیگی کا تذکرہ ایک فتوی میں آیا ہے [۱]

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فقہاء نے جس صراحت کے ساتھ خراج کے دارالاسلام کے ساتھ اختصاص کا تذکرہ کیا ہے عشر کے لئے نہیں کیا ہے اور فقہاء یہ بھی فرماتے ہیں کہ عشر میں تو عبادت کا پہلو پایا جاتا ہے جب کہ خراج میں یہ پہلو نہیں ہے اس لئے اس کا مطالبہ کافر سے ہوتا ہے [۲] اور مسلمان دارالکفر میں انھیں امور کا مکلف ہوگا جو کہ عبادات کے قبیل کے ہوں۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کم از کم فقہاء احناف کے یہاں ایک مسلمان بھی خراج کی ادائیگی کا مکلف ہوتا ہے اور صرف خراج کا۔ اور بقاءً ہی نہیں یعنی محض اس صورت میں ہی نہیں کہ ایک کافر کی زمین پر خراج لازم و نافذ تھا اور پھر کسی مسلمان نے اس زمین کو اس سے خرید لیا تو اب مسلمان کو اس زمین کا سابق وظیفہ جو کہ خراج تھا وہی ادا کرنا ہوگا۔ جیسا کہ ہماری کتابوں میں معروف ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ہماری کتابوں میں یہ بھی معروف ہے کہ "نو آباد زمینیں" جنھیں مسلمان ہی آباد کریں ان میں حسب موقع و ضابطہ عشر کے بجائے خراج بھی واجب و لازم ہوگا [۳] اور ظاہر ہے کہ یہ وجوب ابتداءً ہوتا ہے یعنی نو آباد زمین پر پہلا وظیفہ شرعی ہوتا ہے اور بعنوان خراج اور بصورت خراج۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ صورتوں میں مسلمانوں پر خراج کیوں عائد ہوا جب کہ وہ عبادت کے پہلو سے خالی ہے۔ بالخصوص دوسری صورت میں جب کہ زمین پر پہلا وظیفہ عائد

---

[۱] امداد الاحکام ۲/۳۹ [۲] رد المحتار ۲/۵۲ بدائع ۲/۳۲۔ ۵۵ [۳] ایضاً

ہو رہا ہے اور ایک مسلمان ہی پہلی مرتبہ اس کو ادا کر رہا ہے؟ پہلی صورت کے متعلق تو یہ ضابطہ ذکر کیا جاتا ہے:

"جو وظیفہ عشر یا خراج کا کہ زمین پر ابتداءً عائد ہو گیا پھر وہ وظیفہ مالک بدلنے سے مبتدل نہ ہوگا" [۱]

لیکن یہ ضابطہ کلیہ نہیں ہے، چنانچہ جب کوئی ذمی کسی مسلمان کی عشری زمین خریدتا ہے تو اس پر عشر واجب نہیں ہوتا۔ بلکہ وظیفۂ عشر خراج سے بدل جاتا ہے۔ اسی لئے مفتی محمد شفیع صاحب پچھلی عبارت کے بعد اس بابت فقہائے نے جو کچھ فرمایا ہے اس کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس لئے اگر کسی غیر مسلم کی خراجی زمین کوئی مسلمان خریدے تو اس مسلمان پر خراج ہی واجب ہوگا، اس کا مقتضایہ تھا کہ اگر معاملہ برعکس ہو کہ مسلمان کی عشری زمین کو کوئی غیر مسلم خرید لے تو اس پر بھی عشر ہی واجب رہے لیکن چونکہ عشر میں ایک حیثیت عبادت کی ہے اور کوئی غیر مسلم عبادت شرعیہ کا اہل نہیں، اس لئے جمہور کے قول کے مطابق عشری زمین جب کسی غیر مسلم کی ملک میں منتقل ہو جائے تو اس کا فریضہ عشر نہیں بلکہ خراج ہو جائے گا" [۲]

اور صاحب بدائع اسی مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ولو اشتری مسلم من ذمی ارضا خراجیة فعلیه الخراج ولا تنقلب عشرية لأن الاصل انه مؤنة الأرض لا تتغير بتبدل المالك الا لضرورة وفي حق الذمي اذا اشترى من مسلم ارض عشر ضرورة لان الكافر ليس من اهل وجوب العشر واما المسلم فمن اهل وجوب الخراج في الجملة فلا ضرورة الى التغيير بتبدل المالك" [۳]

یعنی کوئی مسلمان اگر کسی ذمی سے خراجی زمین خریدتا ہے تو اس میں خراج ہوگا اور وہ عشری نہیں بنے گی اس لئے کہ خراج اصل میں زمین کی اجرت (ٹیکس) ہے، جو کہ مالک کے بدلنے

---

[۱] جواہر الفقہ ۲/۲۳۷ [۲] ایضاً [۳] البدائع والصنائع ۲/۱۵

سے کوئی اہم ضرورت ہی تو بدلتا ہے ورنہ نہیں بدلتا۔ اور جب کوئی ذمی کسی مسلمان سے عشری زمین خریدتا ہے تو ایسی ہی ضرورت پائی جاتی ہے اس لئے کہ کافر عشر کے وجوب کا اہل نہیں ہے اور مسلمان فی الجملہ خراج کے وجوب کی اہلیت رکھتا ہے۔ اس لئے (مسلمان نے کسی ذمی سے جو زمین خریدی اس میں) مالک کے بدلنے کی وجہ سے تبدیلی کی ضرورت نہیں۔

"فی الجملہ وجوب کی اہلیت" سے بظاہر یہی مراد ہے کہ کبھی اس پر ابتداءً بھی خراج واجب ہوتا ہے یا یہ کہ زمین کے شرعی وظیفہ میں۔ خواہ وہ عشر ہو یا خراج "مؤنت" یعنی ٹیکس کا پہلو عشر خراج دونوں میں پایا جاتا ہے پھر عشر کو یہ امتیاز ہے کہ اس میں اس کے ساتھ عبادت کا پہلو بھی پایا جاتا ہے جو کہ اس کو مسلمان کے ساتھ خاص کر دیتا ہے اس لئے کہ عبادت کا اہل و مکلّف وہی ہے۔

اس قسم کے مسائل سے متعلق تفصیلات سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ "وظیفہ میں تبدیلی نہ ہونے" کا قاعدہ جیسے کلی نہیں ہے، اتفاقی بھی نہیں ہے۔ امام محمد کے یہاں مطلقاً تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور امام ابویوسف کے یہاں بعض صورتوں میں ہو بھی جاتی ہے۔ صاحب بحر کے ایک تجزیہ کے مطابق مسلمان جو زمین خریدے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ دوسروں کی خریداری میں ہوتی ہے۔ مگر مسلمان کی خریداروں میں بھی بعض صورتوں میں امام ابویوسف تبدیلی کے قائل ہیں[۱]

اور یہ ساری تفصیلات ہمارے یہاں یعنی فقہ حنفی میں ہیں، دوسرے حضرات کے یہاں بھی تبدیلیاں ہوتی ہیں اگرچہ دوسرے انداز میں جن میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی سے اس کی خراجی زمین کو خریدتا ہے تو اس کو اس زمین پر لاگو سابق خراج بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔ اور مسلمان ہونے کی وجہ سے عشر بھی اس پر لازم ہوتا ہے۔ ایسے ہی اگر ذمی اسلام لے آئے تو بھی یہی حکم ہے اور اگر کوئی ذمی کسی مسلمان کی عشری زمین خریدتا ہے تو اس سے شرعی وظیفہ ساقط ہو جاتا ہے[۲]

---

[۱] ردالمحتار ۲/۵۲ [۲] شرح المہذب ۵/۵۶۰، المغنی ۲/۵۸۴ تا ۵۸۶، ۵۹۱ تا ۵۹۳، اعلاء السنن ۱۲/۵۵۷

خلاصہ یہ کہ اگر خراج میں اصلاً عبادت کا پہلو نہیں ہے اور اصلاً اس کا مکلّف دارالاسلام کا غیر مسلم باشندہ ہوتا ہے، مگر ایک مسلمان سے بھی اس کو وصول کیا جاتا ہے اور اس پر بھی بعض صورتوں میں لاگو ہوتا ہے۔ اور فی الجملہ ائمہ اربعہ کے نزدیک یا یوں کہئے کہ مذاہب اربعہ کے اتفاق کے ساتھ۔

جس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ اصلاً اس میں عبادت کا پہلو نہیں ہے، لیکن جیسے دونوں کے اندر یہ بات پائی جاتی ہے کہ دونوں ہی "مؤنۃ الارض" یعنی زیر تصرف زمین اور اس سے انتفاع کا ٹیکس اور معاوضہ ہیں، اسی طرح یہ بات بھی مشترک ہے کہ دونوں ہی زمین پر عائد ہونے والے شرعی وظائف ہیں اور شریعت نے دونوں کے الگ الگ اور جدا گانہ مصارف تجویز کئے ہیں جو کہ مسلمانوں اور دارالاسلام سے متعلق ہوا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ "عشر" میں عبادت کا پہلو اسی جہت سے ہے کہ شریعت نے ایک مسلمان کو اس کا مکلّف بنایا ہے تو جب معاملہ شریعت کی تجویز کا ہے تو خراج کے اندر بھی یہ بات پائی ہی جاتی ہے کہ وہ بھی عشر کی طرح زمین کا ایک شرعی وظیفہ اور شریعت کی طرف عائد کردہ ہے، لہٰذا فی الجملہ اس کے اندر بھی وہ بات پائی جاتی ہے کہ جس کی وجہ سے ایک مسلمان سے عشر کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور اس طرح خراج کے اندر بھی ایک درجہ عبادت کی شان پیدا ہو جاتی ہے کہ جس کی وجہ سے بعض صورتوں میں ایک مسلمان پر بھی ابتداءً اس کی تنفیذ ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں اس سے صرف خراج ہی بطور شرعی وظیفہ کے وصول کیا جاتا ہے۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ صاحب بدائع نے شاید "فی الجملہ" کے لفظ سے اسی انداز کی تفصیل و توجیہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اور اس ساری تفصیل کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ایک مسلمان دارالکفر میں جیسے عشر کا مکلّف ہوتا ہے، اسی طرح خراج سے متعلق تفصیلات کے پائے جانے پر وہ بطور شرعی وظیفہ کے خراج بھی ادا کرنے کا مکلّف ہے اور جیسے اس کا ادا کردہ عشر عبادت کا پہلو لئے ہوئے ہوگا اسی طرح اس کا ادا کردہ خراج بھی عبادت کی حیثیت رکھے گا۔

(۸) غیر شرعی وظائف اور عشر و خراج

دارالاسلام کے باشندے حسب اصول وضابطہ عشر و خراج کے نام سے اپنی

زمینوں کے وظائف نکالتے اور حکومت کو سپرد کرتے ہیں جو کہ مصارف میں صرف کرتی ہے سوال پیدا ہوتا ہے کہ حکومتیں اپنی طرف سے جو وظائف متعین اور لازم[1] دلاگو کرتی ہیں، ایک مسلمان کے لئے ان کی ادائیگی کیا حیثیت رکھتی ہے ؟ بالخصوص وہ وظائف جو کہ خراجی زمینوں پر عائد ہوں تو کیا وہ شرعی خراج سے بری قرار دیں گے ؟

اس بحث کے تحت دو صورتیں آتی ہیں، ایک عشری زمین پر سرکاری و غیر شرعی وظائف کا مسئلہ اور دوسرے خراجی زمینوں پر عائد اس قسم کا وظیفہ۔

تو پہلی صورت میں یعنی عشری زمینوں پر عشر کے بجائے کسی دوسرے انداز کے وظیفہ و ٹیکس کے مطالبہ وادائیگی کی وجہ سے "عشر" کے اپنی جگہ برقرار رہنے اور اس کے مطالبہ کے ختم نہ ہونے پر ہمارے ارباب افتاء تقریباً متفق ہیں[1] اور وہ اس لئے کہ عشر ایک شرعی وظیفہ ہے، عبادت کی حیثیت رکھتا ہے، زکوۃ کی طرح اس کے مصارف بھی خاص و متعین ہیں۔ اور دوسرے وظائف جن کی تجویز حکومتیں اپنی مصلحتوں کی بناء پر کرتی ہیں ان کی یہ حیثیت نہیں ہے اور نہ ہی وہ وظائف عشر کے مصارف میں صرف کئے جاتے ہیں۔

مولانا عبدالحئی صاحب کے ایک فتوی میں سرکاری وظیفہ و محصول کی وجہ سے عشر کے ساقط ہونے کی بات آئی ہے[2] اور مفتی عزیز الرحمن صاحب کے بعض فتاوی سے بھی ایسا ہی محسوس ہوتا ہے بلکہ بعض میں اس قسم کی صراحت ہے[3] اور دلیل یہ ذکر کی گئی ہے کہ ہمارے فقہاء نے قاعدہ ذکر کیا ہے لا یجتمع العشر والخراج[4] امداد الفتاوی کے استفتاء میں قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی اور مولانا محمد علی صاحب تھانوی کی طرف بھی اس کی نسبت کی گئی ہے[5] اور شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے ایک فتوی میں ہندوستان کی اراضی سے متعلق تحریر فرمایا —— "اراضی خراجیہ میں عشر واجب نہیں ہے"۔[6]

[1] ملاحظہ ہو امداد الفتاوی واحسن الفتاوی ورشیدیہ وغیرہ (محمودیہ) ۸۵/۳

[2] مجموعۃ الفتاوی ۲۵۶/۳ [3] فتاوی دار العلوم ۱۸۲/۶ و ۱۸۳

[4] بدائع ۵۷/۲ [5] امداد الفتاوی ۶۳/۲

[6] فتاوی عزیزیہ ص ۱۸۵ طبع پاک اردو

مگر حضرت تھانوی وغیرہ نے جواب میں اسی انداز کی بات ذکر فرمائی ہے جو کہ پیچھے ذکر کی گئی کہ یہ محصول وو ظیفہ غیر شرعی ہے، اور عشر ایک شرعی چیز اور عبادت ہے جس کا مصرف بھی خاص ہے، ان حضرات کی تائید ہمارے فقہاء کی ذکر کردہ اس تفصیل سے بھی ہوتی ہے جو کہ کتب فقہ میں اس مسئلہ کے تحت آئی ہے کہ اگر کسی دارالاسلام میں مسلمانوں کی ہی کوئی باغی حکومت قائم ہو جائے اور وہ عشر و خراج بھی وصول کرے تو اس کا حکم ہوگا اس میں یہ صراحت بھی آئی ہے کہ اگر باغی عشر و زکوٰۃ کو وصول کریں اور پھر مصارف میں خرچ نہ کریں تو زکوٰۃ و عشر دوبارہ ادا کرنا ہوگا کم از کم دیانۃً اور فیما بینہ وبین اللہ [1]

رہ گیا مسئلہ عشر و خراج کے جمع نہ ہونے کا، اور ایک ہوگا تو دوسرا نہ ہوگا۔ اس کا تو اس کے متعلق خود مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے جن کے اکثر فتاوی میں صراحتہً یہ بات آئی ہے کہ سرکاری محصول سے عشر کا مطالبہ ساقط نہیں ہوتا ـــــ مولانا عبدالحق صاحب کے فتوی پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ "خراجی زمین سے عشر اور عشری زمین سے خراج نہیں لیا جائے گا۔ اس کا اس سے تعلق نہیں ہے کہ عشری سے اگر خراج لیا تو عشر ساقط ہوگا یا نہیں [2] اور مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نے یہ فرمایا ہے کہ اس عبارت میں "خراج" سے "شرعی خراج" مراد ہے، کسی حکومت کی طرف سے عائد کردہ اور سرکاری محصول نہیں [3] دوسرے حضرات کا موقف بھی یہی سمجھ میں آتا ہے [4]

اس تفصیل سے واضح ہے کہ دارالکفر میں عشری زمینوں پر سرکاری وظائف و محصول شرعی مطالبہ کو ساقط و ختم نہیں کرتے۔

رہ گئی دوسری صورت یعنی خراجی زمین پر کسی نام و عنوان سے، نیز کسی مقدار و حساب میں کسی وظیفہ کی ادائیگی اور اس کی وجہ سے شرعی مطالبہ اور شرعی خراج کا سقوط اور اس کی

---

[1] رد المحتار ۲/۲۳ [2] فتاوی دار العلوم ۶/۸۲-۸۱، احسن الفتاوی ۴/۳۳۸

[3] کتاب العشر والزکاۃ ص۱۵۲

[4] جواہر الفقہ ۲/۲۷۶، امداد الفتاوی ۲/۷۸

عدم ادائیگی کا حکم ـــــ تو اس میں بعض اکابر کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی زمینوں پر کسی بھی وظیفہ کی ادائیگی سے آدمی شرعی مطالبہ و وظیفہ سے بری الذمہ ہو جاتا ہے[۱] جس کا مبنی بظاہر یہ ہے کہ خراج ایک ٹیکس ہے عبادت نہیں ہے۔ لہٰذا کسی بھی حکومت نے لیا خواہ مسلم باغی حکومت ہو یا غیر مسلم آدمی نے خود کو بری و عہدہ برآ کر لیا۔ جواہر الفقہ میں آیا ہے :

"خراج چوں کہ عبادت نہیں بلکہ محض ایک ٹیکس ہے، اس لئے خراجی زمینوں کا خراج موجودہ حکومت کی سرکاری مال گذاری ادا کرنے سے ادا ہو جاتا ہے،" [۲]

لیکن بعض دوسرے حضرات کی رائے میں اس مسئلہ کے اندر تفصیل ہے، اور وہ یہ کہ اگر مسلمان وصول کرنے والے اور لاگو کرنے والے ہوں تب تو کافی ہوگا۔ اور اگر غیر مسلم ہوں تو نہیں۔ اس لئے کہ خراج صرف ٹیکس نہیں ہے جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے اور پھر اس کا بھی مصرف متعین ہے۔ اگرچہ عشر کے مقابلہ میں کچھ توسع ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحب و مفتی رشید احمد صاحب[۳] نے تفصیل سے اس کو واضح کیا ہے۔

حضرت تھانوی ایک فتوی میں فرماتے ہیں :

"عشر و خراج از حقوق شرعیہ است چنانچہ انکم ٹیکس مسقط زکوۃ نیست ہم چنیں محصول سرکاری مسقط ایں حقوق نباشد" [۴]

عشر و خراج شرعی حقوق ہیں تو جیسے انکم ٹیکس زکوۃ کو ساقط نہیں کرتا اسی طرح سرکاری محصول ان حقوق کو ختم نہیں کرے گا۔

مفتی محمد شفیع صاحب نے علامہ ہمایونی سندھی کے رسالہ "سراج الہند فی خراج الہند"

---

[۱] فتاوی رشیدیہ ص۴۳۶، فتاوی دارالعلوم ۶/۱۸۲، محمودیہ ۲/۳۹

[۲] جواہر الفقہ ۲/۲۷۶ میں نے مفتی صاحب کی یہ عبارت صرف اس کے الفاظ کی حد تک استدلال میں نقل کی ہے، اس لئے کہ الفاظ مذکورہ موقف کی ترجمانی کرتے ہیں اگرچہ مفتی صاحب کی اس عبارت کا سیاق یہ نہیں ہے۔

[۳] احسن الفتاوی ۴/۳۳۹ — ۳۴۱

[۴] امداد الفتاوی ۲/۷۸

کی ایک عبارت نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے:

"جس شخص پر بھی خراج لازم ہو اس کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ خراج کو اس کے ان مصارف میں صرف کرے جو کہ کتب فقہ میں بیان کئے گئے ہیں تاکہ عنداللہ اس کی ذمہ داری سے بری ہوسکے اور قیامت میں ماخوذ نہ ہو اور عیسائی حکام جو کچھ لے رہے ہیں وہ خراج کی ادائیگی میں شمار نہیں ہوگا اس لئے کہ کفار کو مسلمانوں سے خراج وصول کرنے کا حق نہیں ہے، اور نہ ہی وہ خراج کا مصرف ہیں۔ لہٰذا اگر مسلمان ان کو خراج دیتے ہیں تو وہ خراج کی ذمہ داری و مطالبہ کے نہیں نکلیں گے، اس لئے کہ یہ کفار نہ اہل حرب سے جنگ کرتے ہیں اور نہ مسلمانوں اور ان کے ملک کی طرف سے دفاع کرتے ہیں۔" [1]

باغیوں کی طرف سے عشر و زکوۃ کی وصولیابی سے متعلق ہمارے فقہاء نے جو تفصیل کی ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ انھوں نے لکھا ہے کہ اگر باغی خراج وصول کریں تو اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، اور وہ اس وجہ سے کہ باغی بھی مسلمان ہونے کی وجہ سے — (ضرورت پر) مسلمانوں اور ان کے ملک پر حملہ آور کفار سے جنگ کرتے ہیں اور خراج مسلمان مجاہدین کا حق ہے [2] لہٰذا کوئی بھی مسلم حکومت اگر اس کو وصول کرتی ہے تو خراج اپنے مصرف میں ہی پہنچتا ہے اس لئے کہ ہر ملک و حکومت میں فوجیں اور آج کل ان کے گراں قدر اخراجات ہیں [3]

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہے کہ ہندوستان جیسے ملکوں میں خراجی زمینوں کا وظیفہ مسلمانوں کو اسی طرح اپنے طور نکالنا ہوگا جیسے وہ عشر کے نکالنے کے مکلف ہیں اور سرکاری وظیفہ اور محصول شرعی خراج کی طرف سے کفایت نہ کرے گا [4]

---

[1] جواہر الفقہ ۲/۲۷۸ و ۲۸۳ حاشیہ

[2] رد المحتار ۳/۲۳

[3] جواہر الفقہ ص ۲۷۶-۲۸۳

[4] ایضاً ص ۲۸۳، احسن الفتاوی ۴/۳۲۲ و ۳۲۸

اراضی سلطانیہ اور عشر و خراج

تعریف و حکم

"اراضی سلطانیہ" کا مصداق وہ زمینیں قرار دی جاتی ہیں جو کسی بھی حکومت کے قبضہ و ملک میں رہتی ہیں"۔ اراضی سلطانیہ" کو "اراضی الحوز" وغیرہ بھی کہتے ہیں۔

خواہ اس کی شکل یہ بنی ہو کہ حکومت نے اپنے تسلط و اقتدار کی ابتداء اور روز اول سے کسی زمین کو اپنے لئے خاص کر لیا ہو یا یہ کہ بعد میں کوئی صورت بنی ہو مثلاً کسی مالک کے لاوارث مر جانے کی وجہ سے یا حکومت کی طرف سے کسی زمین کے ضبط کر لینے اور مالکان سے کسی طرح حاصل کر لینے اور قبضہ میں لے لینے کی وجہ سے ہوئی ہو۔

ایسی زمینوں کا حکم یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ اگر حکومت نے ملک کے کسی باشندے کو مالکانہ حیثیت سے دے دیا تو حسب ضابطہ و قواعد اس میں عشر یا خراج لازم و نافذ ہوگا۔ اور اگر کسی کو بس کاشت و انتفاع کی حد تک دیا تو اس پر عشر و خراج نہ ہوگا بلکہ حکومت نے جو معاملہ کیا ہو اس کے مطابق ادائیگی ہوگی جو کہ بقول صاحب فتح القدیر اجرت کی حیثیت رکھے گی۔

ہندوستان اور اراضی سلطانیہ

موضوع سے متعلق اکابر کی تحریرات و تحقیقات جو علم میں آئیں ان کے مطابق علماء ہند نے تین بنیادوں پر یکے بعد دیگرے یہ فتوی دیا کہ ہندوستان کی زمینیں اراضی سلطانیہ کا حکم رکھتی ہیں لہذا ان میں عشر و خراج نہیں ہے۔

بہلا مرحلہ ۱۸۵۷ء سے پہلے، جب کہ مولانا محمد اعلی صاحب تھانوی وغیرہ نے یہ فتوی دیا اور اس بنیاد پر کہ ہندوستان کی عام زمینیں خراجی تھیں اور صدیاں گذر گئیں مالکان کا پتہ نہیں، لہذا اب یہ اراضی سلطانیہ ہیں جیسے کہ صاحب فتح القدیر نے مصر و شام کی زمینوں کے متعلق فرمایا ہے اور بعد کے

محققین نے اس پر اعتماد کیا ہے بظاہر قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کے فتوی کی بنیاد بھی یہی ہے اس لئے کہ فتاوی عزیزیہ میں کچھ اسی قسم کی بات آتی ہے [1]

دوسرے مرحلہ میں یہ فتوی انگریزوں کے تسلط کے بعد اس بنیاد پر دیا گیا کہ انھوں نے ملک کی تمام اراضی کو ضبط کر لیا اور تمام مالکان کے مالکانہ قبضہ کو ختم کر دیا اور پھر حسب صوابدید تصرف کیا، کسی کو دیا اور محصول وغیرہ لگایا۔

تیسرا مرحلہ اس وقت آیا جب کہ زمینداری بل پاس ہوا اور ۱۹۴۷ء کی آزادی کے بعد کم از کم یوپی میں حکومت نے اپنے ایک اعلان کے ذریعہ ساری زمینیں اپنی قرار دیں۔

پہلی بنیاد کا تذکرہ فتاوی عزیزیہ اور امداد الفتاوی وغیرہ میں [2] اور دوسری کا فتاوی رشیدیہ وامداد الفتاوی وفتاوی دار العلوم [3] میں اور تیسری کا فتاوی محمودیہ اور نظام الفتاوی میں آیا ہے [4]

پہلی دو بنیادوں کو کم از کم عام علماء دیوبند نے قبول نہیں کیا، اس لئے انھوں نے برابر عشر وخراج کے وجوب کا فتوی دیا اور اگر انکار کیا تو دار الکفر و دار الحرب ہونے کی وجہ سے، نہ کہ اس بنیاد پر، بلکہ حضرت تھانوی اور بالخصوص مفتی محمد شفیع صاحب و مفتی رشید احمد صاحب نے اس پر نقد کیا اور مؤخر الذکر دونوں حضرات نے بتحقیق اراضی ہند کا عشری وخراجی ہونا اور حالیہ قبضہ رکھنے والوں کے لئے ملکیت کو ثابت کیا ہے [5] جیسے کہ علامہ شامی نے صاحب فتح القدیر کے اس نظریہ کا رد کیا ہے اور اس کو ذکر و ثابت کیا ہے کہ جن لوگوں کا قبضہ چلا آرہا ہے وہی مالک ہیں [6]

اور خصوصیت سے دوسری بنیاد پر مفتی عزیز الرحمن صاحب اور حضرت تھانوی نے نقد کیا ہے اور حضرت گنگوہی نے بھی اور جو لوگ متصرف وقابض ہیں ان کے لئے مالکانہ قبضہ کا اعتبار کیا ہے [7]

---

[1] فتاوی عزیزیہ ص۵۷ [2] ایضاً، امداد الفتاوی ۲/۷۷۵، ۷۷۶، معارف السنن ۵/۳۱۶

[3] فتاوی رشیدیہ ص۴۴۹، امداد الفتاوی ۲/۶۰، فتاوی دار العلوم ۶/۱۹۰

[4] فتاوی محمودیہ ۳/۳۶، نظام الفتاوی ۱/۳۵۶

[5] امداد الفتاوی ۲/۷۶، ۷۷، جواہر الفقہ ۲/۲۷۰، احسن الفتاوی ۴/۳۷۰

[6] رد المحتار ۲/۲۵۶، ۲۵۷

[7] مراجع مذکورہ در حاشیہ ۲

اور رہی تیسری بنیاد تو مفتی نظام الدین صاحب نے اس کو ذکر کرنے کے ساتھ تفصیل کی ہے اور بعض قانون دانوں سے جو بات معلوم ہوئی اور دوسرے بعض حضرات سے بھی، تو بات وہی سمجھ میں آئی جو کہ حضرت تھانوی وغیرہ نے انگریزوں کے قبضہ سے متعلق تحریر فرمائی ہے۔

حضرت تھانوی ایک فتوی میں فرماتے ہیں:

"ضبط کرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک قبضۂ مالکانہ، اگر یہ ہوا ہے تو وہ اراضی عشری نہیں رہیں۔ دوسرا قبضۂ ملکانہ وحاکمانہ ومنتظمانہ، اور احقر کے نزدیک قرائن قویہ سے اس کو ترجیح ہے۔" لہ

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے بھی ایک فتوی میں یہی بات فرمائی ہے اور فتاوی رشیدیہ میں مزید کچھ تفصیل ہے، ایک سوال کے جواب میں حضرت گنگوہی تحریر فرماتے ہیں:

"اگر سرکار مالک ہے تو بیع وشراء مالگذار کرتا ہے سرکار کا ہے مانع نہیں ہے۔ یہ دلیل ملک مالگذار کی ہے۔ اور اگر زمین مالگذاری سرکار اپنی سڑک یا مکان میں لیوے تو قیمت زمین کی رقبہ مالگذار کو دیتی ہے۔ یہ دلیل مالگذاری کی بدیہی ہے، اگر ملک سرکار ہوگی تو قیمت دینے کے کیا معنی ہوں گے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ لکھنا کہ مالگذاری کی عدم ادائیگی میں سرکار دوسرے کو زمین دیتی ہے یہ دوسرے کو دینا اپنے حق کی تحصیل کے واسطے ہے نہ اپنی زمین کا لینا۔ جیسا وقت عدم ادا، خراج کے شرع میں زمین خراجی دوسرے کو دے دیتے ہیں حالاں کہ صاحب خراج مالک زمین کا ہوتا ہے لہذا یہ دلیل ملک سرکار کی ہے۔" ٹہ

حضرت تھانوی و مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے جن قرائن کا تذکرہ فرمایا ہے بظاہر وہی امور ہیں جن کی حضرت گنگوہی کی تحریر میں صراحت آئی اور یہ جو کچھ لکھا گیا ہے یہ ۱۹۴۷ء کے بعد کے نظام پر بھی منطبق ہے، لہذا حکم ایک ہونے میں کیا اشکال؟

لہ امداد الفتاوی ۲/۶۱ وفتاوی دار العلوم ۶/۱۹۱

ٹہ رشیدیہ ص۴۲۹

معارف السنن میں اس سلسلہ میں ایک بات یہ بھی آتی ہے کہ اراضی سلطانیہ تو وہ ہیں جن کا مالک اسلامی بیت المال ہو، اور یہاں ۱۸۵۷ء کے بعد سے یہ صورت ہے کہ بیت المال ہے ہی نہیں پھر یہ کہ غیر مسلم حاکم ہیں تو وہ بات کہاں رہی، جیسے کہ فتاوی رشیدیہ نیز مفتی شفیع صاحب وغیرہ کی تحریرات میں جس انداز کی تفصیل آتی ہے ثبوت ملکیت کے سلسلہ میں معارف السنن میں بھی اس کا تذکرہ ہے[1]

ایک جہت اور جو لائق توجہ ہے وہ یہ ہے ـــــ جیسا کہ حضرت گنگوہی و حضرت تھانوی نے بھی بعض فتاوی میں اشارہ کیا ہے اور معارف السنن میں بھی اس کی صراحت آتی ہے ـــــ کہ عشر کے وجوب کے لئے بالخصوص حضرات صاحبین کے مسلک پر یہ ضروری نہیں ہے کہ کاشت کرنے والا زمین کا مالک بھی ہو تب ہی اس پر عشر واجب ہو بلکہ جو بھی کاشت کرے اور جس حیثیت سے کرے، اس لئے کہ وجوب عشر کے لئے پیداوار کو دیکھا جاتا ہے نہ کہ زمین کی ملکیت کو[2] صاحب بدائع نے وجوب عشر کے شرائط میں اس کا تذکرہ کیا ہے[3] اور متعدد صورتوں میں اسی بنیاد پر وجوب عشر کا فقہاء تذکرہ کیا کرتے ہیں[4] بلکہ بعض جزئیات ایسے بھی ملتے ہیں کہ جہاں زمین سرے سے کسی کی ملک نہیں اور نہ آدمی نے اس سے حاصل ہونے والے پھل کے لئے کوئی محنت کی۔ بس جس کے قبضے میں پھل آیا اس کو عشر ادا کرنا ہوگا۔ مثلاً پہاڑوں وجنگلات میں پائے جانے والے خود رو پھل وغیرہ ہمارے فقہاء کی صراحت کے مطابق ان میں بھی عشر واجب ہوتا ہے اگرچہ اس کے لئے کچھ قید بھی ہے[5]

آخری بات

گذشتہ ساری تفصیلات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ ہندوستان کی زمینوں کو شرعی وظائف سے خالی ومعاف قرار دینا دونوں بنیادوں (ہند کا دارالکفر ہونا ـــــ یا اس کی اراضی کا اراضی سلطانیہ ہونا ـــــ) میں سے کسی کی رو سے کم از کم قوت کے ساتھ ثابت نہیں

---

[1] معارف السنن ۵/ ۲۰۰-۲۹ [2] ایضاً ص ۲۰۲ [3] بدائع ۲/ ۵۶

[4] رد المحتار ۲/ ۳۶ [5] ایضاً

ہوتا اور مسئلہ ایک شرعی وظیفہ اور عبادت کا ہے لہذا یہاں کی اراضی بھی دیگر ممالک اسلامیہ کی طرح شرعی وظائف کا محل ہوں گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

جوابات متعلق سوالات محور چہارم

س۔۱ (الف) ہندوستان کی زمینیں موجودہ صورت حال میں عشری بھی ہیں اور خراجی بھی۔

(ب) جن زمینوں کے متعلق پختہ ثبوت موجود ہو کہ وہ کفار سے منتقل ہو کر مسلمانوں کو ملی ہیں وہ خراجی ہوں گی اور بقیہ عشری۔ کفار کے ہاتھوں سے حاصل ہونے کی ایک صورت ان سے خریدنے کی ہے اور صورت یہ کہ کافر حکام یا زمینداروں کا عطیہ ہو۔

کم ازکم ۱۹۴۷ء کے بعد جو زمینیں نئی حاصل ہوئی ہوں ان کے متعلق تو اس قسم کی معلومات لوگوں کو ہیں ہی لہذا اس کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا جائے گا۔

س ۲ــــ احتیاطاً عشر نکالا جائے گا۔ جیسا کہ مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

س ۳ــــ سرکاری وظائف سے شرعی وظائف کی خانہ پری وادائیگی نہیں ہوگی

س ۴ــــ ہندوستان میں خراج کی ادائیگی کی صورت یہ ہے کہ مسلمان اپنے طور پر خراج کو مصارف متعینہ میں پہنچائے اور صرف کرے۔ عشر کا مصرف تو وہی ہے جو کہ زکوۃ کا ہے۔ البتہ خراج کا مصرف دینی وملی کام اور کام کرنے والے لوگ ہیں بالخصوص علماء، وطلباء، اور قضاۃ وائمہ وغیرہ۔

یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مسلمان کی زمین پر جو خراج عائد ہوگا وہ صرف ٹیکس نہیں بلکہ عبادت کا پہلو بھی رکھتا ہے۔

س ۵ــــ جہاں تک سوال ہے شرح ادائیگی کا تو مفتی محمد شفیع صاحب وغیرہ کی رائے میں ہندوستان کی اراضی میں خراج موظف لازم ہے، جو کاشت کی جانے والی اشیاء کے پیش نظر مختلف ہوگا۔

۱۔ گیہوں وغیرہ اور اس انداز کی چیز میں ہر بیگہ پر ایک درہم یعنی ساڑھے تین ماشہ یا ساڑھے تین گرام چاندی کی قیمت اور چار پانچ کیلو غلہ۔

۲۔ عام باغات جن میں صرف پھل پیدا ہوتے ہیں اوران کی زمین سے کاشت کا کام نہیں لیاجاتا۔ان میں ہر بگہہ پردس درہم یعنی ۳۵ گرام چاندی کی قیمت۔

۳۔ اور بیگن وغیرہ جیسی سبزیوں میں فی بگہہ پانچ درہم یعنی ساڑھے سترہ گرام چاندی کی قیمت۔

۴۔ دوسری اشیاء میں ان کی کاشت وغیرہ کو دیکھ کر کچھ فیصلہ کیا جائے گا۔

احقر یہ سمجھتا ہے کہ ہندوستان میں جہاں اب عام اراضی عشری ہی ہیں اور کوئی ایسا نظام نہیں ہے کہ جو مسلمانوں کی زمینوں اور کاشت کا بار بار سالانہ وفصلانہ جائزہ لے کر یہ طے کرے کہ کیا لیا دیا جائے ،خراج موظف کے بجائے خراج مقاسم کو اختیار کیا جائے کہ اس میں سہولت ہے اور خراج مقاسم کے تحت خراجی زمینوں سے وظیفۂ خراج کی ادائگی کے لئے پیداوار کہ پانچواں حصہ نکالنے کا حکم دیا جائے جیساکہ محمد بن قاسم نے اراضی سندھ وغیرہ میں کیا تھا۔ اوران علاقوں کی اراضی کا اب بھی یہی حکم ہے (کما حققہ المفتی محمد شفیع) یا ایسی زمینوں کے لئے مطلقاً عشر کو طے کردیا جائے۔

س ۵ ــــ شریعت نے عشری زمینوں میں دو حالتوں کے پیش نظر صرف دو وظیفے تجویز کئے ہیں عشر اور نصف عشر لہذا خواہ کتنے ہی اخراجات ہوں اس وظیفہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔اوراخراجات کو منہا کئے بغیر اخراجات والی کاشت سے نصف عشر نکالا جائے گا۔

س ۶ ــــ صاحبین کے قول کے مطابق بٹائی دار اور مالک دونوں پر ہوگا ہر ایک کے حصے میں البتہ جو غیر مسلم ہوگا اس کے حصے سے ساقط ہوگا۔محققین متاخرین اور اکابر کا فتوی صاحبین کے قول پر ہی ہے۔

احکام عشر و خراج

از ــــــــــ حضرت مولانا عبد الجلیل صاحب قاسمی جامعہ اسلامیہ
قرآنیہ سمرا۔ مغربی چمپارن

الحمد للہ وحدہ وصلاتہ وسلامہ علی من لا نبی بعدہ۔

عشر اور خراج شریعت اسلام کے دو اصطلاحی لفظ ہیں۔ ان دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ٹیکس کی حیثیت ان دونوں میں ہے۔

فرق یہ ہے کہ عشر صرف ٹیکس نہیں بلکہ اس میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور اسی لئے اس کو زکوٰۃ الارض کہا جاتا ہے۔ ــــــ اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس لئے عشر مسلمانوں کی زمین کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور عملی فرق یہ ہے کہ عشر تو زمین کی پیداوار پر ہے۔ اگر پیداوار نہ ہو خواہ اس کا سبب مالک زمین کی غفلت ہی ہو اس پر عشر لازم نہیں ہوگا کیونکہ عشر پیداوار ہی کے ایک حصہ کا نام ہے۔ بخلاف خراج کے کہ وہ قابل کاشت زمین پر عائد ہے۔ اگر مالک نے غفلت برتی اور قابل کاشت ہونے کے باوجود اس میں کاشت نہیں کی تو خراج اس حالت میں بھی اس پر لازم ہوگا۔ مراد اس سے خراج موظف ہے یعنی جس زمین پر کچھ نقد رقم بطور خراج کے عائد کردی گئی ہے وہ اس صورت میں معاف نہ ہوگی۔ خراج کی دوسری قسم جس کو خراج مقاسمہ یعنی بٹائی کہا جاتا ہے وہ اس صورت میں معاف ہو جائے گا کیونکہ بٹائی تو پیداوار کا حصہ ہے پیداوار نہیں تو بٹائی بھی نہیں۔ البتہ زمین کا قابل کاشت ہونا اس میں بھی شرط ہے۔ بنجر زمین جس کی کاشت کی صلاحیت

نہ ہو یا پانی سے اتنی دور ہو کہ پانی زمین تک نہیں پہونچ سکتا اور بارش اتنی ہوئی نہیں جس سے کوئی چیز زمین سے پیدا ہو سکے تو ایسی زمین میں خراج نہیں۔(۱)

وإن غلب على أرض الخراج الماء أو انقطع الماء عنها أو اصطلم الزرع آفة فلا خراج عليها۔ (۲)

۱ــــ اگر کوئی ملک اس طرح فتح ہوا کہ وہاں کے باشندے مسلمان ہو گئے تو ان کی زمینیں بدستور ان کی ملکیت رہیں گی۔ یہ زمینیں عشری قرار دی جائیں گی۔ اور ان پر عشر واجب ہوگا۔

۲ــــ کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا اور وہاں کی زمینیں مسلمان غانمین میں تقسیم کر دی گئیں تو یہ تمام زمینیں بھی عشری ہوں گی اور ان پر عشر لازم ہوگا۔

۳ــــ اگر کوئی ملک مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کیا اور زمین ان ہی کافروں کی ملک میں چھوڑ دی گئی تو وہ زمین خراجی ہوگی۔

۴ــــ کسی شہر، گاؤں یا ملک کے کافروں نے بغیر لڑائی و جہاد کے مسلمانوں کی اطاعت کر لی اور صلح کر لی تو وہ زمین خراجی ہوگی۔

یہ تفصیلات فقہ و فتاوی کی تقریباً تمام ہی کتب میں الفاظ کے معمولی تغیر کے ساتھ مذکور ہیں۔ (۳)

۵ــــ ایسی زمینیں جو ملک فتح ہونے کے وقت کسی کی ملک نہیں تھیں اور نہ قابل کاشت تھیں، بلکہ پڑتی غیر مزروعہ تھیں ان کو امیر کی اجازت سے قابل کاشت بنا لیا گیا۔ یا آبادی میں کوئی مکان تھا۔ اس کو باغ یا مزروعہ زمین بنا لیا گیا۔ اگر وہ غیر مسلم ہیں تو ان کی یہ ساری زمینیں خراجی ہوں گی۔ اور اگر مسلمان ہیں تو امام ابو یوسف رح کے یہاں یہ حکم ہے کہ اگر قرب و جوار کی زمینیں عشری ہیں تو یہ بھی عشری ہوں گی۔ اور اگر قرب و جوار کی زمینیں خراجی ہیں تو یہ بھی خراجی ہوں گی۔ اور اگر قرب و جوار میں دونوں قسم کی زمینیں ہوں گی تو یہ بھی عشری ہوں گی۔ امام محمد رح کے نزدیک اگر عشری پانی سے اس کی سینچائی ہوتی ہے تو عشری اور اگر خراجی پانی سینچائی ہوتی ہو تو خراجی ہوں گی۔ علامہ شامیؒ نے در منتقی کے حوالہ سے امام ابو یوسفؒ کے قول کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔(۴)

---

(۱) جواہر الفقہ ۲/۲۴۵ (۲) ھدایہ ۲/۵۸۳، مجمع الأنہر ۱/۶۲۶ (۳) ملاحظہ ہو ھدایہ کتاب السیر ۲/۵۸۰، مجمع الانہر ۱/۶۶۱، بدائع ۲/۵۸، رد المحتار ۴/۱۶۷، فتاوی قاضیخاں ۱/۲۹، فتاوی عالمگیری ۲/۲۴۲، (۴) رد المحتار ۴/۱۸۰، الدر المنتقی علی ہامش مجمع الانہر ۱/۶۰۰، قاضی خان ۱/۱۳۷، عالمگیری ۲/۲۴۳، بدائع ۲/۱۹۵، بدائع ۲/۵۷۔

محورِ چہارم

۱۔۔۔۔۔ محورِ اول میں عشری وخراجی زمینوں کے بارے میں جو تفصیل پیش کی گئی اس کی روشنی میں ہندوستان کی زمینوں کے عشری وخراجی ہونے کا فیصلہ آسان ہوجاتا ہے۔

مسلمانوں کے پاس جو زمینیں ہیں اگر وہ قدیم سے مسلمانوں کے مالکانہ قبضہ میں چلی آرہی ہیں اور کسی بھی دور میں ان پر کسی غیر مسلم کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے تو وہ زمینیں عشری سمجھی جائیں گی۔ اور جن پر کسی وقت غیر مسلموں کا مالکانہ قبضہ تھا پھر ان سے خرید کر یا کسی دوسرے جائز ذریعہ سے مسلمانوں کی ملکیت میں آگئیں تو وہ خراجی قرار پائیں گی۔

۲۔۔۔۔۔ اوپر ذکر کردہ تفصیل کے مطابق ہندوستان کی اراضی عشری ہوں گی یا خراجی۔ کوئی زمین ان دونوں سے خالی نہیں ہوگی۔ کما ہو ظاہر

۳۔۔۔۔۔ سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؛ اس سلسلہ میں ہمارے اکابر علماء کی آراء مختلف ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ زمین معافی ہو یا اس میں مالگذاری سرکاری ہو محصول بجائے خراج تو کافی ہے مگر بجائے عشر کافی نہیں۔ (۱)

حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی دامت برکاتہم بھی اسی کے قائل ہیں۔ (۲)

اس کے برخلاف حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح سرکاری مالگذاری کو خراج کے حکم میں داخل نہیں کرتے۔ فرماتے ہیں،

"عشر وخراج از حقوق شرعیہ است۔ پس چنانکہ انکم ٹیکس مسقط از کوٰۃ نیست۔ ہمچنیں محصول سرکاری مسقط دین حقوق نباشد۔ (۳)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں،

"لیکن ہندوستان میں یہ صورت نہیں نہ وہاں مسلمانوں کی حکومت ہے نہ اسلامی فوج ہے جس کی خدمت کا معاوضہ خراج کے مدسے دیا جائے اور نہ خود وہ حکومت خراج کے اصول پر

---

(۱) فتاویٰ رشیدیہ ۵۵/۳ (۲) فتاویٰ محمودیہ ۴۰/۳ ۔۔۔ ۸۴۔

(۳) امداد الفتاویٰ ۷۵/۲ ۔

اس کو وصول کرتی ہے۔ بلکہ وہ ایک خالص ٹیکس ہے جس کے ادا کرنے سے خراج کی شرعی ذمہ داری پوری نہیں ہوتی۔ اس لئے وہاں کے مسلمانوں پر واجب رہتا ہے کہ خراجی زمینوں کا خراج نکال کر اس کے ان مصارف پر خرچ کردیں جو ہندوستان میں موجود ہیں۔ مثلاً مدارس دینیہ کے مدرسین وطلباء، فتویٰ اور تبلیغ کا کام کرنے والے علماء۔ ان پر یہ رقوم خرچ کی جائیں۔

علامہ ہمایونی سندھی کے رسالہ "سراج الہندفی خراج السندھ" میں اس مسئلہ کو بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ کوئی غیر مسلم حاکم اگر مسلمانوں کی خراجی زمینوں کا خراج، خراج کہہ کر بھی وصول کرے تو اس سے خراج ادا نہیں ہوگا۔ بلکہ از خود مسلمانوں کو رقم خراج نکال کر اس کے ان مصارف پر خرچ کرنا واجب ہوگا جو اس ملک میں موجود ہیں مثلاً علماء وطلباء وغیرہ۔

علامہ سندھی کی عبارت یہ ہے:

"پس بدانکہ بوہرکسے کہ خراج لازم آید اورالازم است کہ درمصارف خراج کہ درکتب فقہ مبین ہست صرف نماید تا عند اللہ از عہدۂ آں بیروں آید ودر قیامت ماخوذ نگردد۔ آنچہ حکام نصاریٰ می گیرید پس درادائے خراج محسوب نمی گردد لأن الکافر لیس لہم ولایۃ أخذ الخراج من المسلمین وأیضا لیسوا بمصارف الخراج کما فی جامع الفصولین (۱)

اس لئے اگر کوئی مسلمان مالگذاری کو خراج میں محسوب کرے تو اس کی گنجائش ہے، لیکن بہرحال احتیاط یہ ہے کہ اپنی خراجی زمینوں کا خراج خود نکال کر اس کے مصارف میں خرچ کردے اگر خود مصرف نہ ہو۔
ہم ——— خراج میں تو عشر کی طرح عبادت کا پہلو نہیں ہے۔ اس لئے ابتداءً مسلمان پر خراج واجب نہیں ہوتا بلکہ غیر مسلموں پر خراج واجب ہوتا ہے کہ وہ عبادت کے اہل نہیں ہیں۔ البتہ اگر کوئی مسلمان خراجی زمین کا مالک ہوتا ہے تو اس پر خراج واجب ہوجاتا ہے۔ اور اگر کوئی غیر مسلم مسلمان کی زمین کا مالک ہوجائے تو اس سے عشر نہیں لیا جاتا بلکہ خراج لیا جاتا ہے۔

خراج کی دو قسمیں ہیں۔ خراج مقاسمہ اور خراج موظف

---

(۱) جواهر الفقه ۲/۳۸۳۔

خراج مقاسمہ میں تو پیداوار کا ایک حصہ لیا جاتا ہے جیسے نصف، ثلث وغیرہ ـــــ اور خراج موظف میں پیداوار سے قطع نظر ایک رقم مقرر کردی جاتی ہے۔ فقہاء نے یہ وضاحت کردی ہے کہ زمین کا وظیفہ نہیں بدلے گا۔ الایہ کہ اگر کوئی غیر مسلم عشری زمین کا مالک ہوجائے تو وہ خراج ادا کرے گا۔ کیونکہ وہ عشر کا اہل نہیں ہے۔ لیکن اگر خراجی زمین کا کوئی مسلمان مالک ہوجائے تو اس کو خراج ہی ادا کرنا ہوگا

ہندوستان کی زمینوں میں خراج مقاسمہ ہوگا یا خراج موظف؟ ـــــ اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ہندوستان کی زمینوں میں خراج موظف کا وجوب بتایا ہے۔ اس سلسلہ میں پوری تفصیلی بحث کے بعد لکھتے ہیں۔

"اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے اکثر علاقوں میں آج بھی خراج موظف کا حکم جاری ہے"[1]

خراج کی مقدار کیا ہو۔ اس سلسلہ میں فقہ وفتاوی کی کتابوں میں مذکور ہے کہ زیادہ سے زیادہ نصف پیداوار تک لیا جاسکتا ہے۔ کم از کم کتنی مقدار ہو عام طور پر مذکور نہیں ہے۔ صاحب درمختار نے حدادی سے نقل کیا ہے کہ نصف سے زائد اور خمس سے کم نہ ہو۔ علامہ شامی نے اس کو خراج مقاسمہ پر محمول کیا ہے۔ اس عبارت کی وضاحت میں فرماتے ہیں

ھذا فی خراج المقاسمة الم یقید به من التعبیر بالنصف والخمس فان خراج الوظیفة لیس فیه جزء معین۔ (۲)

قاضی خاں اور عنایہ کی عبارتوں سے مفہوم ہوتا ہے کہ خراج مقاسمہ خمس سے کم بھی ہوسکتا ہے۔ خراج مقاسمہ وھو أن یکون الواجب شیئا من الخارج نحو الخمس والسدس وما أشبه ذلك۔ (۳)

یہی عبارت عنایہ میں بھی ہے۔ (۴)

عالمگیری کی عبارت سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ امام کی رائے پر موقوف ہے۔

(۵) وأما خراج المقاسمة فالتقدیر فیه مفوض إلى الإمام ولکن لا یزاد علی نصف الخارج۔

---

(۱) جواھر الفقه ۲/۲۸۷ (۲) رد المحتار ۳/۱۸۸

(۳) قاضیخان ۱/۱۳۰ (۴) فتح القدیر ۵/۲۸۳ (۵) عالمگیری ۲/۲۷۳۔

لیکن چونکہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تحقیق کے مطابق ہندوستان میں خراج مقاسمہ نہیں ہے۔ اس لئے اس بحث کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

خراج موظف کے بارے میں فقہ وفتاوی کی تقریبًا تمام ہی کتب میں توظیف عمری کے نام سے ایک مقدار متعین ہے۔ یعنی عام قابل کاشت زمینوں میں ایک جریب میں ایک درہم اور ایک صاع گندم یا جو۔ اور ترکاری کی ایک جریب میں پانچ درہم اور انگور۔ کھجور کا باغ جو متصل درختوں پر مشتمل ہو ایک جریب میں دس درہم۔ (۱)

جہاں حضرت عمرؓ کے بعد خراج مقرر ہوا۔ اس کی مقدار کیا ہونی چاہئے؟ اس سلسلہ میں حضرت امام محمدؒ کی رائے ہے کہ اگر زمین میں صلاحیت ہو تو حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ خراج کی مقدار میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ اور ایک قول امام ابو یوسفؒ کا بھی یہی ہے۔ لیکن امام ابو یوسفؒ کا دوسرا قول اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس میں اضافہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور اسی کو مفتیٰ بہ قرار دیا گیا ہے۔

وكذا إذا فتحت بلدة بعد عمر فأراد الإمام أن يضع على ما يزرع حنطة درهمين وقفيزًا وهي تطيقه ليس له ذالك عند أبي حنيفة رح لأن عمرؓ لم يزد لما أخبر بزيادة الطاقة أفاده في البحر عن الكافي قال ط وهذا نص صريح في حرمة ما أحدثه الظلمة على الأرض من الزيادة على الموظف۔(۲)

وأما الاراضي التي يريد الإمام توظيف الخراج عليها ابتداء إذا زاد على وظيفة عمرؓ على قول محمد رح وأحد الروايتين عن أبي يوسف رح يجوز وعلى قول أبي حنيفة وإحدى الروايتين عن أبي يوسف لا يجوز وهو الصحيح۔(۳)

الولي لا يزيد في الخراج على وظيفة عمر وإن كان أراضيهم تطيق ذلك(۴)

حاصل یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ نے جو مقدار متعین فرما دیا ہے اس میں اضافہ نہ کیا جائے۔

اب ایک بحث جریب کی مقدار میں ہے۔ تقریبًا تمام کتابوں میں مذکور ہے حضرت عمرؓ کے

---

(۱) هدایه ۵۷۲/۲۔ بدائع الصنائع ۶۲/۲۔ مجمع الانهر ۶۶۶/۱۔ رد المحتار ۱۸۶/۳

(۲) رد المحتار ۱۸۷/۳ (۳) عالمگیری ۲۴۳/۲ (۴) قاضی خاں ۲۷۹/۲۔

زمانہ میں جریب ساٹھ ذراع کا ہوتا تھا۔ علامہ شامی کی تحقیق کے مطابق ایک ذراع کی مقدار سات قبضہ ہے اور ایک قبضہ چار انگل ہے۔

ھو ستون ذراعا فی ستین بذراع کسری سبع قبضات (درمختار)

(بذراع کسری) احترز عن ذراع العامة وھو ست قبضات فتح۔ و القبضة أربع اصابع۔ (۱)

سات قبضہ ۲۸ ر انگل ہوا جو تقریباً ۱½ گرہ کے برابر ہے۔ اس طرح ساٹھ ذراع تقریباً ۳۵ ر گز ہوتا ہے۔ گویا اُس وقت کا جریب ۳۵ ر گز کا تھا۔ یعنی ایک مربع جریب ۱۲۲۵ مربع گز کا تھا۔ اور آج کل ہندوستان میں جو جریب ہے وہ تو ۲۲ ر گز ہے۔ یعنی ایک ایکڑ چار ہزار آٹھ سو چالیس مربع گز کا ہوتا ہے۔ گویا حضرت عمرؓ کے زمانہ کا ایک مربع جریب آجکل کے تقریباً ایک چوتھائی ایکڑ کے برابر ہوا۔

اب ایک بحث اور قابل غور ہے کہ جریب کی مقدار میں کمی وزیادتی کی وجہ سے خراج موظف کی مقدار میں کمی وزیادتی کی جائے یا نہیں؟ ——— علامہ ابن ہمام کی عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جریب کی مقدار چاہے جو بھی ہو لیکن خراج کی مقدار میں کمی بیشی نہیں ہونی چاہئے۔ ملاحظہ ہو:

قوله فی الکافی ما قیل الجریب ستون فی ستین حکایة عن جریبهم فی أراضیهم ولیس بتقدیر لازم فی الاراضی کلها بل جریب الارض یختلف باختلاف البلدان فیعتبر فی کل بلد متعارف أهله یقتضی أن الجریب یختلف قدره فی البلدان ومقتضاه أن یتحد الواجب وهو قفیز ودرهم مع اختلاف المقادیر فإنه قد یکون عرف بلد فیه مأة ذراع وعرف اخری فیه خمسون ذراعا۔ (۲)

کفایہ میں بھی مذکور ہے وقیل هذا حکایة عن جریبهم۔ (۳)

علامہ شامی نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔ (۴)

اگر ایک جریب پچاس ذراع کا ہو تو ایک مربع جریب کی مقدار ڈھائی ہزار مربع ذراع ہوگی۔

---

(۱) رد المحتار ۴/۱۸۲ (۲) فتح القدیر ۵/۲۸۴

(۳) فتح القدیر ۵/۲۸۳ (۴) رد المحتار ۴/۱۸۲۔

اور اگر جریب سو ذراع کا ہو تو ایک مربع جریب کی مقدار دس ہزار مربع ذراع ہوگی یعنی چار گنا۔ اور یہ بات قابل فہم نہیں معلوم ہوتی کہ زمین کی مقدار میں تو چار گنا تک کا فرق ہو۔ لیکن خراج کی مقدار ایک ہی ہو۔ اسلئے میری رائے ہے کہ زمین کی مقدار میں کمی زیادتی کی صورت میں خراج میں بھی کمی زیادتی ہو۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ کا ایک جریب آجکل کے ایک ایکڑ کا تقریبًا ایک چوتھائی ہے۔ اس لئے اس وقت ایک جریب میں خراج کی جو مقدار تھی آج ایک ایکڑ میں اس کا چار گنا کر دیا جائے۔ یعنی عام قابل کاشت زمینوں میں چار درہم اور چار صاع گندم۔ جَو یا دھان اور ترکاری کے ایک ایکڑ میں بیس درہم اور گھنے باغات کے ایک ایکڑ میں چالیس درہم۔

اب ضرورت ہے کہ درہم و صاع کو موجودہ باٹ کے وزن میں تبدیل کیا جائے۔ علامہ شامی کی تحقیق کے مطابق ایک درہم کا وزن ۲ ماشہ ۱½ رتی ہے۔

والدرهم أربعة عشر قيراطا والقيراط خمس شعيرات فيكون الدرهم الشرعي سبعين شعيرة (درمختار)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

زاد في النهر عن السراج الا أن كون الدرهم اربعة عشر قيراطا عليه الجم الغفير والجمهور الكثير واطباق كتب المتقدمين والمتاخرين. (۱)

كل خرنوبة أربع شعيرات أو أربع قمحات. (۲)

ایک درہم کا ستّر جَو ہوا اور ایک رتی چار جو کی ہوتی ہے۔ تو ستر جو کی ۱۷½ رتی ہوگی اور ۸ رتی کا ایک ماشہ ہوتا ہے۔ اس طرح ایک درہم دو ماشہ ۱½ رتی کا ہوگا۔ حضرت مولانا عبد الشکور صاحبؒ کی تحقیق یہی ہے ملاحظہ ہو علم الفقہ جلد ۴ صفحہ ۲۶۔ حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانیؒ سابق نائب امیر شریعت بہار و اڑیسہ نے بھی اپنی کتاب "کتاب العشر والزکوٰۃ" صفحہ ۱۳۴ میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ تو چار درہم کا وزن آٹھ ماشہ ۲ رتی ہوا۔ یعنی موجودہ باٹ میں ۸½ گرام۔

لیکن عام طور پر ہندوستان میں دو سو درہم کا وزن ۵۲½ تولہ رائج ہے اور دار العلوم دیوبند

---

(۱) رد المحتار ۲/۲۹۷ (۲) رد المحتار ۲/۲۹۶۔

کے مفتیان کرام حضرات نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ اس حساب سے ایک درہم کا وزن ۳ ماشہ ۱⅕ رتی ہوتا ہے۔ اور چار درہم کا وزن ایک تولہ ۴ ⅘ رتی ہوگا موجودہ باٹ میں بارہ اعشاریہ چھبیس گرام (۱۲٫۲۶ گرام) صاع کے وزن کی تعیین پر بھی اس اختلاف کا اثر پڑے گا۔ صاحب درمختار نے لکھا ہے۔

"الصاع المعتبر ما یسع الفا واربعین درهماً۔(۱)

اگر ایک درہم کا وزن دو ماشہ ۱½ رتی ہو تو اس حساب سے ایک صاع کا وزن موجودہ باٹ میں دو کیلو ۲۱۱ گرام ہوگا۔ اور اگر درہم کا وزن ۳ ماشہ ۱⅕ رتی ہو تو ایک صاع کا وزن موجودہ باٹ میں تین کیلو ۱۸۹ گرام ہوگا۔ بہرحال ایک مسلمان کے لئے گنجائش ہے کہ وہ عام قابل کاشت زمین کے ایک ایکڑ میں ۹ کیلو گندم۔ جو یا دھان اور ۸½ گرام چاندی بطور خراج اس کے مصرف میں خرچ کردے۔ لیکن احتیاط یہ ہے کہ فی ایکڑ ۱۳ کیلو گندم۔ جو یا دھان اور ۱۲½ گرام چاندی ادا کرے اور ترکاری کے ایک ایکڑ میں ۴۲½ گرام چاندی اور احتیاطاً ۶۱ گرام چاندی۔ اور گھنے باغات میں فی ایکڑ ۸۵ گرام چاندی اور احتیاطاً ۱۲۲ گرام چاندی بطور خراج اس کے مصرف میں ادا کرے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

۵ ــــــ زراعت کے جملہ اخراجات۔ مزدوری۔ بیج۔ ہل۔ بیل یا خرچ محافظت۔ کھاد۔ دوا یا اسی طرح کی دوسری چیزیں۔ کوئی خرچ وضع نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ زمین کی پیداوار کے جتنے حصہ کا مسلمان مالک ہو اس کو اپنے مملوکہ غلہ اور پھل کا عشر یا نصف عشر نکالنا ہوگا۔

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے یا ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کل اخراجات یا بعض کو وضع کرکے عشر ہونا چاہئے۔ تو یہ کوئی نئی خواہش یا نیا شبہ نہیں ہے پہلے لوگوں کو بھی ہوا ہے اور جو جواب فقہاء کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے دیا ہے وہی جواب آج بھی ہے۔

"یجب العشر فی الأول ونصفه فی الثانی بلا رفع أجرة العمال ونفقة البقر وکری الأنهار وأجرة الحافظ ونحو ذلك" درر" قال فی الفتح یعنی لا یقال بعدم وجوب العشر فی قدر الخارج الذی بمقابلة المؤنة بل یجب العشر فی الکل لأنه علیه السلام حکم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة ولو رفعت

---

(۱) ردالمحتار ۲/۳۶۵۔

المؤنة كان الواجب واحدا وهو العشر دائما في الباقي لأنه لم ينزل إلى نصفه إلا للمؤنة والباقي بعد رفع المؤنة لا مؤنة فيه فكان الواجب دائما العشر لكن الواجب قد تفاوت شرعًا فعلمنا ان لم يعتبر شرعًا عدم عشر لبعض الخارج وهو القدر المساوي للمؤنة اصلًا۔ (۱)

۲ ـــــ جو عشری زمین بٹائی پر ہو یعنی پیداوار مالک اور کاشتکار کے درمیان تقسیم ہوتی ہو عام ازیں کہ نصف نصف ہو یا کمی وبیشی کے ساتھ۔ ایسی صورت میں ہر ایک کو اپنے اپنے حصہ کا عشر نکالنا چاہئے یعنی جتنے غلہ کا مالک ہے اسی قدر کا عشر ادا کرے۔ کیونکہ عشر پیداوار کی زکوٰۃ ہے اور پیداوار دونوں کے درمیان مشترک ہے۔ اس لئے دونوں پر عشر واجب ہے۔ یہ صاحبین کا مسلک ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

ولو دفعها مزارعة فاما على مذهبهما فالمزارعة جائزة والعشر يجب في الخارج والخارج بينهما فيجب العشر عليهما۔ (۲)

علامہ شامی نے بھی اس عبارت کو نقل کیا ہے۔ (۳)

وفي المزارعة على قولهما العشر عليهما بالحصة۔ (۴)

(جواب کا باقی حصہ آخر صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

محور پنجم

۱ ـــــ عشر کے لئے کوئی نصاب ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک نصاب ہے اور وہ پانچ وسق ہے۔ امام صاحبؒ کے نزدیک کوئی نصاب نہیں ہے۔ پیداوار کم ہو یا زیادہ اس میں عشر یا نصف عشر واجب ہوگا۔ فقہ وفتاوی کی تقریبًا تمام ہی کتب میں یہ تفصیل موجود ہے۔ (۵)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جواہر الفقہ جلد ۲ ص ۲۴۴ میں امام صاحبؒ کے مسلک کو

---

(۱) رد المحتار ۲/۳۲۸۔ اسی مفہوم کی عبارتیں هدایہ ۱/۱۸۳، بدائع ۲/۶۲۔ عالمگیری ۱/۹۲ میں بھی ہے۔

(۲) بدائع ۲/۵۷ (۳) رد المحتار ۲/۳۳۵ (۴) عالمگیری ۱/۹۲ (۵) ھدایہ ۱/۱۸۷ بدائع ۲/۵۹، رد المحتار ۲/۳۰۰

اختیار کیا ہے۔ انھوں نے صاحبین کے مسلک کو ذکر ہی نہیں کیا ہے۔ حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ اپنی کتاب "کتاب العشر والزکوٰۃ" میں امام صاحب اور امام ابو یوسف رح کا اختلاف ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ خود حضرت امام ابو یوسفؒ بھی امام صاحبؒ کے قول کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ مولانا لکھتے ہیں:

"لیکن امام ابو یوسف رح کتاب الخراج میں خود فرماتے ہیں کہ دونوں قول ہیں۔ یعنی نصاب کا اعتبار اور عدم اعتبار۔ پس بیت المال اور قوم کے لئے جو اصلح اور مفید ہو اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔ یعنی وہ خود بھی امام صاحبؒ کے قول پر عمل کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور احوط بھی یہی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو امام صاحب رح کے قول پر عمل کرکے قلیل اور کثیر سب کا عشر ادا کرنا چاہئے۔ کیونکہ قوم کے لئے اصلح اور مفید یہی ہے اور احتیاط بھی اسی کی مقتضی ہے۔ (۱)

۲ــــــ زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں دو قسم کی ہو سکتی ہیں۔ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی کاشت کی جاتی ہے اور ان سے نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ایسی چیزوں میں عشر یا نصف عشر واجب ہوگا۔ دوسری قسم کی چیزیں وہ ہیں جو خودرو ہوتی ہیں۔ ان سے نفع مقصود نہیں ہوتا بلکہ کھیت کو ان سے صاف کیا جاتا ہے جیسے گھاس، بانس وغیرہ۔ ان میں عشر واجب نہیں ہوگا۔ البتہ اگر ان چیزوں کی کاشت کی جائے اور ان سے نفع مقصود ہو تو ان میں بھی عشر واجب ہوگا

"أما الحطب والقصب والحشيش لا تستنبت في الجنان عادة بل تنقى عنها حتى لو اتخذها مقصبة أو مشجرة أو منبتا للحشيش يجب فيها العشر (۲)

ومنها أن يكون الخارج من الأرض مما يقصد بزراعته نماء الأرض وتستغل به الأرض عادة فلا عشر في الحطب والحشيش والقصب الفارسي لأن هذه الأشياء لا تستنمي بها الأرض ولا تستغل بها عادة لأن الأرض لا تنمو بها بل تفسد فلم تكن نماء الأرض حتى قالوا في الأرض إذا اتخذها مقصبة وفي شجرة الخلاف التي يقطع في كل ثلاث سنين أو أربع سنين

---

(۱) کتاب العشر والزکوٰۃ ص۱۵۱ (۲) ھدایہ ۱/۱۸۱۔

انه يجب فيها العشر لأن ذلك غلة وافرة۔ (۱)

عشر زمین کی پیداوار میں ہوتا ہے۔ پانی میں پیدا ہونے والی چیزوں میں عشر واجب نہیں ہوگا۔

۳۔۔۔۔۔ مچھلی میں عشر واجب نہیں ہونا چاہئے کیونکہ وہ زمین کی پیداوار نہیں ہے۔ فقہاء نے پٹرول اور تارکول میں عدم وجوب عشر کی وجہ یہی بتایا ہے کہ وہ زمین کی پیداوار نہیں ہے:

وليس في عين القير والنفط في أرض العشر شيئ لأنه ليس من إنزال الأرض (۲)

در منتقی میں لانهما ليسا من غلة الارض ہے۔ اور مجمع الانہر میں لأنهما ليسا من إنزال الأرض ہے (۳)

بدائع میں ہے:

ومنها أي من شرائط المحلية وجود الخارج حتى أن الارض لولم تخرج شيئا لم يجب العشر لان الواجب جزء من الخارج وإيجاب جزء من الخارج ولا خارج محال۔ (۴)

البتہ مچھلی کی قیمت سونا۔ چاندی یا روپیوں میں ملاکر زکوٰۃ دی جائے گی۔

۴۔۔۔۔۔ عام طور پر فقہ وفتاوی کی کتابوں میں موجود ہے کہ ریشم کے کیڑوں میں عشر واجب نہیں ہے امام شافعی رح نے شہد میں عدم وجوب عشر پر ریشم سے بھی استدلال کیا ہے۔ ان کا جواب دیتے ہوئے صاحب ھدایہ لکھتے ہیں۔

بخلاف دود القز لأنه يتناول الأوراق ولا عشر فيها۔ (۵)

لیکن جس طرح خودرو گھاس۔ بانس اور درختوں میں عشر نہیں ہے البتہ اگر ان کی کاشت کی جائے اور ان سے نفع مقصود ہو تو عشر واجب ہوجاتا ہے جب کہ اوپر بحث گذری۔۔۔۔۔ اسی طرح شہتوت کے درخت اور پتوں میں عشر نہیں ہے اور نہ اس سے پیدا ہونے والے ریشم میں۔ لیکن جب اس کی باضابطہ کاشت کی جائے اور ان سے نفع اٹھانا مقصود ہوجائے تو بانس۔ گھاس کی طرف اس میں بھی عشر واجب ہوگا اور اس سے پیدا ہونے والے ریشم میں بھی۔

---

(۱) بدائع ۲/۵۸۔ اسی مفہوم کی عبارت در منتقی اور مجمع الانہر ۱/۲۱۶ رد المحتار ۲/۳۲۶ قاضیخان ۱/۱۳۲ عالمگیری ۱/۱۹۵ میں بھی ہے

(۲) ھدایہ ۱/۱۸۴ (۳) مجمع الأنهر ۱/۲۱۹ (۴) بدائع ۲/۵۸ (۵) ھدایۃ ۱/۱۸۳ مجمع الانہر ۱/۲۱۶۔ کمافی اکثر الکتب۔

۵۔۔۔ پھلدار درختوں کے پھل میں عشر واجب ہوگا اور جو درخت پھل دار نہیں ہیں خود ان ہی میں عشر ہو۔

وفی شجرة الخلاف التی تقطع فی کل ثلاث سنین أو أربع سنین انہ یجب فیہا العشر لأن ذلک غلة وافرة۔ (۱)

۶۔۔۔ خضراوات میں بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عشر واجب ہے جب جب پھل توڑے جائیں گے ان میں سے عشر ادا کیا جائے گا

فاما کون الخارج ممالہ ثمرة باقیة فلیس بشرط لوجوب العشر بل یجب سواء کان الخارج لہ ثمرة باقیة أو لیس لہ ثمرة باقیة وھی الخضراوات (۲)

البتہ مکان کے گرد وپیش افتادہ زمین میں درخت لگائے جائیں یا سبزیاں اگالی جائیں، یا چھتوں پر سبزیاں اگالی جائیں ان میں عشر واجب نہیں ہوگا۔

لا شیئ فی الدار التی بہا أشجار ورشّی ولو لم یجعلہا بستانا بل أبقاہا دارا ولکن فیہا نخیل لا شیئ فیہا۔ (۳)

ولو کان فی دار رجل شجرة مثمرة لا عشر فیہا۔ (۴)

رجل فی دارہ شجرة مثمرة لا عشر فیہا وإن کانت البلدة عشریة بخلاف ما إذا کانت فی الأرض۔ (۵)

۷۔۔۔ اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا۔

وکذا ملک الأرض لیس بشرط لوجوب العشر وإنما الشرط ملک الخارج فیجب فی الأراضی التی لا مالک لہا وھی الأراضی الموقوفة۔ (۶)

فیجب فی الأراضی الموقوفة۔ (۷)

ویجب العشر فی الأراضی الموقوفة وأرض الصبیان والمجانین إن کانت عشریة

---

(۱) بدائع ۲/۵۸ (۲) بدائع ۲/۵۹ ھدایہ ۱/۱۸۱ مجمع الأنہر ۱/۲۱۵

(۳) مجمع الأنہر ۱/۲۱۸ (۴) عالمگیری ۱/۱۸۵ (۵) فتاوی قاضی خان ۱/۲۳۲

(۶) بدائع الصنائع ۲/۵۶ (۷) رد المحتار ۲/۴۹۔

وإن كانت خراجية ففيها الخراج۔ (۱)

وكذا ملك الأرض ليس بشرط للوجوب لوجوبه في الأراضي الموقوفة۔ (۲)

يجب العشر والخراج في أرض الوقف كذا في الوجيز للكردي۔ (۳)

جب عام اوقاف میں عشر وخراج واجب ہے تو وقف علی الاولاد میں بدرجۂ اولیٰ واجب ہوگا۔

محور چہارم سوال (۶) کا بقیہ

اگر کسی مسلمان زمیندار نے اپنی عشری زمین کسی غیر مسلم کو بٹائی پر دے دیا تو صاحبینؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی عشر پیداوار میں اپنے اپنے حصہ کے مطابق ہوگا۔ یعنی عشری زمین کی پیداوار سے ہی عشر لیا جائے گا۔ چاہے کاشتکار غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو ——— ایک دوسرا مسئلہ اس میں یہ بھی ہے کہ اگر کسی مسلمان نے اپنی عشری زمین کسی غیر مسلم کو عاریۃً دے دیا تو عشر کس پر ہوگا؟

علامہ کاسانی رحؒ کی عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ صاحبین رحؒ کے نزدیک پیداوار ہی میں عشر ہوگا۔ اور امام صاحب کے نزدیک ایک قول کے مطابق پیداوار میں ہوگا اور دوسرے قول کے مطابق مالک زمین پر ہوگا۔

ولو أعارها من مسلم فزرعها فالعشر على المستعير عند أصحابنا الثلاثة .... ولو أعارها من كافر فكذلك الجواب عندهما لأن العشر عندهما في الخارج على كل حال وعن أبي حنيفة رح فيه روايتان. في رواية العشر في الخارج وفي رواية على رب المال۔ (۴)

حالانکہ علامہ شامی نے درر سے نقل کیا ہے کہ اس صورت میں چونکہ غیر مسلم عشر کا اہل نہیں ہے اس لئے مالک زمین پر ہی عشر ہوگا۔ کیونکہ فقراء کے حق کے ضیاع کا سبب وہی ہوا ہے کہ اس نے عشری زمین غیر مسلم کو کاشت کے لئے دے دیا۔

---

(۱) فتاوی قاضی خان ۱/۱۳۲ (۲) عالمگیری ۱/۹۵

(۳) عالمگیری ۱/۲۰۳ (۴) بدائع ۲/۵۶۔

وقيد بالمسلم لأنه لو استعارها ذمّيٌ فالعشر على المعير اتّفاقاً لتفويته حق الفقراء بالإعارة من الكافر كذا في شرح درر البحار. أي لكونه ليس أهلاً للعشر. (۱)

لیکن انہوں نے بھی بدائع کی عبارت نقل کی ہے۔

لكن في البدائع لو استعارها كافر عندهما العشر عليه. وعن الإمام روايتان في رواية كذلك وفي رواية على المالك. (۲)

بٹائی کی صورت میں صاحبین پیداوار میں ہی عشر کے قائل ہیں۔ چاہے کاشتکار مسلم ہو یا غیر مسلم اور امام صاحب رح کے نزدیک چونکہ بٹائی صحیح نہیں ہے۔ اس لئے وہ بہر صورت عشر رب الارض پر واجب قرار دیتے ہیں چاہے کاشتکار مسلم ہو یا غیر مسلم۔

ولو دفعها مزارعة فأما على مذهبهما فالمزارعة جائزة والعشر يجب في الخارج والخارج بينهما فتجب العشر عليهما وأما على مذهب أبي حنيفة رح فالمزارعة فاسدة ولو كان يجيزها كان يجب على مذهبه جميع العشر على ربّ الأرض إلا أن في حصته جميع العشر يجب في عينه وفي حصة المزارع يكون ديناً في ذمته. (۳)

علامہ شامی رح لکھتے ہیں۔

في شرح درر البحار عشر جميع الخارج على ربّ الأرض عنده لأن المزارعة فاسدة عنده فالخارج له تحقيقاً أو تقديراً لأن البذر إن كان من قبله فجميع الخارج له وللمزارع أجر مثل عمله وإن كان من قبل المزارع فالخارج له ولرب الأرض أجر مثل أرضه وهو بمنزلة الخارج إلا أن عشر حصته في عين الخارج وعشر حصة المزارع في ذمة رب الأرض. (۴)

---

(۱) رد المحتار ۲/۳۳۴ (۲) حوالہ مذکور

(۳) بدائع ۲/۵۶ (۴) رد المحتار ۲/۳۳۵۔

چوں کہ فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ کے قول بٹائی کے صحیح ہونے پر ہے۔ اس لئے میری رائے ہے کہ اگر بٹائی دار بھی مسلمان ہو تو دونوں پر اپنے اپنے حصہ کے مطابق عشر لازم ہوگا۔ اور اگر بٹائی دار غیر مسلم ہو تو چونکہ اسلامی حکومت نہیں ہے کہ اس کے حصہ کا عشر وصول کر کے فقراء تک پہونچایا جاسکے۔ اس لئے میری رائے ہے کہ اس صورت میں امام صاحب رح کے مسلک کے مطابق مسلمان زمیندار سے ہی بٹائی دار کے حصہ کا عشر وصول کیا جائے۔ حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی رح کی رائے بھی یہی ہے۔

وَاللہُ تعالیٰ اعلم بالصواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کا نظام عشر و خراج

(محور پنجم)

از: نور الحق رحمانی (فاضل دیوبند) ——— مجمع الفقہ الاسلامی الہند

نصاب عشر کا مسئلہ

ا ——— زرعی پیداوار اور پھلوں کی کسی مخصوص مقدار پر عشر واجب ہے، یا زمین سے حاصل ہونے والی ہر قلیل و کثیر پیداوار پر۔ بہ الفاظ دیگر دوسرے اموال کی زکوٰۃ کی طرح کھیتوں اور پھلوں کی زکوٰۃ کے لئے شرعاً کوئی نصاب مقرر ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں فقہائے کرام کے دو اقوال ہیں ایک تو یہ کہ وجوب عشر کے لئے شرعاً کوئی نصاب مقرر نہیں ہے، پیداوار کی ہر مقدار پر خواہ وہ کم ہو یا زیادہ عشر یا نصف عشر واجب ہے۔ یہ قول امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

"وکذا النصاب لیس بشرط لوجوب العشر فیجب العشر فی کثیر الخارج وقلیلہ ولا یشترط فیہ النصاب عند ابی حنیفۃ" [۱]

اسی طرح وجوب عشر کے لئے نصاب شرط نہیں ہے لہذا زمین سے نکلنے والی ہر قلیل و کثیر مقدار پر عشر واجب ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں نصاب کی شرط نہیں ہے۔

---

[۱] بدائع الصنائع ۵۹/۲

ابراہیم نخعی، عطاء، مجاہد، حماد، زفر اور عمر بن عبدالعزیز کا بھی یہی قول نقل کیا گیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں:

"قول ابی حنیفة مذهب ابراهیم النخعی ومجاهد وحماد وزفر وعمر بن عبد العزیز ذکره ابو عمرو وهو مروی عن ابن عباس وهو قول داؤد واصحابه فیما لا یوسق وحکاه یحییٰ بن آدم بسند جید عن عطاء"[1]

امام ابوحنیفہ کا جو قول ہے وہی مذہب ہے ابراہیم نخعی، مجاہد، حماد، زفر اور عمر بن عبدالعزیز کا، ابوعمرو نے اس کا تذکرہ کیا ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے، اور یہی قول ہے داؤد ظاہری اور ان کے اصحاب کا ان چیزوں کے بارے میں جن کا وسق سے اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور عمدہ سند سے یحییٰ ابن آدم عطاء سے بھی یہی روایت کرتے ہیں۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ عشر کے سلسلے میں کتاب وسنت کے نصوص میں عموم ہے۔ ان میں مطلقاً زمین کی پیداوار سے زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا گیا اور پیداوار کی کسی مقدار کی تخصیص نہیں کی گئی ہے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا گیا:

"یا ایها الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض"[2]

اے ایمان والو! اپنے کمائے ہوئے حلال اور پاکیزہ مالوں میں سے خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہیں۔

سورۂ انعام میں ارشاد فرمایا گیا:

"کلوا من ثمره اذا اثمر وآتوا حقه یوم حصاده"[3]

تم ان (باغوں اور کھیتوں) کے پھل (اور پیداوار) کھاؤ جب وہ پھلیں اور اس کی کٹائی کے دن اللہ کا حق ادا کر دو۔

پہلی آیت میں زمین کی پیداوار میں سے خرچ کرنے یعنی عشر نکالنے کا حکم دیا گیا، اور قلیل وکثیر مقدار کے درمیان

---

[1] عمدۃ القاری ۹/۲۳ [2] البقرہ۔ ۲۶۷ [3] الانعام۔ ۱۴۱

کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ اور دوسری آیت میں پھلوں کے باغات، کھیتوں، کھجور، زیتون اور انار کا تذکرہ کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں کو استعمال کرنے اور پھر اپنا حق ادا کرنے یعنی عشر نکالنے کا حکم دیا۔ اس میں بھی مطلق پھلوں اور زرعی پیداوار میں سے اللہ کا حق ادا کرنے کا حکم دیا گیا جس سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ زمین کی ہر پیداوار میں خدا کا حق ہے۔

اسی طرح عشر سے متعلق درج ذیل حدیث جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جسے اصحاب صحاح میں سے اکثر حضرات نے نقل کیا ہے:

"فیما سقت السماء والعیون العشر، وفیما سقی بالنضح نصف العشر"[1]

جو کھیتی بارش اور چشموں کے پانی سے سیراب ہوئی ہو اس میں عشر ہے اور جسے آب پاشی کے ذریعہ سیراب کیا گیا ہو اس میں نصف عشر ہے۔

اس سے بھی زمین کی ہر پیداوار پر قدرتی پانی سے سیراب ہونے کی صورت میں عشر اور آب پاشی کے ذریعہ سینچائی ہونے کی صورت میں نصف عشر کا وجوب سمجھ میں آرہا ہے۔ قلیل و کثیر کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ وجوب عشر کا سبب زمین کا قابل کاشت ہونا اور پیداوار کا حقیقۃً حاصل ہونا ہے تو پیداوار کم ہو یا زیادہ دونوں صورتوں میں یہ سبب پایا جا رہا ہے:

"ولان سبب الوجوب وهی الارض النامیة بالخارج لایوجب التفصیل بین القلیل والکثیر"[2]

اور اس لئے کہ سبب وجوب عشر جو زمین کا نامی ہونا اور پیداوار کا حاصل ہونا ہے وہ قلیل و کثیر مقدار کے درمیان فصل نہیں کرتا۔

عشر میں اور دوسرے اموال کی زکوٰۃ میں کئی اعتبار سے فرق ہے، دوسرے اموال کی زکوٰۃ کے لئے سال کا پورا ہونا، دین سے ذمہ کا فارغ ہونا اور عقل و بلوغ شرط ہے جب کہ وجوب عشر کے لئے ان میں سے کوئی شرط نہیں اسی طرح عشر کے لئے نصاب کی بھی شرط نہیں۔

دوسرا قول جمہور فقہا اور صاحبین کا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک جس طرح سونا چاندی، حیوانات

---

[1] ترمذی ۱/۱۴۳، باب ماجاء فی الصدقۃ فیما یسقی بالانہار وغیرھا ابن ماجہ باب صدقۃ الزروع والثمار کتاب الزکاۃ ص۱۲۸ دار المکتبۃ العلمیہ بیروت لبنان [2] بدائع الصنائع ۲/۵۹

اور تجارتی اموال کی زکوٰۃ کے لئے نصاب شرط ہے۔ اسی طرح زمین کی پیداوار کی زکاۃ (عشر) کے لئے بھی نصاب شرط ہے، اور وہ پانچ وسق ہے۔ اور ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے، ابن المنذر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے:

"نقل ابن المنذر وغیرہ الاجماع علی ان الوسق ستون صاعا" ۱؎

اس طرح پانچ وسق کی مقدار تین سو صاع ہوئی۔ اب صاع کے سلسلے میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔ فقہائے عراق کے نزدیک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے اور فقہائے حجاز کے نزدیک پانچ رطل اور ایک تہائی رطل کا۔ اور رطل کیلوگرام کے حساب سے ۶۷۵ کیلوگرام کا ہوتا ہے۔ جمہور فقہاء چوں کہ صاع حجازی کا اعتبار کرتے ہیں اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ بھی۔ اور یہی حضرات عشر کے لئے پانچ وسق نصاب کے قائل ہیں اس لئے ان حضرات کے قول کے مطابق پانچ وسق (تین سو صاع) موجودہ رائج کیلوگرام کے وزن سے چھ کوئنٹل ترپن کیلوگرام ہوتا ہے۔ گویا جمہور فقہاء کے نزدیک چھ کوئنٹل ترپن کیلوگرام سے کم پیداوار اور پھل ہو تو اس میں عشر واجب نہ ہوگا۔ ان حضرات کا استدلال صحیحین وغیرہ کی اس روایت سے ہے جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ" ۲؎

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔

یہ حضرات اس حدیث کو عشر والی حدیث کے لئے مخصص قرار دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جس طرح اونٹ کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فی سائمۃ الابل الزکوٰۃ (سائمہ اونٹ میں زکوٰۃ ہے۔ یہ حدیث مطلق ہے پھر دوسری حدیث میں آپ نے اونٹ کا نصاب بیان فرمایا: لیس فیما دون خمس ذود صدقۃ (پانچ اونٹ سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔ جس طرح یہ دوسری حدیث اونٹ کی زکوٰۃ کے سلسلے میں مخصص ہے، اسی طرح عشر کے سلسلے میں پانچ وسق والی حدیث پہلی حدیث کے لئے مخصص ہے۔ ان حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حدیث کی رو سے زکوٰۃ مالداروں پر فرض ہے جیسا کہ حضرت

۱؎ المجموع شرح المہذب ۵/ ۴۵۰ ۲؎ صحیح مسلم

معاذ بن جبل والی روایت میں اس کی صراحت آئی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یمن کا قاضی بنا کر بھیجتے ہوئے فرمایا تھا کہ تم اہل کتاب قوم کے پاس جارہے ہو۔ انھیں پہلے اس کی دعوت دینا کہ وہ لاالٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ "کی گواہی دیں۔ پھر اگر وہ اس کا اقرار کرلیں تو انھیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے پھر اگر وہ اسے تسلیم کرلیں تو انھیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے فقیروں پر تقسیم کردی جائے گی، حدیث کے الفاظ ہیں:

"فاخبرهم ان الله عز وجل فرض عليهم صدقة توخذ عن اغنيائهم وترد على فقرائهم" [1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکوۃ صرف مالداروں پر فرض ہے۔ اور عشر بھی دراصل زمین کی پیداوار کی زکوۃ ہے۔ لہٰذا اس کے واجب ہونے کے لئے بھی مال دار ہونا ضروری ہوگا۔ پانچ وسق والی حدیث نے گویا غنا کی حد مقرر کردی کہ اس سے کم میں غنا متحقق نہ ہوگا۔ جس طرح دوسرے اموال کی زکوۃ کے لئے نصاب کے ذریعہ غنا کی حد مقرر کی گئی ہے۔

پھر قیاس کا بھی تقاضہ ہے کہ جس طرح تھوڑے مالوں پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی اسی طرح تھوڑی پیداوار پر بھی عشر واجب نہ ہو۔

جہاں تک دونوں اقوال میں ترجیح کی بات ہے تو اس عاجز کے نزدیک دلائل کی رو سے صاحبین اور جمہور فقہاء کا مسلک راجح ہے۔ البتہ چوں کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک احتیاط پر مبنی ہے اور اس میں بیت المال اور فقراء کا فائدہ زیادہ ہے۔ اس لئے وہ زیادہ قابل اتباع ہے۔ اسی بنا پر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جو جمہور کی طرح عشر میں نصاب کے قائل ہیں وہ اپنی مشہور تصنیف "کتاب الخراج" میں دونوں اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ قوم کے لئے اور بیت المال کے لئے جو اصلح اور زیادہ مفید ہو اس پر عمل کرنا چاہئے۔

"فخذ في ذلك بما رأيت انه اصلح للرعية و اوفر على بيت المال، وبأيّ القولين احببت" [2]

---

[1] نسائی کتاب الزکوۃ باب وجوب الزکاۃ ج۵ ص۳

[2] موسوعۃ الخراج فصل ما ينبغي ان يعمل به في السواد ص۳۴ ط: دار المعرفۃ بیروت - لبنان

رہی پانچ وسق والی روایت تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کا بھی محمل ہے۔ وہ اسے مال تجارت پر محمول کرتے ہیں یعنی اگر کوئی شخص غلوں کی تجارت کرتا ہے تو جب تک اس کی مقدار پانچ وسق یا اس کی قیمت دو سو درہم کو نہ پہنچ جائے اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی یعنی اس حدیث میں غلوں کی تجارت کرنے والوں کے لئے زکوٰۃ کا نصاب بیان کیا گیا ہے کیونکہ لوگ وسق ہی کے ذریعہ سے غلوں کی خرید و فروخت کرتے تھے اور ایک وسق کی قیمت چالیس درہم تھی اس اعتبار سے پانچ وسق کی قیمت دو سو درہم ہو گئی اور زکوٰۃ تجارت پر محمول کرنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں صدقہ کا لفظ آیا ہے اور مطلق صدقہ سے ذہن معروف زکوٰۃ کی طرف منتقل ہوتا ہے نہ کہ عشر کی طرف۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں :

" وتاويل ما رو يناه زكوة التجارة لانهم كانوا يتبايعون بالاوساق وقيمة الوسق اربعون درهما " له

اور صاحبین نے پانچ وسق والی جو روایت بیان کی اس کی تاویل یہ ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ تجارت ہے کیونکہ صحابہ وسق کے ذریعہ خرید و فروخت کرتے تھے اور ایک وسق کی قیمت چالیس درہم تھی۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں :

" واما الحديث فالجواب عن التعلق به من وجهين : احدهما انه من الآحاد فلا يقبل في معارضة الكتاب والخبر المشهور ...... والثاني ان المراد من الصدقة الزكوة لان مطلق اسم الصدقة لا ينصرف الا الى الزكوة المعهودة ونحن به نقول ان ما دون خمسة اوسق من طعام او تمر للتجارة لا يجب فيه الزكوة ما لم يبلغ قيمتها مائتي درهم " سه

اور جہاں تک حدیث اوسق کے تعلق ہے تو اس سے تعلق دو جواب دیئے گئے ہیں ایک تو یہ کہ وہ خبر واحد ہے لہذا اسے کتاب اللہ اور [illegible] ......

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ صدقہ [illegible] مطلق [illegible] لفظ زکوٰۃ معہودہ ہی کی طرف

له ہدایہ ج [illegible] باب زکوٰۃ [illegible]

لوٹتا ہے اور ہم یہی کہتے ہیں کہ پانچ وسق سے کم غلہ اور کھجور جو تجارت کے لئے ہو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی جب تک کہ اس کی قیمت دو سو درہم کو نہ پہنچ جائے۔

۲۔ عشر کن چیزوں میں واجب ہے؟

زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز پر عشر واجب ہے یا کچھ چیزیں وجوب عشر سے مستثنیٰ ہیں؟ اس سلسلے میں بھی فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والی ہر اس چیز پر عشر واجب ہے جسے زمین سے نفع حاصل کرنے کی غرض سے لگایا گیا ہو، خواہ وہ غذائی اجناس ہوں جیسے گندم، جو، چاول، مکئی اور دلہن اور تلہن وغیرہ یا پھل اور میوے مثلاً انگور، کشمش، زیتون، انجیر، آم، امرود، سیب، کیلا، ناسپاتی، شفتالو، زرد آلو، انار وغیرہ۔ یا ساگ سبزیاں مثلاً کھیرا، لکڑی، خربوزہ، آلو، بیگن، ٹماٹر، گاجر، شلغم، مولی، پیاز، لہسن وغیرہ یا غیر غذائی اجناس مثلاً زعفران، روئی، سن پاٹ وغیرہ خواہ وہ مطعومات تیل سے ہو یا نہ ہو، قابل پیمائش اور قابل ادخار ہو یا نہ ہو۔ اس سے صرف وہ گھاس، بانس اور درخت مستثنیٰ ہیں جو خود سے اگ آتے ہیں۔ لیکن اگر ان چیزوں کی کاشت مقصود ہو۔ اور زمین کے کسی ٹکڑے کو گھاس اگانے، بانس لگانے یا ساکھو اور شیشم وغیرہ کے درخت لگانے کے لئے خاص کر دیا جائے۔ اور ان کی سینچائی کی جائے، اور لوگوں کو اس میں آمدورفت سے روک دیا جائے تو اس صورت میں ان میں بھی عشر واجب ہوگا۔ عالمگیری میں ہے:

"ویجب العشر عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فی کل ما تخرجہ الارض من الحنطۃ والشعیر والدخن والارز واصناف الحبوب والبقول ...... مما لہ ثمرۃ باقیۃ اوغیر باقیۃ قل اوکثر .... یقع فی الوسق اولا .... ویجب فی الکتان وبذرہ لان کل واحد منہما مقصود" [۱]

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز میں عشر واجب ہے یعنی گندم، جو، چاول اور مختلف قسم کے غلے اور سبزیاں ...... خواہ اس کا پھل باقی رہے یا نہ رہے، تھوڑا ہو یا زیادہ ...... وسق کے ذریعہ اس کی پیمائش ہو سکتی ہو یا نہیں .... اور کتان

---

[۱] الفتاوی الہندیۃ ۱/۱۸۶

(س) اور اس کی بیع میں بھی عشر واجب ہے کیوں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک مقصود ہوتے ہیں
علامہ کاسانی لکھتے ہیں :

"ومنها ان يكون الخارج من الارض مما يقصد بزراعته نماء الارض وتستغل الارض به عادة، فلا عشر في الحطب والحشيش والقصب الفارسي لان هذه الاشياء لا تستنمى بها الارض ولا تستغل بها عادة لان الارض لا تنمو بها بل تفسد فلم تكن نماء الارض حتى قالوا في الارض اذا اتخذها مقصبة ...... انه يجب العشر فيها"[1]

اور وجوب عشر کے شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والی چیز ایسی ہو جس کی کاشت کا مقصد عادتاً زمین کی ترقی اور زمین سے نفع حاصل کرنا ہو۔ لہٰذا لکڑی، گھاس اور بانس میں عشر نہیں ہے۔ کیوں کہ ان چیزوں سے عام طور پر نہ زمین کی ترقی مقصود ہوتی ہے اور نہ ان سے نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ کیوں کہ زمین ان چیزوں سے ترقی نہیں کرتی بلکہ خراب ہوتی ہے اس لئے ان میں زمین کی نما نہیں ہے۔ یہاں تک کہ فقہا نے کہا کہ اگر کسی زمین کو کوئی شخص بانس کی باڑی بنالے ...... تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

یہی قول ابراہیم نخعی، حماد، مجاہد، زفر، عطا اور عمر بن عبدالعزیز وغیرہ کا ہے۔

ان حضرات کا استدلال عشر سے متعلق کتاب وسنت کے ان ہی نصوص سے ہے جو نصاب عشر کے ذیل میں ذکر کئے گئے (یعنی انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض (البقرہ) اور وآتوا حقہ یوم حصادہ (الانعام) اور حدیث فیما سقت السماء او العیون العشر (متفق علیہ)۔ ان نصوص کے عموم سے واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز میں عشر واجب ہے۔

دوسرے یہ کہ زمین سے پیدا ہونے والی تمام چیزیں خواہ وہ غذائی اجناس کے قبیل سے ہوں، پھل اور میوہ جات ہوں یا ساگ سبزیاں، یہ سب خدا کی نعمت اور انسانیت کے لئے نفع بخش ہیں، لہٰذا اس عظیم نعمت پر خدا کا شکر ادا کرنا اور غریبوں کا حق نکالنا ضروری ہے کہ عشر وزکوٰۃ دراصل خدا کی نعمت کا شکریہ ہی ہے۔

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۵۸

دوسرا قول یہ ہے کہ عشر زمین کی اس پیداوار پر واجب ہے جو غذائی اجناس کے قبیل سے ہو یعنی جسے عام طور پر غذا کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا ہو اور جسے لوگ اگاتے ہوں اور جو قابل ادخار ہو، یہ قول امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب کا ہے، اس قول کی رو سے زعفران، روئی، کتان (سن) لکڑی اور بانس جیسی پیداوار جو مطعومات کے قبیل سے نہیں ہے ان پر عشر واجب نہ ہوگا، اسی طرح سبزیاں، میوہ جات اور وہ پھل جو باقی رہنے والے اور ذخیرہ کر کے رکھے جانے کے قابل نہیں ہیں ان پر عشر واجب نہیں، صاحب مہذب فرماتے ہیں:

"وتجب الزکاۃ فی کل ما تخرجه الارض مما یقتات و یدخر وینبته الآدمیون کالحنطة والشعیر والدخن والذرۃ والجاورس والارز وما اشبه ذلك"[1]

اور عشر زمین کی ہر اس پیداوار پر واجب ہے جو غذائی اجناس کے قبیل سے ہو اور جو قابل ادخار ہو اور لوگ اسے اگاتے ہوں مثلاً گندم، جو، باجرہ، مکئی، چاول اور اس طرح کی دوسری چیزیں۔

اور پھلوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وتجب الزکاۃ فی ثمر النخیل والکرم...... ولا تجب فیما سوی ذلك من الثمار کالتین والتفاح والسفرجل والرمان لانه لیس من الاقوات ولا من الاموال المدخرۃ المقتاتة"[2]

کھجور اور انگور کے پھل میں عشر واجب ہے...... اور ان کے علاوہ دوسرے پھلوں مثلاً انجیر، سیب، ناریل، اور انار میں واجب نہیں ہے، کیوں کہ وہ غذائی اجناس اور ذخیرہ کر کے رکھی جانے والی چیزوں میں سے نہیں ہے۔

بنیادی طور پر تقریباً یہی قول مالکیہ، حنابلہ اور احناف میں سے صاحبین کا ہے، البتہ جزوی تفصیلات میں ان ائمہ کے درمیان قدرے اختلاف ہے، مثلاً صاحبین وجوب عشر کے لئے غذائی اجناس کی شرط نہیں لگاتے بلکہ وہ امام ابوحنیفہ کی طرح گنا، زعفران، روئی اور کتان (سن) وغیرہ میں عشر کو واجب قرار دیتے ہیں، لیکن میوہ جات اور سبزیوں میں یہ حضرات بھی جمہور فقہاء کی طرح عشر کے قائل نہیں ہیں، اسی طرح مالکیہ بھی میوہ جات اور سبزیوں میں عشر کے قائل نہیں ہیں۔

---

[1] المہذب مع المجموع ۵/۴۹۲ [2] حوالہ سابق ص۴۵۲

چنانچہ امام مالک مؤطا میں فرماتے ہیں :

"السنة التی لا اختلاف فیہا عندنا والذی سمعتہ من اهل العلم : انہ لیس فی شیئ من الفواکہ کلہا صدقة "[1]

وہ سنت جس میں ہمارے نزدیک اختلاف نہیں ہے اور جسے میں نے اہل علم سے سنا ہے وہ یہ ہے کہ میوہ جات میں سے کسی قسم کے میوہ میں صدقہ (عشر) نہیں ہے۔

مالکیہ کے نزدیک بیس قسم کی زرعی پیداوار میں عشر واجب ہے، چار روغنیات کے قبیل سے مثلاً زیتون، تل، دانہ زعفران اور سُرخ رائی، اور دو قسم کے پھل یعنی کھجور اور کشمش اور باقی چودہ غذائی اجناس اور دالیں وغیرہ اور وہ حسب ذیل ہیں : گندم، جو، سُلت (بغیر چھلکے کا جو) عَلَس (گیہوں کی ایک قسم جس کے دو دانے ایک چھلکے میں ہوتے ہیں اور یمن کے علاقہ صنعاء والوں کی خوراک ہے) چاول، باجرہ، مکئی، لوبیا، چنا، دال، تُرمُس (ایک قسم کا غلہ جو کڑوا ہوتا ہے اور چند دن پانی میں بھگو کر استعمال کیا جاتا ہے) بسلہ ( ) جلبان ، ان کے علاوہ پیداوار میں عشر نہیں[2] اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک عشر ہر اس پیداوار پر واجب ہے جو ناپے جانے، باقی رکھے جانے اور خشک کئے جانے کے قابل ہو، میوہ جات اور سبزیوں میں ان کے نزدیک بھی عشر نہیں، ابن قدامہ مقدسی حنبلی لکھتے ہیں :

" ان الزکاة تجب فیما جمع هذہ الاوصاف : الکیل، والبقاء والیبس من الحبوب، والثمار مما ینبتہ الآدمیون ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ولا زکاة فی سائر الفواکہ کالخوخ والاجاص والکمثری، والتفاح، والمشمش، والتین، والجوز، ولا فی الخضر کالقثاء والخیار، والباذنجان، واللفت، والجزر۔[3]

زکوٰۃ (عشر) ان غلوں اور پھلوں میں واجب ہے جن میں یہ اوصاف جمع ہوں یعنی جنھیں ناپا جا سکتا ہو خشک کیا جا سکتا ہو اور جو دیر تک باقی رہ سکتے ہوں، اور جسے لوگ اگاتے ہیں ۔۔۔۔۔۔

---

[1] المؤطا ۱/۲۷۶ الحلبی باب مالا زکاة فیہ من الفواکہ والقضب والبقول

[2] دیکھئے : کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ ۱/۶۱۲ ۔ ۶۱۳ و شرح الخرشی علی خلیل مع حاشیۃ العدوی ۲/۱۶۸

[3] المغنی ۲/۶۹۰ ۔ ۶۹۱

اور تمام میوہ جات میں عشر نہیں ہے مثلاً شفتالو، ناشپاتی، امرود، سیب، زرد آلو، انجیر اور اخروٹ اور نہ سبزیوں میں مثلاً کھیرا، ککڑی، خربوزہ، بیگن، شلغم اور گاجر۔

حنابلہ نے وجوب عشر کے لئے قابل پیمائش ہونے کی شرط درج ذیل حدیث کی بنیاد پر لگائی ہے:

"لیس فی حب ولا تمر صدقة حتی یبلغ خمسة اوسق"[۱]

کسی غلہ اور کھجور میں صدقہ نہیں ہے جب تک کہ وہ پانچ وسق کو نہ پہنچ جائے۔

ابن قدامہ لکھتے ہیں:

"فدلّ هذا الحدیث علی انتفاء الزکاة مما لا توسیق فیه"[۲]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس چیز کی پیمائش وسق سے نہیں کی جا سکتی اس میں عشر نہیں ہے۔

جو لوگ میوہ جات اور سبزیوں میں عشر کے قائل نہیں ہیں ان کا استدلال درج ذیل روایات سے ہے:

"عن علی ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: لیس فی الخضراوات صدقة"[۳]

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبزیوں میں صدقہ نہیں ہے۔

دوسری روایت ابن ماجہ اور دار قطنی کی درج ذیل ہے:

"عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال: انما سنّ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الزکاة فی هذه الخمسة: فی الحنطة والشعیر والتمر والزبیب والذرة"[۴]

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پانچ چیزوں میں زکوۃ کا طریقہ جاری فرمایا: گندم، جو، کھجور، کشمش اور مکئی میں۔

دار قطنی کی روایت میں صرف پہلی چار چیزوں کا تذکرہ ہے، اسی روایت کی بنیاد پر بعض سلف اور خلف صرف ان ہی

---

[۱] مشکوۃ المصابیح ۱/۱۵۹، باب ما یجب فیه الزکاۃ ط: مطبع مجتبائی دهلی [۲] المغنی ج ۲ ۶۹۲

[۳] مشکوۃ المصابیح ۱/۱۶۰، کتاب الزکاۃ، باب ما یجب فیه الزکاۃ

[۴] ابن ماجه کتاب الزکاۃ، باب ما تجب فیه الزکاۃ من الاموال ۱۸۰۵ ط: المکتبة العلمیه بیروت - لبنان

چار چیزوں میں عشر کے قائل ہیں۔

تیسری روایت ترمذی کی ہے جو حضرت معاذ بن جبل سے مروی ہے:

"عن معاذ انه كتب الى النبى صلى الله عليه وسلم يسأله عن الخضراوات وهى البقول فقال ليس فيها شئ" [۱]

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خط لکھ کر سبزیوں کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ ان میں کچھ نہیں ہے۔

صاحب مہذب فرماتے ہیں:

"فاما القثاء والبطيخ والرمان والقصب والخضر فعفو عفا عنها رسول الله صلى الله عليه وسلم" [۲]

بہر حال ککڑی، خربوزہ، انار، بانس اور سبزیاں تو ان میں عشر معاف ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عشر کو معاف فرمایا ہے۔

اس مسئلے میں تمام اقوال و مذاہب کا جائزہ لینے اور تمام دلائل پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس سلسلے میں زیادہ راجح اور قوی مسلک ان حضرات کا ہے جو زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز پر عشر کو واجب قرار دیتے ہیں۔ کتاب و سنت کے نصوص اسی کے متقاضی ہیں، اور یہ مسلک شریعت کے منشا اور زکوٰۃ کی مصلحت سے بھی زیادہ ہم آہنگ ہے۔ اوپر جو روایات عشر کے چار یا پانچ اجناس میں محدود ہونے، یا میوہ جات اور سبزیوں کے عشر سے مستثنیٰ ہونے کے سلسلے میں نقل کی گئیں ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا وہ اس قابل نہیں کہ انھیں قرآنی نصوص: وآتوا حقه يوم حصاده (الانعام) اور انفقوا من طيبات ما كسبتم ومما اخرجنا لكم من الارض (البقرة) اور حدیث مشہور: فيما سقت السماء والعيون العشر (بخاری) کے معارض قرار دیا جائے جن سے ہر قسم کی زرعی پیداوار میں عشر کا واجب ہونا سمجھ میں آتا ہے، اور جن میں نہ غذائی اجناس کا ذکر ہے نہ قابل پیمائش ہونے کی شرط ہے، نہ خشک ہونے اور دیر تک باقی رہنے کی قید ہے۔ بلکہ سورہ انعام کی آیت میں جن

---

[۱] ۹۳ کتاب الزکاۃ، باب ما جاء فی زکوٰۃ الخضراوات، ط: مطبع مجیدی کانپور۔ الہند

[۲] المہذب مع المجموع ۵: ۲۹۲ - ۲۹۳

چیزوں کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس میں عام باغات، ٹٹیوں پر لگائے جانے والے باغات، کھجور زرعی پیداوار، زیتون اور انار کا ذکر ہے۔ اور انار ظاہر ہے کہ ایک میوہ ہے، زیادہ دنوں رہنے والا پھل نہیں ہے۔ قرآن کی تصریح کے مطابق انار میں عشر واجب ہے۔ اس لئے زیادہ دنوں باقی رہنے کی شرط لگانا اس آیت کے خلاف ہے۔ اسی طرح ٹٹیوں پر لگائی جانے والی چیزوں میں انگور کی طرح دوسری سبزیاں بھی داخل ہیں۔ پھر کاٹنے اور توڑنے کے دن جو عشر کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے میوہ جات، پھلوں اور سبزیوں ہی میں اس حکم پر آسانی سے عمل کرنا ممکن ہے کہ ان میں توڑنے ہی کے دن عشر کی ادائیگی ہو سکتی ہے، اس لئے یہ چیزیں بطور اولیٰ اس آیت میں داخل معلوم ہوتی ہیں۔ ترمذی والی آخری روایت جسے دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے اور جس میں یہ تذکرہ ہے کہ حضرت معاذ بن جبل نے یمن سے خط لکھ کر سبزیوں کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ سبزیوں میں کچھ نہیں ہے۔ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیح نہیں ہے، اور اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے۔ اور اس روایت کی سند میں مذکور حسن (ابن عمارہ) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہیں، شعبہ وغیرہ نے انھیں ضعیف قرار دیا ہے:

"قال ابوعیسی اسناد هذا الحديث ليس بصحيح وليس يصح في هذا الباب عن النبي صلى الله عليه وسلم شيئ ..... قال ابوعيسى والحسن هو ابن عمارة وهو ضعيف عند اهل الحديث ضعفه شعبة وغيره وتركه عبد الله بن المبارك"[1]

معلوم ہوا کہ سبزیوں میں زکوٰۃ واجب نہ ہونے کے سلسلے میں کوئی صحیح روایت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

اسی طرح دوسری روایت ابن ماجہ کی جو حضرت عمرو بن شعیب سے مروی ہے اس نئے نسخے میں جو محمد فواد عبدالباقی کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ المکتبہ العلمیہ بیروت سے شائع ہوا ہے اس روایت کے ذیل میں محقق لکھتے ہیں:

---

[1] ترمذی ۱/۹۳ باب ماجاء فی زکوۃ الخضراوات ط: مطبع مجیدی کانفور (؟) البستہ

"فی الزوائد : اسناده ضعیف، لأن محمد بن عبد اللہ ھو الخزرجی قال الامام احمد ترک الناس حدیثہ، وقال الحاکم : متروک الحدیث بلا خلاف بین ائمۃ النقل فیہ، وقال الساجی : اجمع اھل النقل علی ترک حدیثہ وعندہ مناکیر" [۱]

الزوائد میں ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے، کیونکہ یہ محمد بن عبد اللہ خزرجی ہیں جن کے بارے میں امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے ان کی حدیث چھوڑ دی، اور حاکم فرماتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہیں ائمہ نقل کے درمیان اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور ساجی کہتے ہیں : اہل نقل کا ان کی حدیث ترک کرنے پر اجماع ہے، اور ان کے پاس بہت سی منکر حدیثیں ہیں۔

اسی طرح علامہ شوکانی نے بھی انہیں متروک قرار دیا ہے [۲]

اسی طرح چار چیزوں میں عشر کے حصر سے متعلق جو دوسری روایات ہیں وہ یا تو منقطع ہیں یا ضعیف [۳] پھر یہ کہ ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی عشر کو ان چار یا پانچ چیزوں میں محصور قرار نہیں دیتے۔ اور بالفرض اگر حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ کہا جائے گا یہ حصر حصر حقیقی نہیں حصر اضافی ہے؛ اور بر تقدیر صحت ہی ابن الملک وغیرہ نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ معاذ بن جبل وغیرہ کو یہ حکم اس لئے دیا گیا کہ یمن میں یہی چار غذائی اجناس تھے [۴]

اور یہی روایت جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جس میں سبزیوں میں عشر کے وجوب کی نفی ہے وہ بھی سند کے لحاظ سے ضعیف اور ناقابل احتجاج ہے [۵] حضرت علی رضی اللہ عنہ (جن کی طرف اس روایت کا انتساب ہے) میوہ اور سبزی میں عشر کے قائل ہیں۔ ابن قدامہ لکھتے ہیں ۔

"وروی عن علی فی الفاکھۃ والبقل والتوابل والزعفران زکاۃ" [۶]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میوہ، سبزی اور زعفران میں زکاۃ (عشر) ہے۔

---

[۱] ابن ماجہ ۱/۵۸۰ [۲] دیکھئے : نیل الاوطار ۴/۱۴۳

[۳] دیکھئے : الرعایۃ علی المشکاۃ ۳/۳۹ [۴] دیکھئے : مرقاۃ شرح مشکاۃ ۴/۱۵۳

[۵] دیکھئے : فتح القدیر لابن ھمام ۲/۳ [۶] المغنی ۲/۶۹۳

مالکی فقیہ ابن عربی اس مسئلہ میں شرح ترمذی میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"واقوی المذاهب فی المسألة مذهب ابی حنیفة دلیلا، واحوطها للمساكين واولاها قياما بشكر النعمة، وعليه يدل عموم الآية والحديث"[1]

اس مسئلہ میں دلیل کے اعتبار سے سب سے زیادہ قوی مذہب امام ابوحنیفہ کا ہے، مساکین کے فائدے کے لحاظ سے بھی اس میں زیادہ احتیاط ہے اور نعمت الٰہی کا شکر ادا کرنے کے پہلو سے بھی زیادہ بہتر ہے، اور آیت اور حدیث کا عموم بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

عصر حاضر کے مشہور محقق اور فقیہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی اپنی مشہور تصنیف "فقہ الزکوۃ" میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

"ان تمام مذاہب میں سب سے زیادہ ترجیح کے لائق مذہب ابوحنیفہؒ کا ہے، جو عمر بن عبدالعزیزؒ، مجاہد، حماد، داؤد اور نخعی کا مسلک بھی ہے یعنی کہ زمین سے جو بھی پیداوار ہو اس میں زکوۃ ہے، قرآن وسنت کے نصوص کا عموم اسی کی تائید کرتا ہے، اور یہی مسلک زکوۃ کو مشروع قرار دئے جانے کی حکمت کے موافق ہے۔ میرے خیال میں یہ کوئی حکیمانہ بات نہیں ہے کہ شارع جو اور گیہوں کی کھیتی کرنے والوں پر تو زکوۃ (عشر) فرض کرے، اور نارنگی، آم اور سیب کے باغیچوں کے مالکان کو عشر سے مستثنیٰ قرار دے۔ اور جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جو عشر کو چار غذائی اجناس تک محدود کرتی ہیں تو ان میں سے کوئی طعن اور کلام سے پاک نہیں ہے۔"[2]

ان دلائل کی روشنی میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اقوی، احوط اور انسب ہونے کی وجہ سے زیادہ قابل ترجیح اور لائق اتباع ہے۔ اس کے برخلاف جن روایات میں سبزی وغیرہ میں صدقہ نہ ہونے کا ذکر ہے وہ سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں، اور بر تقدیر صحت احناف کے نزدیک ان کا محمل موجود ہے اور وہ یہ کہ میوہ اور سبزی وغیرہ جو زیادہ دنوں باقی نہیں رہتی بلکہ جلد خراب ہو جاتی ہے اس میں عشر کی یہ صورت نہیں ہے کہ عاملین کے ذریعہ

---

[1] شرح الترمذی لابن عربی ۳/ ۱۳۵ [2] ایضاً ۳۵۵-۳۵۶

وصول کیا جانے بلکہ اصحاب مال خود سے ان کا عشر ادا کردیں اور محتاجوں میں تقسیم کردیں کیونکہ یہ چیزیں جلد خراب ہوجانے والی ہیں تو اگران کے عشر وصول کرنے میں بھی عاملین کو واسطہ بنایا جائے تو مستحقین تک پہنچنے سے قبل وہ خراب ہوجائیں گی۔

کھانا اور سنگھاڑا چونکہ زمین ہی کی پیداوار ہیں اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان میں عشر واجب ہوگا۔ کھانا دیرپا اور قابل ادخار ہے اس لئے صاحبین کے نزدیک بھی اس میں عشر واجب ہوگا، البتہ سنگھاڑا میں نہیں۔ اور جو حضرات صرف غذائی اجناس میں عشر کو واجب قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک ان دونوں میں عشر واجب نہ ہوگا۔

۳- مچھلی کی کاشت پر عشر ہے یا نہیں؟

مچھلی کی کاشت خواہ زراعتی اراضی پر تالاب کھود کر ہو لیکن اس عاجز کے خیال میں اسے زراعت میں داخل کرکے اس پر احکام عشر نافذ نہیں کئے جاسکتے۔ کیوں کہ عشر کے احکام زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں کے لئے ہیں۔ اور مچھلی زمین کی پیداوار نہیں۔ قرآن کریم کی آیت "ومما اخرجنا لکم من الارض" اور روایت "ما اخرجته الارض ففیه العشر" کے الفاظ صاف بتلا رہے ہیں یہ حکم زمین کی پیداوار کے لئے ہے۔ نہ کہ زمین کے اوپر حاصل ہونے والے ہر مال کے لئے۔ اسی طرح سورۂ انعام کی آیت "وآتوا حقه یوم حصاده" جس میں عشر کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے اس میں جن چیزوں کا تذکرہ ہے یعنی، عام باغات، ٹیٹوں پر چڑھائے جانے والے باغات کھجور، کھیتی، زیتون اور انار وغیرہ یہ سب زمین ہی کی پیداوار ہیں۔ اس لئے مچھلی کی کاشت خواہ کتنی ہی نفع بخش ہو اور ہر قسم کی کاشت سے زیادہ سبب منفعت ہو لیکن عشر کا حکم اس پر نافذ نہ ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی زراعتی زمین پر کوئی فیکٹری اور کارخانہ قائم کردیا جائے جس سے مالک زمین کو لاکھوں کی آمدنی ہو لیکن اس پر عشر کا حکم نافذ نہ ہوگا بلکہ زکوٰۃ کا اس کے معروف شرائط کے ساتھ۔ اسی طرح مچھلی کی کاشت پر زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہونا چاہئے نہ کہ عشر کا۔

۴- ریشم کی کاشت پر عشر ہے یا نہیں؟

ریشم کو شہد کے ساتھ اس حیثیت سے مشابہت

ہے کہ دونوں کی پیداوار حیوان سے ہوتی ہے۔ اور ان دونوں حیوانوں کی غذا زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں ہیں۔ پھل اور پھول شہد کی مکھی کی غذا ہے۔ اور شہتوت کے پتے ریشم کے کیڑوں کی غذا ہیں۔ شہد کے چھتے عام طور پر درختوں ہی پر لگتے ہیں۔ اور ریشم کے کیڑوں کی پرورش اور ریشم کی کاشت تو شہتوت کے درختوں ہی پر ہوتی ہے۔ اور یہ درخت خاص اسی مقصد کی خاطر لگائے جاتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصول کی رو سے جس چیز کو اگانے سے زمین کی آمدنی مقصود ہو اس پر عشر ہے۔ اس لئے شہتوت کے درخت خودرو درختوں کی طرح نہیں ہیں۔ ان کے پتے بھی اس کاشت سے مقصود ہیں۔ اس لئے اس کا حکم خودرو پودوں کا نہیں ہوگا۔ اور غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ریشم کی کاشت کو پھلوں کے باغات اور کھیتوں سے ظاہری اور معنوی دونوں مشابہتیں ہیں۔ جس طرح پھل اور میوے اور روئی کے پھل درختوں اور زمین کے پودوں پر نشوونما پاتے ہیں۔ اور زمین سے ان کی غذا فراہم ہوتی ہے اسی طرح ریشم شہتوت کے درخت پر تیار ہوتے ہیں اور زمین سے ان کو غذا فراہم ہوتی۔ اور ریشم کی یہ کاشت دیکھنے میں بھی پھلوں اور گندم اور جو کی بالیوں کے مشابہ ہیں۔ اور شہد کے ساتھ تو اسے پوری مشابہت ہے ہی اس لئے جو حضرات شہد میں عشر کے قائل ہیں ان کے نزدیک ریشم کی کاشت پر بھی عشر واجب ہونا چاہئے۔

شہد پر عشر کے سلسلے میں احادیث کی متعدد کتابوں میں روایات موجود ہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے شہد کے عشر کے سلسلے میں ایک مستقل باب "باب ماجاء فی زکوۃ العسل" قائم کیا ہے اور اس کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن عمر کی درج ذیل روایت ذکر کی ہے :

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: فی العسل فی کل عشرۃ ازق زق" [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شہد کی ہر دس مشکوں میں ایک مشک (عشر) ہے۔

اور آگے لکھتے ہیں کہ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، ابوسیارہ متعی اور عبداللہ بن عمرو سے بھی روایت ہے۔۔۔ ۔۔۔۔ اور اکثر اہل علم کا اس پر (شہد میں عشر کے وجوب پر) عمل ہے، اور احمد اور اسحاق اسی کے قائل ہیں :

---

[1] ترمذی ۱/۹۲، ابواب الزکوۃ۔

" والعمل على هذا عند أكثر اهل العلم وبه يقول احمد واسحاق "[1]

ابن ماجہؒ نے بھی "کتاب الزکاۃ" میں "زکاۃ العسل" کا باب قائم کیا ہے، اور اس کے تحت دو روایات ذکر ہیں۔ پہلی روایت یہ ہے :

"عن ابی سیارۃ المتقی، قال، قلت : یارسول اللہ ! ان لی نحلا، قال أدّ العشر، قلت یارسول اللہ ! احمہا لی فحماها لی "[2]

ابو سیارہ متقی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! میرے پاس شہد ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عشر ادا کرو، تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ میرے لئے اس کی حفاظت کیجئے (تاکہ کوئی اس کی لالچ نہ کرے) تو آپؐ نے اس کی حفاظت کا انتظام کیا۔

یہ روایت مرسل ہے کیوں کہ اس کے راوی سلیمان بن موسی ہیں، انھوں نے حضرت ابو سیارہ متقی صحابی سے عن کے ساتھ روایت کی ہے اور ان کی ملاقات کسی صحابی سے ثابت نہیں۔[3]

دوسری روایت حضرت عمرو بن شعیبؓ سے مروی ہے :

"عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه اخذ من العسل العشر"[4]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ انھوں نے شہد سے عشر لیا۔

ابن قدامہ مقدسی لکھتے ہیں :

" ومذهب احمد ان فی العسل العشر قال الاثرم : سئل ابو عبد اللہ انت تذهب الی ان فی العسل زکاۃ ؟ قال نعم، اذهب الی ان فی العسل زکاۃ العشر، قد اخذ عمر منهم الزکاۃ "[5]

امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ شہد میں عشر ہے۔ اثرم کہتے ہیں کہ ابو عبد اللہ (احمد بن حنبل) سے پوچھا گیا کہ آپ شہد میں عشر کے قائل ہیں ؟ انھوں نے فرمایا ہاں میں شہد میں عشر کا

---

[1] حوالہ سابق [2] ابن ماجہ ۱/۵۸۴ ط : المکتبۃ العلمیہ بیروت [3] حوالہ سابق
[4] حوالہ سابق [5] المغنی ۲/۷۱۳

قائل ہوں ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے اس کی زکوۃ (عشر) لی ہے۔

آگے لکھتے ہیں :

" ویروی ذلک عن عمر بن عبد العزیز ومکحول والزہری وسلیمان ابن موسی والاوزاعی واسحاق .... وقال ابوحنیفۃ : ان کان فی ارض العشر ففیہ الزکاۃ والا فلا زکاۃ فیہ "[1]

اور عمر بن عبدالعزیز ، مکحول ، زہری ، سلیمان بن موسی اوزاعی اور اسحاق سے بھی یہی منقول ہے .... اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر شہد عشری زمین میں ہو تو اس میں عشر واجب ہوگا ورنہ نہیں۔

اس کے بعد ابن قدامہؒ نے ابن ماجہ والی مذکورہ بالا دونوں روایتیں ذکر کی ہیں ، اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ اثر نقل کیا ہے کہ انھوں نے شہد کا عشر ادا کرنے کا حکم جاری فرمایا تھا[2]

اس طرح کی متعدد روایات اور آثار امام ابو داؤد ، احمد اور دارقطنی وغیرہ نے بھی ذکر کئے ہیں ان احادیث کی اسناد پر کلام بھی کیا گیا ہے لیکن کثرت طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے انھیں قوت حاصل ہو جاتی ہے جیسا کہ علامہ ابن قیمؒ نے بھی اس کی تصریح کی ہے[3] علامہ شوکانی نے بھی " الدرر البہیۃ " میں اس کی تصریح کی ہے کہ شہد میں عشر واجب ہے اور اس کے شارح نواب صدیق حسن خاں نے بھی اس کی تائید کی ہے اور اس سلسلے کے آثار کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

" وجمیعہا لا یقصر عن الصلاحیۃ للاحتجاج بہ "[4]

اور یہ تمام روایات و آثار مل کر اس لائق ضرور ہو جاتے ہیں کہ ان سے احتجاج کیا جا سکے۔

شہد کے سلسلے میں یہ وضاحت اس لئے ضروری سمجھی گئی کہ اس کی روشنی میں زیر بحث مسئلہ (ریشم کی کاشت) کو قیاس کیا جا سکے۔ بہر حال شہد کے سلسلے میں اکثر اہل علم ، احناف ، حنابلہ اور صحابہ تابعین اور تبع تابعین میں سے ایک جماعت عشر کے وجوب کی قائل ہے۔ اور اس کی علت فقہاء نے یہ بتائی ہے کہ شہد کی مکھیوں کی خوراک

---

[1] حوالہ سابق [2] دیکھئے : المغنی ۲/۷۱۴ [3] دیکھئے : زاد المعاد ـــــ ۱/۲۶۲ [4] الروضۃ الندیۃ ۱/۲۰۰

زمین کی پیداوار سے ہے جو حضرات شہد میں عشر کے قائل نہیں ہیں وہ شہد کو دودھ پر قیاس کرتے ہیں کہ دونوں جانور سے حاصل ہونے والے مشروب ہیں۔ لہٰذا جس طرح دودھ پر بالاتفاق عشر نہیں ہے اسی طرح شہد پر بھی نہیں ہونا چاہئے لیکن عشر کے قائلین کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ دودھ کی اصل یعنی جانوروں پر زکوٰۃ واجب ہے اس لئے اس کی فرع یعنی دودھ پر زکوٰۃ نہ ہوگی۔ بخلاف شہد کی مکھی پر زکوٰۃ نہیں ہے اس لئے اس سے حاصل ہونے والے شہد پر عشر کا وجوب قرین قیاس ہے۔

اس عاجز کے خیال میں ریشم کے کیڑوں کو شہد کی مکھیوں پر قیاس کرتے ہوئے شہد کی طرح ریشم کی کاشت پر عشر کو واجب قرار دینا عقل و قیاس کا تقاضہ ہے۔ ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں :

"ان قياس المنتجات الحيوانية على العسل قياس صحيح، ولا معارض له، فلا ينبغي العدول عنه" [1]

حیوانات سے پیدا شدہ چیزوں کو شہد پر قیاس کرنا قیاس صحیح ہے۔ اور اس کا کوئی معارض نہیں ہے، لہٰذا اس سے عدول کرنا مناسب نہیں۔

۵ - درختوں کی کاشت کا مسئلہ

جو درخت اور باغات پھل حاصل کرنے کی غرض سے لگائے جاتے ہیں ان کے پھلوں پر تو عشر ہے ہی۔ البتہ وہ درخت جو پھل کے علاوہ دوسرے مقاصد کے تحت لگائے جائیں مثلاً جلانے کے لئے، فرنیچر تیار کرنے کے لئے، یا عمارت میں استعمال کرنے کے لئے، یا انھیں فروخت کرکے ان سے پیسہ حاصل کرنے کے لئے تو ان تمام صورتوں میں عشر واجب ہوگا، چونکہ یہ زمین سے نفع حاصل کرنے ہی کی مختلف صورتیں ہیں، اور زمین کی آمدنی حاصل کرنے کے لئے جس چیز کی بھی کاشت ہو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک اس پر عشر واجب ہے۔ صاحب کفایہ لکھتے ہیں :

"الاصل عند ابی حنیفة رحمه الله ان کل ما یستنبت فی الجنان ویقصد به استغلال الارض ففیه العشر" [2]

---

[1] [illegible] ۱/۴۲۱   [2] الکفایہ مع فتح القدیر ۲/۱۸۶

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اصول یہ ہے کہ باغات (یا زمینوں) میں جو چیز اگائی جائے اور اس سے زمین کی آمدنی مقصود ہو تو اس میں عشر واجب ہے۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

"اما الحطب والقصب والحشیش فلا تستنبت فی الجنان عادة، بل تنفی عنها حتی لو اتخذها مقصبة او مشجرة او منبتا للحشیش یجب فیه العشر" [۱]

بہرحال لکڑی، بانس اور گھاس تو یہ عام طور پر باغات میں نہیں لگائے جاتے بلکہ (اگر خود سے بھی اُگ آئیں تو) صاف کر دئے جاتے ہیں (اس لئے ان میں عشر نہ ہوگا) لیکن اگر کسی نے کسی زمین کو بانس اگانے، یا درخت لگانے یا گھاس حاصل کرنے کے لئے خاص کر دیا تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

اس اصول کے پیش نظر احناف کے نزدیک سوال میں مذکور مقاصد کے لئے جو درخت لگائے جائیں گے ان میں عشر واجب ہوگا۔ البتہ عشر میں لکڑی ہی نکالنا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کی قیمت کا نکالنا بھی کافی ہوگا۔ خاص طور پر وہ لکڑیاں جو جلانے یا عمارت میں استعمال کرنے کے لئے لگائی گئی ہوں، ان کی قیمت کا اندازہ کرکے عشر نکال دینا کافی ہوگا۔

۶۔ کن سبزیوں میں عشر واجب ہے؟

جو سبزیاں مزروعہ اور عشری زمینوں میں تجارت کی غرض سے لگائی جائیں ان میں عشر واجب ہے، اور چونکہ سبزیوں اور پھلوں کی پیداوار مسلسل رہتا ہے اور وہ وقفے وقفے سے توڑی جاتی ہیں اس لئے بہتر صورت یہ ہے کہ ہر دفعہ جتنی سبزی توڑی جائے ناپ کر اسی وقت اس کا عشر نکال دیا جائے۔ لیکن اگر عشر میں نکالی گئی سبزی کی مقدار اتنی معتدبہ نہ ہو جس سے غریبوں کو قابل لحاظ فائدہ پہنچ سکے تو عشر کی ادائیگی پیشگی بھی ہو سکتی ہے کہ شروع میں جتنا حاصل ہو اسے عشر کے طور پر غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے

---

[۱] فتح القدیر ۔ ۲ / ۱۵

اور بعد میں توڑی جانے والی سبزیوں کو اپنے استعمال میں لایا جائے یا فروخت کیا جائے، لیکن عشر کا حساب رکھا جائے، عشر نکالے بغیر غلوں، پھلوں اور سبزیوں کا استعمال کرنا صحیح نہیں، چوں کہ اس میں ضرورت مندوں کا حق ملا ہوا ہے۔ جس طرح کوئی مشترک مال جو دو یا چند افراد کی ملکیت ہو، بغیر تقسیم کے یا دوسرے شرکا کی اجازت کے کسی ایک کے لئے اس کا استعمال کرنا صحیح نہیں۔ اور اگر کسی نے عشر نکالے بغیر ان کا استعمال کرلیا تو وہ اس کے عشر کا ضامن ہوگا۔ اور حساب کر کے بعد میں ادا کرنا ہوگا۔ عالمگیری میں ہے :

" ولا یاکل شیئا من طعام العشر حتی یودی عشرہ .... وان افرز العشر یحل لہ اکل الباقی وقال ابوحنیفۃ ما اکل من الثمرۃ او اطعم غیرہ ضمن عشرہ "[۱]

عشر والے غلوں میں سے جب تک عشر ادا نہ کر دے ان کا استعمال نہ کرے ......

اور اگر عشر نکال کر علیحدہ کر دیا تو اس کے لئے باقی کا کھانا حلال ہوگا اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جتنا پھل وغیرہ خود کھایا یا دوسروں کو کھلایا اس کے عشر کا ضامن ہوگا۔

البتہ عشر کی ادائیگی پہلے بھی ہو سکتی ہے یعنی وجوب عشر کے بعد اور عشر کا وجوب کھیتی لگانے اور پودا اگ آنے کے بعد ہی ہو جاتا ہے۔ ہاں بونے سے قبل عشر نکالنا صحیح نہیں۔

" فلو عجل عشر ارضہ قبل الزرع لایجوز ولو عجل بعد الزراعۃ بعد النبات فانہ یجوز "[۲]

اگر کسی نے کاشت سے قبل اپنی زمین کا عشر نکال دیا تو جائز نہ ہوگا اور اگر بوپائی کے بعد اور پودا نمودار ہونے کے بعد اور فصل کٹنے سے قبل عشر نکال دیا تو جائز ہے۔

رہائشی مکان کی چھتوں پر یا مکان سے متصل افتادہ زمین پر جو سبزیاں اگائی جائیں ان پر عشر نہیں ہے چونکہ وہ عام طور پر تجارت کی غرض سے نہیں لگائی جاتیں۔ اور رہائشی مکان کی زمین عشری نہیں ہے۔ اس لئے اس سے حاصل ہونے والی سبزیوں اور پھلوں پر عشر واجب نہیں ہے۔ عالمگیری میں ہے :

" ولو کان فی دار رجل شجرۃ مثمرۃ لا عشر فیھا "[۳]

---

[۱] فتاوی ہندیہ ۱/۱۸۶ [۲] حوالہ سابق ۱۸۶/۱ [۳] حوالہ سابق

اگر کسی شخص کے گھر میں کوئی پھلدار درخت ہو تو اس میں عشر نہیں ہے۔

۷۔ اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر کا مسئلہ

اوقاف کی زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے۔ کیوں کہ ادائے عشر کے سلسلے کی آیات واحادیث کا عموم اسے بھی شامل ہے۔ وجوب عشر کے لئے زمین کی ملکیت شرط نہیں ہے بلکہ پیداوار کا مالک ہونا شرط ہے وجوب عشر کا سبب زمین کا نامی ہونا اور پیداوار کا حاصل ہونا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اوقاف کی زمین میں بھی یہ دونوں سبب پائے جارہے ہیں لہذا عشر واجب ہوگا۔ علامہ کاسانی لکھتے ہیں :

" وكذا ملك الارض ليس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج فيجب فى الاراضى التى لا ملك لها وهى الاراضى الموقوفة لعموم قوله تعالى ...... " [1]

اسی طرح زمین کی ملکیت وجوب عشر کے لئے شرط نہیں ہے۔ صرف پیداوار کا مالک ہونا شرط ہے لہذا عشر ان زمینوں میں بھی واجب ہوگا جن کا کوئی متعین شخص مالک نہیں ہے اور وہ موقوفہ زمینیں ہیں۔ کیوں کہ (عشر کے حکم کے سلسلے میں) اللہ تعالیٰ کے قول (ومما اخرجنا لكم من الارض وآتو احقه) میں عموم ہے۔

پس خواہ عام اوقاف کی زمینیں ہوں یا وقف علی الاولاد کی ان کی پیداوار پر عشر واجب ہوگا۔ واللہ اعلم۔



---

[1] بدائع الصنائع ۵۶/۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کا نظام عشر و خراج اور اراضی ہند کا شرعی حکم

از: زبیر احمد ________________ اشرف العلوم، سیتامڑھی

اسلام کے اقتصادی نظام اور مسائل معاشیات کے لئے نظام و صدقات کی طرح عشر و خراج بھی دو اہم ستون ہیں، شریعت اسلامیہ کے یہ دو اصطلاحی الفاظ گو اپنی اس حیثیت میں مشترک ہیں کہ دونوں ہی ابتداءً مسلمانوں اور ذمی کافروں کی مملوکہ زمینوں پر حکومت اسلامیہ کی طرف سے عاید کردہ ایک ٹیکس ہیں جسے مؤونت ارض سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

لیکن اس خاص حیثیت میں اشتراک کے باوجود ان دونوں کی جوہری حقیقت متعدد وجوہ سے قطعاً ایک دوسرے سے مختلف ہے، مثلاً:

فرق اول

عشر میں مؤونت ارض کی حیثیت بالکل مغلوب ہے اور عبادت مالیہ جو نکی حیثیت غالب ہے اس لئے فقہاء اسے زکوٰۃ الارض سے بھی تعبیر کرتے ہیں ــــــ جب کہ خراج خالص ٹیکس اور مؤونت ارض ہے جو بطور عقوبت اولاً کافروں ہی پر عائد کیا جاتا ہے مسلمانوں پر ابتداءً صرف عشر یا نصف عشر ہی واجب ہوتا ہے۔ فقہاء لکھتے ہیں:

والعشر أليق به لما فيه معنى العبادة وكذا هو أخف حيث يتعلق

بنفس الخارج" [1]

اور خراج کے سلسلے میں یوں لکھتے ہیں:

" لان الحاجه الی ابتداء التوظیف علی الکافر والخراج الیق به لان فیه معنی العقوبة للتعلق بالتمکن من الزراعه وان لم یزرع " [2]

فرق ثانی

قرآنی آیات مثلاً: "یا ایها الذین امنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض" اور "کلوا من ثمره اذا اثمر واتوا حقه یوم حصاده" وغیرہ میں مکان ومقام کے اطلاق وعموم سے ہر جگہ کے مسلمانوں پر گویا عشر کا فریضہ من جانب الشارع واجب ہوجاتا ہے اور اس کی شرعی ذمہ داری ہوجاتی ہے کہ گو کہیں اور کبھی حاکم اسلام کی طرف سے عشر کا مطالبہ بلکہ توظیف نہ بھی ہوتا ہم اس پر لازم ہے کہ وہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر" (بخاری) کی روشنی وہدایت کے مطابق عشر و نصف عشر ادا کرکے اپنا ذمہ فارغ کرلے، اس کا خلاصہ یہ نکلا کہ عشر کا وجوب اور پھر مختلف حالتوں میں اس کے قدر میں تفاوت بصراحتاً منصوص ہے، جب کہ خراج کا ایجاب اور اس کے قدر کی تحدید مفوض الی رأی الامام اور معلق علی توظیف الحاکم الشرعی ہے۔

فرق ثالث

عشر میں عبادت وزکوۃ الارض کی حیثیت کے غالب ہونے کی وجہ سے اس کے مصارف بھی زکوۃ وصدقات واجبہ کے مصارف کی طرح نصاً محدود ومتعین ہیں، جب کہ خراج کے مصارف میں عموم ہے، مصالح عامہ سد ثغور بناء قناطر وجسور وغیرہ میں بھی یہ خرچ کئے جاسکتے ہیں۔

یہاں موضوع سے ہٹ کر افادہ مزید کے طور پر اس کی وضاحت بھی کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گو زکوۃ وعشر کے مصارف ایک ہی ہیں لیکن ان دونوں میں مختلف وجوہ سے باہمی بڑا فرق بھی ہے۔

---

[1] هدایه ثانی ص۔۔ [2] حواله سابق

نصاب حولان حول تکرار فریضہ فی عامٍ واحد وغیرہ کے اشتراط وعدم اشتراط میں تو دونوں مختلف ہیں، عبادت کی حیثیت سے بھی دونوں میں اختلاف ہے۔ زکوٰۃ وصدقات خالص عبادت مالیہ ہے اس میں ٹیکس ومؤنت ارض ہونے کا قطعاً کوئی شائبہ نہیں اس لئے مالک نصاب کی موت سے زکوٰۃ ساقط ہوجاتی ہے، بخلاف عشر میں یک گونہ ٹیکس ومؤنت ارض کی حیثیت بھی پائی جاتی ہے اس لئے عشر ادا کئے بغیر اگر کوئی مرجائیگا تو فقہ حنفی کی ایک روایت کے مطابق اس کے ترکہ سے عشر وصول کیا جائے گا۔[1]

فرق رابع

عشر کے وجوب کا سبب زمین کا حقیقتاً نامی ہونا ہے۔ چنانچہ پیداوار اگر نہ ہوسکے تو مالک زمین عشری پر عشر واجب نہیں ہوتا ہے۔ جب کہ خراج کے وجوب کے لئے زمین کا تقدیراً نامی ہونا کافی ہے یعنی اگر زمین سے پیداوار حاصل کرنا ممکن ہو وہ قابل کاشت ہو گو حقیقتاً واقع میں پیداوار کچھ نہ ہوتی ہو تب بھی کم از کم خراج موظف واجب ہوجائے گا۔

فرق خامس

عشر میں ایک سال کے اندر پیداوار کے تکرار سے وجوب بھی مکرر ہوجاتا ہے جب کہ خراج اگر موظف ہو خراج مقاسمہ نہ ہو تو اس کا وجوب تکرار پیداوار کے باوجود مکرر نہیں ہوتا ہے۔

فرق سادس

وجوب عشر کا تعلق اصلاً نفس پیداوار سے ہے زمین کی ملکیت کو کلیدی حیثیت حاصل نہیں چنانچہ بطور اجارہ کسی کی زمین سے کوئی پیداوار حاصل کرے تو اس مالک پیداوار پر عشر واجب ہوگا مالک زمین پر نہیں۔ اور اگر بطور بٹائی کاشت کرے گا خواہ زمین کسی کی مملوکہ ہو یا موقوفہ تو اس بٹائی دار پر بھی اپنے حصہ کی بقدر عشر واجب ہوجائے گا۔

---

[1] الموسوعۃ الفقہیۃ ۳۰/۱۲۶

جب کہ خراج مالک زمین ہی پر عائد ہوتا ہے گویا وجوب خراج میں اصل موثر در دخیل زمین کی ملکیت ہی ہے۔ ھذا کلہ ظاھرٌ ومصرح فی الکتب المتداولہ۔

عشری وخراجی زمینوں کے درمیان باہمی فرق

نفس عشر وخراج کے درمیان وجوہ بالا کے اعتبار سے فرق کی وضاحت کے بعد عشری وخراجی اراضیات کے درمیان فرق و امتیاز کو بہ انداز ذیل بیان کیا جا سکتا ہے:

۱ـــــ بلاد عرب کی ساری زمینیں علی الاطلاق فی کل حال عشری ہی ہو سکتی ہے وہ کبھی خراجی نہیں ہوگی؛

ارض العرب کلہا ارض عشر[۱]

۲ـــــ بلاد عجم کی زمینیں کبھی عشری ہوں گی تو کبھی خراجی اس سلسلہ میں شرعی ضابطہ اور پہلا اصول یہ ہے:

(الف) "کل ارض فتحت عنوۃ واقراھلہا علیہا فہی ارض خراج وکذا اذا صالحہم" (ھدایہ) جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ ہر وہ علاقہ عجمی جو جنگ وجہاد کے بعد بزور شمشیر مفتوحہ ومحروسہ ہو جائے یا قبل جنگ وجہاد بطور صلح حکومت اسلامیہ کے زیر نگیں آجائے اور اسے مجاہدین کے درمیان تقسیم نہ کیا جائے بلکہ وہاں کے باشندوں ہی کے زیر ملکیت وتصرف چھوڑ دیا جائے تو یہ زمین خراجی ہوں گی۔

(ب) دوسرا اصول یہ ہے کہ:

"کل ارض اسلم اھلہا او فتحت عنوۃ وقسمت بین الغانمین فہی ارض عشر" (ھدایہ ثانی)

جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ ہر وہ علاقہ خواہ عربی ہو یا عجمی جس کے باشندے بلا جنگ وجدال اسلام قبول کرلیں اس کی اراضیات عشری ہوں گی۔

اسی طرح جو علاقہ عربی یا عجمی بزور شمشیر مفتوحہ ہو کر مجاہدین کے درمیان تقسیم ہو جائے عشری قرار پائیں گی۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

"فکل ارض اسلم اھلہا علیہا وھی من ارض العرب او ارض العجم

---

[۱] ھدایہ ثانی ص۵۷

فهي لهم وهي ارض عشر بمنزلة المدينة حين اسلم اهلها وبمنزلة

اليمن» [1]

پھر یہ بھی لکھتے ہیں :

" ايما دار من دور الاعاجم قد ظهر عليها الامام وتركها في ايدى اهلها

فهي ارض خراج، وان قسمها بين الذين غنموها فهي ارض عشر الا ترى

ان عمر بن الخطاب ظهر على ارض عاجم وتركها في ايديهم فهي ارض خراج

وكل ارض من اراضى الاعاجم صالح عليها اهلها وصار وا ذمتيا فهي

ارض خراجية"

اراضیات کے عشری وخراجی ہونے کے سلسلے میں ان اصولوں سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ کسی زمین کے عشری وخراجی ہونے میں اصل موثر اور کلیدی حیثیت ان تین امور کو حاصل ہے۔

اولاً علاقہ کی عربیت وعجمیت کو، ثانیاً — مجاہدین کے درمیان تقسیم وعدم تقسیم کو، ثالثاً — ابتداء توظیف کے وقت وہاں کے باشندوں کے اسلام وکفر کو"

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرات خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طرز عمل سے یہی روشنی وہدایت ملتی ہے۔

چنانچہ مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفاً گو قہراً وغلبۃً مفتوح ہوا اور وہاں کی اراضیات وہاں کے باشندوں کے درمیان ہی چھوڑ دی گئیں تاہم وہاں سے خراج نہیں لیا گیا اور نہ کسی دوسری اراضی عرب سے خراج کا وصول کیا جانا کسی ضعیف سے ضعیف تر نقل وروایت سے ثابت ہوپاتا ہے۔

اہل مدینہ ابتداءً توظیف کے وقت ہی سے مسلمان تھے تو ان سے عشر ہی لیا جاتا رہا۔ اراضی خیبر عنوۃً فتح کے بعد مجاہدین کے درمیان تقسیم ہوگئیں تو وہ عشری قرار پائیں۔ جب کہ سواد عراق جو بدور فاروقی عنوۃً فتح ہوا مگر" اقر اهلها عليها" مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کی گئی تو وہاں سے خراج وصول ہوتا رہا۔

خلاصہ یہ کہ زمینوں کے عشری وخراجی ہونے میں اصل دخل تو انہیں تینوں امور مذکورہ بالا کو ہے،

---

[1] کتاب الخراج ص۸۳

گو بسا اوقات کسی امر خارج وعارض کے سبب اراضیات کے ان اصلی وظیفے میں تبدیلی بھی واقع ہوجاتی ہے مثلاً اگر کسی مسلمان سے اس کی عشری زمین کو کوئی ذمی کافر خرید لے تو وہ خراجی ہوجاتی ہے وجہ ظاہر ہے کہ عشر میں عبادت کی حیثیت غالب ہے اور ذمی اس کا اہل نہیں، اور اس کے برعکس صورت میں وہ وظیفہ خراج علی حالہ برقرار رہتا ہے کیونکہ خراج میں خالص موؤنت کی حیثیت ہے اور مسلمان میں موؤنت ارض کے تحمل کی بھی اہلیت موجود اس لئے گو ابتداءً اس مسلمان پر خراج کی توظیف نہ ہوتی مگر اقدام شراء کرکے از خود جب انھوں نے التزام خراج کیا ہے تو بقاءً اس پر خراج ہی لازم ہوگا۔

اسی طرح اصل تو یہی ہے کہ ابتداء توظیف کے وقت اگر وہ مسلمان ہے تو اس کی اراضیات کا وظیفہ عشر ہی ہوگا مگر عارض کی بناپر کبھی اس میں بھی استثنائی طور پر تبدیلی آجاتی ہے مثلاً اراضی حوزہ یعنی اسلامی حکومت کی زیر تحویل زمینیں ارض موات وغیرہ کو اگر کوئی مسلمان قابل کاشت بناتا اور آباد کرتا ہے تو ایسی زمینوں کا وظیفہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک پانی کے تابع ہوجاتا ہے، پانی اگر خراجی ہوگا تو وہ زمینیں خراجی بن جائنگی، جب کہ ذمی کاشت کے قابل بنائے گا تو بہرحال یہ خراجی ہی ہوگی۔ وغیر ذلک کچھ مزید ایسی صورتیں نکل سکتی ہیں جن میں اس اصل کلی کے برخلاف کسی عارض کی بناپر زمینوں کا وظیفہ عشر وخراج اول بدل جائے لیکن زمینوں کے عشری وخراجی ہونے میں اصل ضابطہ وہی کہلائے گا جسے مفصلاً اوپر بیان کیا گیا ہے: واللہ اعلم بالصواب۔

اراضی ہند کا شرعی حکم

اراضیات کے عشری وخراجی ہونے کے متعلق جن شرعی اصول وضابطے کی اوپر وضاحت کی گئی ہے یا جن استثنائی اور عارضی صورتوں کی نشاندہی ہوتی ہے اس کی روشنی میں بڑا آسان تھا کہ ہم اراضی ہند کا وظیفہ عشر وخراج بھی متعین کرلیتے۔

مگر ایک طرف یہ ہندوستان ہے جو بلاد عجم میں سے ہے اور جس کی زمینوں کے وظائف اصلیہ میں عشر وخراج دونوں کا امکان ہے۔ اور پھر بعض صورتوں میں ابتدائی اور اصلی وظیفہ عشر وخراج کے اندر کسی عارض کی بناپر تبدیلی کے وقوع سے بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

اور دوسری طرف اس ہندوستان کے مختلف علاقوں کے حالات وانقلابات، ابتداء توظیف کے وقت ان علاقوں کے باشندوں کا کفر واسلام کے اعتبار سے حقیقی وصف اور واقعی صورت حال،

اور پھر ان اراضیات کے انتقال من ملک الی ملک کی تفصیلات جوان وظائف عشر وخراج کو ادل بدل کر دینے میں کلیدی رول ادا کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ ساری ہی چیزیں اور سارے ہی تحولات و تطورات تاریخ ہند کے تاریک و دبیز پردوں میں مستور ہیں، جن کی تحقیق اور واقعی صورت حال پر پڑے ہوئے ان پردوں کا اٹھانا تقریبًا ناممکن و محال ہے۔ تاریخی طور پر ان واقعات ماضیہ اور پچھلے انقلابات کی ترتیب و تفصیل اس طرح منقطع اور غیر مربوط ہے کہ اسے جوڑ کر صحیح نتیجے تک پہنچنا دونہ فرط القتاد بن چکا ہے۔

اس لئے قطعی انداز سے یہ فیصلہ کرنا کہ اراضی ہند کا عشری و خراجی ہونے کے اعتبار سے کیا حکم ہے بہت مشکل ہے، یہی وجہ ہے کہ اس سلسلے میں ہمارے اکابر رحمہم اللہ کے فتاوی بھی بہت مختلف بلکہ باہم متضاد ہیں جو اپنی جگہ مذکور ہیں۔

ایسی صورت حال میں میرا خیال ہے کہ حضرت مولنا عبدالصمد رحمانی علیہ الرحمہ نے جو تحقیقات پیش کی ہیں اور انھوں نے اراضی ہند کے متعلق مختلف شواہد و قرائن کی بنیاد پر جو فیصلہ کر دیا ہے عمل بالاحوط کی اولویت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہندوستانی مسلمانوں کو اسی فیصلہ کے مطابق عمل کرنے کی ھدایت دینی چاہئے ــــ

حضرت مولانا موصوف علیہ الرحمہ نے اپنی مشہور تحقیقی تصنیف "کتاب العشر والزکوۃ" میں اولًا "دارالحرب اور عشر" کا عنوان قائم کر کے علامہ شامی کی مشہور عبارت "فان ارضها ليست ارض خراج او عشر" پر بحث کرتے ہوئے، امام ابویوسف کی کتاب الخراج اور سرخسی کی شرح سیر کبیر کی عبارتوں کو نقل کیا ہے اور اس سے استدلال کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ شامی وغیرہ کی عبارت بالا کا اصل اور صحیح محل یہ ہے کہ اس سے مراد دارالحرب کی وہ زمینیں لی جائیں جو حربی کافر کے قبضہ و تصرف میں ہوں، وہی لاعشری ولاخراجی ہوں گی اس لئے کہ عشر و خراج کا بنیادی طور پر مطالبہ اور تعین حاکم اسلام کی طرف سے ہوتا ہے اور دارالحرب پر حاکم اسلام کی کوئی حکومت نہیں۔

لیکن مسلمانوں کے حق میں چوں کہ عشر ایک عبادت ہے اس لئے نماز، روزہ، حج و زکوۃ بلکہ دگر عبادتوں اور ان تمام معاملات کی طرح جن کا تعلق حکومت کافرہ سے نہ ہو بلکہ باہم مسلمانوں سے ہو، دارالسلام اور دارالحرب کی تفریق کئے بغیر رضا کارانہ طور پر ہر جگہ اسے بھی ادا کرنا چاہئے، کیونکہ مسلمانوں پر ہر جگہ خواہ دارالسلام میں ہوں یا دارالحرب میں حسب استطاعت تمام ہی عبادتوں کی ادائیگی دیانۃً لازم وضروری ہے۔

خلیفہ وقت ہارون الرشید نے ایک موقع سے سوال کیا کہ دارالحرب کے مسلمانوں کی جان اور ان کی زمینوں کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"سألت یا امیر المومنین من قوم من اهل الحرب اسلموا علی انفسهم وارضیهم والحکم فی ذالک؟ فان دمائهم حرام وما اسلموا علیه من اموالهم فلهم وکذالک ارضوهم لهم وهی ارض عشر" [1]

اور سرخسی شرح سیر کبیر میں صراحتاً لکھے:

"اراضی اهل الحرب لیست بعشریه ولا خراجیه" [2]

ظاہر ہے کہ سرخسی کی عبارت واضح ہے شامی کی عبارت مبہم اور مجمل کا یہی محمل حسن بنتا ہے کہ لا عشری ولا خراجی صرف حربی کافر ہی کی زمینیں ہو سکتی ہیں۔

اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے جواب سے دارالحرب کے مسلمان باشندے کی زمینوں کا عشری ہونا بھی صراحتاً معلوم ہو جاتا ہے۔

بہر حال ان بحثوں کے بعد حضرت مولانا موصوف علیہ الرحمہ نے اراضی ہند میں سے جتنی زمینیں یہاں کے مسلمانوں کی ملکیت و تصرف میں ہیں ان کی امکانی صورتوں کی تفصیلات پیش کی ہیں اور اس طرح اس کی تیرہ صورتیں قرار دی ہیں جن میں دس صورتیں ایسی بنتی ہیں جن کا حکم عشر و خراج کے معروف اسلامی ضابطہ کی روشنی میں عشری ہونا ہی طے ہے۔

صرف تین صورتیں ایسی بچتی ہیں جن میں خراجی ہونے کی علت پائی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد مولانا لکھتے ہیں کہ:

"ان تمام تفصیلات سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی زمین کے خراجی ہونے کی صورتیں بہت کم ہیں اور ان کی تحقیق بھی نہایت مشکل ہے اس لئے ظاہر حال کا لحاظ کر کے مسلمانوں کو احتیاط کے مسلک پر تمام ہی زمینوں کی پیداوار میں عشر نکالنا چاہئے۔" [3]

---

[1] کتاب الخراج ص۶۹ [2] سرخسی شرح سیر کبیر ص ۲۰۳ [3] کتاب العشر والزکوۃ ص۲۲

اور اس کی تائید کے طور پر آگے حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی علیہ الرحمہ کے علم الفقہ کے حوالہ سے ہندوستانی زمینوں پر عشر ہونے نہ ہونے کے متعلق ایک استفتاء اور اس کا دو جواب نقل کرتے ہیں ایک حضرت رشید احمد گنگوہی علیہ الرحمہ کا اور دوسرا دارالعلوم دیوبند کا۔

گرچہ یہ دونوں جواب جسے کتاب العشر والزکوۃ صفحہ ۱۲۹ میں بحوالہ علم الفقہ نقل کیا گیا ہے، ہمیں اپنی ناقص تلاش و جستجو اور تفحص کے باوجود نہ تو علم الفقہ میں ملے نہ فتاوی رشیدیہ اور فتاوی دارالعلوم ہی میں لعل الله یحدث بعد ذالک امرا۔

ان دونوں جواب کا قدر مشترک بہرحال یہی نکلتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی مملوکہ زمینیں عشری بھی ہو سکتی ہیں۔

چنانچہ آخر میں ان دونوں جواب کا حاصل و خلاصہ پیش کرتے ہوئے مولانا موصوف لکھتے ہیں:

"مولانا رشید احمد صاحب کے جواب میں ہندوستان کے اندر عشری زمین ہونے اور ان پر عشر واجب ہونے کا بیان ہے اور یہ کہ جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں اور وہ مسلمانوں کے پاس سے آتی ہیں یا ان کا حال معلوم نہ ہو اس کو وہ عشری فرماتے اور عشر کو واجب کہتے ہیں تو وہ ایک اصول کا بیان ہے لیکن دارالعلوم دیوبند کے فتوی نے حکم بہت واضح بتا دیا ہے مسلمانوں کی زمینوں کا خراجی ہونا مشکوک یا شاذ و نادر ہے اس لئے وہ ساقط الاعتبار ہیں اور کل اہل اسلام کی زمینوں پر عشر واجب بتایا ہے۔ ہمارے نزدیک بھی یہی صحیح ہے اور اس کے علاوہ ایک دوسری جہت سے بھی ادا فرائض میں احتیاط کا مقتضا یہی ہے اور وہ یہ ہے کہ دیگر ائمہ کرام رحمہم اللہ کے نزدیک مسلمانوں کی ہر زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے گرچہ خراجی ہی زمین کیوں نہ ہو چنانچہ بہت سے صحابہ اور تابعین ارض عراق کے اندر خراجی زمین کے مالک تھے اور وہ خراج کے علاوہ عشر بھی دیتے تھے اسی لئے جہاں اپنے امام کے مسلک سے عملاً منافی نہ ہو اور احتیاط کی راہ اختیار کی جائے تو بہتر ہے اور ہمارے ائمہ کے نزدیک خراجی زمین کی پیداوار سے عشر ادا کرنا گناہ نہیں ہے۔"[1]

---

[1] ایضاً ص۱۳۰

اس کے علاوہ غور کیا جائے تو سمجھ میں آتا ہے کہ ایک تیسری جہت سے بھی ہندوستانی مسلمانوں کی زمینوں کو عشری قرار دینا اقرب الی الصواب محسوس ہوتا ہے۔

وہ یہ کہ شرعاً خراج اسی ٹیکس کو کہا جاسکتا ہے جسے حاکم اسلام عائد کرتا ہے اور وہ اسلامی بیت المال میں جمع ہوکر اپنے مصارف میں اسلامی حکومت کی زیر تولیت و نگرانی خرچ ہوتا ہے۔

ہندوستانی علاقوں سے کسی حاکم اسلام کا اب ایسا تعلق نہیں رہا اور غیر اسلامی حکومت جو مالگذاری وصول کرتی ہے اسے شرعاً خراج کہنا مشکل ہے اس طرح موجودہ حالت میں ہندوستان کی کسی زمین کا شرعی خراج ہے تو ادا ہو ہی نہیں رہا ہے اب اگر یہاں مسلمانوں پر عشر نکالنے کا بھی حکم نہ رہے تو ایک مسلمان کی زمین کو دار الحرب ہی میں صحیح، لاعشریہ ولاخراجیہ ہو جائے گی یہ جو وجوب عشر کے سلسلے میں قرآن و حدیث کی ان نصوص کے خلاف ہے جو زمان و مکان کے اطلاق و عموم پر دال ہیں اور دیگر فقہی تصریحات بھی اس کی مساعدت نہیں کرتیں۔

بلکہ اگر بالفرض مسلمانوں کی مملوکہ زمینیں اپنی اصل میں خراجی بھی ہوں گی تو عشر ادا کرنے کی صورت میں ضمناً کم از کم خراج مقاسمہ کی ادائیگی بھی ہو جائے گی جب کہ خراج کو مصارف عشر میں خرچ کرنا شرعاً کسی طرح ممنوع نہیں۔

اس لئے ہماری رائے اور میرا قلبی رجحان اسی امر کی ترجیح کی طرف ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی تمام ہی اراضیات کو عشری قرار دیا جائے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

عشر وخراج کی حقیقت

از:۔۔۔ مولانا محمد ممتاز عالم مصباحی ۔۔۔۔۔ دار العلوم اہلسنت شمس العلوم گھوسی مئو

اسلام نے کن اراضی کو عشری قرار دیا اور کن کو خراجی؟ عشری اور خراجی کے درمیان بنیادی فرق کیا ہے؟ اس سلسلہ میں کتاب وسنت، تعامل عہد صحابہ وتابعین اور فقہائے امت کے اجتہادات سے ہمیں کیا روشنی ملتی ہے؟

معاشیات ومالیات کا صحیح نظام اور آمد وصرف میں توازن ریاست کا اہم عنصر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا" واموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما"

اور جو اموال تمہارے پاس ہیں جن کو اللہ نے تمہاری بسر اوقات کیا ہے۔"

اس آیت پاک میں مال کو انسانیت کی بقاء اور انسانیت کے قیام کا وسیلہ قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطنت اسلامی نے ابتداء ہی سے مال کا شعبہ قائم کیا اور اسے بیت المال کا نام دیا۔ اور اس کے نظام کی سطح بلند کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

بیت المال کے اہم محاصل وذرائع آمدنی عشر، خراج، جزیہ، زکوٰۃ، فیئ، مال غنیمت تھے۔

عشر وخراج کی حقیقت

عشر زکوٰۃ ہی کی ایک قسم ہے۔ زکوٰۃ نماز کے بعد اسلام کا سب سے بڑا رکن اور اسلامی آمدنی کا سب

وسیلہ ہے۔ زکوٰۃ کوئی ٹیکس یا مالگذاری کا نام نہیں بلکہ یہ ایک بہترین عبادت ہے۔ جو تزکیۂ نفس وطہارت مال کا باعث ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ

"خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم"

ان کے مالوں سے زکوٰۃ دلاکر کے ان کو پاک وصاف کرو۔

عشر کی حقیقت

عشر کے معنی لغت میں دسواں حصہ کے ہیں۔ فتح القدیر میں ہے۔ العشر لغة واحد من العشرة" عنایہ شرح ہدایہ میں ہے۔ العُشر بضم العین احد اجزاء العشرة۔ یعنی دس کے اجزاء میں سے ایک جزء کا نام عشر ہے اور اصطلاح شرع میں عشر مسلمانوں کی زرعی پیداوار کے دسویں حصہ کا نام ہے یعنی پیداوار کا دسواں حصہ مسلمانوں کی ان زرعی پیداواروں سے لیا جائے گا جو بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہوں یا جن کی سینچائی تالاب، چشمہ، دریا، نہروں کے ذریعہ اس طور پر کی گئی ہو کہ کاشتکار کو اس پر کوئی قابل لحاظ مصارف اٹھانے پڑے ہوں اور نہ کوئی خاص محنت کرنی پڑی ہو۔

عشر کا ثبوت

عشر کا ثبوت قرآن، سنت، اجماع امت، امر معقول ہر ایک سے ثابت ہے تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو!

(۱) قرآن:۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" كلوا من ثمره اذا اثمر واتوا حقه يوم حصاده"

اکثر مفسرین بالخصوص راس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس، طاؤس، سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ آیت مبارکہ میں حق سے مراد عشر ہی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

يا أيها الذين آمنوا انفقوا من طيبات ما كسبتم ومما اخرجنا لكم من الارض

(۲) سنت:۔۔۔۔ سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ما اخرجت الارض ففيه العشر"

دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا:

كتب الله على المؤمنين من الصدقة في العقار عشر ما سقته السماء

وسقت السماء وعلى ما سقى بالغرب نصف العشر (الخراج ليحيى)

یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر زمین کا صدقہ فرض کر دیا ہے چشمہ اور بارانی پانی سے آبپاشی ہو تو دسواں حصہ اور بڑے ڈول سے آبپاشی کی جائے تو بیسواں حصہ ہے۔

(۳) اجماع: —— تمام صحابہ، خلفائے راشدین و جملہ امت محمدیہ کا اتفاق ہے اس بات پر کہ عشری زمینوں میں عشر ہے۔

(۴) امر معقول: —— عشر کی فرضیت عقل سے بھی بچند وجوہ ثابت ہے۔

وجہ اول

عشر کا اخراج ضعیف و نحیف کی اعانت ہے اور عاجز کو فرائض کی ادائیگی پر تقویت و تمکین بخشنا ہے۔ تو گویا کہ عشر ادائے فرض کا وسیلہ ٹھہرا۔ اور عند العقل یہ بات مسلّم الثبوت ہے کہ جو ادائے فرض کا وسیلہ ہوتا ہے وہ بھی فرض ہی ہوتا ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے۔

"والوسيلة إلى اداء المفروض مفروض"

وجہ ثانی

عشر نکال کر فقیر کو دینا شکران نعمت اور نفس کو ذنوب و آثام کی آلودگیوں سے پاک کرنے کی قبیل سے ہے۔ نیز اس سے عاجز کو فرائض کی ادائیگی پر قادر بنایا جاتا ہے اور مذکورہ چیزوں میں ہر چیز عقلاً و شرعاً فرض ہے۔ لہٰذا عشر بھی فرض ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے:

وأما المعقول فلما ذكرنا في النوع الأول لأن اخراج العشر الى الفقير من باب شكر النعمة واقدار العاجز وتقويته على القيام بالفرائض ومن باب تطهير النفس عن الذنوب وتزكيتها وكل ذلك لازم عقلاً وشرعاً۔

خراج کی حقیقت

خراج کے معنی لغت میں وہ محصول ہوتا ہے جو کاشت زمین یا کتان کی صلاحیت رکھنے والے ذمی شخص سے وصول کیا جاتا ہے۔ اور اصطلاح شرع میں خراج نقدی پیداوار کی ایک معین مقدار کا نام ہے جو خراجی زمینوں سے لیا جائے۔

فتح القدیر میں ہے:

الخراج ما یخرج من نماء الارض او نماء الغلام وسمی به ما یاخذه السلطان من وظیفة الارض والراس۔"

خراج کا ثبوت

خراج کا ثبوت اجتہاد سے ہے یا نص قرآنی سے؟ یہ مختلف فیہ بحث ہے۔ جمہور کی رائے یہ ہے کہ اس کا ثبوت اجتہاد سے ہے اور بعض فقہاء بالخصوص قاضی القضاۃ امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ نص قرآنی سے ثابت ہے۔ دلیل یہ ہے کہ خراج دراصل فیئ ہی کی ایک قسم ہے اور فیئ کا ثبوت قرآن سے ہے۔ صغریٰ کی دلیل یہ ہے کہ معمولی جنگ کے بعد کفار مغلوب ہوکر صلح کرلیں تو وہ مال بھی "فیئ" ہی میں شمار ہوتا ہے۔ تو گویا جب غلبۂ اسلام کے بعد خلیفہ نے صلح کے ساتھ کفار کی زمینوں کو مجاہدین و غانمین پر تقسیم کرنے کے بجائے ان پر ٹیکس مقرر کرکے ان ہی کے قبضہ میں رہنے دیا تو یہ ٹیکس بھی "فیئ" شمار ہوگا۔ کبریٰ کی دلیل سورہ حشر کی یہ آیت کریمہ ہے۔ جو ذیل میں ہے۔

ما أفاء الله على رسوله من أهل القرى فلله وللرسول ولذي القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل كي لا يكون دولة بين الاغنياء منكم:

جو مال اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے (کفار) لوٹا دیا وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کے لئے اور قرابت داروں کے لئے اور یتیموں، محتاجوں اور مسافروں کے لئے تاکہ وہ تم سے دولتمندوں کے درمیان ہی دائر اور محصور نہ رہے۔

امام ابویوسف ارشاد فرماتے ہیں:

قال ابو یوسف فاما الفیئ یا امیر المومنین فهو الخراج عندنا خراج الارض والله اعلم لان الله یقول فی کتابه "ما أفاء الله علی رسوله" (الآیه)

شرح خراج

خراج کے لئے کوئی شرح شریعت نے متعین نہیں کی بلکہ مختلف زمانوں میں زمین کی کیفیت کے لحاظ سے حکومت مختلف شرحیں طے کرسکتی ہے۔ البتہ اس شرح کی تعیین میں تین بنیادی باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔

۱۔۔۔۔۔ زمین کی کیفیت۔

۲۔۔۔۔۔ پیداوار۔

۳۔۔۔۔۔ کاشتکاری کے اخراجات وضروریات۔

قاضی ابویعلیٰ "الاحکام السلطانیۃ" میں ارشاد فرماتے ہیں۔

لابد لواضع الخراج من اعتبار ما وصفنا من الأوجه الثلاثة من اختلاف الارضين واختلاف الزرع واختلاف الشرب ليعلم قدر ما تحتمله الأرض من خراجها۔"

یعنی خراج مقرر کرنے والے کے لئے ہماری بیان کردہ تین چیزوں پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ وہ تینوں چیزیں یہ ہیں (۱) زمینوں کا اختلاف (۲) پیداوار کا اختلاف (۳) آبپاشی کا اختلاف۔ تاکہ زمین کی حیثیت کے مطابق خراج کی مقدار کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو سکے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے افسران بندوبست حضرت حذیفہ بن یمان اور عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہما کو تاکید کرتے ہوئے فرمایا تھا:

انظرا لا تكون حملتما الأرض ما لا تطيق اما لئن بقيت لارامل اهل العراق لادعهن لا يحتجن إلى احد بعدي۔

تم دونوں خوب غور سے سن لو۔ زمین کی حیثیت سے زیادہ ٹیکس نہ مقرر کرنا۔ اگر میں زندہ رہا تو عراق کی بیواؤں کو ایسا بنا دوں گا کہ وہ میرے بعد کسی کی محتاج نہ رہیں گی۔

خراج وٹیکس کے بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے گورنر کو یہ فرمان لکھا تھا:

ان أقيم الدين العدل والاحسان وأن لا تحمل خرابا على عامر ولا عامرا على خراب ولا تأخذ من الخراب إلا ما تطيق ولا من العامر إلا وظيفة الخراج في رفق وتسكين لأهل الارض في الاموال

اس سلسلے میں بہترین طریقہ اور عمدہ قانون عدل واحسان ہے۔ آباد و غیرآباد زمین میں فرق کرنا۔ آباد کو غیر آباد نہ سمجھ لینا اور غیرآباد سے وصول کرنا جو اس کی حیثیت وطاقت کے موافق ہو اور آباد زمین سے مقررہ خراج کے علاوہ کچھ بھی نہ لینا۔ اس میں بھی زمین والوں کی آسانی اور سہولت کا خیال رکھنا۔

خراج کی قسمیں

خراج کی دو قسمیں ہیں (۱) خراج مقاسمہ۔ یعنی پیداوار کا کوئی حصہ آدھا یا تہائی یا چوتھائی مقرر ہو۔ جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود خیبر پر مقرر فرمایا تھا۔ (۲) خراج موظف: کہ ایک مقدار لازم کردی جائے۔ خواہ روپے مثلاً سالانہ دو روپیہ بیگھہ یا کچھ اور جیسے فاروق اعظم رضؓ نے مقرر فرمایا تھا۔ تنویرالابصار اور درمختار میں ہے :

وهو اى الخراج لزمان. خراج مقاسمة إن كان الواجب بعض الخارج كالخمس ونحوه. وخراج وظيفة إن كان الواجب شيئا فى الذمة يتعلق بالتمكن من الإنتفاع بالارض كما وضع عمر رضى الله عنه على السواد"

اگر معلوم ہو کہ سلطنت اسلامیہ میں اتنا خراج مقرر تھا تو وہی دیں بشرطیکہ خراج موظف میں جہاں جہاں فاروق اعظم رضؓ سے مقدار منقول ہے۔ اس پر زیادت نہ ہو۔ اور جہاں منقول نہیں اس میں نصف پیداوار سے زیادہ نہ ہو۔ یوں ہی خراج مقاسمہ میں نصف سے زیادت نہ ہو۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ اتنے دینے کی طاقت بھی رکھتی ہو۔ فتاوی عالمگیری میں ہے :

واما الاراضى التى يريد الامام توظيف الخراج عليها ابتداءً اذا زاد على وظيفة عمر على قول محمد رح واحدى الروايتين عن ابى يوسف رح يجوز وعلى قول أبى حنيفة رح واحدى الروايتين عن أبى يوسف لايجوز وهو الصحيح - وأما خراج المقاسمة فالتقدير فيه مفوض الى الامام ولكن لايزاد على نصف الخارج"

اگر معلوم نہ ہو کہ سلطنت اسلام میں کیا مقرر تھا تو جہاں جہاں حضرت فاروق اعظم نے مقرر فرمادیا ہے وہ دیں اور جہاں مقرر نہ فرمایا ہو نصف دیں[1]۔

زمین کی قسمیں

زمین کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) عشری (۲) خراجی (۳) نہ عشری نہ خراجی۔
اول و سوم دونوں کا حکم ایک ہے یعنی عشر دینا۔ اور دوم کا حکم خراج دینا۔

---

[1] فتاوی رضویہ

عشری اورخراجی کامعیار

۱ـــــ عشری زمینیں وہ ہیں، جن کے مالک ان پر قابض رہتے ہوئے بغیر جنگ کے اسلام لائے ہوں۔ یا جن کو امام نے غنیمت میں سے حصہ کے طور پر کسی فرد کی ملکیت میں دیا ہو۔ یا جو پہلے افتادہ رہی ہوں مگر اب احیار کے ذریعہ یا امام کے بطور جاگیر عطا کرنے پر کوئی فرد ان کا مالک ہو۔ ان زمینوں کی پیداوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہے۔ (۱)

۲ـــــ خراجی زمینیں وہ ہیں جن کے غیر مسلم مالکوں سے صلح کر لی گئی ہو۔ یا جن کو بزور قوت فتح کرنے کے بعد امام نے ان کے سابق مالکوں کے قبضہ میں رہنے دیا ہو۔ ان زمینوں پر ان شرحوں کے مطابق خراج وصول کیا جائیگا جو ازروئے معاہدہ طے پائے ہوں یا جو امام نے مقرر کر دی ہوں۔ (۲)

۳ـــــ نہ عشری نہ خراجی وہ زمینیں جو مذکورہ زمینوں کے علاوہ ہوں جیسے وہ زمین جو فوجی کشمکش کے بعد اسلامی ریاست کے زیر ملکیت آئی ہو۔ کسی کی ملکیت میں نہ دی گئی ہو۔ یا وہ زمین جس کا مالک مر چکا ہو اور اس کا کوئی وارث نہ ہو اور بیت المال کی تحویل میں آ چکی ہو۔

قال فی رد المحتار عن الدر المنتقی شرح الملتقی هذا النوع ثالث یعنی لاعشریة ولاخراجیة من الاراضی التی تسمی ارض المملکة واراضی الحوز وهو ما مات اربابه بلا وارث وآل لبیت المال اُوفتح عنوة واُبقی للمسلمین الی یوم القیامة۔

عشری اورخراجی زمینوں کے مابین بنیادی فرق

جو غیر مسلم بزور شمشیر وسنان اسلامی اقتدار کے تحت آئے ہوں، ان کی زمینیں ان کی ملکیت میں نہیں رہ جاتی ہیں، بلکہ اسلامی ریاست میں آ جاتی ہیں خراج کا تعلق اصلاً ایسی زمینوں سے ہے۔ (۳)

تفصیل یہ ایک اجمالی اور بنیادی ضابطہ ہے جس کی تفصیل بصورت جزئیات درج ذیل ہے:

زمین کے عشری ہونے کی بہت سی صورتیں ہیں:

۱ـــــ مسلمانوں نے کسی زمین کو قہراً فتح کیا، اور زمین مجاہدین پر تقسیم ہو گئی۔

(۱، ۲، ۳) کتاب الاموال لابی عبید۔

۲ـــــ یا وہاں کے لوگ خود بخود مسلمان ہو گئے۔ جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ ہدایہ میں ہے:

"کل أرض أسلم أهلها أو فتحت عنوة أو قسمت بين الغانمين فهي أرض عشر"

۳ـــــ یا عشری زمین کے قریب افتادہ زمین تھی اسے کاشت میں لایا گیا۔ عالمگیری میں ہے:

"من أحيا أرضا مواتا فإن كانت من حيز أرض الخراج فهي خراجية وإن كانت من حيز أرض العشر فهي عشرية وهذا إذا كان المحيي لها مسلما أما إذا كان ذميا فعليه خراج وإن كانت من حيز أرض العشر"

۴ـــــ یا اس افتادہ زمین کو کھیت بنایا۔

۵ـــــ یا جو عشری و خراجی دونوں سے قرب و بعد کی یکساں نسبت رکھتی ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

" وإن كانت بينهما فعشرية مراعاة لجانب المسلم"

۶ـــــ یا اس کھیت کو عشری پانی سے سیراب کیا۔

۷ـــــ یا خراجی و عشری دونوں پانی سے۔ فتح القدیر میں ہے:

"كل أرض لم تفتح عنوة بل أحياها مسلم إن كان يصل إليها ماء الأنهار فخراجية أو ماء عين ونحوه فعشرية"

۸ـــــ یا مسلمان نے اپنے مکان کو باغ یا کھیت بنا لیا اور اسے عشری پانی سے سیراب کرتا ہے یا عشری و خراجی دونوں سے۔ ردالمحتار میں ہے:

"فتحصل أن الماء يعتبر فيما لو أحيا مسلم أرضا أو جعل داره بستانا بخلاف المنصوص على أنه عشري أو خراجي"

۹ـــــ یا عشری زمین کا فرذمی نے خریدی۔ مسلمان نے اسے شفعہ میں لے لیا۔ بیع فاسد ہو گئی یا خیار شرط یا خیار رؤیت کی وجہ سے واپس ہوئی یا خیار عیب کی وجہ سے قاضی کے حکم سے واپس ہوئی۔

خراجی کی صورتیں

خراجی زمین کی صورتیں بہت ہیں، مثلاً

۱ـــــ فتح کر کے وہیں کے باشندوں کو بطور احسان واپس دے دی۔

۲ـــــ یا دوسرے کافروں کو دے دی۔

۳ـــــ یا صلح کے طور پر فتح کیا گیا۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

"وما فتح عنوة ولم يقسم بين جيشنا إلامكة سواء أقر أهله عليه أو نقل إليه كفارًا أخر أو فتح صلحًا خراجية لأنه أليق بالكافر"

۴ـــــ یا ذمی نے مسلمان سے عشری زمین خریدی۔ فتاوی عالمگیری میں ہے:

"الذمی إذا اشترى عشرية قال ابوحنيفة وزفر رحمهما الله تعالیٰ يؤخذ منه الخراج كذا في الزاد"

۵ـــــ یا مسلمانوں نے ذمی سے خراجی زمین خریدی۔ ہدایہ میں ہے:

"ويجوز أن يشترى المسلم أرض الخراج من الذمی ويؤخذ منه الخراج"

۶ـــــ یا ذمی نے بادشاہ اسلام کے حکم سے بنجر کو آباد کیا۔ بنجر زمین ذمی کو دے دی گئی۔

۷ـــــ یا اسے مسلمان نے آباد کیا وہ خراجی زمین کے قریب تھی۔

۸ـــــ یا خراجی زمین نے اسے سیراب کیا۔

خراجی زمین کو اگرچہ عشری پانی سے سیراب کیا جائے خراجی ہی رہے گی۔ یوں ہی عشری زمین کو اگرچہ خراجی پانی سے سیراب کیا جائے عشری ہی رہے گی۔ فتح القدیر میں ہے:

والحاصل ان التی فتحت عنوة إن أقر عليها الكفار لا يوظف عليهم الخراج ولو سقيت بماء المطر وإن فتحت بين الغانمين لا يوظف إلا العشر وإن سقيت بماء الأنهار

تنقیح مطالب

جب ہم اسلامی قانون معیشت کے ماہرین اور مسلم الثبوت فقہاء اسلام کے لٹریچر کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ شرعی نقطۂ نظر سے اسلامی حکومت کے زیر حکم آنے والی اراضی چار بڑی اقسام پر منقسم ہوتی ہیں۔

۱ـــــ وہ اراضی جن کے مالک جنگ کی نوبت آئے بغیر اسلام قبول کرلیں۔

۲ ـــــــ وہ زمین جن کے کفار مالک اپنے دین پر قائم رہیں مگر ایک معاہدہ کے ذریعہ اپنے آپ کو اسلامی حکومت کی تابعیت میں دے دیں۔

۳ ـــــــ وہ اراضی جن کے مالک بزورِ شمشیر و سنان مغلوب و مقہور ہوں۔

۴ ـــــــ وہ اراضی جو کسی کی ملک میں نہ ہوں۔

قسمِ اول کا حکم

پہلی قسم کے سلسلہ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جس ضابطہ پر عمل فرمایا تھا وہ یہ ہے۔

ان القوم إذا أسلموا احرزوا دماءهم واموالهم" (۱)

جب لوگ اسلام قبول کرلیں تو وہ اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیتے ہیں۔

احادیث و آثار کا پورا ذخیرہ اس پر شاہد ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں کسی جگہ بھی اسلام قبول کرنے والوں کی املاک سے ذرہ برابر کوئی تعرض نہیں فرمایا جو جس چیز کا مالک تھا اسی کا مالک رہنے دیا گیا۔ خلافت راشدہ کے زمانہ میں بھی اسی پر عمل تھا۔ البتہ بعض صورتوں میں چند مصالح اور مفاد عامہ کے پیش نظر اس سے ہٹ کر بھی عمل ہوتا تھا۔ جس کو ہم بعد میں بیان کریں گے۔ پہلے اس بات میں اسلامی قانون کی تشریح قاضی امام ابویوسفؒ کی زبانی سنئے۔

فإن دماءهم حرام وما أسلموا عليه من أموالهم وكذلك أرضوهم لهم وهي ارض عشر بمنزلة المدينة حيث أسلم اهلها مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت أرضهم أرض عشر وكذلك الطائف والبحران وكذلك أهل البادية اذا أسلموا على مياههم وبلادهم فلهم ما أسلموا عليه وهو لهم ليس لاحد من اهل القبائل أن يبني في ذلك شيئا يستحق به منه شيئا ولا يحفر فيه بئرا يستحق به شيئا وليس لهم أن يمنعوا بكلاء ولا يمنعوا الرعاة ولا المواشي من الماء ولا حافرا ولا خفا في تلك البلدة وأرضهم

(۱) ابوداؤد شریف کتاب الخراج

أرض عشر لا یخرجون عنها فیما بعد ویتوارثونها ویتبا یعونها (کتاب الخراج)

یعنی جو لوگ اسلام قبول کرلیں ان کا خون حرام ہے۔ قبول اسلام کے وقت جن اموال کے وہ مالک تھے وہ ان ہی کی ملک رہیں گے۔ اسی طرح ان کی زمینیں بھی انہیں کی ملک رہیں گی اور وہ عشری قرار دی جائیں گی۔ اس کی نظیر مدینہ ہے جس کے باشندوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام قبول کیا اور وہ اپنی زمینوں کے مالک رہے اور ان کی زمینیں عشری رہیں۔ ایسا ہی معاملہ طائف اور بحرین کے لوگوں کے ساتھ کیا گیا اور اسی طرح بدویوں میں جن جن لوگوں نے اسلام قبول کیا وہ اپنے اپنے چشموں اور اپنے اپنے علاقوں کے مالک تسلیم کئے گئے۔ قبیلہ والوں میں سے کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان کی چیزوں میں کوئی ایسا تصرف کریں جن کی بنا پر اس کے وہ مستحق بن جائیں۔ اور نہ اس میں کسی کو کنواں کھودنا جائز ہے جس کی وجہ سے کچھ حصہ کے مستحق بن جائیں۔ البتہ انھیں گھاس سے کسی کو روکنا جائز نہیں اور ایسے ہی چرواہوں اور مویشیوں کو پانی سے روکنا جائز نہیں اور جانوروں اور اونٹوں کو اس علاقہ میں داخل ہونے سے روکنا جائز نہیں۔ ان کی زمینیں عشری ہوں گی۔ ان کو ان سے کبھی بے دخل نہیں کیا جا سکتا انھیں اس پر بیع و وراثت کے جملہ حقوق حاصل ہوں گے۔

قاضی صاحب دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

"کذلک کل بلاد أسلم علیها أهلها فهی لهم وما فیها"

یعنی جن علاقوں کے لوگ اسلام قبول کرلیں ان کی زمینیں اور ساری چیزیں حسب سابق انھیں کی رہیں گی۔

اسلامی قانون معیشت کے دوسرے زبردست محقق امام ابو عبید القاسم بن سلام اپنی کتاب الاموال میں فرماتے ہیں:

"کل أرض أسلم علیها أهلها فهم مالکون لرقابها کالمدینة والطائف والیمن والبحرین" (کتاب الاموال)

یعنی جس زمین کے باشندے اسلام قبول کرلیں وہ زمین انھیں کی ملک رہے گی۔ انھیں انتفاع و تعامل کا حق حاصل رہے گا جیسے مدینہ منورہ، طائف، یمن، بحرین میں یہی کیا گیا تھا۔

قسم اول کے حکم کے سلسلہ میں مذکورہ بات ایک قاعدہ کلیہ کی حیثیت رکھتی ہے جس میں استثناء کی کوئی ایک مثال بھی عہد نبوت اور عہد خلافت راشدہ کے نظائر میں ہزار تتبع و جستجو کے بعد بھی نہیں ملتی۔

اسلام نے مسلمانوں کی معاشی زندگی میں جو مناسب و متوازن اصلاحیں کیں اور پیش بندی کے طور پر کیں، مگر جو ملکیتیں پہلے سے لوگوں کے قبضہ میں چلی آرہی تھیں ان سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

قسم دوم کا حکم

معاہد یعنی ان لوگوں کی تھیں جنھوں نے اسلام تو قبول نہ کیا مگر مصالحانہ طریقہ سے زندگی گزارنے کا ارادہ کیا۔ یعنی اسلامی حکومت کے تابع بن کر رہنا گوارہ کیا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں بانی اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ضابطہ مقرر کیا تھا وہ یہ تھا کہ جن شرائط پر مصالحت ہوئی تھی۔ بعینہ بلا کمی بیشی کے انھیں پورا کیا جائے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آپ کا ارشاد ہے:

لعلکم تقاتلون قوماً فیظهرون علیکم فیتقون باموالهم دون انفسهم وابناءهم فتصالحونهم علی صلح فلا تصیبوا منهم فوق ذالک فانه لا یصلح۔ (ابوداؤد)

کبھی ایسا ہو کہ کسی قوم سے تمہاری جنگ ہو پھر وہ تمہارے سامنے آکر اپنی اور اپنے بال بچوں کی جانیں بچانے کیلئے اپنے مال دینے پر تیار ہو جائیں اور تم ان سے صلح کر لو تو ایسی صورت میں جس چیز پر تمہاری صلح ہو اس سے زائد کچھ نہ لینا۔ کیونکہ وہ تمہارے لئے جائز نہیں۔

دوسرا ارشاد ہے:

الا من ظلم معاهداً او انتقصه او کلفه فوق طاقته او اخذ منه شیئاً بغیر طیب نفس فانا حجیجه یوم القیامة۔ (ابوداؤد)

اسی ضابطہ کے مطابق سرکار نے نجران۔ ایلہ۔ اذرعات۔ ہجر اور دوسرے جن جن علاقوں اور قبیلوں کے ساتھ صلح کی ان سب کو ان کی زمینوں اور جائدادوں اور صنعتوں اور تجارتوں کو بدستور رہنے دیا اور صرف وہ جزیہ ان سے وصول کرنے پر اکتفا فرمایا جس پر ان سے معاہدہ ہوا۔ پھر اسی اصول پر خلفائے راشدین نے بھی عمل کیا۔

یہ فقہائے اسلام کا متفق علیہ قانون ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ امام ابویوسف رح اس کو اپنی کتاب مستطاب "الخراج" میں قانونی دفعہ کی شکل میں اس طرح ثبت فرماتے ہیں:

"ایما قوم من اهل الشرک صالحهم الامام علی ان ینزلوا علی الحکم والقسم

وعلى أن يؤدوا الخراج فهم أهل ذمة وأرضوهم أرض خراج ويؤخذ منهم ما صولحوا عليه ويوفى لهم ولا يزاد عليهم۔ (کتاب الخراج)

یعنی غیر مسلموں میں سے جس قوم کے ساتھ اس بات پر امام کی صلح ہو جائے کہ وہ مطیع حکم ہو جائیں اور خراج ادا کریں تو وہ ذمی ہیں۔ ان کی اراضی اراضی خراج ہیں۔ ان سے صرف وہی لیا جائے گا جس پر ان کی صلح ہوئی ہو۔ ان کے ساتھ عہد پورا کیا جائے گا اور ان پر کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا جائے گا۔

اس قاعدہ کلیہ میں بھی کسی استثنار کی مثال عہد رسالت وخلافت راشدہ کے نظائر سے پیش نہیں کی جا سکتی۔ البتہ بعض اہم مصالح کے پیش نظر حضرت فاروق اعظم کے دور خلافت میں باشندگان نجران کو اندرون عرب سے شام وعراق کی طرف منتقل کیا بھی گیا تو جس جس کے پاس نجران میں جتنی زرعی در ہائشی پراپرٹی (جائداد) تھی ان کے بدلہ میں نہ صرف اتنی ہی جائداد اس کو دوسری جگہ دی گئی بلکہ حضرت فاروق اعظم نے اپنے شام وعراق کے گورنروں کے نام فرمان عام لکھا کہ جس کے علاقہ میں بھی وہ جاکر آباد ہوں وہ "فليوسعهم في خريب الارض" فراخ دلی کے ساتھ افتادہ زمینوں میں سے ان کو دے۔ (کتاب الاموال)

قسم سوم کا حکم

وہ زمینیں جن کے مالک آخر دم تک مقابلہ کریں اور شمشیر وسنان کے زور سے مغلوب ہوں۔ انکے بارے میں امام کو اختیار ہے کہ انھیں فاتح مجاہدین میں تقسیم کر دے۔ جیسا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر کے موقع سے مفتوح علاقہ کو مال غنیمت قرار دیا اور ان کو لشکر اسلام پر تقسیم فرما دیا۔ اور ان حصہ میں آنے والی زمینوں کو عشری قرار دے کر ان پر عشر لگایا اور چاہے تو پرانے باشندوں کے ہاتھ میں رہنے دے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضہ نے عراق کے مفتوحہ علاقہ کو فوج میں تقسیم کرنے کے بجائے اس کو تمام مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت قرار دیا اور اس کا انتظام مسلمانوں کی طرف سے نیابتہً اپنے ہاتھوں میں لیا اور اصل باشندوں کو حسب سابق ان کی زمینوں پر بحال رہنے دیا۔ ان کو ذمی قرار دے کر ان سے جزیہ وخراج وصول کیا۔

اس حکم کو قانون معیشت کے محقق علی الاطلاق حضرت قاضی القضاۃ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ایک ضابطہ کی صورت میں یوں بیان فرماتے ہیں:

"وأيما الأرض افتتح الامام عنوة فقسمها بين الذين افتتحوها إن رأى ذالك

أنفل فهو في سعتہ من ذالك وهي أرض عشر وإن لم يرقسمتها وراى الصلاح في اقرارها في أيدي أهلها كما فعل عمر بن الخطاب في السواد فله ذالك وهو أرض خراج . وليس له أن يأخذها بعد ذلك منهم وهي ملك لهم يتوارثونها ويتبايعونها ويقع عليهم الخراج ولا يكلفوا من ذالك ما لا يطيقون ۔ (کتاب الاموال)

یعنی جس سرزمین کو امام بزور شمشیر فتح کرلے اس کے معاملہ میں وہ اختیار رکھتا ہے ۔ اگر چاہے تو فاتح فوج میں اسے تقسیم کردے اس کی وہ زمین عشری ہوگی ۔ اور اگر تقسیم کرنا مناسب نہ سمجھے اور بہتر یہی خیال کرے کہ اس کے پرانے باشندوں کے ہاتھوں میں رہنے دے جیسا کہ عمر بن الخطابؓ نے سواد عراق میں کیا تو وہ ایسا کرنے پر بھی اختیار رکھتا ہے ۔ اس صورت میں وہ زمین خراجی ہوگی اور خراج لگ جانے کے بعد پھر امام کو یہ حق باقی نہ رہے گا کہ اس کے باشندوں سے اس کو چھین لے ۔ وہ ان کی ملک ہوں گی ۔ ان کی اس زمین پر وراثت ، خرید و فروخت کے حقوق حاصل رہیں گے ۔ ان پر خراج ٹیکس لگا دیا جائے گا اور ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالا جائے گا ۔

قسم چہارم کا حکم

زمین کی چوتھی قسم وہ زمین جو کسی کی ملک میں نہ ہو ۔ ابتداءً دو قسموں پر منقسم ہے ۔ موات[۱] ، خالصہ[۲] ۔

موات :— افتادہ اور پڑتی زمینیں خواہ وہ عادی الارض ہوں (جن کے مالک رہے ہوں مگر فی الحال موجود نہ ہوں ، مر گئے ہوں ۔ یا جن کا کبھی کوئی مالک رہا ہی نہ ہو)

خالصہ :— وہ زمینیں جو سرکاری اور ریاستی تحویل میں ہوں ۔ اس مفہوم میں متعدد شکل کی اراضی تھیں ۔ ایک وہ جن کے مالکوں نے از خود ان سے دست بردار ہو کر حکومت کی تحویل میں دیا تھا ۔ دوسری وہ جن کے مالکوں کو معاہدہ کی خلاف ورزی کی بنا پر بے دخل کردیا گیا تھا جیسے مضافات مدینہ میں بنی نضیر کی آراضی ۔ تیسری وہ زمینیں جن کو مفتوحہ علاقوں میں سرکاری تحویل میں لیا گیا تھا جیسے وہ اراضی جو عراق میں کسریٰ اور اس کے اہل خانہ کے قبضہ میں تھیں اور حضرت عمر فاروق رضہ نے فوج کشی کے بعد ان کو اجلّہ صحابہ سے ہزار اختلاف رائے کے باوجود مجاھدین میں تقسیم نہ کرکے حکومت کی تحویل میں لے لیا تھا ۔

موات کا حکم

فقہائے اسلام کے درمیان متفق علیہ مسئلہ بصورت ضابطہ یہ ہے کہ موات و افتادہ زمین کو جو بھی آباد کرے وہ اسی کی ہے۔ اس کے استعمال کا وہی زیادہ حقدار ہے۔ البتہ اختلاف اس امر میں ہے کہ محض تعمیر و آبادی سے کوئی شخص افتادہ زمین کا مالک ہوجاتا ہے۔ یا ملکیت کے ثبوت کے لئے حکومت کی منظوری و اجازت شرط ہے؟ ——— امام اعظم ابوحنیفہ رح منظوری و اجازت کو شرط مانتے ہیں۔ صاحبین رح اس کے برخلاف اسے شرط نہیں مانتے۔ ان کا کہنا ہے کہ محض آبادکاری کے فعل سے ملکیت کا ثبوت ہوجاتا ہے۔ ثبوتِ ملکیت کے لئے حکومت کی جانب سے منظوری و اجازت ضروری نہیں۔

مذکورہ حکم و قاعدہ عطیاتِ فطرت پر انسان کے مالکانہ حقوق کی بنیاد ہونے کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ کے فرمودات سے مؤید بھی ہے۔ چنانچہ احادیث کریمہ میں آتا ہے:

عن عائشة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من عمر أرضا ليست لاحد فهو احق بها قال عروة قضى به عمر في خلافته۔ (بخاری و نسائی)

دوسری حدیث میں ہے:

عن عروة قال أشهد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى أن الأرض أرض الله والعباد عباد الله ومن أحيا مواتا فهو أحق بها جاءنا بهذا عن النبي صلى الله عليه وسلم الذين جاء وا بالصلوٰة عنه۔ (ابوداؤد)

یعنی عروہ بن زبیر (جو مشہور تابعی ہیں) کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ زمین خدا کی ہے اور بندے بھی خدا کے ہیں۔ جو شخص کسی مردہ زمین کو زندہ کرے وہی زمین کا زیادہ حقدار ہے۔ یہ قانون ہم تک نبی کریم ﷺ سے انہیں بزرگوں کے ذریعہ پہونچا ہے جن کے ذریعہ سے پنج وقتہ نماز۔"

خالصہ کا حکم ایسی زمینوں کا حکم یہ ہے کہ امیر کو پورا اختیار ہے کہ مفاد عامہ کے پیش نظر جس کو چاہے دے اس کی تقسیم و تنظیم کرے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اوّل تا پنجم

اسلام کا نظامِ عشر و خراج

حکیم ظل الرحمٰن ———————— سنہری مسجد، چاندنی چوک دہلی ۶

قبل اس کے کہ ہم محور وار جوابات تحریر کریں کچھ بنیادی باتیں عرض کرنا مناسب ہوگا، بنیادی بات یہ ہے کہ عشر کوئی علحدہ چیز نہیں ہے باب زکوٰۃ ہی کا ایک حصہ ہے جس کا تعلق زمین سے حاصل شدہ پیداوار سے ہے۔ جناب مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی اپنی کتاب "اسلامی فقہ" پر رقمطراز ہیں:

"زمین کی پیداوار کی جو زکوٰۃ دی جاتی ہے اس کو شریعت میں عشر کہتے ہیں" [۱]

اس کے احکام روپے پیسے اور سامان تجارت سے جدا ہیں اور قرآن و حدیث میں ان کا الگ الگ ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن میں دو جگہ اس کا ذکر ہے، ایک جگہ ہے:

" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ" [۲]

اے ایمان والو خدا کی راہ میں خرچ کرو اچھی چیزیں اپنی کمائی کی اور جو کچھ ہم نے تم کو زمین کے ذریعہ پیداوار دی ہے۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:

---

[۱] اسلامی فقہ حصہ اول ص۴۳۶ [۲] (آل عمران)

" وَهُوَ الَّذِیْ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ٘ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ "

وہی اللہ ہے جس نے باغات اگائے ہیں اس چیز کے باغ بھی جس کی بیلیں ٹٹیوں وغیرہ پر چڑھائی جاتی ہیں (مثلاً انگور) اور وہ بھی جن کی بیلیں نہیں ہوتیں اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں جن میں مختلف قسم کے کھانے کی چیزیں ہوتی ہیں اور زیتون اور انار اور یہ آپس میں ملتے جلتے بھی ہوتے ہیں اور ملتے جلتے نہیں بھی تو جب ان میں پھل آجائیں تو خود بھی کھاؤ کاٹنے اور توڑنے کے وقت ان میں جو شرعی حق (عشر) ہو اس کو دے دو اور اسراف نہ کرو اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے غلہ اور پھل حتی کہ شہد وغیرہ کا عشر بھی نکلواتے تھے آپ نے فرمایا کہ جو کچھ زمین سے اُگے اس میں صدقہ ہے، مولانا مزید لکھتے ہیں :

" ہر مسلمان پر خواہ مرد ہو یا عورت۔ بالغ ہو یا نابالغ۔ عاقل ہو یا پاگل عشر فرض ہے"

جناب مولانا ابوالحسن صاحب ندوی اپنی کتاب ارکان اربعہ میں تحریر فرماتے ہیں :

" زکوۃ سال میں ایک بار فرض ہے البتہ باغات و کاشت کا سال اس وقت پورا سمجھا جائیگا جب یہ باغات اور کھیتیاں پک جائیں اور اپنے کمال کو پہنچ جائیں "

اس پوری تمہید کا مفہوم یہ ہے کہ عشر زکوۃ ہی کا ایک حصہ ہے کوئی علحدہ شے نہیں ہے البتہ اس کا نصاب اور شرح مختلف ہے اور اس پر ایک سال گذرنے کی شرط نہیں ہے بلکہ عین پیداوار کے حصول کے وقت ہی واجب ہو جاتی ہے۔

مندرجہ بالا تمہید لکھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض حضرات نے عشری زمینیں صرف ان زمینوں کو قرار دیا ہے جو کسی جنگ کے نتیجہ میں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں اور وہ مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئی ہوں عشری زمینوں کی یہ تعریف نامناسب اور غیر درست ہے۔

اس کے بعد اصل سوالنامہ کا جواب علحدہ سے پیش کر رہے ہیں۔

جوابات

اسلام کا نظام عشر و خراج اور ہند و پاک کی اراضی کا حکم

۱۔ محور اوّل۔ عشر و خراج کی حقیقت

اسلام نے اسلامی سلطنت کی اراضی کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے، (۱) عشری (۲) خراجی مسلمانوں کے لئے ایک تیسری قسم ہے غیر اسلامی سلطنت میں مسلمانوں کی اراضی۔

۱ ــــ عشری :۔

اسلامی سلطنت میں مسلمانوں کی زمینوں پر ان کی پیداوار کا عشر (دسواں حصہ) یا نصف عشر (بیسواں حصہ) بیت المال کے لئے وصول کیا جاتا ہے۔ اس لئے ان کی زرعی آراضی عشری آراضی کہلاتی ہے۔

۲ ــــ خراجی :۔

اسلامی سلطنت کے مفتوحہ ممالک کی غیر مسلم رعایا کی آراضی زراعت جس پر خود ان سے یا ان کے حاکم سے کسی معاہدہ کے تحت خراج لیا جاتا ہو خراجی آراضی کہلاتی ہے۔ ان آراضیوں پر ان سے پیداوار کا کوئی حصہ بیت المال کے لئے نہیں لیا جاتا۔

۳ ــــ غیر اسلامی سلطنت میں جہاں مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل ہو وہاں کی مسلمانوں کی آراضی بھی عشری ہی کہلائیں گی البتہ وہاں پر انھیں اس کی ادائیگی اور صرف کا اپنا نظام خود بنانا ہوگا۔

واضح رہے کہ اسلامی یا غیر اسلامی سلطنت کی طرف سے کسی ایسے ٹیکس کی وصولیابی جو بلا امتیاز مذہب تمام افراد سلطنت سے عمومی طور پر آراضی کاشت پر وصول کیا جاتا ہو جو ضروریات سلطنت کی خاطر وصول ہوتا ہو اس سے زمینوں کی نوعیت نہیں بدلے گی، کتاب و سنت، عمل عہد صحابہ و تابعین، فقہائے امت کے اجتہادات کے مطابق پوری اسلامی تاریخ میں

ہمیں یہی دکھائی دیتا ہے کہ ماسوا جو غیر مسلم جنگ میں مسلمانوں کے خلاف لڑے اور شکست کھا کر فرار ہو گئے اور اپنی آراضیوں کو لاوارث چھوڑ گئے وہ تو اسلامی سلطنت کی ملکیت قرار دے کر مسلمانوں میں تقسیم کردی جاتی تھیں ورنہ تمام غیر مسلموں کی آراضیاں اور حقوق سابقہ محفوظ رہتے تھے۔ ان کی بنیاد تھی رسول اکرمؐ کا نجران کے عیسائیوں سے معاہدہ جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

"نجران اور اس کے اطراف کے باشندوں کی جانیں۔ ان کا مذہب۔ ان کی زمینیں۔ ان کا مال۔ ان کے حاضر و غائب۔ ان کے قافلے۔ اللہ کی امان اور اس کے رسول کی ضمانت میں ہیں۔ ان کی موجودہ حالت میں کوئی تغیر نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے حقوق میں سے کسی حق میں دست درازی کی جائیگی۔ کوئی اسقف یا راہب اپنے عہدے سے نہیں ہٹایا جائے گا۔ ان کے زمانہ جاہلیت کے کسی جرم یا خون کا بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ نہ ان سے کوئی فوجی خدمت لی جائے گی۔ نہ ان پر عشر لگایا جائے گا۔ نہ اسلامی فوج ان کی سرزمین کو پامال کرے گی۔ نہ ان پر ظلم ہوگا۔ ان کو ظلم کے ذریعہ کسی بات پر مجبور نہیں کیا جائیگا۔" [1]

پورے عہد خلافت اور بعد کی مسلمان سلطنتوں میں یہی طرز عمل رہا ہے اور کسی دور میں بھی اسلامی فقہائے غیر مسلموں کی آراضیوں پر قبضہ کو جائز نہیں قرار دیا ہے۔ اصولی طور پر جزیہ کی ادائیگی کے بعد غیر مسلموں کے تمام حقوق محفوظ ہو جاتے ہیں اور یہ حقوق ہندوستان کی ان مسلمان سلطنتوں میں برقرار رہے ہیں جہاں مسلمانوں سے عشر وصول ہوتا تھا اگرچہ وہ سلطنتیں اسلامی نہیں تھیں صرف مسلمان سلطنتیں تھیں۔

(۲) محور دوم

۱۔ آراضی ہند کا تاریخی جائزہ

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ ہندوستان کے مسلم حکمرانوں نے بالعموم مفتوح علاقوں کے

---

[1] ہندوستان میں عہد وسطیٰ کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری ج ۱ صفحہ [illegible] دارالمصنفین اعظم گڑھ [illegible] ۲۲–۲۶۔ فتوح البلدان بلاذری صفحہ مطبوعہ مصر

راجاؤں ہی کو یا ان کے خاندان کے ہی دوسرے افراد کو ان کی سلطنتیں خراج کی ادائیگی کی شرط پر واپس کردی ہیں۔ اور خراج کی وصولیابی کے بعد کبھی بھی رعایا سے ڈائرکٹ کوئی عشر یا دوسرا ٹیکس وصول نہیں کیا گیا۔ اور اس میں وہ مسلمان رعایا بھی شامل تھی جو اس حکمرانوں کے ماتحت تھی حکمران مطلوبہ خراج بالعموم اپنے خزانہ سے ادا کرتے تھے اور رعایا سے اپنا واجب کردہ ٹیکس وصول کرتے تھے ایسی حالت میں وہ سب زمینیں علاوہ مسلمانوں کی آراضی کے خراجی شمار ہوتی تھیں۔ اور مسلمانوں سے بھی عشر حکومت وصول نہیں کرتی تھی انھیں خود ہی اپنا نظام بنانا ہوتا تھا۔

اس موضوع پر ہمیں یہ دھیان رکھنا چاہئے کہ ہندوستان میں محمد بن قاسم کے بعد جو بھی سلطنتیں قائم ہوئیں وہ اسلامی سلطنتیں نہیں تھیں صرف مسلمان حکمرانیاں تھیں ان میں کبھی بھی اسلامی قوانین اور تعزیرات نافذ نہیں ہوئے بلاشبہ بعض حکمرانوں نے جزیہ کا نفاذ کیا تو مسلمانوں پر زکوۃ اور عشر بھی نافذ کیا۔ ان سب کا مقصود حکومت کے اخراجات کا حصول تھا۔ ان سب کے علاوہ بھی مالگذاری وغیرہ بھی وصول ہوتی تھی۔

(۲) انگریزوں کی عملداری سے ۱۹۴۷ء تک آراضی کی نوعیت

دور برطانیہ میں مختلف صوبوں میں آراضی سے متعلق مختلف قوانین نافذ تھے کہیں مکمل مالکانہ حقوق تھے کہیں لیز (LEASE) یعنی حق کاشت حاصل تھا۔ کاشتکار اور زمیندار کی حیثیت علحدہ علحدہ تھی کہیں شکمی کاشتکار بھی ہوتے تھے۔ لیکن ان حالات میں مالکانہ حقوق زمیندار ہی کو حاصل تھے۔ جو ایک مخصوص لگان لے کر اپنی زمین مختلف لوگوں سے کاشتکاری کراتے تھے۔ جو زمیندار اپنی زمینوں پر خود کاشت کرتے تھے وہ سیر دار کہلاتے تھے بعض حالات میں زمیندار اپنے کاشتکار کو آسانی سے بے دخل نہیں کرا سکتے تھے اور اسے شکمی کاشتکار بھی مقرر کرنے کا حق حاصل تھا۔ نوعیت آراضی کتنی بھی مختلف رہی ہو مالکان آراضی کی نوعیت قابل فروخت تھی۔ ایسی حالت میں عشر کے مقاصد کے لئے نوعیت آراضی کا فرق بے معنی ہے۔ اس ضمن میں فتاوی محمودیہ پر درج ذیل فتوی موجود ہے:

"ہندوستان کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی بلکہ بیت المال اور سلطنت کی زمینیں ہیں شامی نے ایسی زمینوں میں عشر و خراج کے واجب ہونے کی تصریح کی ہے۔

"اصح قول یہ ہے کہ محصول مذکور زمینوں کا کرایہ ہے جس کی وجہ سے عشری زمینوں سے عشر ساقط نہیں ہوگا۔ جب زمین خراجی ہوں تو محصول خراج کے قائم مقام ہوگا۔ وکذا فی فتاوی الرشیدیہ جب زمین مذکور نہروں سے سیراب کی جائیں جن کے اندر محصول لیا جاتا ہو تو ایسی زمینوں پر نصف عشر واجب ہوگا۔ اس حالت میں کاشتکار اپنی پوری پیداوار کا مالک ہوتا ہے لہذا مسلمان کاشتکار پر لگان یا مال گذاری کے ساتھ عشر بھی واجب ہوگا"[1]

(۳) محور سوم: ع۱ - ع۲

میرے خیال میں فتاوی محمودیہ اور فتاوی رشیدیہ کے مندرجہ بالا فتوی کے بعد عشر کے مقصد کے لئے نوعیت زمین از روئے قانون بے حیثیت ہو جاتی ہے۔ قوانین کچھ بھی رہے ہوں مالکان آراضی کو حق فروخت حاصل تھا اور وہ اپنی پیداوار کے مکمل مالک تھے۔ (زمیندار اور کاشتکار کے فرق کی بحث علیحدہ ہے) اور اس میں وہ اپنی مرضی کے فصل اگانے کے مختار تھے اس لئے میری رائے میں اس پر بحث غیر مفید ہے۔

(۴) آراضی ہند کی شرعی حیثیت (محور چہارم)

ہندوستان میں آزادی کے بعد تمام زمینیں کاشتکاروں کو مالکانہ حقوق کے ساتھ دے دی گئی ہیں جو بھومی دھری کہلاتی ہیں۔ اب سب لوگوں کو صرف لگان دینا ہوتا ہے زمیندارانہ مالگذاری کا نظام ختم کیا جا چکا ہے۔ یہ کوئی خراج نہیں ہے بلکہ سلطنت کے ضروری انتظامات کے لئے ایک ٹیکس ہے جو بلا کسی امتیاز مذہب و ملت ہر کاشتکار کو ادا کرنا پڑتا ہے لہذا یہاں نہ کوئی زمین خراجی ہے اور نہ عشری۔ البتہ مسلمان کاشتکاروں پر اپنی پیداوار کا عشر یا نصف عشر شرعاً واجب ہوتا ہے جسے وہ خود بطریق زکوۃ ادا کرنے کے پابند ہیں[2] جس کے لئے وہ اپنے بیت المال قائم کرنے کے لئے حکومت کی

---

[1] محمودیہ م ۳۹   [2] ایضاً

طرف سے مجاز ہیں بعض لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ ہندوستان کی زمینیں عشری نہیں جیسا کہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے مالابدمنہ میں لکھا ہے مگر مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب مرحوم نے بڑی تحقیق سے اپنی کتاب "کتاب العشر و زکوۃ" میں یہ ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں کے پاس جو زمینیں ہیں وہ سب عشری ہیں [1]

۲ ـــــ جب آراضی کی نوعیت نہ خراجی ہوا ورنہ عشری تو اس کا حکم مذکورہ بالا ہے کہ صرف مسلمان اپنی پیداوار کا عشر یا نصف عشر خود بطریق زکوۃ ادا کریں گے کیوں کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے :

"کلو من ثمرہ اذا ثمر و آتو حقه یوم حصادہ" [2]

ان سب کی پیداوار کھاؤ جب وہ نکل آئے اور اس میں جو حق (شرع کے اعتبار سے) واجب ہے اس کے کاٹنے کے دن مسکینوں کو دیا کرو۔

اس چیز سے دو چیزیں واضح ہیں :

(۱) عشر بھی ایک قسم کا صدقہ ہے جس کا دینا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

(۲) اس پر حولان حول یعنی پورا سال گذرنے کی قید نہیں ہے، پیداوار ملتے ہی واجب ہے۔

۳ ـــــ سرکار کو ادا ہونے والا لگان کسی بھی طرح خراج کے حکم میں نہیں ہے وہ سلطنت کے انتظامات کے مصارف کے لئے ایک ٹیکس ہے۔

۴ ـــــ ہندوستان میں کوئی زمین خراجی نہیں ہے۔ یہاں کی بیشتر زرعی زمینیں آبپاشی پر منحصر ہیں کہیں یہ آبپاشی نہری ہے جس کے اخراجات حکومت کو دینے پڑتے ہیں اور کہیں یہ خود اپنے ٹیوب ویلوں اور دوسرے ذاتی ذرائع سے کی جاتی ہے البتہ راجستھان کے بعض علاقوں میں زراعت کلیتاً قدرتی بارش پر منحصر ہے۔ یہاں خود مسلمانوں کو عشر یا نصف عشر ادا کرنا ہے اور وہ اس کے مستحقین تک پہنچانے کے بھی ذمہ دار ہیں۔

۵ ـــــ یہ مسئلہ بہت توجہ کا محتاج ہے۔ شریعت نے عشر اور نصف عشر کا فرق صرف اخراجات آبپاشی کو ملحوظ کر کے رکھا ہے لیکن صاحب کنزالدقائق اور امام ابوحنیفہؒ کل پیداوار سے اخراجات منہا کرنے کو

---

[1] اسلامی فقہ ۱/۳۳۸ [2] سورہ انعام پارہ ۸ رکوع ۴

قرار دیتے ہیں۔

ماضی میں زراعت کے اخراجات بیج اور آبپاشی کے علاوہ کچھ نہیں تھے محنت کاشتکار کی ہوتی تھی مگر آج کاشت کے اخراجات بہت زیادہ ہیں۔ عمدہ بیج ٹریکٹر کی جوتائی۔ ٹیوب ویل کی آبپاشی کے اخراجات۔ مختلف اوقات میں خرید کردہ کیمیائی کھاد۔ مزدوروں کی نلائی اور فصل کٹنے کی مزدوری۔ عقل سلیم یہ مطالبہ کرتی ہے کہ تمام اخراجات پیداوار سے منہا کرنے چاہئیں اور پھر عشر واجب کرنا چاہئے یا آبپاشی کے اخراجات نہ منہا کئے جائیں اور نصف عشر واجب کیا جائے۔

بہرکیف یہ مسئلہ فقہا کرام کی خصوصی توجہ اور اجتہاد کا محتاج ہے کیوں کہ آج کاشت پر کل پیداوار کے بقدر نصف اخراجات پڑ جاتے ہیں علاوہ کاشتکار کی اپنی محنت کے۔

۶۔ اگر مالک آراضی اور کاشتکار دونوں مسلمان ہوں اور تقسیم کی بنیاد حصہ پیداوار ہو تو دونوں پر اپنے اپنے حصہ پر عشر واجب ہوگا۔ ورنہ صرف مسلمان پر واجب ہوگا، اور اگر آراضی کسی مخصوص کرایہ پر حاصل کی گئی ہو تو چوں کہ کل پیداوار کاشتکار کی ملکیت ہوگی اس لئے پوری پیداوار کا عشر بھی کاشتکار کو ہی دینا ہوگا اگر وہ مسلمان ہے۔ عشر مسلمان پر اس لئے واجب ہے کہ مسلمان کے لئے یہ عبادت بھی ہے۔

بٹائی کے مسئلہ پر ہندوستان میں مروجہ نظام کاشت کو ملحوظ رکھنا چاہئے، ہندوستان میں مروج نظام کاشت درج ذیل ہے۔

۱۔ زمین کا مالک خود کاشت کرتا ہے۔

۲۔ زمین کا مالک کسی مخصوص نرخ پر زمین کسی دوسرے کو کاشت کے لئے دے دیتا ہے۔

۳۔ زمین کا مالک کاشتکار سے پیداوار میں اپنا حصہ متعین کرلیتا ہے اس کی بھی دو شکلیں ہیں:

ا۔ تمام اخراجات کاشت علاوہ جوتائی اور نگرانی مالک اراضی برداشت کرتا ہے اور کاشتکار کی ذمہ داری ہل بیل۔ ٹریکٹر کی جتائی اور نگرانی کرنا ہوتی ہے۔ اس حالت میں کاشتکار کل پیداوار کا ¼ حصہ کا مستحق ہوتا ہے کہیں کہیں یہ حصہ ایک تہائی بھی ہوتا ہے۔

۲۔ علاوہ محنت اور جتائی اور نگرانی جو کلیتاً کاشتکار کی ذمہ داری ہوتی ہے بقیہ تمام اخراجات میں یعنی بیج۔ لگان۔ کھاد۔ آبپاشی وغیرہ میں کاشتکار بھی نصف کا ذمہ دار ہوتا ہے اور اس حالت میں کاشتکار نصف پیداوار کا مالک ہوتا ہے۔ اس تیسری حالت کی مندرجہ بالا تینوں شکلوں

کو امام ابوحنیفہؒ ناجائز قرار دیتے ہیں لیکن صاحبین امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ اور بقیہ تینوں ائمہ جناب امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد ابن حنبلؒ اسے اجرت معلوم قرار دیتے ہیں اور جائز قرار دیتے ہیں۔

ان حالات میں یہ مسئلہ بہت اہم ہے کہ اخراجات منہا کئے جائیں یا نہیں۔

(۵) محور پنجم

۱۔ جناب امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشر کا کوئی نصاب مقرر نہیں ہے لیکن صاحبین کے نزدیک ۵ وسق کا نصاب ہے اس سے زائد پر ہی عشر واجب ہوگا، ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے فتوی صاحبین کی رائے پر ہی ہے[1] پانچ وسق ۸۰ تولہ والے سیر سے ۲۵ من پونے چوبیس سیر ہوتا ہے[2]

۲۔ ہر پیدا ہونے والی چیز پر عشر واجب نہیں ہے مثلاً گھاس، بانس، درخت اپنے جانوروں کی خوراک کے لئے اگایا ہوا چارہ پر عشر واجب نہیں ہے لیکن یہی چیزیں اگر تجارت کے لئے ہوں تو بطور اموال تجارت ان پر زکوۃ واجب ہوگی۔ پانی میں پیدا ہونے والی اشیا مثلاً سنگھاڑ کھانے وغیرہ پر عشر واجب ہوگا، اور تالاب بمثل آراضی شمار ہوگا۔ کیوں کہ اس کا وجود آراضی کے وجود پر ہی منحصر ہے۔ صاحبین اور امام شافعیؒ کے نزدیک ان ہی چیزوں پر عشر ہے جو ایک سال تک باقی رہ سکتی ہوں[3]

۳۔ مچھلی کی پیداوار زراعت میں شمار نہیں ہوگی۔ اگر وہ اپنے کھانے کے لئے پالی گئیں ہیں تو ان پر کوئی زکوۃ واجب نہیں ہے اور اگر تجارتی مقاصد کے لئے ہیں تو وہ اموال تجارت شمار ہونگی۔ یہ ایک ایسا کاروبار ہے کہ جس میں قدم قدم پر محنت اور نگرانی کرنی ہوتی ہے، حسب ضرورت پود ڈالنی ہوتی ہے۔ انھیں یومیہ چارہ ڈالنا ہوتا ہے۔ تالاب کے پانی کو سردیوں میں ایک مخصوص درجہ حرارت پر رکھنا پڑتا ہے وغیرہ وغیرہ پھر وہ از نسل درخت نہیں ہے از نسل جانور ہے اس لئے وہ اموال تجارت شمار ہوں گی۔

---

[1] ھدایہ باب زکوۃ [2] اسلامی فقہ ۱/۴۴۲ [3] درمختار باب العشر

۴ ـــــ ریشم کا کیڑا فی نفسہ اس ریشم کے دھاگے کے حصول کا ذریعہ ہے جس سے ریشمی کپڑا تیار ہوتا ہے لہٰذا شہتوت کے درخت اور ریشم کے کیڑے حاجت اصلیہ شمار ہوں گے۔ اوران سے حاصل شدہ خام ریشم اموال تجارت شمار ہوگا اوراس پر بطور اموال تجارت زکوٰۃ واجب ہوگی عشر واجب نہیں ہوگا کیوں کہ کیڑا اور شہتوت ذریعہ ہیں اصل مال نہیں ہیں اور خود بے قیمت ہیں۔ ریشم نکالنے کے بعد کیڑے پھینک دئے جاتے ہیں۔

۵ ـــــ باغات کے درخت جن کے پھل قابل فروخت ہیں صرف ان کی پیداوار پر ہی عشر واجب ہوگا۔ عام درخت جو لکڑی کے حصول کے لئے لگائے گئے ہوں پر عشر واجب نہیں ہوگا۔ البتہ کاروباری مقاصد کے لئے لگائے گئے جنگلات یوکلپٹس کے درخت خواہ وہ کھیتوں کی منڈیروں پر ہی ہوں جن کی نیت ایک مدت کے بعد فروخت کی ہو جو بالعموم اپنے ابتدائی ایام میں بے قیمت ہوتے ہیں اوران کی مدت تکمیل قیمت ۵ - ۷ سال اور بسا اوقات دس سال تک ہوتی ہے ایسی حالت میں وہ اموال تجارت شمار ہوں گے اور مال تجارت بھی وہ کٹ جانے کے بعد شمار ہوں گے۔

البتہ بعض پودے جو اچھے بڑے ہوتے ہیں اور فصل کٹنے کے بعد قابل فروخت ہوتے ہیں جیسے ارہر کے جھیپے پیداوار کا حصہ شمار ہوں گے اوران پر عشر واجب ہوگا۔

۶ ـــــ سبزیاں اگر کاروبار کے لئے ہوں تو ان پر عشر واجب ہوگا۔ فصل بہ یک وقت حاصل ہو یا وقفہ وقفہ سے فصل کی پوری پیداوار کا حساب لگا کر عشر ادا ہوگا اگر ذاتی استعمال کیلئے مکان کے اردگرد ہوں گی تو وہ یقیناً نصاب سے کم ہوں گی اوران پر عشر واجب نہیں ہوگا۔

۷ ـــــ اراضی وقف کی دو قسم ہیں :

۱۔ وقف علی اللہ ۲۔ وقف علی الاولاد

(۱) وقف علی اللہ چوں کہ خود صدقات کی مد ہے اوراس میں حاصل ہونے والی آمدنی ـ آمدنی بیت المال کے مثل ہے اس لئے اس آراضی پر عشر واجب نہیں ہوگا البتہ یہی آراضی کسی کاشتکار پر ہو اور وہ مسلمان ہو تو اس پر عشر واجب ہوگا۔

(۲) وقف علی الاولاد آراضی کی کوئی خاص حیثیت اس کے علاوہ نہیں ہے کہ وہ ناقابل فروخت ہے

ورنہ اس کا حق استعمال حسب حق وراثت ہے اس لئے اس پر عشر واجب ہوگا۔

محور سوم

ہندوستان کی آراضی کا قانونی جائزہ

۱۔ مغلیہ سلطنت کے زوال اور برطانوی تسلط کے آغاز سے لے کر ۱۹۴۷ء تک آراضی ہند کی نوعیت سے متعلق وقتاً فوقتاً جاری ہونے والے قوانین کا جائزہ۔ اس سلسلے میں مختلف صوبوں میں ۱۹۴۷ء سے پہلے جاری ہونے والے قوانین کا علحدہ علحدہ تفصیلی جائزہ۔

۲۔ قانون تنسیخ زمینداری کے بعد آراضی ہند کی نوعیت وحیثیت کاشتکاروں کے مالکانہ حقوق میں کیا تبدیلی آئی۔ اور ہندوستان کے مختلف صوبوں میں آزادی کے بعد سے لے کر اب تک آراضی کے بارے میں جو دوراس قانونی تبدیلیاں آئیں ان کا ایک جائزہ۔

میں نے اپنے پہلے جواب میں ان سوالات کے جوابات کو فتاوی محمودیہ کی روشنی میں اختصار کے ساتھ نظر انداز کر دیا تھا۔ اب حکم ثانی کی تعمیل میں تفصیلی رائے پیش خدمت ہے۔

سلطنت برطانیہ کے استحکام کے بعد جو اسے ۱۸۵۷ء کے بعد حاصل ہوا آراضی سے متعلق دو نظام قائم ہوئے:

۱۔ جاگیردارانہ

یہ نظام ریاستوں پر مشتمل تھا اور ریاستی خزانہ سے سلطنت ہندوستان کو ایک مخصوص رقم ادا کی جاتی تھی۔ ریاست کے اندر حکمرانی نوابین اور راجاؤں کی ہوتی تھی حکومت ہند کا ایک نمائندہ ریزیڈنٹ رہتا تھا۔ انتظامی سطح پر I.A.S. اور I.C.S. افسران مامور ہوتے تھے۔ نیچے کی سطح پر زمیندار ہوتے تھے۔ کاشتکاروں کی حیثیت ان کی رعایا کی سی ہوتی تھی۔

۲۔ **مرکزی حکومت کے تحت ڈائریکٹ علاقے**:۔ ان علاقوں میں زمیندارانہ نظام ڈائریکٹ تھا۔

زمیندار کی قانونی حیثیت ایک درجاتی شخصیت کی ہوتی تھی وہ کاشتکار سے متعینہ شرح سے لگان وصول کرتے تھے اور حکومت کو مالگذاری ادا کرتے تھے۔ عموماً لگان اور مالگذاری میں ۳ : ۱ کی نسبت ہوتی تھی یعنی تین روپیہ کی وصولیابی سے حکومت کو ایک روپیہ ملتا تھا۔ تصور یہ تھا کہ وصول شدہ رقم میں سے ایک روپیہ حق زمینداری اور ایک روپیہ اخراجات وصولیابی اور ایک روپیہ حق حکومت انتظامی ضرورتوں کے تحت اسے نیم مالکانہ حقوق بھی حاصل تھے وہ اس زمین پر خود کاشت کا بھی حق رکھتا تھا۔

دوسری طرف کاشتکاروں کے بھی موروثی حقوق قانونی طور پر محفوظ تھے۔ کوئی بھی کاشتکار کسی قانونی عدالت کے حکم کے بغیر اس کی زمین سے بے دخل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اسے ضمنی کاشتکار مقرر کرنے کا حق ہوتا تھا اور کسی وجہ سے اصل کاشتکار بے دخل کیا جاتا تو اس ضمنی کاشتکار کو موروثی کاشتکار کا درجہ حاصل ہوجاتا تھا اسے بھی قانونی طور پر ہی بے دخل کیا جا سکتا تھا۔

زمینوں میں زمیندار اور کاشتکار دونوں کو حق وراثت حاصل تھا اگرچہ قانوناً عورتیں بھی وراثت آراضی کی حقدار ہوتی تھیں لیکن عملاً کچھ ایسا رواج ہو گیا تھا کہ عورتیں اپنے حقوق آراضی سے اپنے بھائیوں اور دیگر اعزا اور رشتہ داروں کے حق میں دستبردار ہو جاتی تھیں۔ البتہ پنجاب میں عورتوں کو آراضی میں حق وراثت قانوناً ممنوع تھا۔ یہ قانون سر سکندر حیات اور سر چھوٹو رام کی وزارتوں کے دوران پاس ہوئے تھے۔

صوبوں میں آراضی کے عام قوانین نہیں تھے جو تھے وہ شرح آبیانہ۔ لگان اور مالگذاری سے متعلق تھے۔ آراضی سے متعلق مرکزی قوانین ہی نافذ العمل تھے البتہ مخصوص پہاڑی اور قبائلی علاقوں میں ان کے اپنے مروجہ دستوروں کو قانونی درجہ دے دیا گیا تھا۔ آج وہ تفصیلات حاصل کرنا تقریباً ناممکن سا ہو گیا ہے اس لئے علحدہ علحدہ تبصرہ ممکن نہیں ہے لیکن ان کی جو مجموعی حیثیت تھی وہ اوپر بیان کردی گئی ہے۔ آراضی میں باغات کو ایک مخصوص نوعیت حاصل تھی وہ اصل مالک زمینداری کا شمار ہوتا تھا اور اگر اس میں کوئی کاشتکار وقتی طور پر کاشت کرتا تھا تو اس کی حیثیت ضمنی کاشتکار کی ہوتی تھی اور مالک باغ کو اسے علحدہ کرنے کا حق ہوتا تھا۔

جو زمیندار اپنی زمینوں پر خود کاشت کرتے تھے وہ سیر دار کہلاتے تھے۔ ان کو ایک

حق حاصل تھا کہ وہ کسی کو شریک کار بنا کر کاشت کرالیں۔ اس حالت میں شریک شخص کو کوئی حق کاشتکاری حاصل نہیں ہوتا تھا۔ یہ شکلیں درج ذیل تھیں :

۱ ـــــ مالک زمین یعنی زمیندار خود ہی تمام امور کاشت انجام دیتا تھا۔

۲ ـــــ زمین دار کسی کو مخصوص شرح پیداوار پر کاشتکار کو زمین کاشت کے لئے دیتا تھا اس صورت میں بقیہ پیداوار کاشتکار کی ہوتی تھی۔ مثلاً دو کلو گندم فی بیگھہ وغیرہ۔

۳ ـــــ زمیندار تمام اخراجات برداشت کرتا تھا کاشتکار صرف اپنی محنت دیتا تھا یعنی اس کی حیثیت ایک مزدور کی ہوتی تھی اس حالت میں وہ صرف چوتھائی پیداوار کا حقدار ہوتا تھا بقیہ پیداوار زمین کی ہوتی تھی۔ کسی کسی جگہ کاشتکار کا حق تہائی بھی ہوتا تھا۔

۴ ـــــ زمیندار جملہ اخراجات کا نصف بار برداشت کرتا تھا اور کاشتکار اپنی محنت کے علاوہ نصف اخراجات برداشت کرتا تھا اس حالت میں وہ نصف پیداوار کا حقدار ہوتا تھا۔

نوٹ :۔ مندرجہ بالا تیسری اور چوتھی شکل کو امام ابوحنیفہؒ اجرت مجہول کی بنیاد پر ناجائز قرار دیتے ہیں لیکن صاحبین یعنی امام محمدؒ اور امام یوسفؒ نیز امام شافعیؒ امام مالکؒ امام احمد بن حنبلؒ اسے اجرت معلوم قرار دیتے ہیں اور جائز قرار دیتے ہیں۔

آزادی سے قبل زمینوں کی یہی صورت حال تھی لیکن اس کے معاشرے پر کیا اثرات تھے وہ ہم نذر ناظرین کر رہے ہیں۔

سلطنت برطانیہ نے اپنی سلطنت کے استحکام کے لئے ایک درمیانی وفادار نیم حکمران جماعت زمیندار تخلیق کی جسے زمینوں کے نیم مالکانہ حقوق بھی دئے گئے لیکن ساتھ ہی عوامی بغاوت کے خوف سے کاشتکاروں کے حقوق کا تحفظ کیا گیا لیکن رفتہ رفتہ یہ حالت بن گئی کہ زمیندار کاشتکار کی خالصتاً محنت کا بغیر کسی محنت کے حصہ دار بن گیا۔ اور ایک وقت طبقاتی کشمکش کا یہ آیا کہ زمیندار انتہائی خوش حال کلاس اور کاشتکار نان شبینہ سے محتاج ہو کر رہ گیا۔ اکثر کاشتکار اپنی پیداوار کا بڑا حصہ لگان۔ زمیندار کا قرض۔ بیج کھاد کی قیمت میں دے دیتے تھے اور خود معاشی طور پر مفلوک الحال اور ضروریات زندگی کے لئے ترستے تھے۔ کردار کے اعتبار سے زمیندار کلاس اپنے کاشتکاروں کے ساتھ بے حد ناروا سلوک کی عادی تھی۔

رفتہ رفتہ دنیا میں سماجی انصاف کے تقاضے ابھرنے شروع ہوئے۔ روس میں ۱۹۱۷ء کے انقلاب نے سماجی نظریات بدل کر رکھ دیئے اور محنت کش طبقہ نے اپنے جائز حقوق کا مطالبہ شروع کر دیا۔ سیاسی جماعتوں نے زمیندارانہ ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کرنا شروع کر دیا۔ بالآخر کانگریس نے ۱۹۳۱ء میں ایک رزرویشن خاتمہ زمینداری کے سلسلے میں پاس کیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ نظام زمینداری نے معاشرہ میں ایک طبقاتی کشمکش پیدا کر دی تھی۔ غریب مزید غریب ہوتا چلا جا رہا تھا اور اپنی تمام تر محنت کے باوجود اپنے بال بچوں کو ضروریات زندگی فراہم کرنے سے قاصر تھا۔ کاشت کی ضروریات تک کے لئے وہ مہاجن اور زمیندار سے سود پر قرض لینے پر مجبور ہوتا تھا۔ حکومت کا لگان وہی دیتا تھا۔ زمیندار یہ لگان وصول کرتا تھا اور اس کا کل ایک تہائی ہی وہ حکومت کو ادا کرتا تھا۔ آبپاشی - بیج - کھاد - محنت یہ سب کاشتکار کی ذمہ داری تھی ان حالات کو کوئی بھی معاشرہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ نتیجہ کے طور پر آزادی کے بعد تمام صوبوں نے اس کو عملی جامہ پہنایا۔ سب سے پہلے یوپی میں خاتمہ زمینداری ایکٹ پاس ہوا اور پھر دوسری تمام ریاستوں میں بھی اسی نوعیت کے قانون پاس ہوئے اور ماسوائے چند پہاڑی اور قبائلی علاقوں کے پورے ہندوستان سے زمیندارانہ نظام کا خاتمہ ہو گیا۔ ان نئے قوانین کی عمومی خصوصیات درج ذیل ہیں۔

ا ــــــ حکومت نے ایسے تمام لوگوں کی زمینوں کو جو خود کاشت نہیں کرتے تھے معاوضہ دے کر اپنی ملکیت میں لے لیا اور پھر ان تمام کاشتکاروں کو لگان کا ایک مخصوص فیصد معاوضہ لے کر حق ملکیت دے دیا اور اب وہ بھومی دھر کہلاتے لیکن یہ ملکیت مشروط رہی۔ اس کی شرائط درج ذیل تھیں :

ا ــــــ نظام چکبندی کر کے ایک شخص کی متعدد جگہوں کو ختم کر کے اس کے بقدر ایک جگہ زمین دیدی جاتے گی۔

۲ ــــــ کوئی بھی شخص جس کے پاس پہلے سے ایک متعینہ یا اس سے زائد رقبہ ہو یا اس حق کے بعد یہ متعینہ رقبہ ہو جائے مزید کوئی زمین نہیں خرید سکتا۔

۳ ــــــ زمین ایک متعینہ رقبہ سے کم پر قابل تقسیم نہیں ہوگی اور نہ ہی اس کا کوئی جز کسی غیر شریک کو قابل فروخت ہوگا البتہ شرکاء میں سے کسی کو بھی کوئی شریک اپنا حصہ اراضی فروخت کر سکتا ہے۔

۴ ــــــ اگر کوئی شخص خود کاشت نہ کرے اور کسی دوسرے سے کاشت کرائے تو اس کے مالکانہ حقوق

بحق حکومت سلب ہوجائیں گے اور اصل کاشتکارلگان کا دس گنا داخل خزانہ سرکاری کرکے بھومی دھر بن سکتا ہے۔ البتہ ایسے مالکان آراضی جو سرکاری فوج میں ملازم ہوں یا بیوہ جس کے کوئی بالغ اولاد نرینہ نہ ہو اس قانون سے مستثنیٰ ہیں۔

۵ــــــ وراثتاً یہ حق ملکیت ان ہی لوگوں میں قابل انتقال ہے جو خود کاشت کرسکتے ہوں اسی اصول کے تحت اس اراضی میں لڑکیوں کو حصہ نہیں ملتا۔ البتہ بیوہ کو یہ حق ملتا ہے۔

۶ــــــ اوقاف کی اراضی کا معاوضہ نہیں ادا ہوتا بلکہ جو آمدنی اس وقف سے متعلقہ اداروں کو حاصل ہوتی تھی وہ حکومت بدستور اپنے خزانہ سے ان اداروں کو ادا کرتی رہے گی۔ زمین کاشتکاروں کو دے دی گئی ہے۔

ان قوانین کے سلسلے میں جناب مولانا مفتی شفیع صاحبؒ کا ایک مختصر رسالہ "المقول الماضی فی الاحکام آلاراضی" ہے جس کا ایک باب یوپی کے خاتمہ زمینداری سے متعلق ہے مولانا موصوف نے جناب مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کا ایک فتویٰ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تائید کا بھی تذکرہ کردیا ہے۔ یہ سب تفصیلات مفتی صاحب کی کتاب پر دیکھی جاسکتی ہیں [۱]

آئیے اب اسلامی نقطہ نگاہ سے ان فتاوی کا جائزہ لے لیں۔

اسلامی شریعت نے زمین کو اللہ کی ملکیت قرار دیا ہے اور انسان کو اس کا جائز حق استعمال دیا ہے اور یہ حق کسی حد تک مالکانہ ہے۔ اس میں انسان کی وراثت ہے اور اسے کسی دوسرے کو کرایہ پر یا حصہ پیداوار کی شرکت پر دینے کا حق دیا ہے۔

دوسرا نقطہ نگاہ جو ان فتوی سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ کہ سلطنت کو کسی کی ذاتی ملکیت کو جبریہ طور پر کوئی معاوضہ دے کر لینے کا حق حاصل نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک یہی امر قابل بحث ہے۔

شریعت کا ایک اصول عدل بھی ہے اور ایک اصول یہ بھی ہے کہ امت کے اجتماعی مفادات کو ذاتی مفادات پر ترجیح حاصل ہے اور امت کی نمائندگی اسلامی حکومت کرتی ہے۔ خلفائے راشدین کے دور میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ فتوحات کے ذریعہ حاصل شدہ زمینوں کے کچھ

---

[۱] جواہر الفقہ ج ۲ ص۳۱۰ تا ۳۲۸

حصے اونٹوں اور دوسرے جانوروں کی چراگاہوں کے طور پر چھوڑ دئے گئے اور ہر کسی کو اس میں جانور چرانے کا حق دیا گیا جب کہ یہ زمینیں مجاہدین میں قابل تقسیم تھیں۔

حکومت وقت کا یہ حق ہمیشہ مسلمہ رہا ہے کہ اجتماعی ضرورتوں کے تحت وہ کسی بھی اراضی یا جائداد کو مناسب معاوضہ دے کر قومی ملکیت میں لے کر اسے کسی قومی ضرورت کے لئے استعمال کرلے اگر حکومت کے پاس یہ حق نہ ہو تو اجتماعی اور فلاحی مفادات کے امور مثلاً سڑکیں ریلیں اسکول۔ بڑے کارخانے۔ ہسپتال کبھی بھی نہ بن سکیں گے اس لئے کہ کوئی بھی شخص اپنی جائداد یا اراضی کو حکومت کو بخوشی دینے کو رضامند نہیں ہوسکتا۔ اصولاً جب شرعی طور پر ہم نے یہ مان لیا کہ ملت اور سلطنت کے اجتماعی مفادات ذاتی مفادات پر مقدم ہیں تو آج کی تاریخ میں جب ساری دنیا میں یہ اصول مسلمہ ہے تو اسے شرعًا ناجائز کہنا خلاف عرف ہے جب کہ عرف کی شریعت اسلامیہ میں ایک حیثیت ہے اور اس کی بنیاد پر جواز اور عدم جواز کے فتاوی دئے جاتے رہے ہیں۔

اب ہمیں آج کے نظام کاشتکاری پر غور کرنا ہوگا۔

ماضی میں کاشت کی پیداوار کا بیشتر انحصار قدرتی وسائل پر ہوتا تھا۔ آبپاشی کا عمومی ذریعہ بارش تھی کہیں کہیں دریاؤں اور نہروں سے بھی آبپاشی ہوتی تھی عموماً کاشتکار کی ذمہ داری بیج اور محنت ہوتی تھی لیکن آبادی کے اضافے نے پیداوار کی ضرورت کو بڑھا دیا اور انسان نے تحقیق کے ذریعے نئے وسائل پیدا کئے۔ عمدہ نسل کے بیج۔ کھاد اور آبپاشی کی بروقت فراہمی کے لئے ٹیوب ویل ضروری ہوئے۔ جتائی نلائی کے لئے ٹریکٹر اور دوسرے آلات کی فراہمی ضروری ہوگئی اور یہ سب ایک بڑے سرمایہ کے محتاج ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج کاشتکاری خود ایک صنعت بن گئی جتنا زیادہ لگاؤ اتنا ہی زیادہ پاؤ۔ آج کی حیثیت یہ ہے کہ نصف روپیہ لگاؤ تو ایک روپیہ پاؤ۔ قیمتی کھاد پیداوار کے اضافے کا سبب ہیں رسل ورسائل اور منڈی تک لے جاکر خود فروخت کرنے کے وسائل زیادہ مالی وسعتیں رکھتے ہیں۔ یہ سب وسائل چھوٹے کاشتکار کے بس کی بات نہیں ہے کو آپریٹو فارمنگ کا تجربہ بھی روس میں ناکامیاب ثابت ہوچکا۔ اسی مقصد کے لئے حکومت نے چکبندی اسکیم کو عملی جامہ پہنایا کہ ایک آدمی کی عام زمین ایک ہی جگہ اکھٹی کردی جائے تاکہ وہ اس کی خاطر خواہ نگہداشت کرسکے۔ ایک ہی آدمی کے اگر دس چھوٹے چھوٹے قطعات دس جگہ ہوں تو وہ ان کی خاطر خواہ

نگہداشت نہیں کرسکتا اور پیداوار کم ہوگی۔ گرانی بڑھ جائے گی غرباء کے لئے مزید پریشانیاں بڑھ جائینگی اور یہ ایک قومی نقصان ہوگا اس لئے اس کے تدارک کے لئے حکومت وقت اگر نیک نیتی سے کوئی قدم اٹھائے تو وہ ہر حال میں جائز ہونا چاہئے لیکن بادی النظر میں چونکہ فقہائے کے نزدیک کسی کی آراضی اکوائر کرنا اور اس کو اس کے بدلے میں دوسری آراضی دینا جس میں اس کی رضا حاصل نہ ہو جائز نہ ہوگا۔

میرے نزدیک یہ شریعت کی بہت ہی سطحی تعبیر ہے۔ شریعت کا ایک اصول اصول عدل بھی ہے۔ اس کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ جو کچھ خود کھاؤ وہ اپنے متعلقین کو بھی کھلاؤ۔ جابر اور مجبور کے درمیان کسی معاہدہ کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ بیروزگار مزدور اور لاچار کاشتکار آج کے مفلوک الحالی کے دور میں ہر جبر کو اس لئے قبول کرلیتا ہے کہ اسے اپنے بچوں کا پیٹ پالنا ہے اور اس معاہدہ کے نتیجہ میں امیر امیر تر ہو رہا ہے اور غریب غریب تر۔ اسی اسلامی شریعت میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ ایک غلام کو کھانے کی چوری پر اس لئے سزا نہیں دی گئی کیونکہ اس کا مالک اسے پیٹ بھر کھانے کو نہیں دیتا تھا۔ ان حالات میں اگر آج حکومت نے ملازمین کی کم سے کم اجرت اور قانون ادائیگی اجرت پاس کیا ہے تو (MINIMUM WAGES & PAYMENT OF WAGES ACT) اسے غیر شرعی نہیں کہا جاسکتا۔ حکومت اگر ملازمین کو پراویڈنٹ فنڈ۔ بونس گریچوٹی کی سہولتیں ان کے مالکان سے دلاتی ہے تو اسے غیر شرعی نہیں کہا جاسکتا اگرچہ معاہدہ ملازمت میں صرف تنخواہ کا معاہدہ ہوتا ہے۔

اب ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ایک طرف تو فقہ اسلامی کا اصول یہ ہے کہ مالک کو اس کی آراضی پر مکمل اختیارات حاصل ہیں اور حکومت وقت کو اس سے اسے اپنی من مانی قیمت پر لینے کا کوئی حق نہیں پہونچتا اور وہ اس کو خود استعمال کرے یا کسی دوسرے سے استعمال کرائے یہ اس کا حق ہے۔ دوسری طرف اس کے معاشرہ پر جو نتائج ہیں وہ سامنے ہیں۔

دوسری طرف حکومت وقت عوام الناس کو سماجی انصاف دلانے اور کسی کو کسی کے استحصال سے تحفظ دلانے کی پابند ہے اور وہ یہ حق رکھتی ہے کہ وہ کسی کی آراضی کو مفاد عامہ کی خاطر اپنی متعینہ قیمت پر خرید کر دوسرے ضرورتمندوں کو دے دے۔ آج کسی بڑے کارخانے

لگانے کے لئے سیکڑوں بیگھے زمین کی ضرورت ہوتی ہے جو حکومت کاشتکاروں کی آراضی کو اکوائر کر کے انڈسٹری کو فراہم کرتی ہے اور یہی انڈسٹری ایک طرف ہزاروں افراد کو روزگار فراہم کرتی ہے تو دوسری طرف ملکی معیشت میں پیداواری اضافہ کرتی ہے۔ یہ آج ساری دنیا کا مسلمہ عرف ہے۔ تقاضائے عدل ہے قومی ضرورت ہے۔ ہمیں اس عرف کو شرعاً تسلیم کرنا ہی ہوگا۔ کسی کا حق صرف اس وقت جائز حق رہتا ہے جب تک وہ کسی دوسرے کے حق کی حق تلفی نہ کرے اور جب یہ حقوق فتنہ بن جائیں تو پھر شریعت کا اصول "الفتنہ اشد من القتل نافذ العمل ہو جاتا ہے۔ خطہ حجاز سے مشرکین کو نکالنا ایک ملی ضرورت تھی اسی لئے رسول کریمؐ نے ان کے ذاتی مفاد کو ملی مفاد پر قربان کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا تھا۔ حالاں کہ شرعاً تو جزیہ ادا کرنے کے پابند تھے۔

اب اس عرف کو تسلیم کرنے کے بعد جو مسئلہ آئیگا وہ لڑکیوں کی وراثت کا ہے اس مسئلہ پر حکومت سے کوئی مطالبہ بے سود ہوگا کیوں کہ لڑکیوں کی وراثت زمینوں کی تقسیم در تقسیم کا باعث ہوگی۔ اس کا حل یہ ہے کہ ہم مسلمانوں سے یہ اپیل کریں کہ وہ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو ان کے حصہ کے بقدر آراضی کی قیمت ان کو ادا کریں وہ نہ لیں یہ ان کی مرضی ہے۔ یہ مسئلہ بہت سنجیدگی سے قابل غور ہے آج کل کسی بیٹی کی شادی پر ایک باپ اور اس کے بھائیوں کو جو کچھ خرچ کرنا ہوتا ہے شادی کے بعد اس کی اولاد کی ولادت پر چھوچک۔ شادیوں پر ماموں کی طرف سے بھات جو اخراجات شادی میں ایک تعاون ہے اس کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جب بہن اپنا حصہ لے لیگی تو یہ تعلق ختم ہو جائے گا اور مجموعی طور پر لڑکی ہی نقصان میں رہے گی لہذا اس کا حل یہی ہے کہ وارثان لڑکیوں کے حصے کی قیمت ان کو پیش کریں جو لینا چاہیں وہ لے لیں اور جو بخوشی چھوڑنا چاہیں وہ چھوڑ دیں شریعت کے فرض کی ادائیگی ہو جائیگی۔

دوسری طرف اس عرف کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اب حق ملکیت آراضی کاشتکاری کے ساتھ منسلک ہے اور اذا فات الشرط فات المشروط کے تحت جب کاشتکاری ختم ہو گئی تو حق ملکیت بھی سلب ہو گیا اور اب وہ صرف معاوضہ آراضی کا مستحق ہو گیا۔

عشر وخراج کی حقیقت

از: مولانا عقیل احمد قاسمی، جامعہ اسلامیہ عربیہ گلزار حسینیہ قصبہ اجراڑہ میرٹھ

مذہب اسلام نے زمینوں پر جو وظیفہ مقرر کیا ہے اس کے لئے دو اصطلاحی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں عُشر اور خَراج ــــــ عربی زبان میں عشر دسویں حصہ کو کہتے ہیں اور شرعی اعتبار سے نصف عشر یعنی بیسویں حصہ کو بھی عشر ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نیز عشر کو زکوٰۃ الارض بھی کہا جاتا ہے۔

خراجی زمینوں میں اسلامی حکومت کی طرف سے جو ٹیکس عائد کیا جاتا ہے اس کو اصطلاح شریعت اسلامیہ میں خراج کہتے ہیں۔

فرضیت عشر

قرآن کریم، احادیث، اجماع اور قیاس سے عشر کی فرضیت ثابت ہے۔ قرآن کریم کی آیات
یاایہا الذین آمنوا أنفقوا من طیبات ما کسبتم ومما أخرجنا لکم من الأرض۔
وآتوا حقہ یوم حصادہ۔
کے بارے میں جمہور مفسرین کا اتفاق ہے کہ ان سے عشر کی فرضیت ثابت ہو رہی ہے۔ اور آیت میں "حق" سے مراد عشر اور نصف عشر ہے۔

اور بخاری کی روایت جس کے راوی عبد اللہ بن عمر ہیں، فرضیت عشر پر واضح دلیل ہے۔ حدیث کے الفاظ

یہ ہیں:- وعن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: فیما سقت السماء والعیون
وکان عثریا العشر، وفیما سقت الانہار والغیم العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر
اخرجہ البخاری ومسلم وابوداود والترمذی۔
علامہ شامی فرضیت عشر کے بارے میں فرمارہے ہیں،
فرضیۃ العشر ثابتۃ بالکتاب والسنۃ والاجماع والمعقول
وفی المغنی لابن قدامہ: والاصل فیہا الکتاب والسنۃ۔ أما الکتاب فقول اللہ تعالیٰ
یاایہا الذین اٰمنوا انفقوا الخ وقال اللہ تعالیٰ واٰتوا حقہ یوم حصادہ
قال ابن عباس حقہ الزکاۃ المفروضۃ وقال مرۃ۔ العشر ونصف العشر۔

سبب فرضیت

عشر کے فرض ہونے کا سبب زمین کی پیداوار ہے۔ اگر کسی زمین میں پیداوار نہ ہو اور وہ زمین عشری ہو خواہ کسی کوتاہی کی وجہ سے پیدا نہ ہو یا آفت سماوی کو پیداوار نہ ہونے میں دخل ہو تو اس صورت میں اس پر عشر لازم ہوگا۔ چنانچہ صاحب بدائع الصنائع اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

واما سبب فرضیتہ فالارض النامیۃ بالخارج حقیقۃ۔ وھکذا فی ردالمحتار
سبب وجوبہ الارض النامیۃ بالخارج حقیقۃ۔

علامہ ابن ہمام بھی فتح القدیر میں یہی فرمارہے ہیں کہ فرضیت عشر کا سبب پیداوار کا حقیقت میں پایا جانا ہے۔
وقولہ والسبب ھی الارض النامیۃ ای بالخارج تحقیقا فی حق العشر"

حقیقت خراج

حکومت اسلامیہ کی طرف سے غیر مسلموں کی زمینوں پر یا مسلمانوں کی ان زمینوں پر جو خراجی ہیں۔ جو ٹیکس مقرر کیا جاتا ہے اس کو اصطلاح شریعت میں خراج کہتے ہیں۔

سبب وجوب خراج

خراج کے واجب ہونے کا سبب یہ ہے کہ زمین قابل کاشت ہو اگر کسی نے

قابل کاشت ہونے کے باوجود کاشت نہیں کی اور پیداوار نہیں ہوئی تو خراج اس صورت میں بھی لازم ہوگا لیکن اگر کوئی زمین قابل کاشت نہ ہو یعنی بنجر ہو یا پانی سے اتنی دور ہو کہ وہاں تک پانی نہ پہونچ سکے اور بارش بھی اتنی نہیں ہوتی جس سے کوئی چیز پیدا ہو سکے تو ایسی زمین سے خراج ساقط ہو جائے گا۔ کما فی البدائع الصنائع،

وسبب وجوب الخراج الارض النامية بالخارج حقيقةً وتقديرًا حتى لو اصاب الخارج آفة فهلك لايجب منه العشر في الارض العشرية ولا الخراج في الارض الخراجية لفوت النماء حقيقةً وتقديرًا ولو كانت الارض عشرية فتمكن من زراعتها فلم يزرع لايجب العشر لعدم الخارج حقيقة. ولو كانت الارض خراجية يجب الخراج لوجود الخارج تقديرًا" (۱)

اقسام خراج

اصطلاحِ فقہ میں خراج کی دو قسمیں ہیں۔ مقاسمہ اور مؤظف۔ اگر خراج میں زمین کی پیداوار کا کوئی حصہ نصف، ثلث یا ربع مقرر کر دیا جائے تو اس کو خراج مقاسمہ کہا جائے گا۔ اور اگر خراجی زمین پر نقد رقم مقرر کر دی جائے تو اس کو خراج مؤظف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کما فی الشامی۔

وهو اى الخراج نوعان خراج مقاسمه ان كان الواجب بعض الخارج كالخمس ونحوه وخراج وظيفة ان كان الواجب شيئًا في الذمة يتعلق بالتمكن من الانتفاع بالارض كما وضع عمر رضى الله عنه على السواد لكل جريب (۲)

عشر و خراج میں فرق

فقہاء نے عشر و خراج کے درمیان فرق کی مختلف وجوہ کا تذکرہ کیا ہے ــــــ ایک وجہ تو یہ ہے کہ عشر صرف ایک ٹیکس ہی نہیں ہے بلکہ وہ ایک حیثیت سے عبادت بھی ہے جس کی وجہ سے اس کو زکوٰۃ الارض بھی کہا جاتا ہے بخلاف خراج کے کہ وہ صرف ایک ٹیکس ہے جس میں عبادت ہونے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

---

(۱) بدائع ۲/۵۷ (۲) درمختار ۳/۲۶۰

دوسری وجہ یہ ہے کہ عشر صرف مسلمانوں کی زمینوں پر عائد کیا جا سکتا ہے غیر مسلموں کی زمینوں پر اس کو عائد نہیں کیا جا سکتا۔ بخلاف خراج کے کہ اولاً غیر مسلموں کی زمینوں پر عائد کیا جاتا ہے۔

بدائع الصنائع میں وجوب عشر کی شرائط کو بیان کرتے ہوئے اس فرق کو بھی واضح کیا گیا ہے ملاحظہ:

احدهما الاسلام وانه شرط ابتداء هذا الحق فلا يبتدأ بهذا الحق إلا على المسلم بلاخلاف لأن فيه معنى العبادة. والكافر ليس من أهل وجوبها فلا يبتدأ به عليه۔" (۱)

خراج کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے علامہ شامی فرماتے ہیں:

"إلا أنه أليق بالكافر لأنه يشبه الجزية لما فيه من معنى العقوبة ولأن فيه تغليظاً حيث يجب وإن لم يزرع بخلاف العشر لتعلقه بعين الخارج لا بالأرض"

تیسری وجہ فرق یہ ہے کہ عشر زمین کی پیداوار پر ہے۔ اگر کسی وجہ سے پیداوار نہ ہو تو اس پر عشر لازم نہ ہوگا بخلاف خراج کے کہ وہ قابل کاشت زمین پر عائد ہوتا ہے۔ اس لئے اگر مالک کی غفلت کی بنا پر پیداوار نہ ہوئی تو خراج پھر بھی لازم ہوگا۔

صاحب بدائع الصنائع اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

ولو كانت الأرض عشرية فتمكن من زراعتها فلم يزرع لا يجب العشر لعدم الخارج حقيقةً ولو كانت الأرض خراجية يجب الخراج لوجود الخارج تقديراً۔ (۳)

عشری زمینوں کی تفصیل

عشری اور خراجی زمینوں کی تعیین کے سلسلہ میں مذہب اسلام نے کچھ ضابطے متعین کئے ہیں جن سے عشری زمینوں کی تعیین ہو سکتی ہے۔ جن کی تفصیلات فقہاء نے بیان فرمائی ہیں۔

---

(۱) بدائع ۲/۵۰ (۲) رد المحتار ۳/۲۵۵

(۳) بدائع ۲/۵۴

۱۔۔۔۔۔۔ اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ اسلامی سلطنت نے اس طرح فتح کیا کہ اس کے باشندے بھی اسی وقت مسلمان ہو گئے تو اسلامی قانون کے تحت ان کی زمینیں بدستور ان کی مملوکہ ہوں گی اور ان کو عشری قرار دے کر ان پر عشر واجب کیا جائے گا۔ جیسے کہ مدینہ طیبہ کی زمینیں اس لئے عشری قرار دی گئیں کہ یہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

۲۔۔۔۔۔۔ اگر کوئی ملک اسلامی حکومت نے جنگ کے ساتھ فتح کیا اور امام المسلمین نے اس کی زمینوں کو مال غنیمت کے تحت تقسیم کر دیا یعنی چار حصے مجاہدین کو اور ایک حصہ بیت المال میں داخل کر دیا۔ جو زمینیں مجاہدین کو ملیں گی ان کی مملوکہ ہوں گی۔ اور ان کو عشری قرار دیا جائے گا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو فتح کر کے وہاں کی زمینوں کو مجاھدین میں تقسیم فرمایا۔ اور ان کو عشری قرار دے کر ان پر عشر لازم کیا۔

۳۔۔۔۔۔۔ وہ زمینیں جو کسی ملک کے فتح ہونے کے وقت خالی پڑی تھیں۔ نہ ان پر کسی کی ملکیت تھی اور نہ ہی وہ قابل زراعت تھیں۔ ایسی زمینوں کو اگر مسلمان امیر المؤمنین کی اجازت سے قابل زراعت بنالیں۔ یا آبادی میں کسی مکان کو باغ یا مزروعہ زمین میں تبدیل کر دیا جائے۔ تو اس بارے میں قول معتمد کے اعتبار سے یہ کہا جائے گا کہ اگر ان زمینوں کے قرب وجوار میں عشری زمینیں ہیں تو ان کو بھی عشری قرار دیا جائیگا۔ اور اگر دونوں طرح کی زمینیں ہیں تب بھی ان کو عشری کہا جائے گا۔

عشری زمینوں کی تفصیل شامی میں اس طرح بیان کی گئی ہے۔

وما اسلم اهله طوعا اوفتح عنوة وقسم بين جيشنا عشرية لانه اليق بالمسلم وكذا بستان مسلم اوكرمه كان داره ورداى وفى دار جعلت بستانا خراج إن كانت لذمى مطلقا وقال الباقانى على المسلم عشر بكل حال وفى الغاية عن السرخسى وهو الأظهر (۱)

شرح عنایہ علی الہدایہ میں ہے کہ عشری زمینوں کی پانچ قسمیں ہیں۔

۱۔۔۔۔۔۔ وہ زمینیں جن کے باشندے فرماں برداری قبول کر کے مسلمان ہو گئے۔

۲۔۔۔۔۔۔ وہ زمینیں جن کو اسلامی حکومت نے بذریعہ جہاد فتح کیا اور ان کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا گیا ہو۔

---

(۱) رد المحتار ۲۵۴/۳

۳۔ مسلمان کا وہ گھر جس کو اس نے باغ بنالیا ہو۔

۴۔ عرب کی تمام زمینیں عشری ہیں۔

۵۔ اگر کسی مسلمان کا (سرزمین عرب یا اس ملک میں جس کے باشندے طوعًا مسلمان ہو گئے یا اس ملک میں جس کو فتح کرنے کے بعد اسلامی حکومت نے مجاہدین کو تقسیم کر دیا ہو) کوئی گھر ہو اور اس نے اس کو باغ بنا کر اس کنوئیں یا چشمے کے پانی سے سیراب کیا جو اسی زمین میں ہے تو اس پر بھی عشر لازم ہوگا۔[۱]

ابن قدامہ نے المغنی میں زمین کی اقسام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا،

ان الارض قسمان۔ صلح وعنوة۔ فالصلح فهو كل ارض صالح اهلها عليها لتكون لهم ويؤدون خراجا معلوما فهذه الارض ملك لاربابها۔ وكذلك ان صالحوا على اداء شيئ غير موظف على الارض۔ وكذلك كل ارض اسلم اهلها عليها كارض المدينة وشبهها فهذه ملك لاربابها لاخراج عليها ولهم التصرف فيها كيف شاؤا۔ (۲)

اس عبارت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ زمینیں جن کو حکومت اسلامیہ نے بطریق صلح حاصل کیا ان کی مختلف نوعیتیں ہیں۔ اگر صلح کر کے ان زمینوں کو مالکان سابقین کے قبضہ میں چھوڑ دیا گیا اور ان پر ٹیکس لگا دیا تو یہ زمینیں ان ہی کی ملک ہوں گی اور خراجی کہلائیں گی۔ اور اگر ان زمینوں کے باشندے مسلمان ہو گئے تب بھی انکے مالک وہی ہوں گے۔ لیکن اس صورت میں ان پر خراج نہیں لگایا جائے گا۔ بلکہ ان کی پیداوار پر عشر واجب ہوگا اور یہ زمینیں عشری کہلائیں گی۔ جیسا کہ ان کے متعلق المغنی میں مذکور ہے۔

ولاخلاف في وجوب العشر في الخارج من هذه الارض" (۳)

خراجی زمینیں

عشری زمینوں کے تحت جو ضابطہ شرعیہ بیان کیا گیا ہے اس سے خراجی زمینوں کی تعیین بھی ہو سکتی ہے اور مندرجہ ذیل زمینوں کو خراجی کہا جائے گا۔

---

(۱)۔ ... المغنی ۲/ ۳۰۷ (۳) المغنی ۲/ ۳۱۲

۱ـــــ وہ ملک جو صلح کے ساتھ فتح ہوا اور شرائط صلح میں سے یہ بھی شرط ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر رہیں گے اور اس کی زمینیں بدستور ان ہی کی ملک میں رہیں گی، تو یہ زمینیں خراجی ہوں گی۔

۲ـــــ حکومت اسلامیہ نے کسی ملک کو بذریعہ جنگ فتح کیا لیکن امام المسلمین اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہ کرتے ہوئے اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت ان زمینوں پر برقرار رکھی تو یہ زمینیں بھی خراجی ہونگی۔

۳ـــــ اگر کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا اور اس کی زمینوں کو نہ مجاہدین میں تقسیم کیا گیا اور نہ ہی سابق مالکوں کی ملکیت باقی رکھی گئی تو یہ زمینیں وقف علی المسلمین ہوں گی۔ اور خراجی ہوں گی (۱)

۴ـــــ اگر کسی ذمی نے امام المسلمین کی اجازت سے کسی بنجر زمین کو قابل کاشت بنا لیا یا امام المسلمین نے اس کو وہ زمین بطور عطیہ بخش دی تو وہ بھی خراجی ہوگی

وما فتح عنوة ولم يقسم بين جيشنا الا مكة سواء اقر اهله عليه او نقل اليه كفار اخرا وفتح صلحا خراجية لانه الليق بالكافر" (۲)

وموات احياه ذمي باذن الامام او رضخ له خراجي" (۳)

نمبر۳، پر زمین کی جو قسم ہے اس کے خراجی ہونے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ المغنی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حنابلہ کے یہاں ہر صورت میں یہ زمین خراجی ہوگی۔ شامی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ موقوفہ زمین میں خراج اس وقت واجب ہوگا جبکہ وہ زمین خراجی ہو۔ شامی کی عبارت یہ ہے؛

ويجب الخراج في ارض الوقف اي الارض الخراجية " (۴)

کتاب الاموال لابی عبید میں تفصیل کے ساتھ احادیث و آثار کی روشنی اور تعامل صحابہ سے مذکورہ قواعد و ضوابط کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان کی روشنی میں زمینوں کے عشری اور خراجی ہونے کا تعین کیا جاسکتا ہے البتہ فقہاء کی تصریحات کے مطابق کچھ واقع ایسے بھی ہیں جن کو ان ضابطوں سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ اور ان کے استثناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ مثال کے طور پر مکۃ المکرمہ کو جبراً فتح کیا گیا اور اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہ کرتے ہوئے سابق مالکان کی ملکیت برقرار رکھی گئی تو قاعدہ کے لحاظ سے یہ زمینیں خراجی ہونی چاہئیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عشری قرار دیا جیسا کہ بدائع میں مذکور ہے۔

---

(۱) المغنی ۲/ ۳۰۰ (۲) رد المحتار علی الدر المختار ۳/ ۲۵۵ (۳) شامی ۳/ ۲۵۵ (۴) شامی ۳/ ۲۵۵

اس ضابطہ سے مستثنیٰ بصرہ کی زمین بھی ہے جس کو حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں فتح کیا اور مسلمانوں نے اس کی بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنایا۔ باوجودیکہ یہ زمینیں عراق کی خراجی زمینوں سے ملی ہوئی تھیں تو قاعدہ کی رو سے ان کو خراجی ہونا چاہئے تھا لیکن باجماع صحابہ بصرہ کی زمینوں پر عشر عائد کیا گیا۔ اور وہ عشری قرار پائیں۔

والبصرة ایضا باجماع الصحابة عشریة والقیاس ان تکون خراجیة عند ابی یوسف لانها بقرب ارض الخراج لکنه ترك القیاس باجماع الصحابة۔[۱]

عشری اور خراجی زمینوں کے متعلق ایک اصول یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جس زمین پر ابتدائً جو وظیفہ خراج یا عشر کا عائد کردیا گیا ہے وہ مالک کے بدلنے سے تبدیل نہیں ہوگا یعنی جو زمینیں عشری قرار پائی ہیں وہ ہمیشہ عشری ہی رہیں گی اور جو خراجی قرار پائیں وہ خراجی رہیں گی۔ مثلاً اگر کسی مسلمان نے غیر مسلم کی خراجی زمین خریدلی تو اس مسلمان پر خراج ہی واجب ہوگا۔ اور اگر کوئی غیر مسلم مسلمان کی عشری زمین خریدے تو قاعدہ کے مطابق اس پر بھی عشر واجب ہونا چاہئے لیکن چونکہ عشر میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور غیر مسلم عبادت شرعیہ کا اہل نہیں ہے۔ اس لئے جمہور کے قول کے مطابق اس پر خراج ہی عائد کیا جائے گا،

قال فی البدائع من باب العشر ولواشتری مسلم من ذمی ارضا خراجیة فعلیه الخراج ولاتنقلب عشریة لان الاصل ان مؤنة الارض لاتتغیر بتبدل المالك الا لضرورة وفی حق الذمی اذا اشتری من مسلم ارض عشر ضرورة لان الکافر لیس من اهل وجوب العشر واما المسلم فمن اهل وجوب الخراج فی الجملة فلا ضرورة الی التغییر بتبدل المالك"۔ (۲)

شرعی اعتبار سے زمین کی ایک قسم تضعیفی ہے۔ یعنی وہ عشری زمین جو کسی بنی تغلب کے نصرانی کے قبضہ میں ہو۔ اس کو تضعیفی اس لئے کہتے ہیں کہ بنی تغلب کے نصرانیوں کو عشری زمین کی پیداوار میں عشر کا ضعف (دوگنا) دینا ہوتا ہے یعنی کل پیداوار کا پانچواں حصہ۔ مسلمان اگر عشری زمین کو خریدے گا تو اس کے پاس بھی عشری رہیگی۔ اور خراجی کو خریدے گا تو اس کے پاس بھی خراجی رہے گی۔ اور اگر تضعیفی کو خریدے گا تو اس کے پاس بھی تضعیفی رہیگی۔ ہدایہ میں ہے: تغلبی له ارض عشر علیه العشر مضاعفا عرف ذلك باجماع الصحابة۔

---

(۱) رد المحتار علی الدر المختار ۳/۲۵۳ (۲) بدائع ۲/۵۵

علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

" إن الأرض إما عشرية أو خراجية أو تضعيفية ۔ (۱)

محورِ چہارم

اراضی ہند کی شرعی حیثیت

ہندوستان کی زمینوں کی شرعی حیثیت سے متعلق علماء کی جو تحقیقات سامنے آئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی زمینوں کے بارے میں تین نظریے ہیں۔

۱ ــــــ پہلا نظریہ یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی مملوکہ زمینیں سب عشری ہیں۔ ان حضرات نے قرآن وسنت کے عموم واطلاق سے استدلال کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ اصل وظیفہ مسلمان کی زمین کا عشر ہے۔ خواہ وہ کسی ملک اور کسی جگہ میں ہو۔ اس لئے کہ قرآن کریم کی آیت" وآتوا حقه یوم حصاده" عام ہے اور آیت قرآنی "یاأیها الذین آمنوا أنفقوا من طیبات ما کسبتم ومما أخرجنا لکم من الأرض" بھی ان تمام زمینوں کو عام ہے جو مسلمانوں کی ملکیت میں ہیں۔

۲ ــــــ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ ہندوستان کی زمینیں نہ عشری ہیں اور نہ خراجی۔ ان حضرات کا خیال ہے کہ چوں کہ غیر مسلم اکثریت کے اقتدار کی وجہ سے یہ ملک دار الحرب ہے اور دار الحرب زمینوں کے متعلق علامہ شامی فرماتے ہیں شامی باب الرکاز کی عبارت یہ ہے:

واحترز به عن داره وأرضه وأرض الحرب الخ فإن أرضها ليست أرض خراج أو عشر"

اسی طرح ان حضرات نے شمس الائمہ سرخسی کے اس قول کو بھی دلیل بنایا ہے جو امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب سیر کبیر کے ایک مسئلہ کی توضیح کے سلسلہ میں وارد ہوا ہے اور وہ یہ ہے

لأن العشر والخراج إنما يجب في أرض المسلمين وهذه أراضي أهل الحرب ليست بعشرية ولا خراجية ۔ (۲)

(۱) فتح القدیر ۲/۲۵۲ (۲) شرح سیر کبیر ۴/۳۰۳۔

دوسرے نظریہ کے حاملین حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب تفسیر مظہری اور مولانا محمد یوسف بنوری صاحب کے خیال کے مطابق حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمحدث دارالعلوم دیوبند کی بھی یہی رائے تھی اور خود مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے بھی اسی رائے سے اتفاق کیا ہے۔

۳ـــــــ تیسرا نظریہ ہے کہ ہندوستان میں جو زمینیں مسلمانوں کی ملکیت میں ہیں سب کا ایک ہی حکم نہیں ہے بلکہ ان کی مختلف اقسام ہیں اور ان میں سے بعض عشری ہیں اور بعض خراجی۔

اس نظریہ کے حامل علماء و مفتیان کرام نے ان اصول وضوابط کو دلیل بنایا ہے جو عشری وخراجی ہونے میں عہد رسالت اور خلفاء راشدین کے فیصلوں سے مستنبط کئے گئے ہیں۔ ان ہی میں سے فقہاء کا ذکر کردہ یہ نظریہ ہے کہ جو زمین ایک دفعہ خراجی ہو گئی وہ ہمیشہ کے لئے خراجی رہے گی۔ یعنی آئندہ اگر کوئی مسلمان بھی اس زمین کو خریدے گا تو اس کو بھی خراج ہی ادا کرنا پڑے گا۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ عشری اور خراجی زمین جو وراثت میں منتقل ہو وہ عشری اور خراجی ہی برقرار رہے گی۔ لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں اور وراثتہً مسلمانوں ہی کے قبضہ میں آرہی ہیں۔ ان میں عشر واجب ہوگا۔

ان حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ زمینوں کی جو حیثیت اسلامی عہد یا برطانوی عہد میں تھی تقسیم کے بعد بھی مسلمانوں کی زمینوں کی وہی حیثیت باقی رہے گی اور بہت سے فتاوی سے یہ ثابت ہے کہ مذکورہ عہد میں یہاں کی ان زمینوں کو جو مسلمانوں کی ملک میں عشری اور خراجی قرار دیا گیا ہے۔ اور تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ محمد بن قاسم نے جن شہروں کو بذریعہ جنگ فتح کیا ان میں مالکان سابق کی ملکیت کو برقرار رکھا ان پر خراج لگایا اور جو شہر بذریعہ صلح فتح ہوئے ان کے بارے میں شرائط صلح کے مطابق فیصلہ کیا، اور جن شہروں کے مسلمان اول فتح کے وقت مسلمان ہو گئے ان کی زمینیں عشری قرار دی گئیں۔ تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جب حضرت عمر بن عبد العزیز نے راجہ داہر کے بیٹے جیسیہ کو دعوت اسلام کا خط لکھا تو وہ اس سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اور حضرت عمر بن عبد العزیز نے ان راجاؤں کو جو اسلام قبول کر چکے تھے ان ریاستوں کا حاکم مقرر کیا۔ اور زمینوں پر ان کی ملکیت برقرار رکھ کر مسلمان ہونے کی وجہ سے ان کی زمینوں پر عشر مقرر کیا۔ یہ سب تفصیلات سراج الہند فی تحقیق خراج السند از مولانا ہمایونی، بیاتن و احدی از عبد الواحد سیوستانی۔ رفع الفریہ از شیخ ابوالحسن سندھی موجود ہیں۔

شامی اور شرح سیر کبیر کے اس جزئیہ کے متعلق ان حضرات کا کہنا ہے کہ اس جگہ دار الحرب سے وہ دار الحرب مراد ہے جو اصلی ہو یعنی اس پر کسی وقت مسلمانوں کی حکومت رہی ہو اور نہ ہی وہاں مسلمانوں کے

باقاعدہ بسنے اور زمینیں خریدنے کا کوئی تصور ہو۔ اور اس پر شرح سیر کبیر کی اس عبارت کو دلیل بنایا ہے۔

لأن العشر والخراج إنما يجب في أراضي المسلمين وهذه أراضي الحرب"۔

یہاں پر اراضی مسلمین سے وہ اراضی مراد ہیں جو اسلامی حکومت واقتدار میں داخل ہوں۔ اور اراضی حرب سے وہ اراضی مراد ہیں جہاں ابتداء سے مسلمانوں کی کوئی ملکیت ہی نہ ہو۔ اگر ہندوستان کے معاملہ میں غور کیا جائے تو یہاں تو اقتدار بدلتا رہا ہے۔ تقریبًا آٹھ سو برس دارالاسلام رہا اور اسی وقت سے ابتک لاکھوں مسلمان اپنی اپنی زمینوں کے مالک چلے آرہے ہیں۔ تو اگرچہ اس وقت یہ دارالحرب ہے (اور یہ بھی متفقہ فیصلہ نہیں ہے) لیکن اصلی دارالحرب نہیں ہے۔ جس کے بارے میں علامہ شامی کی عبارت کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

اس تیسرے نظریہ کے حاملین، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی رح، حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رح، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رح اور عام علمائے ہند ہیں۔

حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی رح کی تحقیق کے مطابق ہندوستان کی زمینوں کی جو مسلمانوں کی ملکیت میں ہیں، دس صورتیں ہیں۔ اور ان میں عشر واجب ہے۔

۱۔۔۔۔ بادشاہوں کے وقت سے موروثی ہیں۔

۲۔۔۔۔ بادشاہان اسلام کے وقت سے موقوفہ ہیں۔

۳۔۔۔۔ موروثی ہیں مگر شاہی وقت سے نہیں لیکن یہ بھی معلوم کہ کس طرح قبضہ میں آئیں۔

۴۔۔۔۔ جو زمینیں مسلمانوں نے خریدی ہیں یا بطریق ہبہ یا وصیت ان کو ملی ہیں اور جس نے فروخت یا ہبہ کیا یا وصیت کی۔ اس نے بھی کسی مسلمان ہی سے حاصل کی تھی اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری ہے۔

۵۔۔۔۔ مسلمانوں کے قبضہ میں آئی، مسلمانوں سے وراثتہً یا بذریعہ خرید وفروخت اور اوپر جاکر یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ اسلام نے دی تھی

۶۔۔۔۔ مسلمانوں کے قبضہ میں وراثتہً یا خرید وفروخت کے ذریعہ سے ہیں لیکن اوپر کا حال معلوم نہیں۔

۷۔۔۔۔ انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو بطریق معافی زمین دی مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ زمین پہلے کس کی تھی۔

۸۔۔۔۔ انگریزی حکومت نے بطور معافی اس زمین کو دیا جو پہلے سے مسلمانوں کی ملکیت تھی۔

۹۔۔۔۔ مسلمانوں نے غیر مزروعہ زمین جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی آباد کی ہے اور وہ عشری زمین کے قریب ہے

یا آسمانی یا دریائی پانی یا اپنے کنوئیں سے سیراب ہوتی ہے۔
۱۰۔۔۔۔۔ مسلمانوں نے اپنے سکونتی مکانات کو مزدوعہ بنایا۔
حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ نے ان زمینوں کی جو مسلمانوں کی ملکیت اور قبضہ میں ہیں تو حالتیں ذکر کی ہیں۔ اور مندرجہ ذیل اقسام کو خراجی شمار کیا ہے
۱۔۔۔۔۔ سرکار انگلشیہ نے بطور معافی کے عنایت کیں اور یہ معلوم نہیں کہ وہ اس سے پہلے کس کی ملک میں تھیں
۲۔۔۔۔۔ مسلمانوں نے مسلمانوں سے خریدیں اور بیچنے والے مسلمانوں نے غیر مسلم سے خریدی تھیں۔
۳۔۔۔۔۔ مسلمانوں نے غیر مسلم سے خریدیں۔
۴۔۔۔۔۔ سرکار انگلشیہ نے بطور معافی کے عنایت کیں اور وہ اس سے پہلے غیر مسلم کی مملوکہ تھیں۔

نتیجۂ بحث

۱۔۔۔۔۔ اگر آخر الذکر حضرات علماء و مفتیان کرام کی تحقیقات کو دیکھا جائے اور اسی کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث کے عموم اور مسلمانوں کے اصلی فریضہ پر نظر ڈالی جائے۔ نیز ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان کے طرز حکومت کا لحاظ کیا جائے جو پارلیمانی جمہوری ہے اور اس کے نمائندے عوام ہیں جن میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں داخل ہیں۔ اور اس بات کو مدّنظر رکھا جائے کہ تنسیخ زمین داری کے بعد مسلمانوں کی ملکیت میں جو زمینیں داخل ہیں ان پر ان کو مکمل تصرّف حاصل ہے۔ یہاں تک کہ اگر حکومت مسلمان کی زمین لیتی ہے تو اس کو اس کا معاوضہ ادا کرتی ہے اور مسلمانوں کی زمینوں میں وراثت وغیرہ جاری ہوتی ہے۔ اگر کوئی غیر قانونی قبضہ کرلے تو عدالت اس کی شنوائی کرتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو زمینیں یہاں مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں ان پر ان کو ملکیت تامہ حاصل ہے۔ اس لئے اگر عام علماء ہند کے فیصلوں کو برقرار رکھ کر ہندوستان کی ان زمینوں کے متعلق جو مسلمانوں کی مملوکہ ہیں۔ عشری اور خراجی ہونے کا فیصلہ کیا جائے تو یہی محتاط فیصلہ ہوگا۔ تاکہ مسلمان اپنی زمینوں کے فریضہ سے سبکدوشی حاصل کریں۔
۲۔۔۔۔۔ جن زمینوں کا عشری و خراجی ہونا متعین نہ ہوسکے تو ان کے بارے میں احتیاطاً یہی بہتر ہے کہ ان میں عشر نکالا جائے اس لئے کہ وہ مسلمانوں کی مملوکہ ہیں۔ اور مسلمانوں کی زمین کا اصلی فریضہ عشر ہے۔
۳۔۔۔۔۔ سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں نہیں ہے بلکہ وہ ایک خاص ٹیکس ہے جس کے ادا کرنے سے خراج کی شرعی ذمہ داری پوری نہیں ہوگی۔ بلکہ مسلمانوں کو اپنی خراجی زمینوں سے خود خراج نکال کر مدارس دینیہ کے طلبہ وغیرہ پر

خرچ کرنا چاہئے۔

۴ ـــــ مسلمان اپنی خراجی زمینوں میں خراج کی ادائیگی اسی طرح پر کریں گے جو طریقہ حضرت عمر رضؓ سے منقول ہے، یعنی ایک جریب پر جو ۳۶۰۰ مربع گز کا ہوتا ہے۔ خراج مؤظف ایک درہم نقد ہوگا اور ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر وہ چیز جو اس میں پیدا ہو۔ اور ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور اور دوسرے باغات کے ایک جریب پر دس درہم۔ کما فی الھدایہ:

والخراج الذی وضعہ عمر علی اھل السواد من کل جریب یبلغہ الماء قفیز ھاشمی وھو الصاع ودرھم ومن جریب الرطبۃ خمسۃ دراھم ومن جریب الکرم المتصل والنخیل المتصل عشرۃ۔[۱]

اور جب خراجی زمینوں میں بلاکراہت مسلمانوں کو خراج کی ادائیگی جائز ہے تو اس سے بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر عائد ہونے کی صورت میں یہ عبادت ہے، کما فی الھدایہ:

ویجوز أن یشتری المسلم أرض الخراج من الذمی ویؤخذ منہ الخراج لما قلنا وقد صح أن الصحابۃ اشتروا اراضی الخراج وکانوا یؤدون خراجھا فدل علی جواز الشراء وأخذ الخراج وأدائہ للمسلم من غیر کراھیۃ۔[۲]

۵ ـــــ ادائیگی عشر میں مصارف زراعت کو منہا نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اصل پیداوار پر عشر عائد کیا جائے گا۔

کما فی الشامی: بلا رفع مؤن أی کلف الزرع وبلا إخراج البذر لتصریحہم بالعشر فی کل الخارج۔[۳]

۶ ـــــ بٹائی پر دی ہوئی عشری زمینوں کا عشر مالک اور کاشتکار دونوں پر بقدر حصہ واجب ہوگا بشرطیکہ دونوں مسلمان ہوں۔ اور اگر ایک مسلمان اور دوسرا غیر مسلم ہو تو مسلمان کے اوپر اس کے حصے کے بقدر عشر واجب ہوگا۔ شامی میں ہے:

(وفی المزارعۃ) قال فی النہر ولو دفع الأرض العشریۃ مزارعۃ ان البذر من قبل العامل فعلی رب الأرض فی قیاس قولہ لفسادھا وقالا فی الزرع لصحتہا وقد اشتہر ان الفتوی علی الصحۃ۔ وان من قبل رب الارض کان علیہ اجماعا ومثلہ فی الخانیۃ والفتح وفی البحر والمجتبی والظہیریۃ وغیرھا من ان العشر علی رب الأرض عندہ وعلیہما عندھما من غیر ذکر التفصیل وھو الظاھر فی البدائع من ان المزارعۃ جائزۃ عندھما والعشر یجب فی الخارج والخارج بینہما فیجب العشر علیہما۔[۴] (واللہ اعلم)۔

(۱) الھدایہ ۲/۵۴۱ (۲) ھدایۃ ۲/۵۴۳ (۳) رد المحتار ۲/۵۱ (۴) رد المحتار ۲/۵۵ باب العشر والخراج

عشر وخراج کے مباحث ومسائل

از ـــــ مولانا محمد ابوالحسن ـــــ دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ۔ گجرات

عشر اور خراج اسلام کے دو اصطلاحی الفاظ ہیں جس کے مخصوص اسلامی شرعی معانی ہیں یعنی شریعت کی اصطلاح میں عشر اور خراج اس ٹیکس کا نام ہے جو اسلامی حکومت کی طرف سے زمین پر عائد کیا جاتا ہے۔ لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ عشر کی حیثیت محض ٹیکس کی نہیں ہے بلکہ اس میں عبادت کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے اس کو زکوۃ الارض بھی کہا جاتا ہے ـــــ اور خراج خالص ٹیکس کا نام ہے جس میں عبادت کی حیثیت ملحوظ نہیں ہے۔ اسی بنا پر عشر مسلمانوں کی مملوکہ زمین کے ساتھ مخصوص ہے اور خراج غیر مسلم ذمی کی مملوکہ زمین کے ساتھ مخصوص ہے۔

عشر اور خراج میں ایک بنیادی اور عملی فرق یہ بھی ہے کہ عشر پیداوار پر واجب ہے۔ اگر زمین میں پیداوار نہ ہو خواہ اس کی وجہ جو بھی ہو یعنی بارش وغیرہ کا نہ ہونا یا پانی کا میسر نہ آنا یا مالک زمین کی غفلت وبے پرواہی کہ اس نے خود زمین میں کچھ بویا ہی نہیں اور اس میں بوائی کے اسباب موجود ہونے کے باوجود کاشت سے زمین کو خالی رکھا تو اس صورت میں عشر واجب نہیں ہوگا۔ بخلاف خراج کے کہ اگر مالک نے زمین کے قابل کاشت ہونے کے باوجود زمین میں کاشت نہیں کیا اور غفلت وبے پرواہی یا شرارت سے زمین کو خالی رکھا تو اس پر خراج واجب ہوگا اور اس سے خراج موظف وصول کیا جائے گا۔

خراج موظف سے وہ خراج مراد ہے کہ خراجی زمین پر کوئی نقد رقم بطریق خراج لازم کیا گیا ہو۔ لہٰذا اگر مالک ایسی زمین کو اپنے اختیار سے آباد نہ کرے تو خراج مقررہ اس سے وصول کیا جائے گا کیونکہ خراج کا دارو مدار حقیقی پیداوار پر ہی نہیں تقدیری پیداوار پر بھی ہے۔ البتہ خراج کی ایک دوسری قسم جس کو خراج مقاسمہ کہا جاتا ہے۔ یعنی زمین سے پیداوار کی طے شدہ والی صورت مثلاً نصف پیداوار یا ثلث پیداوار خراج مقرر ہو اور پھر زمین میں کچھ پیدا نہ ہو خواہ اس کی وجہ جو بھی ہو تو خراج مقاسمہ وصول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کا دارو مدار حقیقی پیداوار پر ہے جیسا کہ عشر کا دارو مدار بھی حقیقی پیداوار پر ہے۔[1]

وجوب خراج کے لئے یہ ضروری ہے کہ زمین قابل کاشت ہو بنجر نہ ہو کہ جس میں کوئی چیز پیدا ہونے کی صلاحیت ہی نہ ہو۔ یا زمین تو اچھی ہو مگر پانی وغیرہ کا وہاں پہونچنا ممکن نہ ہو اور بارش وغیرہ بھی اس علاقہ میں کم ہوتی ہو کہ جس سے زمین میں کچھ پیدا ہونے کی امید ہو سکے۔ لہٰذا اس طرح کی اگر کوئی زمین ہو گی تو اس میں خراج واجب نہیں ہو گا۔ جیسا کہ بدائع میں ہے

ولو كانت أرض الخراج نزة أو غلب عليها الماء بحيث لا يستطاع فيها الزراعة أو سبخة أو لا يصل إليها الماء فلا خراج فيه لانعدام الخارج فيه حقيقة أو تقديرا۔[2]

عشر اور زکوٰۃ اگرچہ دونوں میں عبادت کی حیثیت پائی جاتی ہے۔ مگر پھر دونوں میں یہ فرق ہے کہ زکوٰۃ اموال کا عبادت خالصہ ہے اور عشر من وجہ عبادت ہے اور من وجہ ٹیکس ہے۔ اسی وجہ سے عشر اسی وقت واجب ہو گا جبکہ زمین میں پیداوار ہوا ہو اور اگر زمین میں کچھ پیدا ہی نہیں ہوا تو عشر واجب نہیں ہو گا۔ اور اموال تجارت اور نقدین یعنی سونا چاندی وغیرہ اگر سال بھر رکھا رہے اور اس میں نفع کی کوئی صورت نہ پیدا ہو یا کاروبار میں نقصان ہی آ گیا ہو لیکن جس قدر رقم اور مال باقی ہے اگر وہ بقدر نصاب ہے تو زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہو گا۔

اسلامی قانون کے لحاظ سے زمین پر جو واجبات مقرر کئے جاتے ہیں۔ اس کی دو ہی قسمیں ہیں ایک عشر اور دوسرا خراج اور ان دونوں میں واضح فرق یوں بھی ہے کہ ان دونوں کا محل بھی الگ الگ ہے اور احکام بھی جداگانہ ہیں نیز مصارف بھی دونوں کے علیحدہ ہیں۔ چنانچہ عشر صرف مسلمانوں پر واجب ہوتا ہے

---

[1] شامی ۲/۲۶۔۳۲۵ [2] بدائع ۲/۵۴۔

اور خراج غیر مسلم ذمی لوگوں یعنی ذمی کافروں پر واجب ہوا کرتا ہے۔

اب یہ سوال کہ اسلام نے کن اراضی کو عشری اور کن اراضی کو خراجی قرار دیا ہے تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ

دنیا کا کوئی بھی ملک یا زمین کا کوئی بھی خطہ یا علاقہ جب مسلمانوں کے قبضہ میں آئے گا تو اس کی صورت یا تو صلح کی ہوگی یا غلبہ کی۔ اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ فتح ہوا ہو تو اس کی زمینوں کے بارے میں تمام معاملات صلح کی شرائط کے مطابق ہی طے کئے جائیں گے۔ اگر صلحنامہ میں یہ شرط طے پائی ہے کہ اس ملک کے لوگ اپنے سابق مذہب پر قائم رہیں گے اور ان کی تمام زمینیں حسب سابق انہیں لوگوں کی ملکیت میں رہے گی۔ جن کی ملکیت اور قبضہ میں ابتک چلی آرہی ہے تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج مقرر کردیا جائیگا۔ اور ان کی زمین ہمیشہ کے لئے خراجی ہوجائے گی۔ اس لئے کہ ان زمینوں کے مالک غیر مسلم ہیں۔

اسی طرح اگر کوئی ملک غلبۃً فتح ہوا اور خلیفۂ وقت یا بادشاہ وقت نے وہاں کی زمین وجائداد کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے خصوصی اختیار کے ذریعہ وہاں کی زمینوں کو ان کے مالکان قدیم کی ملکیت میں باقی رکھا تو یہ تمام زمینیں بھی خراجی کہلائیں گی۔ جیسے عراق وشام ومصر کی فتح کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے وہاں کی زمین کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا۔ جیسا کہ بدائع الصنائع کی درج ذیل عبارت اس پر دال ہے،

وجملة الكلام فيه أن الأراضي نوعان عشرية وخراجية أما العشرية فمنها أرض العرب كلها قال محمد رحمه الله وأرض العرب من العذيب إلى مكة وعدن ما بين إلى أقصى حجر باليمن بمهرة وذكر الكرخي هي أرض الحجاز وتهامة واليمن ومكة والطائف والبرية وإنما كانت هذه أرض عشر لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم والخلفاء الراشدون بعده لم يأخذوا من أرض العرب خراجا فدل أنها عشرية إذ الأرض لا تخلو عن إحد المؤنتين ولأن الخراج يشبه الفيء فلا يثبت في أرض العرب كما لم يثبت في رقابهم. والله أعلم.

ومنها الأرض التي أسلم عليها أهلها طوعا ومنها الأرض التي فتحت عنوة وقهرا وقسمت بين الغانمين لأن الأراضي لا تخلو عن مؤنة إما العشر

وأما الخراج والابتداء بالعشر في أرض المسلم أولى لأن في العشر معنى العبادة وفي الخراج معنى الصغار ومنها دار المسلم إذا اتخذها بستانا لما قلنا وهذا إذا كان يسقى بماء العشر فإن كان يسقى بماء الخراج فهو خراجي. وأما ما أحياه المسلم من الأرض الميتة بإذن الإمام فقال ابو يوسف رح إن كانت من حيز أرض العشر فهي عشرية وإن كانت من حيز أرض الخراج فهي خراجية وقال محمد رح إن أحياها بماء السماء أو بئرا استنبطها أو بماء الأنهار العظام التي لا تملك مثل دجلة وفرات فهي أرض عشر وإن شق لها نهرا من أنهار الأعاجم مثل نهر الملك ونهر يزدجر فهي أرض خراج۔[1]

یہاں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ اگر کوئی ملک یا علاقہ اس طرح حاصل ہوا ہو کہ وہاں کے باشندے بغیر جنگ کے خود ہی رضامندی سے مسلمان ہو گئے ہوں تو ان کی زمینوں کو انہیں لوگوں کی ملکیت میں رہنے دیا جائے گا اور اس پر عشر واجب ہوگا۔ کیونکہ یہ زمینیں مسلمانوں کی ملک ہیں اور مسلمانوں کی مملوکہ زمین میں ابتداءً عشر ہی متعین ہے جیسا کہ مدینہ منورہ کے انصار خود بخود مسلمان ہوئے اور ان کی زمین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کے قبضہ میں رہنے دیا اور اس پر عشر واجب کر دیا۔

اسی طرح اگر ملک حرب وضرب کے ذریعہ حاصل ہوا ہو اور بادشاہ وقت نے وہاں کی زمینوں کو مال غنیمت قرار دے کر خمس نکالنے کے بعد باقی زمینوں کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا ہو تو مجاہدین کے حصہ کی تمام زمینیں عشری قرار دی جائیں گی۔ جیساکہ فتح خیبر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین و باغات کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا تھا اور اس پر عشر لازم کر دیا تھا۔

اسی طرح وہ زمین جس کو اسلامی اصطلاح میں ارض موات کہا جاتا ہے۔ یعنی غیر مملوکہ زمین جس پر فتح ملک کے وقت کسی کا قبضہ اور ملک نہ تھا مگر ملک فتح ہونے کے بعد کسی مسلمان نے امیر و حاکم کی اجازت سے اس کو زندہ کیا یعنی قابل کاشت بنایا۔ یا آبادی میں کوئی مکان یا حویلی تھی اس کو ہموار کرکے باغ بنالیا گیا یا کھیتی کے لائق بنالیا گیا تو اس کو خراجی قرار دیا جائے یا عشری اس میں اختلاف ہے۔

---

[1] بدائع ۲/ ۵۸، ۵۷۔

امام ابویوسف رح کے نزدیک قرب وجوار کی زمین کو دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر اس کے قرب وجوار میں عشری زمین ہوگی تو اس کو بھی عشری قرار دیں گے اور اگر اس کے پاس کی زمین خراجی ہے تو اس کو بھی خراجی زمین قرار دیا جائے گا اور اگر اس کے جوار میں عشری اور خراجی دونوں طرح کی زمین ہے تو اس کو عشری زمین قرار دیں گے۔

اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک حکم کا دار ومدار اس پانی پر ہوگا جس سے اس نئی زمین کو سیراب کیا جارہا ہوگا۔ اگر اس کی سیرابی وسینچائی خراجی پانی سے کی جاتی ہو تو اس کو خراجی زمین قرار دیں گے۔ اور اگر اس کی سیرابی وسینچائی عشری پانی سے کی جاتی ہو تو اس کو عشری قرار دیں گے یہاں علامہ شامی نے امام ابویوسف رح کے قول کو معتمد قرار دیا ہے۔[1]

اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ فقہاء کرام نے بعض پانی کو خراجی اور بعض کو عشری قرار دیا ہے۔ کنویں کا پانی۔ بارش کا پانی۔ چشمہ کا پانی اور بڑے بڑے دریاؤں اور ندیوں کا پانی یعنی ایسے دریا اور ندیاں جو قدرتی طور پر جاری ہوں کہ ان کے جاری کرنے میں کسی کے فعل کا عمل دخل نہیں ہے اور وہ کسی کی ملکیت بھی نہ ہو جیسے عراق میں دریائے دجلہ وفرات۔ مصر میں دریائے نیل۔ خراسان میں جیحون وسیحون ہند میں گنگا جمنا۔ برہمپترا اور پنجاب کی ندیاں اور گجرات میں نربدا وغیرہ۔ ان سب کا پانی عشری کہلائے گا۔ اور وہ چھوٹے دریا اور نہریں جن کو عجمی حکومتوں، راجا مہاراجاؤں یا اور کسی نے اپنی محنت اور خرچ سے کھود کر نکالا ہے جیسے نہر ملک ویزدجرد یا نہر گنگ وجمن وغیرہ تو ان نہروں کے پانی کو خراجی پانی کہتے ہیں۔

علامہ ابوبکر کاسانی فرماتے ہیں

وماء العشر هو ماء السماء والآبار والعيون والأنهار العظام التي لا تدخل تحت الأيدي كسيحون وجيحون ودجلة وفرات ونحوها إذ لا سبيل إلى اثبات اليد عليها وإدخالها تحت الحماية وروى عن أبي يوسف أن مياه الأنهار خراجية لإمكان اثبات اليد عليها وإدخالها تحت الحماية في الجملة بشد السفن بعضها على بعض حتى تصير شبه القنطرة۔[2]

---

[1] دیکھئے شامی جلد رابع باب العشر والخراج [2] بدائع الصنائع ۲/۵۸۔

عشر و خراج کے مسائل کو سمجھنے کے لئے مناسب ہے کہ ہم اسلامی فتوحات کے ابتدائی دور کو سامنے رکھیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں پورے جزیرۃ العرب کی زمین کو عشری قرار دیا۔ جو خلفاء اربعہ اور بعد کے خلفاء و سلاطین کے دور میں بھی اسی طرح قائم رہا۔

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں جب عراق فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے صحابہ کے مشورہ سے تمام عراق کی زمینوں کو خراجی قرار دیا اور حضرت حذیفہ ابن الیمان اور عثمان ابن حنیف کے ذریعہ عراق کی تمام زمینوں کی پیمائش کرانے کے بعد اس پر خــــراج مُوظف مقرر کیا۔ جس کی تفصیل بدائع و شامی وغیرہ کتب فقہ میں بھی مذکور ہے ــــــــــــ اسی طرح مصر و شام کے فتح کے بعد وہاں کی زمینوں کو بھی ان کے سابق مالکوں کے قبضہ میں چھوڑ دیا اور ان پر خراج مقرر کر دیا۔ بدائع و شامی میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے نصاری سے ایک مخصوص قسم کا خراج لے کر صلح کر لیا۔ یعنی دو ہزار دو سو جوڑے کپڑے پر صلح کی گئی اور اس کی ادائیگی اس طرح طے کی گئی کہ نصف ماہِ رجب میں ادا کریں گے اور نصف ماہِ محرم میں۔ چنانچہ یہی سلسلہ خلفائے راشدینؓ کے دور میں بھی جاری رہا۔

قبیلہ بنی تغلب کے لوگ خراج دینے پر راضی نہ ہوتے مگر مسلمان جو عشر ادا کرتے تھے اس سے دوگنا ادا کرنے پر راضی ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں سے اسی بات پر صلح کر لیا اور اس کو خراج قرار دیا۔ اور یہ کہا کہ تم خواہ کچھ بھی اس کا نام رکھو ہم تو اس کو خراج ہی سمجھیں گے۔ چنانچہ اس کو مصرف خراج ہی میں صرف کیا کرتے تھے۔ [1]

ان واقعات و مباحث سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اســـلام کے اول فتوحات کے وقت جن زمینوں کو مسلمانوں کی ملکیت قرار دے دی گئی۔ اور پھر اس پر کبھی کفار کا مالکانہ غلبہ نہیں ہوا وہ زمین عشری کہلاتی ہے۔ اور اگر زمین کا مالک غیر مسلم ہے خواہ اول فتح کے وقت سے وہ زمین ان کی ملکیت میں رہی ہو یا بعد میں کسی مسلمان سے کسی جائز طریقہ سے مثلاً خرید کردہ مالک ہو گیا ہو تو وہ زمین خراجی کہلائے گی۔ اور اس پر خراج واجب ہو گا اگرچہ اس کافر کے قبضہ میں آنے سے پہلے اس زمین پر مسلمانوں سے عشر لیا جا رہا ہو۔

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۵۸۔

البتہ اگر کافر کی خراجی زمین کو کوئی مسلمان کسی جائز طریقہ مثلاً بیع و ہبہ کے ذریعہ سے حاصل کرے تو اس زمین پر خراج ہی واجب رہے گا۔ اور اس زمین کا وظیفہ تبدیل نہیں ہوگا۔

اگرچہ اصولی طور پر جب کسی زمین کا وظیفہ عشر یا خراج ایک مرتبہ مقرر ہو جائے تو اس میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے مگر کسی عارض کی وجہ سے تبدیلی ممکن ہے۔ جیسے مسلمان کی عشری زمین کو جب کافر خرید لے تو چونکہ کافر عشر کا اہل نہیں ہے اس لئے کہ عشر عبادت ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں، اس لئے اس زمین کا وظیفہ عشر سے تبدیل ہو کر خراج ہو جائے گا۔ بخلاف خراجی زمین کے جس کو مسلمان خرید لے تو مسلمان کو بھی حسب سابق اس زمین کا خراج ہی ادا کرنا ہوگا۔ جیسا کہ آثار سے ثابت ہے کہ بہت سے صحابہؓ کرام خراجی زمین کے مالک تھے اور خراج ادا کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ بدائع باب العشر میں مذکور ہے۔

لو اشترى مسلم من ذمي أرضا خراجية فعليه الخراج ولا تنقلب عشرية لأن الأصل أنه مئونة الأرض ولا تتغير بتغير المالك إلا لضرورة وفي حق الذمي إذا اشترى من مسلم أرض عشر ضرورة لأن الكافر ليس من أهل وجوب العشر وأما المسلم فمن أهل وجوب الخراج في الجملة فلا ضرورة إلى التغيير بتبدل المالك۔ [1]

عشری زمین میں عشر کی فرضیت پر قرآن و حدیث کے نصوص دال ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے..... "وآتوا حقه يوم حصاده" (سورہ انعام) اور دوسری جگہ ہے" يا أيها الذين آمنوا أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض" (البقرہ)

اسی طرح بخاری شریف میں ابن عمرؓ کی مرفوعاً روایت ہے:

"فيما سقت السماء وما سقي بعلا العشر وما سقي بالدوالي نصف العشر" وروى مسلم عن جابر نحوه ولابن ماجه عن معاذ بعثني رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى اليمن فأمرني أن آخذ مما سقت السماء وما سقي بعلا العشر وما سقي بالدوالي نصف العشر"

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۵۷

صاحب بدائع الصنائع رقمطراز ہیں:

فالدليل على فرضيته الكتاب والسنة والإجماع والمعقول. أما الكتاب فقوله تعالى وآتوا حقه يوم حصاده. قال عامة أهل التأويل ان الحق المذكور هو العشر أو نصف العشر:

مگر اس آیت سے متعلق یہاں یہ اشکال کیا گیا ہے کہ یوم الحصاد کو حق کی ادائیگی کا یہاں حکم دیا گیا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ گیہوں چاول وغیرہ اناج کی ادائیگی یوم الحصاد میں نہیں ہوسکتی ہے بلکہ کاٹنے اور جمع کرنے کے بعد جب تنقیہ وغیرہ ہوکر وزن کیا جائے گا تب عشر نکالا جائے گا۔ ورنہ یوم الحصاد میں عشر نکالنا دشوار ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں حق سے مراد عشر نہیں بلکہ کوئی اور چیز ہے۔

اس اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ "وآتوا حقه الذي وجبت فيه يوم حصاده بعد التنقية فكان اليوم ظرفا للحق لا للإيتاء":

صاحب بدائع آگے فرماتے ہیں:

على أن عند أبي حنيفة يجب العشر في الخضروات وإنما يخرج الحق منها يوم الحصاد وهو القطع ولا ينتظر بشيئ آخر فثبت أن الأية في العشر إلا أن مقدار هذا الحق غير مبين في الأية فكانت الأية مجملة في حق المقدار ثم صارت مفسرة ببيان النبي صلى الله عليه وسلم بقوله وما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب أو دالية ففيه نصف العشر"

اس کے آگے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قوله تعالى يا أيها الذين آمنوا أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض. وفي الأية دلالة على أن للفقراء حقا في المخرج من الأرض حيث أضاف المخرج إلى الكل فدل على أن للفقراء في ذلك حقا كما للأغنياء فيدل على كون العشر حق الفقراء ثم عرف مقدار الحق بالسنة. أما السنة هو قوله عليه السلام ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب

أو دالية ففيه نصف العشر. وأما الاجماع فان الأمة اجمعت على فرضية العشر. وأما المعقول فعلى نحو ماذكرنا فى النوع الأول لأن اخراج العشر إلى الفقير من باب شكر النعمة واقدار العاجز وتقويته على القيام بالفرائض" [۱]

وجوب عشر کے لئے اسلام شرط ہے۔ صاحب بدائع شرائط وجوب عشر کے بیان میں لکھتے ہیں۔

أحدهما الإسلام وأنه شرط ابتداء هذا الحق فلا يبتدأ بهذا الحق إلا على المسلم بلا خلاف لأن فيه معنى العبادة والكافر ليس وجوبها ابتدأ أو بها عليه [۲]

لیکن وجوب عشر کے لئے عقل وبلوغ وغیرہ کی کوئی شرط نہیں ہے۔ اسی وجہ سے عشر نابالغ کی زمین کی پیداوار میں بھی واجب ہے۔ اسی طرح مجنون کی عشری زمین سے بھی عشر لیا جاتا ہے۔ وجوب عشر کے لئے زمین کی ملکیت بھی شرط نہیں ہے بلکہ محض پیداوار کا مالک ہونا کافی ہے۔ اسی وجہ سے ارض موقوفہ میں بھی عشر واجب ہے۔ حتیٰ کہ جو زمین عاریت یا اجارہ پر لے کر کاشت کی گئی ہو اس کے پیداوار میں بھی عشر واجب ہے کیونکہ کاشت کار پیداوار کا مالک ہے۔ البتہ اجارہ کی بعض صورتوں میں مالک زمین پر بھی عشر واجب ہوجاتا ہے۔

وكذالك ملك الارض ليس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج فيجب فى الأراضى التى لا مالك لها وهى الاراضى الموقوفة لعموم قوله تعالى يا أيها الذين آمنوا أنفقوا إلى آخره وقوله عز وجل وآتوا حقه يوم حصاده ولعموم قول النبى صلى الله عليه وسلم ما سقته السماء ففيه العشر وما سقى بغرب أو دالية ففيه نصف العشر ولأن العشر يجب فى الخارج لا فى الأرض فكان ملك الأرض وعدمه بمنزلة واحدة ويجب فى أرض المأذون والمكاتب لما قلنا [۳]

حنفیہ کے یہاں ایک ہی زمین میں عشر اور خراج دونوں کو بیک وقت جمع کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

۱-۲ بدائع الصنائع ۲/۵۴ -

۳ حوالہ مذکور ۲/۵۰ -

بخلاف امام شافعی علیہ الرحمۃ کے کہ ان کے نزدیک دونوں کو جمع کرنا بھی جائز ہے۔ بدائع میں ہے:

فالعشر مع الخراج لایجتمعان فی أرض واحدۃ عندنا وقال الشافعی یجتمعان[1]۔

وجوب عشر کے لئے امام ابوحنیفہ کے یہاں نہ کوئی نصاب شرط ہے۔ نہ پیداوار کے لئے بقا کی شرط ہے نہ حولان حول شرط ہے بخلاف صاحبین ودیگر ائمہ کے کہ ان حضرات کے یہاں نصاب اور بقا شرط ہے

ابتک کی تفصیلات سے یہ بات واضح ہوچکی کہ اسلام میں مخصوص حالات وواقعات کے لحاظ سے زمین کی دوہی قسمیں ہیں۔ عشری اور خراجی۔ ان دونوں کے درمیان بنیادی اور واضح فرق یہ ہے کہ مسلمانوں کی مملوکہ زمین عشری کہلاتی ہے اور غیر مسلموں کی مملوکہ زمین خراجی کہلاتی ہے۔

یہاں تک ان قواعد وضوابط کا ذکر جس سے کسی بھی ملک یا علاقہ کی زمین کے بارے میں یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ عشری ہیں یا خراجی۔ لیکن خاص ہندوستان کی زمین کا حکم کیا ہے؟ اب اس سوال پر غور کرنا ہے۔

ہندوستان میں اس وقت مسلمانوں کے قبضہ میں جو زمین ہیں ان کو تین قسموں پر منقسم کرسکتے ہیں؛

۱ــــ اول وہ زمینیں جس کے بارے میں یقین کے ساتھ معلوم ہو کہ اس زمین پر فتوحات ہند کے وقت سے لیکر آج تک مسلمانوں ہی کا قبضہ رہا ہے اور کبھی بھی اس پر کسی غیر مسلم کا مالکانہ قبضہ نہیں ہوا ہے۔ اور فی الحال بھی مسلمانوں کے قبضہ اور ملکیت میں ہے۔ اس صورت میں بلاشبہ یہ زمین عشری کہلائے گی۔

۲ــــ دوسری قسم کی وہ زمین ہے جو نسلاً بعد نسل مسلمانوں کے قبضہ میں چلی آرہی ہے اور کسی وقت اس زمین پر کسی کافر کا مالکانہ قبضہ ہوا یا نہیں ہوا یہ معلوم نہ ہوسکے مخفی رہے تو باستصحاب الحال اس قسم کی زمین کو بھی عشری زمین کہا جائے گا۔

۳ــــ تیسری قسم کی وہ زمین ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ اس پر کسی وقت کافروں کا مالکانہ قبضہ ہوگیا تھا اور وہ اس زمین کے مالک تھے بعد میں وہ زمین کسی جائز طریقہ سے مسلمانوں کے قبضہ وملکیت میں آئی تو بلاشبہ ایسی تمام زمینوں کو خراجی زمین کہا جائے گا۔

یہاں ایک اور قسم کی زمین کا ذکر بھی ضروری ہے اور وہ زمینیں وہ ہیں جس کو مسلمان تقسیم ہند کے

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۵۷۔

وقت یا اس کے بعد ہندوستان میں چھوڑ کر چلے گئے اور پاکستان ہجرت کر گئے اور ان کی زمین وجائداد پر حکومت نے قبضہ کرلیا اور بعد میں اس قسم کی اکثر زمینوں کو ہندو یا سکھ شرنارتھیوں کو دے دیا اور پھر ان لوگوں سے مسلمانوں نے خرید لی۔

یا اسی طرح بعض مرتبہ خود حکومت نے بھی اس طرح مہاجرین کی متروکہ زمین کو اپنے قبضہ میں لینے کے بعد بعض جگہ بعض مسلمانوں کو دے دیا یا اس قسم کی زمین کا کوئی بدل دیا یا حکومت کی جانب سے کسی مسلمان کو کوئی زمین کسی کارنامہ پر بطور انعام یا عطیہ اور بخشش کے طور پر دی گئی تو یہ تمام زمینیں بھی خراجی زمینیں کہلائیں گی اور اس پر خراج واجب ہوگا۔

ہندوستان کی زمینوں کے بارے میں حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے اسی طرح کا فیصلہ فرمایا ہے حضرت تھانوی رحمہ اس بارے میں جو سوالات کئے گئے تھے اور حضرت نے جو جوابات دیئے ہیں وہ یہاں بعینہٖ نقل کئے جاتے ہیں۔

سوال (۱۰۰) ـــــــ عشری زمین کے متعلق جو کچھ حضور کی تحقیق ہو مفصل تحریر فرمائی جائے؟

الجواب: حاصل مقام کا یہ ہے کہ جو زمین مسلمانوں کی ملک میں ہیں اور ان کے پاس مسلمانوں ہی سے پہونچی ہیں ارثاً او شراءً وہلم جرًّا وہ زمینیں عشری ہیں اور جو درمیان میں کوئی کافر مالک ہوگا تھا وہ عشری نہ رہی اور جن کا کچھ حال معلوم نہیں اور اس وقت وہ مسلمانوں کے پاس ہے تو یہی سمجھا جائے گا کہ مسلمانوں ہی سے حاصل ہوئی ہے بدلیل الاستصحاب پس وہ بھی عشری ہوگی وقد العشر معروف ماہ محرم ۱۳۳۲ھ تتمہ اولیٰ ص۵

سوال (۱۰۱): ہندوستان کی زمین بحالت موجودہ یعنی انگریزی حکومت میں خراجی ہے یا عشری جب گورنمنٹ برطانیہ نے غدر کے بعد سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی تھی تو اس وقت اعلان عام کیا تھا کہ تمام اراضی ضبط کرلی گئیں اور کسی کا حق نہیں ہے اگر صاحب اراضی دعوی کر کے ثبوت پیش کرے تو اس کو حسب تجویز حاکم دی جائے گی۔ چنانچہ جن مالکان اراضی نے دعوی کر کے بیّنہ قائم کئے ان کو وہی اراضی یا بالعوض ان کے دیگر اراضی عطا ہوئی اور بعض کو کسی امر کے صلہ میں زمین عطا ہوئی اور مالگذاری سرکاری جو سالانہ زمین دار سے بادشاہ وقت لیتا ہے مقرر کردی اور بعض کو معاف کردی۔

الجواب: ـــــ ضبط کرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک قبضہ مالکانہ اگر یہ ہوا ہے تو وہ اراضی عشری

نہیں رہیں۔ اور دوسرا قبضہ ملکانہ و حاکمانہ و منتظمانہ اور احقر کے نزدیک قرائن قویہ سے اسی کو ترجیح ہے تو اراضی عشریہ بحالہا عشری رہیں۔ البتہ اگر پہلے سے وہ ارض عشری نہ تھی یا سرکار نے کوئی دوسری زمین اس زمین کے عوض میں دے دی یا کسی صلہ میں اس کو کوئی زمین دی۔ سو چونکہ وہ دینے سے قبل استیلاء سے سرکار کی ملک ہو گئی تھی لہٰذا وہ عشری نہ رہی۔ (از تتمہ ثالثہ امداد الفتاوی ص۱ منقول از امداد الفتاوی ص۲۱ مطبوعہ تالیفات اولیاء دیوبند۔

اسی طرح فتاوی دارالعلوم مبوب جلد سوم و چہارم مطبوعہ امدادیہ ص۲ پر اسی مسئلہ سے متعلق سوال و جواب اس طرح مذکور ہے:

سوال ص۲۰۲: ہندوستان کی زمینوں میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:— ہندوستان میں جو اراضی مملوکہ مسلمین ہیں وہ عشری ہیں۔ کیونکہ اصل وظیفہ مسلمانوں کی زمین کا عشر ہے۔ پس بحالت اشتباہ احوط عشر نکالنا ہے۔

سوال ص۵۹۵: ہندوستان کی زمین خراجی ہے یا عشری اور جو عشری ہے تو ان میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:— ہندوستان کی تمام زمینوں کا حکم ایک نہیں ہے۔ البتہ جو زمین مملوکہ مسلمین ہے اس میں عشر واجب ہے۔ مسلمانوں کو عشر نکالنا چاہئے۔

یہ فتاوی دارالعلوم دیوبند کے سابق مفتی مفتی عزیز الرحمٰن کے ہیں جن کا فتوی مستند ہے

<u>خلاصہ</u> یہ ہے کہ تقسیم ہند سے پہلے اراضی ہند کے جو احکام تھے تقسیم کے بعد بھی وہی احکام باقی ہیں۔ سوائے ان زمینوں کے جن کو مسلمان تقسیم ہند کے بعد پاکستان ہجرت کرتے وقت چھوڑ گئے اور اس پر حکومت "کسٹوڈین" نے قبضہ کرلیا اور پاکستان سے آنے والے ہندوؤں اور سکھوں یا مسلمانوں کو دے دیا یا اس قسم کی زمینوں کو بعد میں غیر مسلموں سے مسلمانوں نے خرید لیا۔ تو یہ سب زمینیں استیلاء کفار کی وجہ سے خراجی ہوگئیں عشری نہ رہیں۔

اسی طرح وہ ارض موات جس کو موجودہ حکومت نے قابل کاشت بنا کر مسلمانوں کو بقیمت یا بلاقیمت دیا۔ یا مسلمانوں نے حکومت کی اجازت سے خود ہی قابل کاشت بنالیا تو وہ زمین بھی خراجی کہلائے گی۔ اور اس مسئلہ میں ہندوستان کے دارالحرب ہونے یا دارالحرب نہ ہونے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اگرچہ شامی باب الرکاز کی بعض عبارات سے اور اسی طرح شرح سیرکبیر

کی بعض عبارت سے شبہ پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً شامی کی یہ عبارت:

ویحتمل أن یکون احترازاً عما وجد فی دار الحرب فإن أرضها لیست أرض خراج وخراج۔

یا شرح سیر کبیر کی یہ عبارت:

لأن العشر والخراج إنما یجب فی أرض المسلمین وھذہ أرض أھل الحرب لیست بعشریة ولا خراجیة"

ان عبارات سے بعض علماء کو یہ اشتباہ ہوا ہے کہ چونکہ ہندوستان دار الحرب ہے اور دار الحرب کی زمین نہ عشری ہوتی ہے نہ خراجی۔ لہٰذا ہندوستان کی زمین کو بھی نہ عشری کہہ سکتے ہیں نہ خراجی۔ مگر اصل حقیقت یہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ عبارات بالا میں دار الحرب سے مراد وہ دار الحرب ہے جن پر کبھی مسلمانوں کا قبضہ و غلبہ ہوا ہی نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا ملک جہاں مسلمان کا غلبہ ہی نہیں ہوا ہو اور مسلمان وہاں کبھی حاکمانہ اور غالبانہ حیثیت حاصل ہی نہ کر سکے ہوں تو وہاں کی زمین کو نہ عشری کہہ سکتے ہیں نہ خراجی۔ کیونکہ عشری اور خراجی وہاں کی زمین کہلاتی ہے جہاں مسلمانوں کا غلبہ ہو یا کبھی غلبہ رہا ہو جیساکہ ہندوستان کہ یہاں مسلمانوں نے آٹھ سو سال شاندار طریقہ سے حکومت کیا ہے۔ اگرچہ مسلمانوں کی بداعمالی کی وجہ سے اس وقت ہندوستان دار الاسلام نہیں ہے مگر یہ اصل دار الحرب بھی نہیں ہے کہ جن کی زمین کو لا عشری ولا خراجی کہا جائے۔ لہٰذا موجودہ بھارت کی بعض زمین عشری ہیں اور بعض خراجی جس کی تفصیل اور بنیاد ذکر کی جاچکی ہیں۔

محور چہارم

اس محور کا تیسرا سوال یہ ہے کہ کیا سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں داخل ہے؟

اس کا جواب مختصراً یہ ہے کہ ہندوستان میں سرکار کو دی جانے والی زمین کی مالگذاری نہ عشر کے قائم مقام ہے نہ خراج کے۔ لہٰذا مالگذاری ادا کرنے کے باوجود عشری زمین پر عشر واجب ہوگا اور خراجی زمین پر خراج۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیساکہ اموال تجارت میں انکم ٹیکس ادا کرنے کے باوجود زکوٰۃ کی ادائیگی لازم سمجھی جاتی ہے۔ اور انکم ٹیکس خواہ اس کی شرح فی صد جو بھی ہو زکوٰۃ کے قائم مقام قرار نہیں دیا جاتا ہے۔ بلکہ انکم ٹیکس

کی ادائیگی کے بعد بھی زکوٰۃ ادا کرنا واجب قرار دیا جاتا ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر مسلم جمہوری حکومت کو نہ تو زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہے نہ عشر اور نہ خراج لینے کا کوئی حق ہے اور نہ یہ حکومت اس کی اہلیت رکھتی ہے۔ اور نہ ہی یہ حکومت وصول کردہ اموال کو مصارف زکوٰۃ وخراج میں خرچ کرنے کی پابند ہے اور نہ ہی اس کو اس کا دعوی ہے۔ اس لئے حکومت کا ٹیکس ادا کرنے سے یا زمین کی مالگذاری دینے سے نہ زکوٰۃ ادا ہوگی نہ عشر اور نہ خراج ـــــ ہاں اگر اسلامی حکومت ہو تو اس کے احکام جدا ہوں گے۔ مگر اس وقت یہاں اس سے بحث نہیں ہے۔

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

سوال (۱۰۳) زمین عشری کی مالگذاری سرکاری ادا کرنے سے جیسے کہ جناب مولوی قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتی اور حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تھانویؒ کی تحقیق تھی کہ عشر ادا ہو جاتا ہے یا نہ۔ معاملہ احتیاط تو ظاہر ہے کہ مستحقین کو علاحدہ دے مگر قول مضبوط آپ کے نزدیک کون سا ہے؟

الجواب:ـــ ہم کو تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ادا نہیں ہوتا ہے جیسے انکم ٹیکس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی باقی ان حضرات کے ارشاد کا مبنیٰ معلوم نہیں۔

حوادث الفتاوی ص۱۹ جلد ۱ و ۲۔ امداد الفتاوی جلد دوم ص۶۲ اور امداد الفتاوی کے ص۷۷ پر ارشاد فرماتے ہیں:ـــ کہ عشر اور خراج شرعی حقوق ہیں۔ پس جس طرح انکم ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی۔ اسی طرح سرکاری محصول سے یہ حقوق بھی ساقط نہیں ہوتے۔[۱]

اب رہا یہ سوال کہ ہندوستان میں خراجی زمین کا خراج کس شرح سے نکالا جائے گا۔ تو اس سوال کو حل کرنے کے لئے ہندوستان کی پرانی تاریخ پر نظر ڈالنا ہوگا۔ چنانچہ ہندوستان کا وہ علاقہ جو سندھ کے نام سے مشہور ہے اور جو محمد بن قاسم کے دور میں مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تو اس کے بارے میں تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ محمد بن قاسم نے اپنے مقبوضہ ملک پر خراج مُوَظَّف کے بجائے خراج مقاسمہ یعنی پیداوار کا ایک مخصوص مقدار یعنی پانچواں حصہ مقرر کیا تھا جو اسی زمانہ میں قدیم زمانہ سے ہندو راجاؤں کے زمانہ ہی سے کاشتکاروں سے وصول کیا جاتا تھا۔ محمد بن قاسم نے بھی اس کو برقرار رکھا ـــــ اور یہاں یہ یاد رکھنا

۱؎ امداد الفتاوی ۲/۷۷، مطبوعہ ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند۔

چاہیئے کہ اس وقت سندھ کا علاقہ بہت وسیع تھا چنانچہ اس میں پورا غیر منقسم پنجاب تو داخل تھا ہی اور موجودہ سندھ کے علاقہ راجستھان اور گجرات کا بڑا علاقہ بھی اس میں شامل تھا تو یہ سندھ کا یعنی محمد بن قاسم کے مفتوحہ علاقہ کا عمومی حال تھا۔ باقی بعض علاقے ایسے بھی تھے جہاں کے لوگ برضا و رغبت مسلمان ہو گئے تھے تو ان کی زمینیں عشری تھیں اور محمد بن قاسم کے فتوحات کے بعد ہندوستان کے دیگر علاقوں کے فتوحات کا سلسلہ اولاً غزنوی دور حکومت میں اور پھر ثانیاً غوری دور حکومت میں جاری رہا۔ یہاں تک کہ فتوحات کا یہ سلسلہ علاء الدین خلجی کے دور میں مکمل ہوا اور فتوحات کے اس طویل دور میں تحقیقات سے اتنی بات تو یقیناً ثابت ہوتی ہے کہ جن علاقوں پر اس دور میں مسلمانوں کا قبضہ ہوا وہاں کی زمینیں ہندو باشندوں کے ملک و قبضہ ہی میں عموماً رہنے دی گئیں لیکن یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ ان زمینوں پر خراج کیا مقرر کیا گیا۔ آیا ان زمینوں پر خراجِ مقاسمہ عائد کیا گیا یا خراجِ مؤظف یعنی نقد وغیرہ ——— البتہ بعض کتابوں سے مثلاً نزہتہ الخواطر وغیرہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علاء الدین خلجی نے اپنے دور حکومت میں اصلاحات کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا۔ اور ان اصلاحات میں یہ بھی مذکور ہے کہ انھوں نے مالکان اراضی پر جو پہلے سے نقد خراج مقرر تھا اس کو بدل کر بٹائی کا قاعدہ جاری کر دیا تھا جس کو خلجی کے بعد محمد تغلق نے بھی قائم رکھا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علاء الدین سے قبل ہندوستان کے تمام علاقوں کی اراضی پر غزنوی اور غوری فتوحات کے دور میں خراج موظف یعنی نقد خراج کا سلسلہ جاری تھا جس کو علاء الدین خلجی نے تبدیل کر دیا۔ حالانکہ شرعاً ان کو اس کا کوئی حق نہیں تھا کیونکہ اول فتح کے وقت جو خراج زمین پر مقرر ہو جائے اس میں بعد میں تبدیلی جائز نہیں ہے کما قال غرر المحتار و فی الکافی و

لایجوز للامام اَن یحول الخراج الموظف الیٰ خراج المقاسمۃ اقول کذلک عکسہ[1]

اب اسی بنیاد پر آج بھی یہ کہنا صحیح اور مناسب ہوگا کہ ہندوستان کے اکثر خراجی زمینوں پر خراج موظف کا حکم نافذ ہوگا۔ اور خراج موظف کی تفصیل یہ ہے کہ قابل کاشت زمین پر جس میں پانی پہونچتا ہو فی جریب ایک درہم اور ایک صاع گیہوں یا جو واجب ہوگا اور سبزی ترکاری پیدا کرنے والی زمین میں فی جریب پانچ درہم اور باغات جو انگور یا کھجور وغیرہ کا ہو اور متصل ہو تو فی جریب دس درہم واجب ہوگا اور باقی چیزوں کا خراج اس انداز سے

---

[1] ج ۳ ص ۲۷۳۔

مقرر کیا جائے گا کہ پیداوار کے خمس سے کم نہ ہو اور نصف سے زیادہ نہ ہو۔

ایک جریب قریب قریب ایک بیگھ کے ہوتا ہے۔ یعنی ایک جریب ساٹھ مربع گز کا ہوتا ہے۔

وفی البدائع، والجریب ارض طولها ستون ذراعًا وعرضها ستون ذراعا بذراع کسریٰ یزید علی ذراع العامة بقبضة۔[1]

خراج موظف کی جو مقدار ابھی اوپر ذکر کیا گیا یہ وہی مقدار ہے جو حضرت عمرؓ نے عراق فتح ہونے کے بعد وہاں کی زمینوں پر پیمائش کے بعد مقرر کیا تھا اور جو صحابہ کے مشورہ سے طے ہوا تھا۔ چنانچہ ہدایہ باب الخراج والعشر میں ہے: قال: والخراج الذی وضعه عمر علی اهل السواد من کل جریب یبلغه الماء قفیزها شمی وهو الصاع ودرهم ومن جریب الرطبة خمسة دراهم ومن جریب الکرم المتصل والنخیل المتصل عشرة دراهم وهذا هو المنقول عن عمر۔

وقال: وماسوی ذلک من الاصناف کالزعفران والبستان وغیره یوضع علیها بحسب الطاقة لانه لیس فیه توظیف عمر وقد اعتبر الطاقة فی ذلک فتعتبرها فیما لا توظیف فیه وقالوا نهایة الطاقة أن یبلغ الواجب نصف الخارج لایزاد علیه"۔[2]

حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ نے بھی اس مسئلہ کے بارے میں اپنی تحقیق اپنے انداز میں اس طرح ذکر فرمایا ہے۔ جس کو یہاں امداد الفتاوی سے نقل کیا جارہا ہے:

سوال (۱۰۸) آج کل خراج کا ادا کرنا واجب ہے یا نہیں، اگر ادا کیا جائے تو اس کا مصرف اور مقدار کیا ہے؟

الجواب:— فی الدر المختار یجوز ترک الخراج للمالک لا العشر وفی رد المحتار ترک سلطان أونائبه الخراج لرب الأرض أووهبه ولو بشفاعة جاز عند الثانی وحل له لوکان مصرفا وإلا تصدق به. به یفتی ومافی الحاوی من ترجیح حله لغیر المصرف خلاف المشهور"۔[3]

---

[1] البدائع ۲/۶۲۔ [2] هدایه ۲/۵۹۱، ۵۹۲
[3] رد المحتار ۲/۹۱۔

وفی ردالمحتار وفی الدر المختار وثالثها الخراج إلی قوله ثالثها حواء الذی فی الهدایة وعامة الکتب المعتبرة انه یصرف فی مصالحنا کسد الثغور وبناء القناطر والجسور وکفایة العلماء والقضاة والعمال ورزق المقاتلة وذراریهم۔[1]

اس عبارت کے بعد حضرت فرماتے ہیں کہ اس عبارت سے یہ امور مستفاد ہوئے:

۱۔ اگر یہ شخص خراج کا مصرف ہے تو وہ اپنے مصرف میں لا سکتا ہے۔

۲۔ اگر یہ مصرف نہ ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

۳۔ مصارف خراج میں علماء بھی ہیں۔[2]

اور صلا پر لکھتے ہیں کہ اگر خراجی زمین کا محصول بادشاہ وقت کی طرف سے معاف ہو تب اگر وہ خراج موظف ہے تو مالک زمین کے ذمہ رہے گا ــــــ آگے اس میں یہ تفصیل ہے کہ:

کہ اگر یہ شخص خراج کا مصرف ہے مثلاً مفتی ہے۔ مدرس ہے۔ واعظ ہے تو اس کو اپنے صرف میں لانا جائز ہے اور اگر مصرف نہیں ہے تو اس پر واجب ہے کہ مصرف میں پہونچائے۔ مدارس اسلامیہ کا مدچندہ اس کے لئے بہت مناسب ہے۔ البتہ اگر انتفاع بالارض پر قدرت نہ ہو تو خراج ساقط ہے۔

اب ان تفصیلات کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہندوستان میں خراجی زمینوں کے اندر خراج موظف واجب ہے اور اگرچہ خراج کی ادائیگی عشر کی طرح عبادت تو نہیں ہے مگر ایک شرعی حق ضرور ہے۔ لہٰذا اس کی ادائیگی میں غفلت جائز نہیں ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ کے بیان سے معلوم ہوا کہ اس وقت خراج کا مصرف دینی مدارس اور اس کے طلبہ واساتذہ اور واعظین ومبلغین ہیں۔

محور چہارم کا پانچواں سوال یہ ہے کہ: احکام عشر میں آبپاشی کی وجہ سے عشر، نصف عشر ہو جاتا ہے تو کیا جدید طریق زراعت میں ہونے والے غیر معمولی اخراجات کی وجہ سے عشر کی مقدار میں کمی کی جا سکتی ہے۔ یا

---

[1] ردالمحتار ۲/۹۲، ۹۳۔

[2] امداد الفتاویٰ ۲/۲۶

اصل پیداوار میں سے ان اخراجات کو منہا کرنے کے بعد عشر عائد کیا جاسکتا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں اخراجات کی رعایت ہی کی بنا پر عشر، نصف عشر ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اب اس میں مزید رعایت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اب عشر یا بعض صورتوں میں نصف عشر کل پیداوار پر واجب ہوگا۔ بونے، کاٹنے، حفاظت کرنے اور بیلوں مزدوروں وغیرہ پر جو بھی اخراجات ہوں گے وہ محسوب نہیں ہوں گے۔ بلکہ کل پیداوار پر فریضہ عائد ہوگا۔

کما فی البدائع ولایحتسب لصاحب الأرض ما اتفق علی الغلة من سقی او عمارة او اجر الحافظ او اجر العمال أو نفقة البقر لقوله علیہ السلام ما سقته السماء ففیه العشر وما سقی بغرب أو دالیة أو سانیة ففیه نصف العشر[1]

محور چہارم کے سوال نمبر ۹ کا جواب یہ ہے کہ اگر زمین والے نے زمین دوسرے کو بٹائی پر دیا ہے یعنی مثلاً نصفا نصف یا اثلاثا پر معاملہ طے ہوا ہے تو اس صورت میں عشر دونوں پر اپنے اپنے حصہ پیداوار کے مطابق واجب ہوگا۔ اگر ان میں ایک کافر ہے تو اس پر عشر واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کا اہل نہیں ہے البتہ مسلمان پر عشر واجب ہوگا۔ کذا فی البدائع:

ولو دفعها مزارعة فاما علی مذهبهما فالمزارعة جائزة والعشر یجب فی الخارج والخارج بینهما فیجب العشر علیهما۔[2]

محور پنجم کے پانچویں سوال میں کہا گیا ہے کہ کیا عشر کا وجوب پیداوار کی ہر مقدار پر ہے؟ ۷/۲

تو جواب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہے خواہ وہ مقدار قلیل ہو یا کثیر، اسی طرح پیداوار میں سے ہر اس چیز پر عشر واجب ہے جس کو زمین میں بویا جاتا ہو اس کی حفاظت کی جاتی ہو اور اس سے مالک ارض کو آمدنی مقصود ہو عشر کے وجوب کے لئے امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک نہ کوئی نصاب شرط ہے نہ بقاء نہ حولان حول۔ البتہ صاحبین اور دیگر ائمہ کرام کے نزدیک پیداوار میں نصاب کا ہونا شرط ہے اور وہ پانچ وسق کی مقدار ہے۔ اسی طرح بعض ائمہ خضراوات میں عشر کے قائل نہیں ہیں۔

---

(۱) بدائع ۲/۶۲ (۲) بدائع ۲/۵۶۔

زمین سے پیدا ہونے والی بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ جس میں بالاتفاق عشر واجب نہیں ہے۔ جیسے خودرو گھاس۔ نرکل۔ جھڑی۔ جنگلی درخت جو سوختہ کے کام میں آتے ہوں اور اسی طرح اشنان اور بعض ادویہ وغیرہ پانی میں پیدا ہونے والی چیزیں جیسے سنگھاڑا وغیرہ، چونکہ زمین کی پیداوار کے قبیل سے نہیں ہے۔ لہٰذا اس میں عشر واجب نہیں ہوگا۔ البتہ اگر کسی جگہ باقاعدہ اس کی کاشت ہوتی ہو اور قصداً اس کو لگایا جائے اور پیداوار کی طرح آمدنی مقصود ہو تو عشر واجب ہونا چاہئے۔ میری رائے تو یہی ہے۔ والعلم عنداللہ۔

اگر زمین عشری ہے یا زمین کی سینچائی عشری پانی سے ہوتی ہو تو عشر واجب ہوگا۔ لیکن اگر روپیہ پیسہ خرچ کرکے پانی حاصل کیا گیا ہو اور اس سے زمین کی سیرابی ہوئی ہو یا ایسے نہروں سے اس کی سیرابی ہوئی ہو۔ جو ملوک ہو تو پھر اس میں نصف عشر واجب ہوگا۔ جیسا کہ درمختار میں اس کی یہی تفصیل موجود ہے،

"وهكذا يجب العشر في ثمرة جبل أو مفازة إن حماه الإمام لأنه مال مقصود لا إن لم يحمه لأنه كالصيد ويجب في مسقى سماء أي مطر وسيح كنهر بلا شرط نصاب راجع للكل وبلا شرط بقاء وحولان حول إلا فيما لا يقصد به استغلال الأرض نحو حطب وقصب فارسي وحشيش وتبن وسعف وصمغ وقطران وخطمي واشنان وشجر قطن وباذنجان وبذر بطيخ وقثاء وأدوية كحلبة وشونيز حتى لو اشتغل أرضه بها يجب العشر ويجب نصفه في مسقى غرب أي دلو كبير ودالية أي دولاب لكثرة المؤنة إلى قوله بلا دفع مؤن أي كلف الزرع وبلا إخراج البذر لتصريحهم بالعشر في كل الخارج." [1]

وفي الهداية: قال ابوحنيفة في قليل ما أخرجته الارض وكثيره العشر سواء سقي سيحا او سقته السماء إلا القصب والحطب والحشيش وقالا لا يجب العشر إلا فيما له ثمرة باقية إذا بلغ خمسة اوسق. والوسق ستون صاعاً بصاع النبي صلى الله عليه وسلم وليس في الخضراوات عندهما عشر. [2]

---

(۱) درمختار باب العشر ۱/۱۳۹

(۲) هدايه ۱/۲۰۱-

محور پنجم کے سوال ۳ اور ۴ کا جواب یہ ہے کہ:

مچھلی چونکہ زمین کی پیداوار میں سے نہیں ہے اور عشر کا وجوب "مما اخرجنا لکم من الارض" سے ہے۔ اس لئے اس کو زراعت قرار دینے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں ہے لہٰذا اس میں عشر واجب نہیں ہوگا۔ بلکہ مچھلی کی آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ بشرطیکہ اس کی قیمت نصاب کی مقدار کو پہونچ جائیں اور اس پر سال گزر جائے۔

۴۔۔۔۔ ریشم بظاہر تو کیڑے سے حاصل شدہ ایک چیز ہے مگر دراصل اس کا تعلق زمین کے ہی پیداوار سے ہے۔ کیونکہ کیڑے درخت کے پتوں سے پلتے ہیں اور ان درختوں کو باقاعدہ زمین میں لگایا جاتا ہے۔ اس کی دیکھ بھال کی جاتی ہے اور اس سے ریشم حاصل کرنا ہی مقصود ہوتا ہے جیسے شہد کی مکھیوں کو پالا جاتا ہے اور شہد کی مکھیاں پھولوں اور پھلوں سے رس چوس کر شہد کی تیاری کرتی ہیں اور اسی وجہ سے شہد میں حنفیہ کے نزدیک عشر واجب ہے۔ تو اسی طرح ریشم کا بھی حال ہے۔ لہٰذا اس میں عشر واجب ہوگا۔ کم از کم میری تو یہی رائے ہے۔

سوال ۵ کا جواب:

زمین میں خواہ پھلدار درخت لگائے جائیں یا غیر پھل دار ایسے درخت لگائے جائیں جس سے وہ لکڑی حاصل کرنا مقصود ہو جس سے گھروں میں استعمال ہونے والے فرنیچر یا دروازے کھڑکیاں وغیرہ تیار کی جائیں دونوں ہی مقصود ہیں اور اس کی نگرانی اور حفاظت بھی کی جاتی ہے۔ لہٰذا دونوں صورتوں میں عشر واجب ہونگے

فإن الأرض يشتغل بهما فهما يغرس للغلة

محور پنجم کا سوال ۶

خضراوات ایسی سبزیاں جو زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتی ہیں اور بار بار وقفہ وقفہ سے نکلتی اور ٹوٹتی رہتی ہیں اور اس سے تجارت و نفع حاصل کرنا ہی مقصود ہوتا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ جتنی مرتبہ بھی پھل حاصل ہوں گے یعنی درخت سے پھل توڑے جائیں گے اس کا دسواں حصہ فقراء اور مساکین پر تقسیم کرنا واجب ہوگا۔ یعنی عشر نکالنا ہوگا۔ کذا فی البدائع:

لو أخرجت الأرض في السنة مرارا يجب العشر في كل مرة لأن نصوص العشر مطلقة عن شرط الحول ولأن العشر في الخارج حقيقة فيتكرر الوجوب بتكرر الخارج۔ [1]

---

[1] بدائع ۲/ ۶۲۔

اور گھر کی چھتوں پر یا گھر کے آس پاس رہائشی زمین میں جو سبزیاں وغیرہ لگائے جاتے ہیں اس پر عشر وغیرہ کچھ واجب نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مکان کے ساتھ جو ملحق صحن وغیرہ یا باغ ہوا کرتا ہے وہ نہ عشری زمین ہے نہ خراجی۔ بلکہ وہ رہائشی مکان کے تابع ہے۔ البتہ اگر مکان کے اطراف میں مزروعہ زمین ہے اور عشری ہے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔ اور اگر خراجی زمین ہے تو اس میں خراج واجب ہوگا۔

محور پنجم کا ساتواں سوال ——— اور اس کا جواب۔

سوال:— اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر واجب ہے یا نہیں۔ خصوصاً وقف علی الاولاد کی اراضی ہیں؟

جواب:— اوقاف کی زمینوں میں بھی عشر واجب ہے خواہ وہ وقف علی الاولاد ہو یا وقف علی غیر الاولاد۔ چنانچہ بدائع میں ہے

وکذا ملک الأرض لیس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملک الخارج فیجب فی الأراضی التی لا مالک لها وهی الأراضی الموقوفة لعموم قوله تعالی یاأیها الذین آمنوا أنفقوا من طیبات ما کسبتم ومما أخرجنا لکم من الأرض۔

اسلام کا نظام عشر و خراج

از ـــ مولانا ابو سفیان مفتاحی۔ جامعہ عربیہ مفتاح العلوم مئو ناتھ بھنجن یو.پی

جواب محور اول

عشر و خراج شریعت اسلامی کے دو اصطلاحی لفظ ہیں۔ ان دونوں میں ایک بات مشترک ہے کہ اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ٹیکس کی ایک حیثیت دونوں میں ہے۔ فرق یہ ہے کہ عشر فقط ٹیکس نہیں بلکہ اس میں ٹیکس سے زیادہ اصلی حیثیت عبادت مالی کی ہے۔ مثل زکوٰۃ کے اس لئے اس کو زکوٰۃ الارض بھی کہا جاتا ہے۔

اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کی کوئی حیثیت نہیں۔ مسلمان چونکہ عبادت کے اہل اور پابند ہیں ان سے زمین کی پیداوار کا جو حصہ لیا جاتا ہے اس کو عشر کہتے ہیں۔ اور غیر مسلم چونکہ عبادت کے اہل نہیں۔ ان کی زمینوں پر جو کچھ عائد کیا جاتا ہے اس کا نام خراج ہے۔

عملی طور پر عشر و خراج میں یہ بھی فرق ہے کہ سونا۔ چاندی اور مال تجارت کی زکوٰۃ سال گزرنے کے بعد عائد ہوتی ہے اور عشر زمین سے پیداوار کے حاصل ہوتے ہی واجب ہو جاتا ہے۔ دوسرا فرق یہ بھی ہے کہ اگر زمین سے کوئی پیداوار نہ ہو تو عشر ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن اموال تجارت۔ سونے اور چاندی پر اگر کوئی نفع نہ ہو تب بھی سال پورا ہونے پر ان پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔[1]

---

[1] ۔ معارف القرآن ۱/۳۰

اراضی خراج وعشر

اراضی خراجی

اگر کوئی ملک وحکومت صلح کے ساتھ فتح ہوئی تو اس کی زمینوں کے سارے معاملات ان صلح کے شرطوں کے مطابق ہوں گے جن پر صلح کا معاہدہ ہوا ہے۔ اگر صلح نامہ میں یہ شرط ہے کہ وہاں کے باشندے اپنے مذہب غیر اسلام پر رہیں گے اور زمینیں حسب دستور انھیں لوگوں کی ملک رہیں گی جن کی ملک میں اب تک تھیں تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج لگا دیا جائے گا اور یہ اراضی ہمیشہ کے لئے خراجی ہو جائیں گی کیونکہ ان کے مالک غیر مسلم ہیں اور ان کی زمینوں کے لئے خراج کا حکم متعین ہے۔

اسی طرح اگر کوئی ملک وحکومت جنگ کے ذریعہ فتح ہوئی مگر فتح کے بعد امام المسلمین نے اس کی زمینوں کو مجاھدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے اختیار سے سابق مالکوں کی ملکیت حسب دستور قائم رکھی تو یہ زمینیں بھی سب خراجی زمین قرار پائیں گی جیسے شام وعراق اور مصر کی زمینوں کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضؓ نے یہی معاملہ فرمایا۔ بجز خاص حصوں کے جو مسلمانوں کو دیئے گئے یا بیت المال میں رکھے گئے۔

اراضی عشری

اور اگر کوئی ملک وحکومت صلح کے ساتھ بایں طور فتح ہوئی کہ وہاں کے باشندے بھی مسلمان ہو گئے تو اس صورت میں ان کی زمینیں بدستور انھیں کی ملک رہیں گی اور ان پر عشر کا ادا کرنا واجب ہوگا اور یہ زمینیں عشری قرار پائیں گی۔ جیسے مدینہ منورہ کی زمین کہ یہاں کے باشندوں نے مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں تشریف لانے کی دعوت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول فرمائی۔ بنا بریں مدینہ منورہ کی عشری قرار دی گئیں۔

یا کوئی ملک وحکومت جنگ کے ذریعہ فتح ہوئی اور امام المسلمین نے اس کی زمینیں مال غنیمت کے قاعدہ واصل سے چار حصے مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیئے اور پانچویں حصہ کو بیت المال میں داخل کر دیا۔ اس صورت میں تقسیم کے بعد جو زمینیں مجاھدین کی ملکیت میں آئیں گی وہ سب عشری قرار پائیں گی۔ جیسے خیبر کی زمین کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا اور ان پر عشر ادا کرنا لازم کیا گیا

اور ایسی زمینیں جو ملک فتح ہونے کے وقت نہ کسی کی ملک میں تھیں نہ قابلِ زراعت۔ بعد میں ان کو اسلامی امیر کی اجازت سے قابلِ زراعت بنایا گیا۔ یا آبادی میں کوئی مکان تھا اس کو باغ یا قابلِ کاشت زمین بنا لیا گیا تو اگر ایسا کرنے والے غیر مسلمین ہیں تو ان کی یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی۔

اور اگر مسلمانوں نے ان کو قابلِ زراعت بنایا ہے تو اس صورت میں ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا دار و مدار امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قرب وجوار کی زمینوں پر ہوگا۔ اگر وہ عشری ہیں تو اس کو بھی عشری قرار دیا جائے گا۔ اور اگر قرب وجوار کی زمینیں خراجی ہیں تو اس کو بھی خراجی سمجھا جائے گا۔ اور اگر قرب وجوار میں دونوں طرح کی زمینیں ہوں تو یہ نئی آباد شدہ زمینیں عشری ہوں گی۔

اور امام محمدؒ کے نزدیک ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا دار و مدار اس پانی پر ہوگا جس پانی سے ان زمینوں کو سیراب کیا جاتا ہے اور سینچا جاتا ہے۔ اگر وہ پانی عشری ہے تو زمینیں بھی عشری قرار پائیں گی۔ اور اگر وہ پانی خراجی ہے تو وہ زمینیں بھی خراجی قرار پائیں گی۔

علامہ شامیؒ نے امام ابو یوسفؒ کے قول "کہ ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا دار و مدار قرب وجوار کی زمینوں پر ہوگا" کو قابلِ اعتماد قرار دیا ہے۔[1]

خراجی یا عشری پانی کی تفصیل

خراجی یا عشری پانی

بارش کا پانی اور کنوؤں اور قدرتی چشموں کا پانی۔ اسی طرح بڑے دریا اور ندیاں جو قدرتی طور سے جاری ہیں۔ نہ ان کے جاری کرنے میں کسی کے عمل کو دخل ہے اور نہ وہ عادۃً کسی کی ملکیت میں ہوتے ہیں جیسے عراق میں دجلہ و فرات اور مصر میں نیل اور خراسان میں سیحون اور جیحون اور ہندوستان میں گنگا و جمنا اور پنجاب کے بڑے دریا یہ سب عشری پانی ہیں۔

اور وہ نہریں جو حکومت یا کسی جماعت نے اپنی محنت و خرچ کے ذریعہ نکالی ہیں اور وہ عادۃً نکالنے والوں کی ملک ہوتی ہیں جیسے ان دریاؤں سے نکلنے والی نہریں۔ نہر گنگ و جمنا وغیرہ۔ چونکہ اسلامی فتح سے پہلے

---

[1] شامی ۳/۳۵۰۔

غیر مسلموں کی ملک تھی۔ اس لئے ان کا پانی خراجی پانی ہے[1]۔

زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا اصل ضابطہ وقاعدہ مذکورہ بالا ہی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل اس پر شاہد ہے۔

کچھ استثنائی صورتیں

البتہ بعض مواقع میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل یا صحابۂ کرام رضؓ کے اجماع کی بنیاد پر اس ضابطے کسی قدر مختلف استثنائی صورتیں بھی عمل میں آئی ہیں۔ ان کا ہمیشہ اسی طرح قائم رکھنا لازم ہے مثلاً مکہ مکرمہ قہراً فتح ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ سابق مالکان کو ان پر برقرار رکھا، مذکورہ ضابطہ کا تقاضا یہ تھا کہ مکہ مکرمہ کی زمینوں پر خراج عائد ہوا اور وہ ہمیشہ کے لئے خراجی قرار پائیں۔ لیکن ملک العلماء امام کاسانی صاحب بدائع نے فرمایا کہ اس معاملہ میں قیاس کو اس لئے چھوڑ دیا گیا کہ رسول اللہ صلعم نے احترام حرم کی وجہ سے اس کی زمینوں پر خراج عاید نہیں فرمایا۔ اس لئے مکہ مکرمہ کی زمین عشری ہیں۔

اسی طرح شہر بصرہ جو حضرت فاروق اعظم رضؓ کے زمانۂ خلافت میں بسایا گیا۔ یہ غیر آباد زمین تھی مسلمانوں نے اس کو آباد کیا اور قابل زراعت بنایا۔ مگر اس کا محل وقوع عراق کی خراجی زمینوں کے متصل ہے۔ اس لئے امام ابو یوسفؒ کے قول پر ضابطہ مذکورہ کا تقاضا یہ تھا کہ اس کی زمینیں بھی خراجی قرار دی جائیں۔ مگر باجماع صحابۂ کرام اس کی زمینوں پر عشر عائد کیا گیا۔ اس لئے یہ ہمیشہ کے لئے عشری ہیں[2]۔

زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے میں عہد رسالت وخلفاءِ راشدین کے کچھ فیصلے

پورے جزیرۃ العرب کی زمینوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عشری قرار دیا ہے اور خلفاء راشدین اور بعد کے ملوک اسلام نے اسی طرح جاری رکھا۔

علامہ شامی نے ذکر کیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں پانچ خطے شامل ہیں تہامہ۔ نجد۔ حجاز۔ عروض۔ یمن۔

---

[1] شامی ۳/۳۵۹۔ جواهر الفقه ۲/۲۵۰۔ المغنی لابن قدامة ۲/۶۹۸

[2] شامی ۳/۳۵۰ - ۳۵۲۔

حجاز کی جنوب جانب کا نام تہامہ ہے اور حجاز و عراق کے درمیانی حصے کا نام نجد ہے۔ اور حجاز وہ پہاڑی سلسلہ ہے جو یمن سے شروع ہو کر حدود شام تک پہونچا ہے۔ اسی میں مدینہ منورہ اور شام کا ساحل عمان شامل ہے اور عرض یمامہ سے بحرین تک ہے۔ یمن میں عدن بھی داخل ہے۔ ؎۱

اسی طرح عراق عرب کی کل زمینیں خراجی ہیں جضرت فاروق اعظم رضؓ نے جب اس ملک کو فتح کیا تو تمام صحابہ کرام کے سامنے اس کی زمینوں پر خراج کا حکم جاری فرمایا۔ عراق عرب کی حدود طولاً عذیب علاقہ کوفہ سے عقبۂ حلوان قریب بغداد تک۔ اور عرضاً علث شرق دجلہ سے ساحل عبادان تک ہے۔ ؎۲

سرزمین عرب کے عشری ہونیکی وجہ

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے سرزمین عرب سے خراج وصول نہیں کیا اور اسلئے کہ خراج بمنزلۂ فیٔ ہے۔ لہٰذا سرزمین عرب میں خراج ثابت نہ ہوگا جس طرح کے ان کی ذاتوں میں خراج ثابت نہیں۔

سرزمین عرب پر خراج نہ لگانے کی وجہ

اور سرزمین عرب پر خراج نہ لگانا اس لئے ہے کہ خراج نافذ کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہاں کے باشندوں کو کفر پر باقی رکھا جائے جیسا کہ سواد عراق میں ہے۔ اور مشرکین عرب سے صرف اسلام اور جہاد قبول ہوگا۔ اور مسلمان سے خراج وصول نہیں ہوتا۔ بنا بریں جزیرۃ العرب کا پورا خطہ عشری ہی ہوگا۔ ؎۳

اراضی شام و مصر

اور اراضی شام و مصر میں جن پر مالکان سابق کو بدستور قائم رکھا گیا۔ ان پر خراج عائد فرمایا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نصاری بنی نجران سے ایک خاص طرح کے خراج پر صلح فرمائی۔ وہ یہ کہ دو ہزار جوڑے کپڑے کے سالانہ ادا کیا کریں۔ نصف ماہ رجب میں اور نصف ماہ محرم میں اور یہی طریقہ بغداد تک جاری رہا۔ ؎۴

؎۱ شامی ۳۵۰/۲ ؎۲ شامی ۳۵۱/۲ ھدایہ ۵۷۰/۲

؎۳ ھدایہ ۵۷۰/۲ ؎۴ بدائع ۵۸/۲۔

نصاریٰ بنی تغلب سے حضرت عمر بن خطابؓ نے اس پر مصالحت فرمائی کہ ان سے خراج کے بجائے دوگنا عشر وصول کیا جائے۔ مگر شرعی حیثیت سے یہ دوگنا عشر بھی بحکم خراج تھا اور خراج ہی کے مصارف میں صرف ہوتا تھا۔ ؎۱

صاحب ھدایہ کی ذکر کردہ حدیث پر علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں یہ اعتراض کردیا ہے کہ کتب حدیث میں اس کی اصل نہیں ملتی اور اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ تو صاحب بحر علامہ ابن نجیم نے فرمایا کہ اس کا جواب یہ ہے کہ عدم محتاج اصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر اہل عرب سے خراج وصول کیا گیا ہوتا تو وہ ضرور نقل ہوتا۔ اور جب کہیں منقول نہیں تو اس نے دلالت کیا کہ خراج وصول نہیں کیا گیا۔ ؎۲

نیز علامہ محقق ابن الہمام نے ذکر کیا ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب سے خراج وصول کیا ہوتا تو عادت کا تقاضا یہ تھا کہ منقول ہوتا گو ضعیف ہی سند سے۔ اور جب منقول نہیں تو عادت کے تقاضے نے اس بات کو بتلایا کہ ان سے خراج وصول نہیں کیا گیا۔ ؎۳

حضرت فاروق اعظمؓ نے جس وقت سواد عراق کو فتح کیا تھا تو اس پر خراج نافذ کردیا۔ تمام صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں۔ ؎۴

علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ یہ اتنا زیادہ مشہور ہے کہ اس سلسلہ میں کسی متعین اثر نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ ؎۵ حضرت عمرو بن العاصؓ جس وقت مصر فتح کیا تھا تو حضرت علی رضؓ نے اس پر خراج نافذ کیا تھا اسی طرح تمام صحابہ کرام کے اجماع سے ملک شام پر خراج نافذ کیا گیا تھا۔ ؎۶ امام ابو عبید نے کتاب الاموال میں ایک باب قائم کیا ہے کہ "اہل صلح کفار میں جو مسلمان ہوجائے تو اس کی زمین خراجی ہوگی یا عشری؟" اس سلسلہ میں امام زہری فرماتے ہیں کہ اہل صلح کفار میں سے جو مسلمان ہوجائے گا اس کا اسلام مقبول ہوگا اور اس کا اسلام اس کے جان و مال کو محفوظ کردے گا سوائے زمین کے۔ کیوں کہ ان کی زمین مسلمانوں کے لئے مال غنیمت ہے اس وجہ سے کہ وہ اول وہلہ میں مسلمان نہ ہوا۔

امام ابو عبید فرماتے ہیں۔ امام زہری اپنے اس قول "اس کی زمین مسلمانوں کے لئے مال غنیمت ہوگی" سے

؎۱ بدائع ۲/۵۹ ؎۲ بحر ۵/۱۱۳ ؎۳ فتح القدیر ۵/۲۸۹

؎۴ ھدایہ ۲/۵۴۰ ؎۵ فتح القدیر ۵/ ۲۸۰ ؎۶ ھدایہ ۲/۵۴۰

یہ مراد نہیں لیتے کہ اس کے مسلمان ہونے کے بعد اس سے اس کی زمین سلب کر لی جائے گی۔ بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ وہ زمین علی حالہٖ خراجی زمین ہوگی۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کے لئے مال غنیمت ہے اور اس کی زمین سے مسلمانوں کی ملکیت کی زمین کی طرح عشر وصول نہ ہوگا۔ اور یہ ان لوگوں کا مذہب ہے جو اہل صلح کی زمین کی بیع وشرار کو مکروہ کہتے ہیں ــــــ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے بھی کچھ ایسے ہی مروی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ جس قوم سے جزیہ پر صلح کیا گیا ہو تو جو ان میں سے مسلمان ہو جائے تو اس کی زمین اس کے باقی لوگوں کی ملکیت ہوگی۔

اور امام مالکؒ اس کے علاوہ فرماتے تھے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اہل صلح میں سے جو مسلمان ہو جائے تو وہ مسلمان ہونے والا اپنی زمین کا زیادہ حقدار ہوتا ہے۔ امام ابوعبید فرماتے ہیں کہ امام ابن سیرین سے کچھ اسی کے مشابہ مروی ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا ہے کہ سواد میں وہ زمین داخل ہے جو غلبہ سے لی گئی ہو اور سواد ہی میں وہ زمین بھی ہے جو صلحاً ہو۔ تو جو زمین صلحاً ہوگی وہ اہل صلح کا مال ہوگی اور جو غلبہ سے ہوگی وہ مسلمانوں کی ہوگی۔

امام ابوعبید فرماتے ہیں کہ ابن سیرین اور امام مالک کے مذہب کی تاویل کی بنا پر صلح کی زمین کی بیع و شرار میں کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ وہ انھیں کی ملک ہے ــــــ اسی طرح حسن بن صالح سے بھی مروی ہے کہ وہ اس کی بیع وشرار میں کچھ حرج نہیں سمجھتے۔ اور غلبہ کی زمین کی بیع وشرار کو مکروہ کہتے تھے۔

امام ابوعبید فرماتے ہیں کہ اس مذہب میں بھی مناسب ہے کہ جب اہل صلح مسلمان ہو گئے تو ان کی زمین عشری ہو گئی۔ کیونکہ وہ زمین انھیں کی ملک ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رح اس کے علاوہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ امام محمد رح نے ان سے روایت کرتے ہوئے مجھ کو خبر دیا کہ امام ابوحنیفہ رح فرماتے تھے کہ اہل صلح میں جو مسلمان ہو جائے یا کوئی مسلمان زمین اہل صلح سے خریدے تو صلح اپنے حال پر باقی رہے گی یعنی اس کی زمین خراجی ہوگی۔ [1]

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ:

زمین کی دو قسمیں ہیں (۱) صلح کی زمین (۲) غلبہ کی زمین۔

صلح کی زمین ہر وہ زمین ہے جس کے باشندوں سے زمین پر اس شرط پر صلح کی گئی کہ وہ زمین ان کی ملک رہے گی۔ اور لوگ خراج معلوم ادا کریں گے تو یہ زمین اس کے باشندوں کی ملک رہے گی۔ اور یہ خراج جزیہ کے حکم

---

[1] اوجز المسالک ۴/۱۰۵-۱۰۶۔

میں ہے. جب وہ مسلمان ہوجائیں گے تو ان سے خراج ساقط ہوجائے گا. اور ان کے لئے اس زمین کی بیع وہبہ اور رہن جائز ہے کیونکہ وہ انھیں کی ملک ہے. اسی طرح اگر ان سے صلح کرلی گئی ہے کسی ایسی چیز کے ادا کرنے پر جو زمین پر متعین نہیں ہے تو یہ صلح کی زمین بھی خراجی ہوگی. اور اسی طرح ہر وہ زمین جس پر اس کے باشندے مسلمان ہوئے. جیسے مدینہ منورہ کی زمین اور اس کے مثل تو یہ اس کے باشندوں کی ملک ہوگی. اس پر خراج لازم نہ ہوگا. اور ان کو اس زمین میں جیسے چاہیں تصرف کرنے کا حق ہوگا.

اور دوسری وہ زمین جو غلبہ سے فتح کی گئی ہے تو وہ زمین ہے کہ وہاں کے باشندوں کو بذریعہ تلوار نکالا گیا ہو اور مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کی گئی تو یہ مسلمانوں کے لئے وقف زمین ہوگی. اس پر معلوم و متعین خراج نافذ کیا جائے گا. جو سالانہ وصول کیا جائے گا جو زمین کی اجرت ہوگی اور وہ اس کے مالکان کے قبضہ میں رہے گی. جب تک وہ اس کا خراج دیتے رہیں گے اور چاہے مسلمان ہو یا ذمی. اور اس کے مالکان کے اسلام سے خراج ساقط نہ ہوگا. اور نہ اس زمین کے دوسرے مسلمان کی طرف منتقل ہونے سے ہی. کیونکہ وہ زمین کی اجرت کے درجہ میں ہے اور ہم کو یہ معلوم نہ ہوسکا ہے کہ جو زمین غلبہ سے فتح ہوئی ہوا سے مسلمانوں کے درمیان تقسیم کیا گیا بجز خیبر کی زمین کے. اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی نصف زمین کو تقسیم کر دیا تھا تو وہ نصف پانے والوں کی ہوگئی. اس پر خراج نہیں لگا. اور باقی غلبہ سے فتح شدہ زمین جس کو عمر بن خطابؓ اور ان کے بعد کے لوگوں نے فتح کیا تھا جیسے شام و عراق اور مصر وغیرہ کی زمینیں تو اس میں سے کچھ بھی تقسیم نہیں ہوئی.

چنانچہ امام ابوعبید نے کتاب الاموال میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضہ جابیہ تشریف لے گئے تو مسلمانوں کے درمیان تقسیم زمین کا ارادہ فرمایا تھا تو حضرت معاذ بن جبلؓ نے نکیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر آج آپ اس کو تقسیم کردیں گے تو بڑی پیداوار قوم کے قبضہ میں ہوجائے گی تو لوگوں کے مرنے کے بعد کسی مرد و عورت کی طرف لوٹ جائے گی. پھر دوسرے لوگ آئیں گے جو اسلام سے روکیں گے اور وہ کچھ بھی نہ پائیں گے. لہٰذا آپ ایسے امر کے باب میں غور فرمالیجئے جو اول و آخر لوگوں کے لئے گنجائش رکھے. چنانچہ حضرت عمر رضہ نے حضرت معاذ رضہ کے قول کی جانب رجوع فرمائے.

اور یہ بھی روایت ہے کہ حضرت بلال رضہ نے حضرت عمر رضہ سے ان دیہاتوں کے بارے میں فرمایا جن کو لوگوں نے غلبہ سے فتح کیا تھا کہ ان کو ہمارے درمیان تقسیم کردیں اور خمس لے لیں تو اس پر حضرت عمر رضہ نے فرمایا نہیں! یہ تو عین مال ہے. لیکن میں تو اس کو غنیمت کے طور پر رکھوں گا جو ان پر اور مسلمانوں پر جاری رہیگی،

جب حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر فتح کیا تو ابن زبیرؓ نے فرمایا۔ اے عمرو بن العاص اسے تقسیم کر دیں تو انھوں نے فرمایا میں تقسیم نہیں کروں گا۔ تو ابن زبیرؓ نے کہا آپ ضرور تقسیم کریں جیسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کو تقسیم کیا تھا تو عمرو بن العاص نے فرمایا۔ میں اس کو تقسیم نہیں کروں گا۔ یہاں تک کہ امیر المومنین کو لکھ دوں چنانچہ امیر المومنین کو لکھا۔ حضرت عمرؓ نے ان کو جواب لکھا کہ اسے چھوڑ دو۔

قاضیؒ کہتے ہیں کہ نہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور نہ کسی صحابی سے کہ خیبر کی زمین کے سوا کوئی زمین جو غلبہ سے فتح ہوئی ہو تقسیم کی گئی ہو۔

جس زمین پر اس کے باشندوں نے مسلمانوں سے اس شرط پہ صلح کی کہ وہ زمین باشندوں کی ملک رہے گی اور مسلمانوں کو اس کا خراج دیا جائے گا تو یہ خراجی زمین کا خراج جزیہ کے حکم میں ہوگا۔ پھر جب اہل صلح مسلمان ہو جائیں گے تو خراج ساقط ہو جائے گا۔[۱]

اور اگر وہ زمین کسی مسلمان کی طرف منتقل ہو گئی تو اب ان پر خراج نہ رہے گا چنانچہ حضرت علاء بن الحضرمیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو بحرین اور ہجر بھیجا تو میں اس باغ میں جاتا جو چند بھائیوں کے درمیان مشترک ہوتا جن میں ایک مسلمان ہوجاتا تو میں مسلمان سے عشر لیتا اور مشرک سے خراج۔[۲]

اسی طرح ہر وہ زمین جس پر اس کے باشندے مسلمان ہو گئے جیسے سرزمین مدینہ منورہ تو یہ انھیں کی ملکیت ہوگی۔ ان پر خراج لازم نہ ہوگا نہ کوئی اور چیز اور یہ زمین عشری رہے گی۔ اس کی پیداوار پر باتفاق عشر واجب ہوگا۔

علامہ ابن منذرؒ کہتے ہیں کہ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ ہر وہ زمین جس پر اس کے باشندے مسلمان ہو گئے ہوں غلبہ سے پہلے تو وہ زمین انہی کی ملک ہوگی۔ اور ان کے احکام مسلمانوں کے احکام کی طرح ہوں گے اور ان کی زمین کی پیداوار میں وہی واجب ہوگا جو مسلمانوں پر واجب ہوتا ہے۔ یعنی عشر، پیداوار کی زکوٰۃ۔[۳] اور جو زمین ظلم سے فتح ہوا اور مسلمانوں پر وقف ہو جائے اور ان پر خراج لگا دیا گیا ہو تو وہ خراجی زمین ہوگی۔ اس کی پیداوار سے خراج وصول ہوگا۔ اور یہی خراجی زمین کا بھی حکم ہے۔ یہی حضرت عمر بن عبدالعزیز۔ زہری۔ یحییٰ انصاری ربیعہ۔ اوزاعی اور امام مالک۔ سفیان ثوری۔ مغیرہ۔ لیث۔ حسن بن صالح۔ ابن ابی لیلیٰ۔ ابن مبارک۔ امام شافعی۔ اسحاق اور ابو عبید کا قول ہے۔[۴]

---

[۱] المغنی لابن قدامہ ۲/۱۶، [۲] رواہ ابن ماجہ [۳] المغنی ۲/۳۵، [۴] المغنی ۲/۲۶۔

صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے کہ امام المسلمین نے جب کوئی شہر غلبہ سے فتح کیا ہو تو اسے اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دے۔ جیسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کیساتھ کیا تھا۔ اور اگر چاہے تو اس کے باشندوں کو اس پر باقی رکھے اور ان پر جزیہ لگا دے اور ان کی زمینوں پر خراج۔ ایسے ہی حضرت عمر رضہ نے صحابہ کرام رضہ کی موافقت سے سواد عراق کے ساتھ کیا تھا۔

اور ہر وہ زمین جس کے باشندے مسلمان ہو گئے ہوں یا وہ غلبہ سے فتح کی گئی ہو اور مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی ہو تو وہ عشری زمین ہو گی۔ اور وہ زمین جو غلبہ سے فتح ہوئی ہے پھر اس کے باشندوں کو اس پر باقی رکھا گیا ہو تو وہ خراجی زمین ہو گی۔ اسی طرح جب اس زمین کے باشندوں سے صلح کر لی گئی ہو تو وہ بھی خراجی ہو گی۔ اور اہل خراج میں جو مسلمان ہو جائے تو اس سے علی حالہٖ خراج وصول ہو گا۔ ______ مسلمان کے لئے ذمی سے اس کی خراجی زمین خریدنا جائز ہے اور اس سے خراج لیا جائے گا چونکہ بسند صحیح ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضہ نے خریدا ہے اور خود ہی خراج بھی ادا کرتے تھے۔[۱]

صاحب بحر علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ:

جو زمین غلبہ سے فتح ہوا اگر کفار کو اس پر باقی رکھا گیا ہو تو وہ خراجی زمین ہو گی جس سے خراج وصول ہو گا اگرچہ وہ بارش کے پانی سے سیراب کی گئی ہو۔ اور اگر فتح کے بعد وہ زمین مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئی ہو تو عشری ہو گی جس سے عشر وصول ہو گا۔ اگرچہ وہ نہروں کے پانی سے سیراب کی گئی ہو۔

اور جب معاملہ ایسا ہے تو وہ آباد زمین جو تقسیم نہیں کی گئی ہے اور اس کے باشندوں کو اس پر باقی نہیں رکھا گیا یا اس طور کہ اس زمین کو کسی مسلمان نے آباد کیا ہو تو اگر اس زمین تک نہروں کا پانی پہونچا ہو تو وہ خراجی ہے یا چشمہ وغیرہ کا پانی پہونچا ہو تو وہ عشری زمین ہو گی۔[۲]

علامہ شامی لکھتے ہیں کہ ہر وہ زمین جو غلبہ سے فتح کی گئی ہو اور اس کے باشندوں کو اس پر باقی رکھا گیا ہو یا ان سے صلح کر لی گئی ہو اور ان کی زمینوں پر خراج لگا دیا گیا ہو تو وہ زمین انھیں باشندوں کی ملکیت ہو گی۔

اسی طرح شام و مصر کی زمین قول صحیح کی بنا پر غلبہ سے فتح ہوئی ہے اور ان کے باشندوں کو خراج کی شرط کے ساتھ باقی رکھا گیا تو امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں کہا ہے کہ یہ زمینیں جب تقسیم کر دی جائیں گی تو عشری ہوں گی

---

[۱] اوجز المسالک ۴/۱۰۰۔ [۲] بحر ۱۱۳/۵

اور اگر ان زمینوں کو امام المسلمین ان کے باشندوں کے قبضہ میں چھوڑ دے جن پر وہ مغلوب ہوئے ہیں تو یہ بہتر ہوگا کیونکہ مسلمانوں نے شام و عراق اور مصر کو فتح کیا اور کچھ بھی مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ حضرت عمرؓ نے ان پر خراج لگایا خمس نہیں۔ تو اس سے یہ مستفاد ہوا کہ وہ زمینیں ان کے باشندوں کی ملکیت ہیں اور خراجی ہیں۔[1]

عشری اراضی کے اقسام

امام زیلعی نے ذکر کیا ہے کہ امام ابو عبید نے کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ عشری زمینوں کی چار قسمیں ہیں۔

۱ ـــــ وہ زمین جس کے باشندے مسلمان ہو گئے تو وہی اس کے مالک ہوں گے جیسے مدینہ منورہ، طائف، یمن اور بحرین اور اسی طرح مکہ مکرمہ گو وہ غلبہ سے فتح ہوا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے باشندوں پر احسان کرتے ہوئے ان کی جانوں سے کچھ تعرض نہیں کی اور ان کے اموال کو غنیمت نہیں قرار دیا۔

۲ ـــــ ہر وہ زمین جو غلبہ سے فتح ہوئی پھر امام المسلمین نے اس کو فیئ موقوف بنانا مناسب نہیں سمجھا لیکن اس کو غنیمت بنانا مناسب سمجھا تو اس کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیا جنھوں نے فتح کیا تھا۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کے ساتھ کیا تو وہ بھی فتح کرنیوالے مسلمانوں کی ملک ہوگی اور عشری ہوگی۔ اسی طرح وہ تمام سرحدیں جب مجاھدین فاتحین میں تقسیم کی گئیں اور اس سے خمس الگ کر دیا گیا ہے تو وہ بھی عشری زمین ہوگی۔

۳ ـــــ ہر وہ عاربت کی زمین جس کا کوئی مالک نہیں اور نہ کوئی آباد کرنے والا ہے تو امام المسلمین نے بطور جاگیر کسی کو دے دیا جزیرۃ العرب وغیرہ میں سے تو وہ زمین بھی عشری ہوگی۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد کے خلفاء کا فعل ان زمینوں میں جن کو بطور جاگیر دیا تھا مثلاً یمن و یمامہ اور بصرہ۔

۴ ـــــ ہر غیر آباد زمین جس کو کسی مسلمان نے آباد کیا ہو ڈول اور پانی سے۔

یہ تمام وہ زمینیں ہیں جن میں عشر یا نصف عشر کی حدیث وارد ہے اور یہ تمام احادیث میں موجود ہے۔

---

[1] شامی ۳ / ۲۶۹۔

اللہ رب العزت نے ان زمینوں کی پیداوار سے صدقہ (عشر یا نصف عشر) واجب کیا ہے۔ اور ان شہروں کے علاوہ کی زمین یا تو غلبہ کی زمین ہوگی جو فئ بنادی گئی ہوگی جیسے سواد عراق، جبال، اہواز اور فارس، کرمان، اصبہان، رئی اور شام کی زمین اور مصر و مغرب۔

یا صلح کی زمین ہوگی جیسے نجران وایلہ واذرح ودومۃ الجندل وفدک اور اس کے مشابہ وہ جن کے باشندوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی ہے۔ یا آپ کے بعد ائمۃ المسلمین نے کیا ہے اور جیسے جزیرۃ العرب وبعض ارمینیہ کے شہر اور خراسان کے بہت سے علاقے۔

پس زمین کی یہ دونوں قسمیں صلح وغلبہ جو فئ بن گئیں لوگوں کے لئے عام ہوں گی۔

مفتوح زمینوں کے اقسام

اور مفتوح زمینوں کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔۔۔۔۔ وہ زمین جس کے باشندے مسلمان ہوگئے وہ انہی کی ملک ہوگی۔ اور وہ زمین عشری ہوگی۔ صرف عشر ہی واجب رہے گا۔

۲۔۔۔۔۔ وہ زمین جو خراج معلوم کی شرط پر صلح سے فتح ہوئی تو وہاں کے باشندوں پر اتنا ہی واجب ہوگا جتنے پر صلح ہوئی ہے۔ اس سے زیادہ لازم نہ ہوگا۔

۳۔۔۔۔۔ وہ زمین جو غلبہ سے لی گئی تو اس میں چند اقوال ہیں (۱) وہ مال غنیمت ہے اس میں خمس واجب ہوگا۔ اور چار حصے مجاہدین میں تقسیم ہوں گے۔ اور ایک حصہ اللہ رب العزت کے نام پر قرار کا ہوگا۔ (۲) امام المسلمین کو اختیار ہوگا۔ اگر چاہے تو اس کو غنیمت قرار دے پھر خمس نکالے اور باقی کو تقسیم کردے اور اگر چاہے تو اس کو مسلمانوں کے لئے وقف بنائے جب تک وہ باقی رہیں جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سواد عراق کے ساتھ کیا تھا۔[1]

جواب محور چہارم۔ اراضی ہند کی شرعی حیثیت

اس سلسلہ میں ہم نقول علماء پیش کرتے ہوئے نتیجہ ذکر کریں گے۔

---

[1] نصب الرایہ ۳ / ۱۴۹-۱۵۰۔

مورخہ ۴ کا سوال جس نمبر شمار کے ساتھ ہے۔ اسی ترتیب نمبر شماری کے ساتھ جواب ہے۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ مفتی اعظم دار العلوم دیوبند۔ نظام الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۴۱ میں تحریر فرماتے ہیں

۱۔۔۔۔ جو اراضی کاشت مسلمان کی ملکیت میں اسلامی زمانہ سے اسلامی حکومت کے دینے سے یا خود مسلمان ہو کر اپنی زمین پر مالک برقرار رہنے سے ابتک برابر چلی آرہی ہے حتیٰ کہ خاتمہ زمینداری کے بعد بھی اپنی ہی ملک میں باقی ہوا اور کبھی غیر مسلم کی ملک میں نہ گئی ہو وہ عشری ہے اور اس میں عشر نکالنا واجب ہے۔

پھر اگر فقط آسمانی یا بارش کے پانی سے سیراب ہو کر پیداوار ہوتی ہے۔ یا قدرتی دریاؤں کے سیلابی پانی سے سیراب ہو کر پیداوار ہوتی ہے تو ہر فصل کی پیداوار پر پیداوار حاصل ہوتے ہی عشر یعنی دسواں حصہ ادا کرنا واجب ہوجائے گا (ورنہ نصف عشر) بیسواں حصہ ادا کرنا واجب ہوگا۔

اور جو زمینیں مذکورہ بالا قیود و شرائط کے ساتھ مسلمانوں کی ملک میں نہیں ہیں وہ عشری نہیں ہونگی۔ اور اس کی پیداوار سے عشر نکالنا واجب نہ ہوگا۔ اگر نہ نکالے تو گنہگار نہ ہو۔

البتہ جس زمین کے بارے میں عشری کا اشتباہ ہو۔ عشری نہ ہونے کا یقین نہ ہو۔ اس کی پیداوار میں ہر فصل میں عشر کے قاعدہ کے مطابق دسواں حصہ یا بیسواں حصہ بلکہ کچھ زائد ہی کر کے احتیاطاً نکالتے ہی رہنا چاہیئے کہ باعث خیر و برکت ہی ہوگا۔۔۔۔ اوپر ذکر کی ہوئی قیود کا لحاظ کئے بغیر کسی زمین کا محض مسلمانوں کی ملک میں ہونا آج کل اس کے بالیقین عشری ہونے کے لئے کافی ہوگا۔ البتہ اگر عشری ہونے کا شبہ ہو تو احتیاطاً عشر کے قاعدہ کے مطابق عشر یا نصف عشر اوپر لکھے ہوئے ضابطہ سے نکالتے رہنا چاہیئے۔

اور نظام الفتاویٰ میں رقم طراز ہیں کہ:

جن زمینوں کا زمیندارہ نہیں ٹوٹا اور حکومت نے اپنے قبضۂ تصرف میں نہیں لیا جیسے باغ مالکان اور مکان کی زمینیں اگر یہ عشری زمین رہی ہیں اور خاتمہ زمینداری کے قانون سے مستثنیٰ ہیں تو یہ عشری شمار ہوں گی۔ اور ان کی پیداوار پر عشر واجب ہوگا۔

نیز جن زمینوں کی عشریت ختم زمیندارہ قانون سے ختم ہوگئی ان سے محض وجوب ساقط ہوا ہے لیکن احتیاط

---

[1] نظام الفتاویٰ ۱ / ۳۵۰

اس میں ہے کہ بغرض حصول خیر و برکت جہاں تک ہو سکے عشر و نصف عشر نکالتے رہا جائے"۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:۔

"ردالمحتار باب الرکاز میں یہ تصریح کی ہے کہ ہندوستان جیسے ملک میں کوئی زمین عشری و خراجی نہیں ہے۔ بنا بریں علیہ جو محصول سرکار لیتی ہے اس کو خراج نہ کہیں گے۔ اور جبکہ کوئی زمین ہندوستان کی عشری نہیں ہے تو عشر بھی واجب نہ ہوگا لیکن احتیاطاً مسلمان اپنی اراضی کا عشر دیویں تو اچھا ہے اور عشر یعنی دسواں حصہ پیداوار کا جس جگہ واجب ہے کل پیداوار پر واجب ہے اور جس وقت غلہ پیدا ہوا اسی وقت واجب ہے۔ سال کی قید اس میں نہیں ہے ــــــــ اور زمین عشری اگر مزارعت پر دیجائے تو اس کی پیداوار میں عندالصاحبین حسب حصہ ہر ایک پر یعنی کاشتکار اور مالک زمین پر لازم آتا ہے۔ اور اجارہ کی صورت میں امام صاحبؒ موجر (یعنی کرایہ پر دینے والے) پر اور صاحبین مستاجر یعنی کرایہ پر لینے والے پر لازم فرماتے ہیں۔ اور صاحبین کے قول ہی کو ترجیح ہے"[1]۔

اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے۔

"احتیاط اس میں ہے کہ مسلمانوں کی مملوکہ اراضی میں عشر واجب کیا جائے۔ عشر پیداوار پر ہوتا ہے جس وقت عشری زمین میں کچھ غلہ وغیرہ پیدا ہوا ہو اور حاصل ہو اس وقت عشر لازم ہے۔ حولان حول شرط نہیں"[2]۔

اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے،

"مقتضیٰ احتیاط یہ ہے کہ مسلمان اپنی اراضی مملوکہ میں عشر نکالیں۔

زمین اگر اجارہ پر دی گئی ہے تو امام صاحب کے نزدیک عشر مالک پر ہے۔ رقم اجارہ میں سے دسواں حصہ صدقہ کرے۔ اگر مالک خود کاشت کرے تو تمام پیداوار کا دسواں حصہ نکالے۔ محصول سرکاری وغیرہ کچھ وضع نہ ہوگا"۔

ہندوستان کی کچھ زمینیں عشری ہیں اور کچھ خراجی۔ ان کی تفصیل و بنیاد

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ جواہر الفقہ میں رقمطراز ہیں[3]۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس ملک میں مسلمانوں کی اپنی ملکیت میں زمینیں موجود ہوں ان پر احکام عشر عائد ہونگے۔

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۲/۱۶۵ و ۱۶۶ [2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۶/۱۸۶ و ۱۸۹

[3] جواہر الفقہ ۲/۲۶۹ و ۲۷۰۔

اگرچہ اپنی بداعمالیوں کے نتیجہ میں وہ ملک اسلامی اقتدار سے نکل کر دارالحرب بن گیا ہو۔ اس لئے صحیح صورتحال ہندوستان کی زمینوں کی یہ ہے کہ جن زمینوں کے مالک مسلمان نسلاً بعد نسل چلے آرہے ہیں اور کسی زمانہ میں ان پر کسی کافر کی ملکیت کا ثبوت نہیں وہ ابتدا رہی سے مسلمانوں کی جائز ملکیت قرار دے کر عشری سمجھی جائیں گی۔

اور جن زمینوں پر کسی زمانہ میں کسی کافر کی ملکیت ثابت ہے اور پھر اس سے منتقل ہو کر مسلمان کے قبضہ میں آئی ہے وہ خراجی قرار پائے گی۔

علمار حنفیہ کے نزدیک جو زمین ایک دفعہ خراجی ہوگئی وہ ہمیشہ کے لئے خراجی رہے گی۔ یعنی آئندہ اگر کوئی مسلمان بھی اس زمین کو خریدے تو خراج ہی ادا کرنا ہوگا۔ عشر واجب نہ ہوگا۔[۱]

اس بنار پر عام علمار ہندوستان کا فتوی ہے کہ ہندوستان میں جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں اور وراثتہً مسلمانوں ہی کے قبضہ میں آرہی ہیں ان میں عشر واجب ہوگا۔

چنانچہ مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی رح نے بہت تحقیق کے بعد دس صورتیں ذکر کی ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱ــــ بادشاہوں کے وقت سے موروثی ہوں۔

۲ــــ بادشاہان اسلام کے وقت سے موقوفہ ہیں۔

۳ــــ موروثی زمینیں ہیں مگر شاہی وقت سے نہیں۔ لیکن یہ بھی نہیں معلوم کہ کس طرح قبضہ میں آئیں۔

۴ــــ جو زمینیں مسلمانوں نے خریدی ہیں یا بطریق ہبہ یا بذریعہ وصیت ان کو ملی ہیں اور جس نے فروخت کیا یا ہبہ کیا یا وصیت کی۔ اس نے بھی کسی مسلمان ہی سے حاصل کی تھی۔ اسی طرح برابر سلسلہ جاری ہے۔

۵ــــ جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں مسلمانوں سے خرید و فروخت کے ذریعہ سے آئی ہیں اور اوپر جا کر یہ معلوم ہوا کہ بادشاہان اسلام نے دی تھیں۔

۶ــــ مسلمانوں کے قبضہ میں وراثتہً یا خرید و فروخت کے ذریعہ سے ہے۔ لیکن اوپر جا کر حال معلوم نہیں کہ پہلے لوگوں نے کس طرح حاصل کیا تھا۔

۷ــــ انگریزی حکومت نے بطور معافی اس زمین کو دیا جو پہلے سے مسلمانوں کی ملکیت میں تھی۔

۸ــــ انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو بطور معافی زمین دی مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ زمین پہلے کس کی تھی۔

---

[۱] شامی ۲/۱۷۔

۹ ــــ مسلمانوں نے غیر مزروعہ زمین کو جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی آباد کیا ہے اور وہ عشری زمین کے قریب ہے یا آسمانی یا دریائی پانی یا اپنے کنویں سے سیراب ہوتی ہے۔

۱۰ ــــ مسلمانوں نے اپنے سکونتی مکان کو مزروعہ بنایا۔

یہی فتویٰ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ مولانا عبدالشکور لکھنوی مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی اور اکثر علماء کا ہے۔[۱]

نتیجہ

ہندوستان کے مسلمانوں کی مملوکہ زمینوں کے عشری ہونے کے باب میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم اور فتاویٰ دار العلوم دیوبند کے مطابق عمل ناجائز ہونا چاہئے اگر وہ بارش یا قدرتی دریاؤں اور بڑے تالابوں اور پوکھروں سے سیراب کی جاتی ہوں۔ یعنی کل پیداوار سے عشر یعنی دسویں حصے کے نکالنے کو واجب کہا جائے۔

اور اگر مالکان زمین پانی خریدنا پڑتا ہے جیسا کہ سرکاری پانیوں کا نظم ہے۔ یا مزدوروں کے ذریعہ یا اجرت سینچائی کرنی پڑتی ہے تو شرعی ضابطہ سے نصف عشر یعنی پیداوار کے بیسویں حصہ کے نکالنے کو واجب کہا جائے۔ اور باضابطہ اخبار و اشتہار کے ذریعہ مالکان زمین کو بتلا دیا جائے۔ یہ علماء کرام کی بھی ذمہ داری ہے اور ارباب مدارس کی بھی۔ اور مدارس و فقراء کے لئے اس کی وصولی کے لئے کچھ لوگ متعین کر دیئے جائیں جو کھیت کٹ جانے پر وصول کر لیا کریں۔ جس طرح زکوٰۃ کی وصولی کے لئے سفراء متعین کئے جاتے ہیں ورنہ وصول ہونا بہت مشکل ہو جائیگا۔

اور خراجی زمین کے باب میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اسی کے مطابق مسلمان مالکان زمین کو اپنی اپنی زمینوں کے باب میں سرکاری کاغذات کے ذریعہ کھوج لگانی چاہئے۔ جو صورت نکلے اس پر عمل ہونا چاہئے۔ اگر عشری نکلے تو عشر و نصف عشر اور اگر خراجی نکلے تو خراج نکالنا چاہئے۔ علماء کرام اور ارباب مدارس کو چاہئے کہ اخبار و اشتہار کے ذریعہ اس کا بھی اعلان کر دیں۔

۱۔ جدید فقہی مسائل ص ۱۳۵، ۱۳۶۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب جواہر الفقہ میں لکھتے ہیں کہ:

"ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنی خراجی زمینوں کا خراج بطور خود نکال کر مصارف خراج مدارس اسلامیہ اور علماء وطلبہ پر صرف کرنا چاہیئے اور یہ خراج موظف ہوگا۔"[1]

مقدار خراج

جس کی مقدار ایک بیگھ کے قریب پر ایک درہم نقد اور ساڑھے تین سیر گندم یا جَو یا جو چیز اس میں بوئی جائے۔ اور ترکاری کے ایک بیگھ کے قریب پر پانچ درہم اور انگور یا کھجور کا باغ جو متصل درختوں پر مشتمل ہو۔ تو فی بیگھ دس درہم ــــــ ایک درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے دس درہم پینتیس ۳۵ کے ہوئے جو ایک ماشہ کم تین تولہ چاندی ہوتی ہے۔ جس کی قیمت آج کل کے نرخ کے حساب سے تقریباً چھ روپے بنتی ہے۔[2]

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے کہ:

عشری زمین کا مطلب یہ ہے کہ جس زمین میں عشر واجب ہے وہ عشری ہے۔ جس وقت پورا حال معلوم نہ ہو جیساکہ اس وقت ہے تو عموماً یہ حکم کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی مملوکہ زمین عشری سمجھی جاتی ہے اور کفار کی مملوکہ اراضی خراجی ــــــ پس مسلمانوں کے پاس جو زمین مثلاً معافی کی چلی آتی ہے یا اس نے کسی مسلمان سے خریدی ہے تو وہ عشری ہے اور جو زمین کافر سے خریدی ہے وہ خراجی رہے گی۔[3]

اور بعض حضرات نے ایسا بھی لکھا ہے کہ جب سرکار زمینوں کا محصول لیتی ہے تو سب خراجی ہیں۔ مگر مقتضاءِ احتیاط یہ ہے کہ مسلمان اپنی اراضی مملوکہ میں عشر ہی نکالیں۔

"نظام الفتاویٰ جلد ۲ صا ۳۴۱ میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم نے بھی یہی لکھا ہے الغرض اشتباہ کی صورت میں احتیاطاً مسلمان اپنی ملکیت کی زمینوں کا عشر نکالیں۔ تاکہ فقراء ومساکین اور طلبہ مدارس کا مزید فائدہ ہو اور شکر نعمت کا بڑا موقع فراہم ہو۔

---

[1] جواہر الفقہ ۲/۲۸۸ [2] جواہر الفقہ ۲/۲۷۹-۲۸۰-

[3] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۶/۱۷۹

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے کہ:

"جس زمین کی مالگذاری دی جاتی ہے تو مال گذاری کے اوپر اس کا مدار نہیں۔ اگر کوئی زمین عشری ہو اور اس پر مالگذاری مقرر کر دی جائے تو وہ عشری رہے گی۔"[۱]

اور ج ۶ ص ۱۹۲ میں ہے: "عشری زمین میں سرکاری محصول لینا مسقط عشر نہیں احتیاطاً۔ ہاں اگر زمین عشری نہ ہو بلکہ خراجی ہو تو محصول دے دینا کافی ہے۔ یعنی عشر اس میں واجب نہیں۔"

اور جلد ۶ ص ۱۹۱ میں ہے: کہ جو کچھ سرکار محصول لیتی ہے وہ خراج نہیں کہلاتا۔ جہاں عشر واجب ہوتا ہے وہاں کل پیداوار کا عشر واجب ہوتا ہے کچھ وضع نہیں ہوتا۔ اور جن اراضی میں پانی کا محصول دیا جائے ان پر نصف عشر ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ جواہر الفقہ میں لکھتے ہیں کہ:

"کوئی حکومت خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم اگر زمینداروں یا کاشتکاروں سے کوئی سرکاری ٹیکس وصول کرتی ہے تو اس ٹیکس کی ادائیگی سے عشر ادا نہ ہوگا۔ بلکہ مسلم مالکان کے ذمہ واجب ہوگا کہ وہ بطور خود عشر نکالیں، اور اس کے مصرف پر صرف کریں۔ اور یہ بعینہ ایسا ہے جیسے حکومتوں کے انکم ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ یا عشر ادا نہ ہوگا۔"[۲]

اور جلد ۲ ص ۲۷۵ میں ہے کہ:

"سرکاری مال گذاری ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوتا (یعنی عشری زمین سے)"

واضح ہو گیا کہ سرکار جو مالگذاری زمین کی لیتی ہے وہ خراج نہیں۔ اگر عشری زمین ہے تو مالگذاری دینے کے باوجود عشر یا نصف عشر نکالنا واجب ہوگا ــــــ ہاں اگر زمین خراجی ہے تو مالگذاری دیدینا کافی ہوجائیگا۔"

ہندوستان میں مسلمانوں کی مملوکہ زمینیں سرکاری کاغذات میں تلاش کرنے کے ذریعہ اگر خراجی ثابت ہوجائیں، یا زمینیں غیر مسلم سے خریدی ہوئی ہیں تو خراج واجب ہوگا۔

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ جواہر الفقہ میں لکھتے ہیں کہ:

"خراجی زمینوں کا خراج عشر کی طرح زکوٰۃ یا عبادت تو نہیں لیکن زمینوں پر ایک شرعی حق ہے جس کا ادا کرنا عشر کے ادا کرنے کی طرح واجب ہے۔"

---

[۱] فتاوی دارالعلوم دیوبند ۶/۱۹۲ [۲] جواھرالفقہ ۲/۲۰۵ [۳] جواھرالفقہ ۲/۲۸۶۔

اور جلد ۲ صفحہ ۲۸۳ میں ہے کہ:

ہندوستان کے مسلمانوں پر واجب رہتا ہے کہ خراجی زمینوں کا خراج نکال کر ان کے مصارف پر خرچ کریں جو ہندوستان میں موجود ہیں. مثلاً مدارس دینیہ کے مدرسین وطلبہ. فتوٰی اور تبلیغ کا کام کرنے والے علماء ان پر یہ رقوم خرچ کی جائیں. اور یہ خراج مؤظف ہوگا جس کی مقدار واجب کی شرح مندرجہ ذیل ہے.

مقدارِ واجب

عام قابل کاشت زمینوں میں ایک بیگھہ کے قریب پر ایک درہم یعنی ۳½ ماشہ چاندی اور ساڑھے تین سیر گندم یا جَو کا واجب ہوگا.

ترکاری کی ایک بیگھہ کے قریب پر پانچ درہم. اور باغات پر دس درہم واجب ہوں گے اور باقی اشیاء یعنی زعفران جیسی قیمتی اشیاء، اور انگور دکھجور کے باغ جو گنجان نہ ہوں. اور دوسرے ہر قسم کے باغ اگرچہ گنجان ہوں، کا خراج اس انداز سے لگایا جائے کہ پیداوار خمس سے گھٹے نہیں اور نصف سے بڑھے نہیں. [1]

خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنی خراجی زمینوں کا خراج بطور خود نکال کر مصارف خراج مدارس اسلامیہ اور علماء، وطلبہ پر صرف کرنا چاہیے. [2]

اگر احتیاطاً ان زمینوں کا عشر نکال دیا جائے تو باعث خیر وبرکت ہوگا. چنانچہ فتاوٰی دار العلوم دیوبند جلد ۶ صفحہ ۱۶۹ میں ہے: "مگر مقتضاءِ احتیاط یہ ہے کہ مسلمان اپنی اراضی مملوکہ میں عشر نکالیں.

جدید طریق زراعت میں ہونے والے غیر معمولی اخراجات کھاد. دوا وغیرہ کی وجہ سے مقدار عشر میں کوئی کمی نہ ہوگی اور اصل پیداوار میں سے کل پیداوار سے عشر یا نصف عشر نکالا جائے گا. ان اخراجات کو اصل پیداوار سے منہا نہ کیا جائے گا ——— چنانچہ ملک العلماء امام کاسانی رح بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں. [3] نیز ہدایہ میں [4] ہے:

"عشر یا نصف عشر پوری پیداوار میں سے نکالا جائے گا بونے. کاٹنے اور حفاظت ونگرانی کرنے کے اور بیلوں اور مزدوروں وغیرہ کے جو اخراجات ہیں وہ ادائے عشر کے بعد نکالے جائیں.

نیز فتاوٰی دار العلوم دیوبند [5] میں ہے:. درمختار کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ جن اراضی میں عشر واجب ہے انہیں

---

[1] جواھر الفقه ۲/ ۲۸۷ [2] ایضاً ۲/ ۲۸۸ [3] بدائع ۲/ ۶۲ [4] هدایه ۱/ ۱۸۳ [5] فتاوٰی دار العلوم ۶/ ۱۶۳

کل پیداوار کا عشر نکالنا واجب ہے۔ بدون وضع کئے اخراجات کے۔

اور جلد ۲ صفحہ ۱۸۱ میں ہے کہ زمین عشری ہے تو کل پیداوار کا دسواں حصہ دینا چاہئے خرچ سرکاری وغیرہ منہا نہ کیا جائے۔ اور جلد ۲ صفحہ ۱۸۵ میں ہے: کہ عشر میں مزدور کی مزدوری اور دیگر اخراجات کا حساب نہیں ہوتا۔ یعنی مزدوروں کی مزدوری وغیرہ کی وجہ سے عشر میں کمی نہ ہوگی۔ لہٰذا دسواں حصہ اس میں سے دینا چاہئے۔ اور جلد ۲ صفحہ ۱۹۳ میں ہے: کہ یہ حقوق (یعنی اخراجات) منہا نہ ہوں گے بلکہ کل پیداوار کا عشر واجب ہوگا۔ الغرض کل پیداوار سے عشر یا نصف عشر نکالنے کے بعد یہ سارے اخراجات ادا کئے جائیں۔

ملک العلماء امام کاسانی رح بدائع میں لکھتے ہیں کہ:

"اگر زمین دوسرے شخص کو مزارعت یعنی بٹائی پر دی ہے کہ پیداوار میں ایک معین حصہ مالک زمین کا اور دوسرا معین حصہ کاشتکار کا، مثلاً دونوں آدھے آدھ ہو یا ایک تہائی ہو اور دو تہائی ہو۔ اس صورت میں عشر دونوں پر اپنے اپنے حصۂ پیداوار کے مطابق لازم ہوگا۔"[۱]

علامہ شامی رد المحتار میں لکھتے ہیں کہ:

"زمین عشری میں اگر وہ زمین زراعت و بٹائی پر دے دی جائے تو عشر زمیندار و کاشتکار پر اپنے اپنے حصہ کے بقدر واجب ہوتا ہے۔ یعنی جس قدر غلہ جس کے حصہ میں آوے وہ اس کا عشر ادا کرے یہی مفتیٰ بہ قول ہے۔[۲] اگر مالک اور بٹائی دار میں ایک مسلمان اور دوسرا غیر مسلم ہو تو عشر چونکہ عبادت ہے۔ اس لئے مسلمان پر تو اپنے حصہ میں عشر واجب ہوگا۔ اور غیر مسلم اہل عبادت نہیں۔ اس لئے اس پر عشر تو واجب نہ ہوگا۔ بلکہ اس پر خراج ٹیکس واجب کیا جائے اور ادا کرنے کو کہا جائے۔

اس کے لئے ابن ماجہ کی روایت سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ علامہ ابن قدامہ نے المغنی[۳] میں ذکر کیا ہے کہ حضرت علاء بن الحضرمیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو بحرین اور ہجر بھیجا تو میں اس باغ میں جاتا جو چند بھائیوں کے درمیان مشترک ہوتا جن میں ایک مسلمان ہوجاتا تو میں مسلمان سے عشر لیتا اور مشرک سے خراج

والحمد للہ وحدہ وصلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم

۱۔ بدائع ۲/۶۲ ۲۔ رد المحتار ۲/۵۵-۵۶ ۳۔ المغنی لابن قدامہ ۲/۳۵

اسلام کا نظام عشر وخراج

محور اوّل

عشر وخراج کی حقیقت

از: ——— مفتی افضل حسین صاحب، دارالعلوم الاسلامیہ، بستی

الحمد للّٰہ رب العلمین والصلاۃ والسلام علیٰ من ادّی الامانۃ والدین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ـ امابعد !

اراضی عشری (۱) کوئی ملک اس طرح فتح ہوا کہ اس کے باشندے بھی مسلمان ہو گئے تو ان کی زمینیں بدستور ان کی ملکیت میں رہیں گی، یہ زمینیں عشری قرار پاکر ان پر عشر واجب ہوگا۔

۲ ـــ یا کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا اور امام المسلمین نے قاعدے کے لحاظ سے زمینوں کو پانچ حصوں میں تقسیم کرکے ایک حصہ بیت المال اور چار حصہ مجاہدین میں تقسیم کر دیا تو مجاہدان زمینوں کے مالک قرار پائیں گے اور شرعاً یہ زمینیں عشری ہوں گی، جیسے کہ خیبر کی زمینوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا۔

۳ ـــ ایسی زمینیں جو ملک فتح کرنے کے وقت نہ کسی کی ملکیت تھیں اور نہ ہی قابل کاشت و زراعت، اگر اسلامی امیر کی اجازت سے ایسی زمین کو کسی غیر مسلم نے آباد کر لیا تو یہ زمین خراجی ہوگی اور اگر کسی مسلمان نے اس کا احیا کیا تو ایسی زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار امام ابو یوسف رح کے قول قرب وجوار پر ہوگا یعنی یہ اراضی موات اگر خراجی زمین کے قریب ہیں تو تبعاً اس کو بھی خراجی مانا جائے گا اور اگر عشری زمین کے

متصل ہیں تو اس کے تابع قرار دے کر اس کو عشری قرار دیا جائے گا۔

لیکن اگر قرب وجوار میں عشری اور خراجی دونوں طرح کی زمینیں ہوں تو یہ زمینیں عشری ہوں گی۔

ارض العرب وما اسلم اهله طوعاً اوفتح عنوة وقسم بين جيشنا والبصرة ايضاً باجماع الصحابة عشرية لانه اليق بالمسلم۔ (۱)

قال (اى القدورى) وكل ارض اسلم اهلها او فتحت عنوة وقسمت بين الغانمين فهى ارض عشر لأن الحاجة الى ابتداء التوظيف على المسلم والعشر اليق به لما فيه من معنى العبادة وكذا هو اخف حيث يتعلق بنفس الخارج۔ (۲)

اس عبارت میں ایسی زمینوں کے عشری ہونے کی دلیل بھی آگئی۔ کما لا یخفی۔

تیسرے نمبر سے متعلق حوالہ درمختار کی مندرجہ ذیل عبارت ہے:

وموات احياذمى باذن الامام او رضخ له خراجى ولواحيا مسلم اعتبر قربه ما قارب الشئ يعطى حكم وتحته فى الشامية۔ اى قرب ما احياه ان كان الى ارض الخراج اقرب كانت خراجية وان كان الى العشر اقرب فعشرية (نهر)۔ وان كانت بينهما فعشرية مراعاة لجانب المسلم وهذا عندابى يوسف رح واعتبر محمد رح الماء فان احياها بماء الخراج فخراجيه والا فعشريه (بحر) وبالاول يفتى درمنتقى۔ (۳)

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس سلسلے میں دو قول ہیں لیکن مفتی بہ حضرت امام ابو یوسف رح کا قول ہے۔

اراضی خراج

۱۔ اگر کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا لیکن امام المسلمین نے اس کی زمینوں کو مسلمانوں اور مجاہدین پر تقسیم نہیں کیا بلکہ مالکان سابق کی ملکیت بدستور باقی اور قائم رکھی تو یہ زمینیں خراجی ہوں گی۔ جیسے کہ شام وعراق اور مصر کی زمینوں کے ساتھ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہی عمل رہا۔

---

(۱) الدرالمختار على الرد المحتار ۳/۲۵۵ باب العشر والخراج (۲) هدايه ۲/۵۷۰،۵۷۱

(۳) شامى ۳/۲۵۹ - نعمانيه - باب العشر والخراج -

فان المسلمین افتتحوا ارض العراق والشام ومصر ولم یقسموا شیئا من ذلک بل وضع عمر رضی علیها الخراج ولیس فیها خمس۔ (۱)

۲۔۔۔ یا کوئی ملک صلح کے ساتھ فتح ہوا تو اس کی زمینوں کے تمام معاملات حسب شرائط صلح قرار پائیں گے اگر صلح نامہ میں یہ شرط لگائی گئی ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر قائم رہیں گے اور اراضی بدستور انھیں کی ملکیت میں رہیں گی جن کی ملکیت میں اب تک تھیں تو اس صورت میں بھی ان کی زمینوں پر خراج لگا دیا جائے گا اور ان کی زمینیں ہمیشہ ہمیش خراجی رہیں گی کیونکہ ان کے مالک غیر مسلم ہیں، ان کی زمینوں کے لیے حکم خراج متعین ہے۔ دونوں صورتوں سے متعلق حوالہ درمختار کی یہ عبارت ہے:

وسواد العراق وما فتح عنوة ولم یقسم بین جیشنا الامکة سواء اقر اهله علیه أو نقل الی الکفار آخر اوفتح صلحا خراجیة لانه الیق بالکافر۔ (۲)

ہاں مکہ کی زمین اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہے، مکہ باوجود کے قہراً فتح ہوا اور اس کی زمینوں پر ان کے اہل کی ملکیت کو برقرار رکھا گیا پھر بھی ان کی زمینوں پر عشر عائد کیا گیا ہے۔

صاحب بدائع نے فرمایا کہ اس معاملے میں قیاس کو اس لیے ترک کر دیا گیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احترام حرم کی وجہ سے اس کی زمین پر خراج عائد نہیں فرمایا اس لیے مکہ کی زمینیں عشری ہیں۔

علامہ شامی رح نے بھی "الامکة" کے تحت اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

قال: فانها وان فتحت عنوة لکنها عشریة لأنها من جزیرة العرب۔ (۳)

صاحب ہدایہ نے اس کے متعلق مزید وضاحت فرمائی ہے۔ عبارت درج ذیل ہے:

لان النبی علیه السلام والخلفاء الراشدین رض لم یاخذوا الخراج من اراضی العرب ولانه بمنزلة الفیئ فلا یثبت فی اراضیهم کما لا یثبت فی رقابهم وهذا لان وضع الخراج من شرطه ان یقر اهلها علی الکفر کما فی سواد العراق ومشرکوا العرب لایقبل منهم الا الاسلام والسیف۔ (۴)

---

(۱) شامی ۳/۲۵۶ باب العشر والخراج (۲) الدر المختار علی الرد المحتار ۳/۲۵۵
(۳) شامی ۳/۲۵۵ (نعمانیہ) (۴) هدایہ ۲/۵۷۰ باب العشر والخراج

اسی طرح بعض استثنائی صورتیں اور بھی ہیں، مثلاً شہر بصرہ حضرت فاروق اعظم رضہ کے زمانہ میں آباد کیا گیا یہ ارض موات (یعنی غیر آباد زمین تھی مسلمانوں نے محنت کر کے اسے قابل کاشت بنایا لیکن اس کا محل وقوع عراق کی خراجی زمینوں کے متصل ہے ایسی صورت میں امام ابو یوسف رح کے قول کا تقاضہ یہ تھا کہ بصرہ کی قابل کاشت زمینوں پر جن کا احیا مسلمانوں نے اپنی محنت سے کیا خراج عائد ہو۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کی موجودگی میں ان زمینوں پر عشر عائد کیا جس کی بنیاد پر اس ضابطہ کو ترک کر دیا گیا۔

فی الدر علی الرد - والبصرة ایضاً باجماع الصحابة عشرية.

قال الشامی تحته : والقیاس ان تکون خراجیة عند ابی یوسف رح لانها بقرب ارض الخراج لکنه ترك القیاس باجماع الصحابة رضی اللّٰه عنهم. (۱)

وایضاً والبصرة احیاها المسلمون لأنها بنیت فی ایام عمر بن الخطاب رضی اللّٰه تعالیٰ عنه وهی فی حیز ارض الخراج نقیاس قول ابی یوسف ان تکون خراجیة. (۲)

پس زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے میں عام ضابطہ تو وہی ہے جو مذکور ہوا۔ البتہ بعض مواقع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل یا صحابہ کرام کے اجماع کی بنا پر کسی قدر مختلف استثنائی صورتیں بھی پیش آئی ہیں۔

عشر و خراج کے درمیان بنیادی فرق

عشر و خراج میں یہ بات تو مشترک ہے کہ شریعت اسلام کی جانب سے زمینوں پر عائد ٹیکس کی حیثیت دونوں میں ہے البتہ خراج صرف ٹیکس ہے جبکہ عشر میں ٹیکس کا معنیٰ ہوتے ہوئے عبادت کا معنیٰ بھی ہے، پس عشر میں دو حیثیتیں ہیں۔ ٹیکس اور عبادت اور خراج کے اندر صرف ایک حیثیت یعنی ٹیکس ہے۔

دوسرا فرق یہ بھی ہے کہ عشر کے ابتداءً واجب ہونے کے لیے اسلام کی شرط ہے جب کہ خراج مسلم، کافر اور ذمی سب پر واجب ہو سکتا ہے۔

بدائع الصنائع میں وجوب عشر کی شرائط کے بیان میں ہے :

احدها الاسلام وانه شرط ابتداء هذا الحق فلا یبتدأ بهذا الحق الاعلی

---

(۱) شامی ۲/ ۳۵۲ (حاشیہ) (۲) شامی صفحہ مذکور۔

المسلم بلاخلاف لأن فيه معنى العبادة والكافرليس من أهل وجوبها ابتداء فلايبتدأبه عليه۔ (۱)

وفي الشامية: لانها تكون خراجية اذالم يسلم اهلها سواء فتحت عنوة ومن على أهلها بها اوصلحا ووضع عليهم الجزية ۔ (۲)

عشر و خراج میں عملی فرق بھی ہے، چنانچہ عشر تو زمین کی پیداوار پر ہے اگر پیداوار نہ ہو خواہ مالک زمین کی غفلت اور سستی سے ایسا ہوا ہو کہ قابل کاشت زمین کو خالی چھوڑ دیا اس پر عشر لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ عشر تو پیداوار ہی کے ایک حصہ کا نام ہے۔

حالاں کہ خراج قابل کاشت زمین پر عائد ہے اگر مالک نے غفلت برتی اور قابل زراعت و کاشت ہونے کے باوجود اس میں کاشت نہیں کی تو اس حالت میں بھی اس پر خراج لازم ہوگا۔ پس خراج عائد ہونے کے لیے زمین کا قابل کاشت ہونا ضروری ہے البتہ خراج کی ایک دوسری قسم خراج مقاسمہ (یعنی بٹائی) ہے۔ اس صورت (یعنی زمین کے قابل کاشت ہونے کے باوجود اپنی کوتاہی اور غفلت سے کاشت نہیں کیا) میں خراج معاف ہو جائے گا، کیوں کہ مقاسمہ کا تعلق پیداوار سے ہے جب وہ یعنی پیداوار نہیں تو خراج بھی واجب نہیں ہوگا۔

فی الشامیه: ومما هو مصرح به أن خراج المقاسمة لايلزم بالتعطيل فلاشئ على الفلاح لوعطلها وهو غيرمستاجرلها ولاجبرعليها بسببها وبه علم ان بعض المزارعين اذا ترك الزراعة وسكن مصرا فلاشئ عليه فما تفعله الظلمة من الاضراربه حرام صرح به في البحر والنهر۔ (۳)

وايضًا: وقد تقرر أن خراج المقاسمة كالعشر لتعلقه بالخارج ولذا يتكرر بتكرر الخارج في السنة ۔ (۳)

اور خراج مؤظف کا وجوب زمین کے قابل کاشت ہونے پر ہی ہو جاتا ہے چاہے مالک زمین اپنی غفلت سے کاشت نہ کرے۔

---

(۱) بدائع ۲/ (۲) شامی ۳/۲۵۵ (نعمانیہ)

(۳) شامی ۳/۲۵۶ (نعمانیہ) (۳) ایضاً ۳/۲۶

فی الدر المختار علی الرد المحتار: وخراج وظیفہ ان کان الواجب شیئا فی الذمۃ یتعلق بالتمکن من الانتفاع بالارض کما وضع عمر رضی اللہ عنہ علی السواد لکل جریب۔ (۱)

قال الشامی تحتہ: أنہ یجب فی ذمتہ بمجرد تمکنہ من الانتفاع بالارض لا یعین الخارج حتی لو تمکن من الزراعۃ وعطلھا وجب بخلاف ما لو لم یتمکن۔ (۲)

یہاں یہ بات بھی معلوم ہو جانا ضروری ہے کہ عشر کے معنی تو دسواں حصہ کے ہیں لیکن اس کے ضمن میں نصف عشر بھی داخل ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدار واجب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

ماسقتہ السماء ففیہ العشر وما سقی بغرب أو دالیہ ففیہ نصف العشر (۳)

جو زمین آسمانی پانی سے سیراب ہو اس میں عشر ہے اور جس کو بڑے ڈول یا رہٹ وغیرہ سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ہے۔

لہٰذا جن زمینوں کی سیرابی ایسے پانی سے ہوتی ہو کہ اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے یا محنت کرنی پڑتی ہے، جیسے چاہی زمینوں میں یا نہری زمینوں میں جن کے پانی کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے تو ایسی زمینوں کے پیداوار کا بیسواں حصہ ادا کرنا واجب قرار پاتا ہے۔

تنبیہ: امام اپنی رائے اور فیصلے سے جو خراج متعین کرے گا مالک زمین پر اس کی ادائے گی ضروری ہوگی، اب امام کو تبدیلی کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ علامہ شامیؒ نے کافی نامی کتاب سے درج ذیل عبارت اس سلسلے میں نقل فرمائی ہے:

وفی الکافی ولیس للامام ان یحول الخراج الموظف الی خراج المقاسمۃ اقول وکذلک عکسہ فیما یظہر من تعلیلہ لأنہ قال لأن فیہ نقض العہد وھو حرام۔ (۴)

زمینوں کے عشری اور خراجی ہونے میں فرق اس سے بھی ہوتا ہے کہ ملک مفتوح عنوۃ کی اراضی اگر مجاہدین پر تقسیم کردی گئی ہے تب تو عشری ہے ورنہ خراجی ہے خواہ وہ زمین انھیں کی ملکیت میں برقرار رہے جن کی ملکیت میں پہلے

---

(۱) الدر المختار علی الرد المحتار ۴/۲۶ (۲) مصنف کور (۳) شامی ۴/۲۵۵

(۴) شامی ۴/۲۶۲۔ کتابیہ

وہ زمین تھی یا دوسرے کفار کی ملکیت اس پر ہوگئی ہو۔(۱)

سواء اقر اهله عليه او نقل اليه كفارا خر وقال الشافعي تحته، واقر اهله عليه ليس بشرط في كونها خراجية بل الشرط عدم قسمتها صرح بذلك في شرح الطحاوي كما في النهر ولم يقيد كونها خراجية بان تسقى بماء الخراج لانه لا فرق بينه وبين ما اذا سقيت بماء العشر كما اذا قسمت بين المسلمين فانها عشرية وان سقيت بماء الخراج وانما التفصيل في الفرق بين ما يسقى بماء العشر او بماء الخراج في الارض المحياة لمسلم التي لم تقسم ولم يقر اهلها عليها۔

عبارت مذکورہ بالا سے یہ بات واضح ہوگئی کہ فرق کا مدار عشری اور خراجی پانی پر نہیں ہے بلکہ تقسیم و عدم تقسیم پر مدار ہے یعنی قہراً ملک فتح کیے جانے کے بعد اس کی زمینوں کو مجاہدین پر تقسیم کردیا گیا تو عشری ورنہ خراجی ہے۔ واللہ اعلم۔

فقد قال ابو يوسف في كتاب الخراج: وهذه الارضون اذا قسمت فهي ارض عشر وان تركها الامام في ايدي اهلها الذين قهر واعليها فهو حسن۔(۲)

عہد رسالت اور خلفاء راشدین کے اس بارے میں چند فیصلے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں پورے جزیرۃ العرب کی زمینوں کو عشری قرار دیا آپ کے بعد خلفاء راشدین اور سلطنت اسلامیہ کا بھی یہی حکم جاری رہا۔

واما ارض العرب فلانه لم ينقل عنه صلى الله عليه وسلم ولا عن احد من الخلفاء واخذ خراج من اراضيهم۔(۳)

علامہ ابن عابدین شامی رح نے تقویم البلدان کے حوالے سے جزیرۃ العرب کے پانچ خطے مع طول وعرض شمار کرائے ہیں۔

في مختصر تقويم البلدان جزيرة العرب خمسة اقسام: تهامة و نجد وحجاز وعروض ويمن۔

---

(۱) كما في الدر المختار على الرد ۲/۲۵۵ (۲) شامی ۲/۲۵۵ (۳) ایضاً ۲/۲۵۳

یہ کل پانچ خطے ہیں۔اسی کے آگے علامہ موصوف نے ہرایک خط کے طول وعرض کو تحریر فرمایا ہے ۔(۱)

اسی طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب عراق کو فتح کیا تو تمام صحابہ کرام کے سامنے اس کی زمینوں پر خراج کا حکم جاری فرمایا ۔

فان المسلمین افتتحوا ارض العراق والشام ومصر ولم یقسموا شیئا من ذلک بل وضع عمر علیها الخراج ولیس فیها خمس۔ (۲)

اسی طرح اراضی مصر وشام میں بھی جن پر مالکان سابق کو بدستور قائم رکھا گیا خراج کا حکم جاری فرمایا۔

وضع علی مصریین افتتحها عمرو بن العاص وکذا اجمعت الصحابة علی وضع الخراج علی الشام ۔ (۳)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ بنی نجران سے ایک خاص طرح کے خراج پر صلح فرمائی وہ یہ کہ دو ہزار جوڑے سالانہ ادا کیا کریں نصف ماہ رجب میں اور نصف ماہ محرم میں اور یہی طریقہ بعد تک جاری رہا۔

کما صالح رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اھل نجران علی الف وماتی حُلّة ۔ (۴)

لیکن ابوداؤد کی روایت میں " الفا حلة " ہے۔

نصاریٰ بنی تغلب سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس پر مصالحت فرمائی کہ ان سے مسلمانوں کی زکوٰۃ کا دوگنا لیا جائے اور یہ معلوم ہے کہ مسلمانوں پر زکوٰۃ الارض عشر ہے، لہٰذا ان سے دوگنا عشر وصول کیا جائے گا۔مصرف اس کا وہی ہوگا جو خراج کا ہوتا ہے چاہے اس کا نام وہ عشر ہی رکھیں۔

ونصاریٰ بنی تغلب یوخذ من اموالهم ضعف ما یؤخذ من المسلمین من الزکوٰة لان عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه صالحهم علی ذلک بمحضر من الصحابة قال عمر رضی هذه جزیة فسموها ما شئتم ولهذا تصرف مصارف الجزیة - (۵)

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارض موات کے بارے میں فیصلہ کیا کہ جس نے اس کو قابل کاشت بنا لیا وہ اس کی ہوگئی۔اس زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار حضرت امام ابو یوسف رح کا قول ہے جو پہلے مذکور ہوا لیکن

---

(۱) شامی ۳/۲۵۳ (۲) شامی ۳/۲۵۵ (۳) ھدایہ ۲/۵۷۰ (۴) ھدایہ، باب الجزیة ۲/۵۷۳

(۵) ھدایہ ۲/۵۷۹

اس میں یہ بھی شرط ہے کہ امام وقت کی اجازت سے اس کو قابل کاشت بنایا ہو۔

لان الاحیاء یتوقف علی اذنه۔ (۱)

فی المشکوٰۃ: عن عائشۃ رضی اللہ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من عمّر ارضا لیست لاحد فھواحق قال عروۃ قضی بہ عمر فی خلافتہ۔ رواہ البخاری۔

جس ملک کو جنگ اور لڑائی کے ذریعہ فتح کیا گیا ہو اس ملک کی زمینوں کے بارے میں امام المسلمین کو یہ اختیار حاصل ہے کہ پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کرنے کے بعد باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کردے اور یہ بھی اختیار حاصل ہے کہ مالکان سابق کی ملکیت کو برقرار رکھتے ہوئے ان پر خراج عائد کردے۔

قال فی البدائع من الغنیمۃ: اما الاراضی فللامام فیہ خیار ان شاء خمسہا ویقسم الباقی بین الغانمین لما بینا وان شاء ترکہا فی ید اھلہا بالخراج وجعلھم ذمۃ (الی قولہ) وھذا عندنا وعند الشافعی رح للامام ان یترک فی ایدیھم بالخراج بل یقسمہا لنا اجماع الصحابۃ رض فان سیدنا عمر لما فتح سواد العراق ترک الاراضی فی ایدیھم وضرب علی رؤسھم الجزیۃ وعلی اراضیھم الخراج بمحضر من الصحابۃ الکرام ولم ینقل انہ انکر علیہ منکر فکان ذلک اجماعًا منھم۔ (۲)

وقال الجصاص فی سورۃ الحشر ویدل علیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکۃ عنوۃ ومنّ علی اھلہا فاقرھم علی املاکھم فقد حصل بدلالۃ الآیۃ واجماع السلف والسنۃ تخییر الامام فی قسمۃ الاراضین او ترکہا ملکا لاھلہا ووضع الخراج علیہا۔ (۳)

محور دوم

اراضی ہند کا تاریخی جائزہ

محمد بن قاسم ثقفی کے زیر قیادت سندھ کی فتح خلیفۃ المسلمین ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں

---

(۱) شامی ۳/۲۵۹ (۲) البدائع ۷/۱۱۸ (۳) احکام القرآن ۳/۵۳۱

حجاج بن یوسف وائسرائے عراق کے زیر اہتمام عمل میں آئی، اس خطہ کے فتح ہو جانے کے بعد محمد بن قاسم ہی کو اس کا عامل اور گورنر مقرر کر دیا گیا اور حجاج بن یوسف کے واسطہ سے امیر المومنین کے احکام اور قانون اسلامی یہاں جاری کیے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "اسلام کا نظام اراضی" میں اس کا پورا ثبوت فراہم کیا ہے، چنانچہ مولانا موصوف نے تحریر فرمایا ہے:

" عام طور پر پورے خطہ سندھ کی فتوحات صرف دو ہی صورتوں سے ہوئی، کہیں صلح و امن سے اور کہیں جنگ و جہاد سے ان میں سے جو بلاد صلح کے ساتھ فتح ہوئے ان میں تو محمد بن قاسم نے شرعی حکم کے موافق شرائط صلح کی پابندی کی ان کی اراضی اور اموال پر کوئی تصرف مطلقاً نہیں کیا۔ ہر شخص اپنی اپنی املاک منقولہ اور غیر منقولہ پر بدستور سابق مالک اور متصرف رہا، البتہ شرعی قاعدہ کے مطابق ان کی زمینوں پر خراج اور افراد پر جزیہ کی معمولی رقم مقرر کر دی گئی۔

اور جو بلاد عنوۃً (قہراً) جنگ کر کے فتح کیے گئے ان کی اراضی مملوکہ میں بھی صرف وہ زمینیں جو مفتوح راجہ کی ملک اور شاہی مقبوضات تھیں ان کو تو اراضی بیت المال میں داخل کیا گیا جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عراق میں شاہ کسریٰ اور اس کے متعلقین کی مملوکہ اراضی کو بیت المال کے لیے مخصوص کر لیا تھا باقی زمینوں پر مالکان سابق کی ملکیت برقرار و بدستور رکھ کر خراج شرعی مقرر کر دیا، جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عام اراضی عراق و شام و مصر کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا تھا۔" (۱)

اراضی مفتوحہ پر خراج کا حکم اسی وقت لاگو کیا جا سکتا ہے جب کہ مالکان سابق کی ملکیت اس پر اسی طرح برقرار رکھی جائے جس طرح سے پہلے تھی۔ اس لیے کہ اگر ان کا قبضہ مالکانہ ہٹا دیا جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں، یا تو فاتحین میں تقسیم ہو کر ان کی ملک ہو جائیں ایسی صورت میں ان کی زمینوں پر عشر واجب ہو گا اور یا تو ان کا قبضہ ہٹانے کے بعد ان زمینوں کو بیت المال میں داخل کیا جائے تو ایسی صورت میں ان زمینوں پر نہ تو عشر ہے اور نہ خراج۔

" فی الشامیۃ: وھذا نوع ثالث یعنی لا عشریۃ ولا خراجیۃ من الاراضی تسمی ارض المملکۃ واراضی الحوز وھو ما مات اربابہ بلا وارث وآل بیت المال او فتح عنوۃ

(۱) منقول از اسلام کا نظام اراضی / ۵۹-۵۸۔

وابقى للمسلمين الى يوم القيامة۔ (۱)

لہٰذا اراضی سندھ پر محمد بن قاسم کا خراج کا حکم اس بات پر صریح دلیل ہے کہ عام زمینوں پر مالکان سابق کی ملکیت برقرار رکھی گئی۔ مفتوح راجہ کی جملہ املاک اور مقبوضات کو بیت المال میں داخل کرلینا اس کے منافی نہیں ہے، جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عمل سے جو انھوں نے عراق میں شاہ کسریٰ کی زمینوں کے ساتھ کیا ثابت ہوتا ہے کہ شاہی مقبوضات کو داخل بیت المال کیا اور بقیہ زمینوں پر مالکان سابق کی ملکیت برقرار رکھتے ہوئے ان پر خراج شرعی مقرر کیا۔

حجاج بن یوسف کی جانب سے محمد بن قاسم کے پاس جو فرامین واحکام بھیجے گئے ان کو نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رح نے اسی کتاب میں جو تحریر فرمایا ہے اس کو بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے

فتح بیرون کے بعد محمد بن قاسم کے نام حجاج کا خط پہونچا جس میں لکھا تھا۔

"اہل بیرون کے ساتھ نہایت نرمی اور دلدہی کا سلوک کرو، ان کی بہبودی کے لیے کوشش کرو، لڑنے والوں میں جو تم سے امان طلب کرے اس کو ضرور امان دو، جو وعدہ کسی سے کرو اس کو ضرور پورا کرو۔ تمہارے قول و فعل پر سندھ والوں کو پورا پورا اعتماد و اطمینان ہونا چاہیے۔" (۲)

فتح سیوستان کے بعد حجاج کا فرمان آیا کہ

"جو تم سے جاگیر و ریاست طلب کرے تم اس کو ناامید نہ کرو۔ التجاؤں کو قبول کرو، امان و عفو سے رعایا کو مطمئن کرو، تم راجاؤں سے جو عہد کرو اس پر قائم رہو، جب وہ مالگذاری دینے کا اقرار کرلیں تو ہر طرح ان کی اعانت کرو۔ جو شخص توحید الٰہی کا اقرار اور تمہاری اطاعت کرے اس کے مال و اسباب اور ننگ و ناموس کو برقرار رکھو، لیکن جو شخص اسلام قبول نہ کرے اس کو صرف اس قدر مجبور کرو کہ تمہارا مطیع ہو جائے۔" (۳)

تنبیہ

خراج و مالگذاری ان لوگوں پر عائد کرنا اس کی دلیل ہے کہ حجاج بن یوسف نے سندھ کے ہندو باشندوں کا ان کی اراضی پر بدستور مالک و قابض رہنا تسلیم کرلیا تھا، ورنہ تقسیم بین الغانمین کی صورت میں عشر ہوتا اور اراضی کے بیت المال میں داخل ہونے کی صورت میں نہ عشر نہ خراج۔ (۴)

---

(۱) شامی ۳/۲۵۶ (۲) آئینۂ حقیقت ۱۰۳/ (۳) ایضاً (۴) اسلام کا نظام اراضی از مفتی محمد شفیع رح ۶۴/

محمد بن قاسم نے خود حفاظت اموال و اراضی کا اعلان عام کرا دیا تھا، چنانچہ جو علاقے اب تک فتح نہیں ہوئے تھے ان میں یہ احکام بھجوا دیئے کہ جو شخص اطاعت قبول کرے گا اور پُرامن رہنے کا یقین دلائے گا اس کی تمام خطائیں معاف کر دی جائیں گی اور کسی قسم کی باز پرس اس سے نہ ہوگی۔ (۱)

نیز برہمن آباد کی فتح کے بعد محمد قاسم نے اعلان عام کر دیا جو لوگ امرا کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں ان سے چودہ تولہ اور جو دوم درجہ کے خوشحال لوگ ہیں ان سے سات تولہ اور عوام سے پونے چار تولہ چاندی سالانہ بطور جزیہ وصول کی جائے گی، جو اسلام قبول کرے گا وہ اس جزیہ سے معاف کر دیا جائے گا، اس سے اسلامی قانون کے موافق زکوٰۃ لی جائے گی۔ جو شخص اپنے باپ دادا کے مذہب پر چلے اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا نہ ان کے مندروں اور عبادت خانوں میں کسی قسم کی مداخلت کی جاتے گی، نہ زمینیں چھینی جائیں گی نہ مکان و اموال کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا، مالکان اراضی بدستور اپنی اپنی زمینوں کے مالک رہیں گے اور زمینوں کی مالگذاری وغیرہ کا انتظام خود باشندگان سندھ کے ہاتھوں میں رہے گا، وغیرہ۔ (۲)

یہاں پر اس خلاصہ کلام کو نقل کر دینا بھی مناسب معلوم ہو رہا ہے جس کو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "اسلام کا نظام اراضی" میں اپنی خداداد بصیرت اور علمی واقفیت سے تحریر فرمایا ہے۔

"مذکورالصدر شاہی فرامین اور محمد بن قاسم کے اعلانات سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ پورے ملک سندھ کی اراضی مملوکہ پر ہندو مالکان اراضی کا مالکانہ قبضہ بدستور قائم رکھا گیا ہے خواہ وہ شہر صلحاً فتح ہوئے یا عنوۃً وقہراً۔ اسلامی حکومت نے قبضہ یا تو ان زمینوں پر کیا جو غیر مملوک تھیں یا ان زمینوں پر جو شاہی مقبوضات تھیں یا وہ اراضی جو بیت المال میں شامل ہوئیں جن کے مالک لاوارث ہو گئے یا مفقود ہو گئے اور ان کے کسی وارث کا بھی پتہ نہ چلا۔ انہی زمینوں میں سے کچھ مسلمانوں کو جاگیریں دی گئیں۔ اب ملک سندھ کی اراضی جو مسلمان کی ملکیت میں آئیں اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو وہ اراضی جو کسی شخص کو سلطان کی طرف سے بطور جاگیر مالکانہ صورت دے دی گئی اور یا وہ جو ہندو مالکان اراضی سے خریدی گئی۔ (۳)

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) آئینہ حقیقت نما از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ص ۸۰۔ منقول از اسلام کا نظام اراضی ص ۹۱

(۲) آئینہ حقیقت نما ص ۸۰ ملخصاً (۳) منقول از اسلام کا نظام اراضی ص ۹۲ باب دوم

الغرض سندھ کی فتح ہو جانے کے بعد اس کی زمینوں پر خراج کا حکم عائد کیا گیا۔

قد ثبت فی کتب التاریخ ان فتح السند کان فی سنة ثلاث وتسعین وکان عنوة الا مردم چنه (اسم موضع) اسلموا طوعاً علی ما صرحوا به فی التاریخ ۔ (۱)

بیاض واحدی میں شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ "رفع الغریہ" کے حوالے سے نقل کیا ہے،

و ما سمعت من احدها وما وجدت من کتاب ان محمد بن القاسم وضع العشر علی ارض السند ولو وضع لنقل۔ (۲)

فتح سندھ کی تکمیل کے بعد بقیہ ممالک ہند کی فتوحات کا مسئلہ تقریباً تین سو سال بعد شروع ہوا، اس سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی سلطان محمود غزنوی ہیں ان کے اور ان کی اولاد کے ہاتھوں مختلف بلاد فتح ہوئے اور بعد کے سلاطین نے فتح کا سلسلہ اسی طرح جاری رکھا۔

فتوحات چند نوع پر ہوئیں ۔

(۱) یہ صورت بھی پیش آئی کہ اول فتح کے وقت لوگ مسلمان ہو گئے اور ان لوگوں کو ان کی زمینوں کا مالک بدستور قائم رکھا گیا لیکن یہ صورت بہت کم پیش آئی ہے۔

(۲) بعض ممالک ہند صلح کے ساتھ بھی فتح ہوئے ہیں ان کے ساتھ صلح کی شرائط اور دستور کے مطابق عمل کیا گیا۔

(۳) کچھ ممالک ہند لڑائی اور جنگ سے بھی فتح ہوئے ہیں اس صورت میں امام المسلمین کو تین اختیارات حاصل ہیں

۱۔ چاہے تو ان زمینوں کو غانمین میں تقسیم کر دے، پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کرنے کے بعد۔

۲۔ اراضی مملوکہ کو تقسیم کیے بغیر کل یا بعض زمینوں کو بیت المال کے لیے مخصوص کرے پھر اس کی کاشت وغیرہ کا انتظام بیت المال کی طرف سے ہو۔

۳۔ مالکان سابق کی ملکیت بدستور قائم اور باقی رکھ کر ان کی زمینوں پر خراج عائد کر دے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس کی تصریح ان لفظوں میں کی ہے:

---

(۱) منقول از جواهر الفقه جلد ثانی بحواله شیخ ابو الحسن سندھی رح

(۲) منقول از کتاب مذکور ر ۲۵۵

" فتوحات ہند کی پوری تفاصیل میں پہلی صورت تو ایک جگہ بھی نظر نہیں آئی کہ اراضی مفتوحہ کو غانمین میں تقسیم کیا گیا ہو اور دوسری صورت بھی اس طرح تو کہیں پائی نہیں جاتی کہ مفتوح ملک کی پوری زمینوں کو مالکان سابق کی ملکیت سے نکال کر بیت المال میں داخل کر لیا گیا ہو، البتہ جو زمینیں مفتوح راجاؤں کی ملک خاص اور شاہی مقبوضات تھیں ان کو کہیں کہیں حکومت اسلامیہ کے قبضہ میں بحکم اراضی بیت المال رکھا گیا ہے، جس کی نظیر فتح عراق کے وقت حضرت فاروقِ اعظم رضؓ کے عمل میں بھی پائی جاتی ہے اور فتوح سندھ میں محمد بن قاسم کے عمل میں بھی۔

باقی تمام اراضی مفتوحہ میں تیسری قسم کا اختیار فاتح سلطان نے نافذ کیا ہے یعنی مالکان سابق کو ان کی ملکیت اراضی پر بدستور قائم رکھ کر زمینوں پر خراج مقرر کر دیا گیا۔

مالکان سابق کے تمام مالکانہ تصرفات جائز و برقرار رکھے گئے، یہی وہ معاملہ ہے جو حضرت فاروق اعظم رضؓ نے عراق، شام، مصر کی اراضی کے ساتھ بمشورۂ صحابہ رضؓ اختیار فرمایا اور یہی صورت فاتح سندھ حضرت محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے تمام ممالک سندھ میں اختیار فرمائی۔" (۱)

اسی کتاب کے صـ۸۲ پر حضرت رحؒ نے تاریخی جائزہ کا خلاصہ ان الفاظ میں تحریر کیا ہے:

" فتوحات ہند کے تفصیلی مطالعہ اور تصریحات منقولہ بالا کے اجمالی استحضار سے یہ امر مستفاد ہوتا ہے کہ مسلم فاتحین سندھ و ہند نے باشندگان ملک کی عام اراضی مملوکہ پر نہ بیت المال کا مالکانہ قبضہ کیا اور نہ غانمین و مجاہدین میں تقسیم کیں بلکہ باشندگان ملک اپنی اپنی مملوکہ زمینوں پر بدستور مالک و متصرف رہے جیسا کہ حنفیہ کے نزدیک عراق، شام، مصر کی زمینوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا ہے اور سلسلہ فتوحات محمود غزنوی سے شروع ہو کر سلطان علاؤ الدین خلجی پر تمام ہوا، اور ابتدار فتح میں جو احکام و معاملات اراضی کے متعلق نافذ ہوا تھے، وہ اس وقت تک ہو چکے۔ اس کے بعد اراضی مملوکہ کی ملکیت میں سرکاری تغیر و تبدل کا حق خود سلطان فاتح کو بھی نہیں رہا، بعد کے آنے والے سلاطین کو تو کیا ہوتا۔ امام ابو یوسف رحؒ کی کتاب الخراج میں ہے:

و لیس للامام ان یخرج شیئاً من ید احد الا بالحق ثابت معروف۔ (کتاب الخراج)

اس لئے تاریخ ہند کا وہ حصہ جس پر عام احکام اراضی موقوف ہیں وہ علاء الدین خلجی کے دور پر تمام ہو جاتا ہے، بعد کے

---

(۱) منقول از: اسلام کا نظام اراضی ص ۴۲، ۴۳

سلاطین کا عمل و تعامل ملکیت اراضی کے بارے میں نہ کوئی شرعی حجت ہے اور نہ اراضی کے احکام شرعیہ پر اس کا کوئی معتد بہ اثر ہے۔"

اراضیٔ ہند کی نوعیت بعہد انگریز

انگریزوں نے ہندوستان میں جب اپنا قبضہ پورے طور پر جمالیا تو آہستہ آہستہ مسلمانوں کے بنائے ہوئے قانون کو توڑ کر اپنا قانون جاری کرنے کی ناپاک کوشش کرنے لگے، لیکن یکبارگی پورے قانون کو بدل دینا ان کے لیے مشکل معلوم ہوا۔ اس لیے انھوں نے بھی ابتدائی عہد سلطنت میں بہت سی جگہوں میں تحصیل مالگذاری کا پرانا طریقہ جو عہد اسلامی میں رائج تھا اختیار کیا۔

پھر جس طرح عہد اسلامی میں بہت سے جاگیردار جو مالگذاری وصول کر کے اس کا کوئی حصہ (تہائی یا چوتھائی وغیرہ) اپنی ذاتی ضروریات پر خرچ کرنے اور باقی اپنی فوج پر خرچ کرنے کے مجاز ہوتے تھے وہ ظلم و زیادتی سے خود زمین کے مالک بن جاتے اور اصل مالک زمین کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا اسی طرح دور انگریزی میں بھی بعض علاقوں میں یہ جاگیردار خود مالک و مختار بن جاتے اور قانون انگریز ان کو مالک تسلیم بھی کر لیتا، جبکہ یہ جاگیردار عہد اسلامی میں قانوناً صرف اتنا اختیار رکھتے تھے کہ مالگذاری کا ایک حصہ اپنی ضروریات میں خرچ کریں اور زمین پر ملکیت اصل مالک جس کو زمیندار کہا جاتا تھا اس کی رہے گی، مالگذاری ادا کرنے کے بعد باقی منافع ارض کا مستحق بھی اصل مالک ہوگا۔

لیکن آہستہ آہستہ اس قانون کو اس طرح بدلا گیا کہ زمینداروں کے علاوہ جو کاشت کار ہوتے تھے حکومت انگریز نے زمینوں میں سے ان کو بھی حقوق دینے کا قانون بنایا۔ اس جگہ ہم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رح کی کتاب "اسلام کا نظام اراضی" کا وہ حصہ نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں جو تاریخ کی مستند کتابوں کے منقبسات سے مستفاد ہوتا ہے۔

(۱) انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کے وقت مالکان اراضی کو اپنی اپنی ملکیت پر برقرار رکھا اور یہ مالکان اراضی زمیندار کہلاتے ہیں۔

(۲) تحصیل مالگذاری میں بھی بہت سے علاقوں میں پرانا طریقہ جاگیرداری یا بالفاظ دیگر ٹھیکہ داری کا جاری رکھا۔

(۳) بعض صوبوں مثل بنگال میں یہ تعلقہ دار جو درحقیقت مالکان اراضی نہیں بلکہ ٹھیکیدار تھے سلطنت کی ابتدائی گڑبڑ میں خود مالک زمین بن بیٹھے اور قانون نے بھی ان کو مالک تسلیم کر لیا۔ اسی لیے بنگال میں تعلقہ داروں کو زمیندار کہنے لگے۔

(۴) اس عہد میں خود کاشت کار زمینداروں کے بجائے ایک دوسرے طریقے نے زیادہ رواج پایا جس کو زمیندار اور کاشت کار کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور زمیندار و کاشت کار کی اس تفریق نے کاشت کاروں کی طرف سے مطالبہ حقوق کے جھگڑے اور کسان سبھا وغیرہ پیدا کیں اور کاشت کاروں کے حقوق کے لیے قانون بنے۔ انگریزی عہد سے پہلے حقیقت اراضی زمیندار اور پھر سرکار کے لیے مخصوص تھی اور چوں کہ عموماً دستور خود کاشت کا تھا اس لیے زمیندار ہی کاشتکار بھی تھے اور کہیں لگان پر زمین دینے کا طریقہ رائج بھی ہو جب بھی سرکاری کاغذات میں کاشتکار کا زمیندار سے علیحدہ کوئی منصب حقیقت اراضی میں نہیں تھا۔ انگریزی عہد سنہ ۱۹۳۲ء میں نئے قانون نے حقیقتِ اراضی میں کاشتکار کا درجہ بھی مثل سہیم و شریک کے قائم کر دیا اور اب اس سلسلہ میں سرکار نے زمیندار کے ساتھ ایک تیسرا درجہ کاشت کار کا بھی قائم کر دیا۔ کاشت کار کے مستقل حقوق اور ان کا تحفظ ابتداءً اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ جب خود کاشت کے بجائے لگان پر اراضی دینے کا رواج بڑھا تو زمین کی پیداوار پر اس کا ایک ناگوار اثر پڑا کیوں کہ کاشت کار اپنے عارضی ہونے کی وجہ سے زمین کے درست کرنے اور پیداوار بڑھانے میں اتنی محنت و مشقت صرف نہیں کرتے تھے جیسی خود مالک زمین کرتا، کیوں کہ اسے ہر وقت یہ خوف دامن گیر تھا کہ زمیندار جس وقت چاہے گا زمین مجھ سے چھڑا لے گا۔ اور اس کی ہمواری و قابل کاشت بنانے پر جو میرا روپیہ اور محنت صرف ہوگی اس کا صلہ مجھ کو نہ مل سکے گا حکومت نے پیداوار کے اس نقصان کی تلافی اور ترقی زراعت کے پیش نظر کاشتکار کے حقوق قائم کیے۔

انگریزی عہد کے اس نئے قانون نے کاشت کاروں کے حقوق کی رعایت کے نام سے زمینداروں کے حقوق چھیننا شروع کر دیے اور ظالم کو ظلم سے روکنے کے بجائے مظلوم بنا دیا۔

یعنی زمیندار اگر کاشت کاروں پر ظلم کرتے رہے ہوں تو اس کی صورت یہ نہیں تھی کہ زمینداروں کے حقوق غصب کیے جائیں بلکہ اس کی صورت یہ تھی کہ کاشت کاروں کا جو واجبی حق ہوتا اسے زمینداروں سے دلوایا جاتا۔

سنہ ۱۹۰۰ء میں موروثیت وغیرہ کے نئے قانون نے تو کاشت کاروں کو اصل مالک قرار دے دیا اور زمیندار کو معطل کر دیا گیا۔

عشر وخراج کی حقیقت

از: ــــــ مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی جامعہ دارالسلام مالیرکوٹلہ۔

اسلام کا بنیادی فکر یہ ہے کہ یہ ساری کائنات ـــــ روئے زمین جس کا ایک حصہ ہے۔ ایک اللہ کی سلطنت ہے۔ وہ اکیلا خود ہی اس کا پیدا کرنے والا بھی ہے۔ اور بلاشرکتِ غیرے اس کا مکمل فرماں روا اور حقیقی مالک بھی۔

اللہ کی زمین پر اللہ کی مخلوق انسان اللہ کی پیدائشی رعیت (BORN SUBJECT) ہے۔ اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اس زمین پر اپنی خلافت سے نوازا ہے۔ ہمارے پروردگار نے ایک محدود دائرے میں آزادیٔ عمل کا اختیار دیا ہے۔ آزادیٔ عمل کے یہ محدود اختیارات حاصل کردہ نہیں بلکہ تفویض کردہ (DELEGATED) ہیں۔

آزادیٔ عمل کے اختیارات استعمال کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی کائنات میں انسان کو کچھ چیزوں پر تصرف کرنے کا اختیار دیا ہے۔ یہ سب چیزیں جن پر انسان تصرف کرتا ہے اور اس کو ملتی ہیں۔ اللہ کی بخشش ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔

وابتغ فیما اٰتاك الله الدار الآخرۃ۔ (۱)

جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر

(۱) سورۃ القصص پ ۲۰ آیۃ ۷۷۔

واٰتوھم من مال اللّٰہ الذی اٰتاکم ۔ (۱)

اور انھیں اللہ کے اس مال میں سے دو جو اس نے تم کو عطا کیا ہے ۔

یہ مال وزر۔ زمین ۔ یہ باغ ۔ یہ کھیت وغیرہ اللہ کی بخشی ہوئی نعمتیں ہیں ۔ شکرِ نعمت کی نذر کا نام "زکوٰۃ" ہے جو دین کا اہم رکن اور مالی عبادت ہے ۔

زکوٰۃ اسلام کی اس اقتصادی پالیسی کا ایک حصہ ہے کہ دولت کا بہاؤ مالداروں سے غریبوں کی طرف رہے ۔ دولت منجمد نہ ہونے پائے گردش میں رہے ۔ زکوٰۃ اسلام کے تربیتی نظام کا ایک اہم جزو ہے تاکہ انسان کا دل حبِ مال کی نجاست سے پاک وصاف ہو جائے ۔

عشر

جس طرح سونے چاندی کی زکوٰۃ ہے اسی طرح زمین کی پیداوار کی بھی زکوٰۃ ہے ۔ اسی کا اصطلاحی نام "عشر" ہے ۔ قرآن مجید میں ہے ۔

وھو الذی انشأ جنّٰت معروشٰت وغیر معروشٰت والنخل والزرع مختلفًا اُکلہ والزیتون والرمان متشابھا وغیر متشابہ ۔ کلوا من ثمرہ اذا اثمر واٰتوا حقہ یوم حصادہ ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین ۔ (۲)

وہ اللہ ہی ہے جس نے طرح طرح کے باغ اور تاکستان (انگوری باغ) اور نخلستان پیدا کئے کھیتیاں اگائیں جن سے قسم قسم کے ماکولات حاصل ہوتے ہیں ۔ زیتون اور انار کے درخت پیدا کئے جن کے پھل صورت میں مشابہ اور مزے میں مختلف ہوتے ہیں ۔ کھاؤ ان کی پیداوار جبکہ پھلیں ۔ اور اللہ کا حق ادا کرو جب ان کی فصل کاٹو اور حد سے نہ گزرو ۔ کہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۔

مذکورہ آیت میں "واٰتوا حقہ یوم حصادہ" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ پیداوار کی زکوٰۃ (عشر) کے لئے سال گزرنے کی شرط نہیں ہے ۔ بلکہ جس دن پیداوار حاصل کرلی جائے فوراً اس کا حق (عشر) ادا کر دیا جائے ۔ ائمہ اربعۃ کا اس پر اتفاق ہے ۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ اس مسئلہ پر اجماع ہے ۔ (۳)

---

(۱) سورہ نور ایۃ ۳۳ ۔ (۲) الانعام ۱۴۱ ۔ (۳) تفسیر مظہری ۱/۳۵۳ ۔

پیداوار کے عمل میں انسان کی کوشش ضرور ہے مگر اس کوشش کا نتیجہ مہیا کرنا۔ اس کوشش کو نتیجہ خیز بنانا بیج کو کونپل اور کونپل کو درخت بنانا انسان کے بس میں نہیں ہے۔

أفرأيتم ما تحرثون ء أأنتم تزرعونه أم نحن الزّارعون۔ (۱)

دیکھو تو جو کچھ تم کاشت کرتے ہو، کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم ہیں اُگانے والے؟

ليأكلوا من ثمره وما عملته أيديهم أفلا يشكرون۔ (۲)

(ہم نے زمین میں چشمے جاری کئے) تاکہ وہ درختوں کے پھل کھائیں، حالانکہ یہ پھل ان کے ہاتھوں نے نہیں بنائے وہ شکر نہیں کرتے۔

پیداوار کے عمل میں جو جانور کام آتے ہیں یہ وسائل وذرائع بھی اللہ کے دیئے ہوئے ہیں۔

أولم يروا أنا خلقنا لهم مما عملت أيدينا أنعاما فهم لها مالكون۔ (۳)

کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے ان کے لئے جانوروں کو اپنے ہاتھ سے بنا کر پیدا کیا، پھر بھی لوگ ان کے مالک بن رہے ہیں۔

"فهم لها مالكون" کے الفاظ سے بعطائے حق انسان کی انفرادی ملکیت کی طرف بھی اشارہ فرمادیا۔ بہرحال پیداوار کے قبضہ میں آتے ہی اس کا حق شکر عشر کی صورت میں ادا کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ عشر اہل اسلام کے ذمے ہے۔ غیر مسلم اس کے مخاطب نہیں ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

يا أيها الذين آمنوا انفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض ولا تيمموا الخبيث منه تنفقون۔ (۴)

اے ایمان والو! اپنی کمائی اور ہماری عطا کردہ زمین کی پیداوار سے اچھا اور پاکیزہ مال (میری راہ میں) خرچ کرو۔ اس میں سے خراب اور ردی مال خرچ کرنیکا ارادہ بھی نہ کرو۔

حدیث میں ہے:

عن عبد اللہ بن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ـــ فیما سقت

---

(۱) سورۃ الواقعہ آیت ۶۳-۶۴ (۲) یٰسین ۳۵۔

(۳) یٰسین ۷۱۔ (۴) البقرۃ ۲۶۷۔

السماء والعيون أو كان عثريًا العشر وما سُقي بالنضح نصف العشر (۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کھیت بارش کے پانی، چشمے یا تالاب وجوہڑ سے سیراب ہو اس میں عشر ہے اور جو کھیت سیرابی کے سامان (رہٹ اونٹ وغیرہ) سے سیراب ہو اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے۔

جابر بن عبد اللہ یذکر أنہ سمع النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم قال فیما سقت الأنہار والغیم والعشور وفیما سُقي بالسانیۃ فیہ نصف العشر (۲)

حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپؐ نے فرمایا جن کھیتوں کو نہریں اور بارشیں سیراب کریں اس میں دسواں حصہ ہے اور جن کو اونٹوں پر پانی لاکر سیراب کیا جائے ان میں بیسواں حصہ ہے۔

مذکورہ بالا احادیث سے عشر کی شرح دس فیصد اور پانچ فیصد معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پیداوار کم ہو یا زیادہ کسی نصاب کی قید کے بغیر اس میں عشر لازم ہوگا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر پیداوار چاہے غلہ ہو یا سبزی۔ پٹ سن وغیرہ زمین کی ہر وہ پیداوار جو بالقصد کی جاتی ہے اس پر اس کی زکوٰۃ الارض یعنی عشر ادا کرنا ہوگا۔

آثار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

عن عمر بن عبد العزیز قال فیما أنبتت الارض من قلیل أو کثیر العشر أخرجہ عبد الرزاق ونحوہ من مجاھد وابراھیم النخعی۔ (۳)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے روایت ہے کہ زمین کی ہر پیداوار پر چاہے کم ہو یا زیادہ عشر لازم ہوتا ہے۔

وعن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی العسل فی کل عشرۃ أزُقٍّ زِقٌّ، رواہ الترمذی وقال فی اسنادہ مقال ولا یصح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذا الباب کثیر شیئ۔ (۴)

حضرت ابن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کی پیداوار کے بارے میں فرمایا کہ ہر دس مشک پر ایک مشک عشر ہے۔

---

(۱) رواہ بخاری۔ مشکوٰۃ باب ما یجب فیہ الزکوٰۃ الفصل الاول ص ۱۵۹ (۲) مسلم شریف باب فیہ العشر ونصف العشر ۲/۲۷

(۳) حاشیہ مشکوٰۃ ص ۱۵۸ (۴) مشکوٰۃ باب ما یجب فیہ الزکوٰۃ الفصل الثانی ص ۱۵۹۔

بدائع الصنائع میں ہے۔

احدهما الإسلام وانه شرط ابتداء هذا الحق فلا يبتدأ بهذا الحق الا على مسلم بلا خلاف لأن فيه معنى العبادة والكافر ليس من أهل وجوبها ابتداء فلا يبتدأ به عليه. (۱)

(عشر کے لئے، دیگر شرائط میں سے ایک شرط اسلام ہے اور یہ شرط (عشر کی) ابتداء اور آغاز کیلئے ہے۔ آغاز میں عشر صرف مسلم پر عائد ہوگا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ عشر میں ایک پہلو عبادت کا ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں ہے۔ لہذا عشر مسلمان پر ہی ہوگا۔

اس سے آگے ہے کہ:

واما سبب فرضيتها (العشر) فالأرض النامية بالخارج حقيقة وسبب وجوب الخراج الارض النامية بالخارج حقيقة أو تقديرا حتى لو أصاب الخارج آفة فهلك لا يجب منه العشر في الأرض العشرية ولا الخراج في الأرض الخراجية لفوات النماء حقيقة وتقديرا ولو كانت الارض خراجية يجب الخراج لوجود الخارج تقديرا ولو كانت أرض خراج خراجية أو غلب عليها الماء بحيث لا يستطاع فيه الزرعة أو سبخة أو لا يصل إليها الماء فلا خراج فيه لعدم الخارج فيه حقيقة وتقديرا. (۲)

عشر کے فرض ہونے کا سبب قابل کاشت زمین ہے۔ اور خراج کا خارجی سبب بھی قابل کاشت زمین ہے یہ سبب حقیقی ہو یا تقدیری ہو۔ اگر کوئی آفت اوپر سے ایسی آجائے جو کھیتی کو ختم کردے۔ تباہ کردے تو عشری زمین میں عشر نہیں ہوگا۔ اور نہ خراج والی زمین میں خراج ہوگا۔ اس لئے کہ حقیقت میں اور تقدیراً پیداوار متاثر ہوگئی۔ اور اگر زمین خراجی ہے (اور اس سے کوئی پیداوار حاصل نہیں کرتا ایسے ہی چھوڑ دیتا ہے) تو خراج واجب ہوگا۔ ہاں خراجی زمین میں اگر حقیقتاً پیداوار میں رکاوٹ پیدا ہوجائے مثلاً سیلاب آگیا۔ یا خشک سالی ہوگئی۔ سیرابی ممکن نہ رہی تو اس پر خراج نہ ہوگا۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۵۴/۲۔ (۲) ایضاً۔

عشر کے سلسلہ میں خلاصۂ بیان یہ ہے کہ:

۱۔ سونے، چاندی زکوٰۃ الاموال کی طرح زکوٰۃ الارض فرض ہے۔ (بالاتفاق)

۲۔ عشر صرف ٹیکس ہی نہیں بلکہ عبادت ہے (بالاتفاق)

۳۔ عشر مسلمانوں پر ہے غیر مسلموں پر نہیں ہے (بالاتفاق)

۴۔ زمین کی ہر پیداوار جو بالقصد پیدا کی جائے اس پر عشر ہے

۵۔ شہد پر بھی عشر ہے۔

۶۔ عشر کے لئے حولان حول (سال گزرنا) ضروری نہیں ہے۔ پیداوار جب حاصل کرلی جائے تو عشر کی ادائیگی فرض ہوجاتی ہے۔ (بالاتفاق)

۷۔ عشر کی دو شرحیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمادی ہیں ۔ تدرتی پانی سے سیرابی ہو تو دس فیصد۔ اور سیرابی کے لئے اخراجات ہوں تو پانچ فیصد۔

۸۔ عشر کے لئے کوئی نصاب زکوٰۃ کی طرح مقرر نہیں ہے۔ پیداوار کم ہو یا زیادہ اس پر عشر دینا ہوگا۔

۹۔ عشر کے لئے "دین" سے فارغ ہونا شرط نہیں ہے۔

۱۰۔ عشر کے لئے عقل، بلوغ اور زمین کا مالک ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ پیداوار پر عشر ہے۔ (بالاتفاق)

عشر کے مندرجہ بالا مسائل میں درج ذیل نکات پر سب کا اتفاق ہے۔

۱۔ زکوٰۃ الارض "عشر" فرض ہے۔

۲۔ عشر صرف مسلمانوں پر فرض ہے۔

۳۔ عشر کے لئے سال گزرنے کی شرط نہیں ہے۔

۴۔ عشر صرف ٹیکس نہیں عبادت ہے۔

۵۔ عشر کے لئے عقل اور بلوغ کی اور ملکیت کی شرط نہیں ہے۔ وقف زمین کی پیداوار پر بھی عشر ہے۔ کیونکہ اصلاً عشر کا تعلق پیداوار سے ہے نہ کہ زمین سے۔

۶۔ شرح عشر دس فیصد اور پانچ فیصد پر سب کا اتفاق ہے کہ قدرتی پانی سے ہو تو دس فیصد۔ اور سیرابی کے لئے اخراجات ہوں تو پانچ فیصد۔

O

عشر کے جن مسائل پر ائمہ مجتہدین نے رائے کا اختلاف کیا ہے وہ یہ ہیں۔

۱ ـــــ ترکاریوں اور سبزیوں پر ائمہ اربعہ میں سے صرف امام ابوحنیفہ رح کے مسلک میں عشر ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین (امام ابویوسف و محمد رح) اس کو عشر سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رح کے مسلک کی دلیل تو بخاری شریف کی وہ حدیث ہے جس میں عموم ہے۔ قرآن مجید کی آیات کا مفہوم بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ مگر امام صاحبؒ کی رائے سے اختلاف کرنے والے دلیل میں یہ حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

عن معاذ أنه كتب إلى النبي صلى الله عليه وسلم يسأله عن الخضروات وهي البقول قال ليس فيه شيئ۔ (۱)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ انھوں نے لکھ کر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے خضروات یعنی ترکاریوں کی زکوٰۃ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔

عن علي أن النبي صلى الله عليه وسلم قال ليس في الخضروات صدقة۔ (۲)

حضرت علی رضہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبزیوں، ترکاریوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

۲ ـــــ غلوں اور پھلوں پر عشر کے لئے "دین" سے فارغ ہونا امام ابوحنیفہ رح، امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک شرط نہیں ہے ـــــ امام احمد بن حنبلؒ کی رائے اس مسئلہ میں مختلف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ اموال کی طرح عشر کے لئے دین سے فارغ ہونا شرط ہے۔

ایک روایت امام ابوحنیفہ رح سے بھی امام احمد بن حنبل رح کے موافق ہے۔

روى بن المبارك عن أبي حنيفة ان الدين يمنع وجوب العشر فيمنع على هذه الرواية۔ (۳)

ابن المبارک نے ابوحنیفہ رح سے یہ روایت کی ہے کہ دَین وجوب عشر کو روک دیتا ہے لہٰذا اس روایت کی بنا پر دین مانع عشر ہوگا۔

---

(۱) ترمذی (۲) مشکوٰۃ بحوالہ دارقطنی (۳) بدائع الصنائع ۔ ۲۔

۳ــــــ عشر کے لئے کسی نصاب کا نہ ہونا ائمہ اربعہ میں سے صرف امام ابوحنیفہ رح کا قول ہے ــــــ صاحبینؒ بھی زکوٰۃ اموال کی طرح عشر میں بھی نصاب کے قائل ہیں۔ امام صاحب کے قول کی دلیل آیت قرآنی اور حدیث کا عموم ہے دیگر ائمہ کی دلیل یہ حدیثیں ہیں۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لیس فیما دون خمسۃ اُوسق من التمر صدقۃ۔ (۱)

ابوسعید خدری رض سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ وسق سے کم چھوارے میں زکوٰۃ نہیں ہے

حضرت ابوسعید خدری رض سے ہی دوسری روایت ان الفاظ میں ہے کہ:

اَن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لیس فی حب ولا تمر صدقۃ حتی یبلغ خمسۃ اوسق۔ (۲) نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غلے اور چھوارے میں زکوٰۃ نہیں ہے جبتک کہ پانچ وسق تک نہ پہنچ جائے۔

ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ تین سو صاع سے کم وزن میں عشر نہیں ہوگا۔

عشر کے سلسلہ میں یہ بنیادی حقیقت سامنے رہنی چاہئے کہ زمین پر زکوٰۃ نہیں ہے ــــــ زمین کی پیداوار حاصل کرنے کے لئے اصل مال وہ "بیج" ہے جو زمین میں بویا گیا۔ اصل مال یعنی بیج کا حاصل اور منافع یہ پیداوار ہے۔ جب کھیتی کٹ کر صاف ہو کر ہر طرح کے نقصانات سے بچ کر گھر آجائے تو اس کے اوپر یہ پیداوار کے منافع کا حق عشر کی صورت میں ادا کرنا ہے جو اللّٰہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوا ہے۔

شرح عشر میں سیرابی کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے۔ اگر سیرابی قدرتی ذرائع سے ہوئی ہے جس میں کاشتکار کی محنت اور خرچ نہیں ہوا ہے تو شرح عشر دس فیصد ہے اور محنت و خرچ ہوا ہے تو پانچ فیصد ہے۔

عشری زمینیں

دس صورتیں ایسی ہیں جن میں زمین عشری ہوتی ہے۔

۱ ــ بادشاہان اسلام کے وقت سے جو زمینیں موروثی ہیں

۲ ــ جو زمینیں بادشاہان اسلام کے وقت سے موقوفہ ہیں۔

---

(۱) مشکوٰۃ بحوالہ بخاری (۲) مشکوٰۃ بحوالہ نسائی۔

۳ ـــــــ وہ موروثی زمینیں جو شاہی وقت سے تو موروثی نہیں ہیں۔ لیکن یہ بھی نہیں معلوم کہ کس طرح قبضہ میں آئی ہیں؟

۴ ـــــــ جو زمینیں مسلمانوں نے خریدی ہیں۔ یا بطریق ہبہ یا بذریعۂ وصیت ان کو ملی ہیں اور جس نے فروخت کیا۔ یا ہبہ کیا یا وصیت کی۔ اس نے بھی کسی مسلمان سے حاصل کی تھی۔ اسی طرح برابر سلسلہ جاری ہے۔ وہ سب زمینیں عشری ہیں۔

۵ ـــــــ جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں مسلمانوں کے خرید و فروخت کے ذریعہ آئی ہیں اور اوپر جاکر یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ اسلام نے دی تھی۔

۶ ـــــــ مسلمانوں کے قبضہ میں وراثتہً یا بذریعہ خرید و فروخت ہیں۔ لیکن اوپر کا حال معلوم نہیں کہ پہلے لوگوں نے کس طرح حاصل کی تھی۔

۷ ـــــــ انگریزی حکومت نے بطور معافی اس زمین کو دیا جو پہلے سے مسلمان کی ملکیت تھی۔

۸ ـــــــ انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو بطور معافی زمین دی مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ زمین پہلے کس کی تھی؟

۹ ـــــــ مسلمانوں نے غیر مزروعہ زمین کو جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی آباد کیا ہے اور وہ عشری زمین کے قریب ہے یا آسمانی و دریائی پانی یا اپنے کنویں سے سیراب ہوئی ہے۔

۱۰ ـــــــ مسلمانوں نے اپنے رہائشی مکانات کو مزروعہ بنایا۔ (۱)

مسلمانوں کی مملوکہ و مقبوضہ زمینیں جو شرعاً عشری قرار پاتی ہیں۔ وہ جب تک ان کے قبضہ میں رہیں گی عشری رہیں گی۔ ان میں حکومت کی تبدیلی سے کوئی فرق نہ ہوگا۔ کیونکہ عشر انسانی حکومت کا نہیں بلکہ اللہ اور رسول کا مقرر کردہ حق ہے۔

خراج

سورۂ بقرہ کی آیت ۲۶۷ میں پیداوار کی زکوٰۃ کا حکم اہل ایمان کو دیا گیا ہے۔ غیر مسلموں پر عشر کے بجائے خراج ہے۔ خراج ہر قابل کاشت زمین پر عائد ہوتا ہے بخلاف عشر کے کہ وہ زمین کی پیداوار پر ہوتا ہے۔

---

(۱) کتاب العشر و الزکوٰۃ۔ مولانا عبد الصمد رحمانیؒ ص ۱۳۵ (طبع اول)

خراج کی دو قسمیں ہیں۔ خراج موظف اور خراج مقاسمہ۔

خراج موظف:۔۔۔۔۔ وہ ٹیکس ہے جو قابل کاشت زمین پر نقد رقم کی صورت میں لگایا جائے۔

خراج مقاسمہ:۔۔۔۔۔ وہ ٹیکس ہے جو بٹائی کی صورت میں پیداوار پر لگایا جائے۔

اصول یہ ہے کہ جو وظیفہ خراج یا عشر کسی زمین پر لگا دیا گیا وہ مالک کے بدلنے سے نہیں بدلے گا۔ اس لئے اگر کسی غیر مسلم کی خراجی زمین کو کوئی مسلمان خرید لے تو وہ خراجی ہی رہے گی عشری نہ ہوگی۔

لیکن اگر کسی مسلمان کی عشری زمین کو کوئی غیر مسلم خریدے تو وہ عشری نہ رہے گی۔ کیونکہ عشر ایک عبادت ہے اور اس کا تعلق اسلام سے ہے۔ (۱)

کسی زمین کے خراجی ہونے کی چار صورتیں ہیں۔

۱۔۔۔۔۔ کسی غیر مسلم ملک پر امام المسلمین کا قبضہ ہو جائے اور وہ وہاں کی زمینوں کو غیر مسلم باشندگانِ ملک کے پاس ہی رہنے دے۔

۲۔۔۔۔۔ کسی غیر مسلم ملک کے باشندے بطور خود امام المسلمین سے صلح کر کے ذمی بنا قبول کرلیں۔

۳۔۔۔۔۔ کسی مسلمان نے کسی غیر مسلم سے خراجی زمین خرید لی۔ تو اس صورت میں وہ زمین خراجی ہی رہے گی۔

۴۔۔۔۔۔ کسی غیر مسلم نے کسی مسلمان سے عشری زمین خرید لی تو اب وہ زمین خراجی بن جائے گی۔

امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک عشر اور خراج ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ یا عشر واجب ہوگا یا خراج۔ مگر امام مالکؒ۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مسلمانوں کی مملوکہ ہر زمین کی پیداوار پر عشر فرض ہے۔ چاہے وہ زمین عشری ہو یا خراجی۔

امام ابوحنیفہ رح کے مسلک کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لایجتمع علی مسلم خراج وعشر۔ (۲)

کہ مسلمان پر خراج اور عشر دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

---

(۱) ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع ۲/۵۵

(۲) رواہ ابن عدی فی الکامل۔ از فتح القدیر جلد ۲

مَراجع ومَاخذ

(۱) قرآن مجید

(۲) تفسیر مظہری۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی۔

(۳) مشکوٰۃ المصابیح۔ شیخ ولی الدین محمد بن عبد اللہ۔ ۷۳۷ھ میں ترتیب سے فارغ ہوئے۔ (نور محمد)

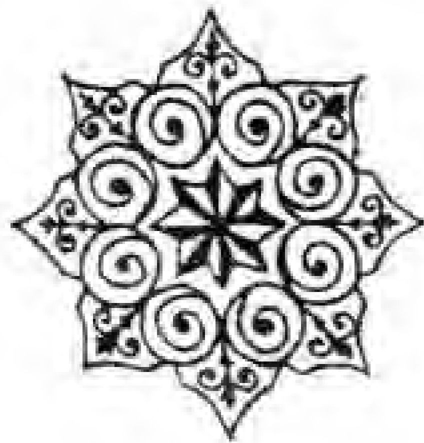
(۴) الجامع الصحیح مسلم۔ ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم قشیری نیشاپوری ۲۰۶ تا ۲۶۱۔ دار العربیہ بیروت

(۵) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع۔ ملک العلماء علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ
ناشر زکریا یوسف مطبع الامام قاہرہ۔

(۶) الجامع الصحیح السنن ترمذی۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی ۲۰۹ھ متوفی ۲۷۹ھ۔

(۷) کتاب العشر والزکوٰۃ۔ مولانا عبد الصمد رحمانی نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ

(۸) شرح فتح القدیر علی الہدایہ۔ کمال الدین محمد بن عبد الواحد الحنفی السیواسی
الاسکندری ابن الہمام متوفی ۸۶۱ھ مطبع مصطفیٰ ۱۳۵۶ھ۔



اسلام کا نظام عشر و خراج

از: محمد ابو الخیر کلکتوی، خادم التدریس، مدرسہ شیخ الاسلام شیخو پور
(اعظم گڈھ، یوپی)

عشر و خراج اسلامی حکومت کے اصلاحی الفاظ میں سے ہیں۔ عشر کا لفظی معنیٰ دسواں حصہ ہے لیکن جن صورتوں میں بیسواں حصہ (نصف عشر) واجب ہوتا ہے ان کا ذکر بھی فقہاء نے عشر ہی کے عنوان سے کیا ہے۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

"باب العشر وھو واحد الاجزاء العشرۃ والمراد بہ ھھنا ما ینسب الیہ لتشمل الترجمۃ نصف العشر[1]"

اور امام اکمل الدین اپنی کتاب العنایہ شرح الہدایہ میں فرماتے ہیں:

"والعشر بضم العین احد اجزاء العشر والخراج اسم لما یخرج من غلۃ الارض[2]"

عشر اور خراج زمین کی مؤنت ہونے میں دونوں شریک ہیں البتہ عشر کے اندر عبادت کا معنیٰ ہے، اور خراج میں صغار و ذلت کا معنیٰ۔ اسی لیے عشر کی ابتداء مسلم ہی سے کی جا سکتی ہے اور کافر پر عشر کا وجوب نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ اس میں وجوب عبادت کی اہلیت نہیں۔

---

[1] شامی ۲/ ۳۲۵۔ [2] عنایۃ علیٰ هامش فتح القدیر ۵/ ۲۰۹۔

ملک العلماء امام علاء الدین کاسانی فرماتے ہیں :

"الاراضی لاتخلو عن مؤنة اما العشر واما الخراج والابتداء بالعشر فی ارض المسلم اولیٰ لان فی العشر معنی العبادة وفی الخراج معنی الصغار[1]"

اور عملی اعتبار سے یہ فرق بھی ہے کہ عشر کا وجوب پیداوار پر ہوتا ہے اور خراج مؤظف کے لیے پیداوار شرط نہیں :

"ومن شرائط المحلیة وجود الخارج حتی ان الارض لو لم تخرج شیئاً لم یجب العشر لان الواجب جزء من الخارج وایجاب جزء من الخارج ولا خارج محال[2]"

عشر و خراج کی فرضیت کے سبب میں بھی تھوڑا سا فرق ہے کہ عشر کی فرضیت کا سبب زمین کا حقیقتاً نامی ہونا ہے یعنی زمین سے پیداوار حاصل ہو جائے اور خراج کی فرضیت کا سبب زمین کا حقیقتاً یا تقدیراً نامی ہونا ہے، یعنی اگر اسباب کے صحیح و سالم ہونے اور آلاتِ حرث کے پائے جانے کی وجہ سے زراعت پر قدرت ہوگئی تو تقدیراً نما حاصل ہوگیا :

"واما سبب فرضیته (العشر) فالارض النامیة بالخارج حقیقة وسبب وجوب الخراج الارض النامیة بالخارج حقیقة او تقدیراً[3]"

یہی وجہ ہے کہ اگر پیداوار ھلاک ہو جائے تو اس میں نہ عشر واجب ہے نہ خراج، کیوں کہ نما، حقیقۃً و تقدیراً فوت ہوگیا۔ اور عشری زمین میں اگر زراعت پر قدرت کے باوجود کھیتی نہ کی تو عشر واجب نہ ہوگا، کیوں کہ حقیقۃً پیداوار کا حصول ہی نہ ہوا، اور خراجی زمین ہوتی تو خراج واجب ہو جاتا، کیوں کہ تقدیراً نما پالیا گیا۔ البتہ خراجی زمین ایسی ہو کہ اس سے پانی رستا ہو یا سیلاب میں ڈوب گئی ہو، جس میں کھیتی ممکن نہ ہو یا زمین بنجر ہے یا سب کچھ درست ہونے کے بعد زمین ایسی جگہ واقع ہے کہ وہاں تک پانی پہونچانا ممکن نہیں اور اتنی بارش نہیں ہوتی جو کافی ہو، تو اس میں خراج نہیں، کیوں کہ اس میں نما، نہیں ہے، نہ حقیقۃً نہ تقدیراً۔

---

[1] بدائع، ۲/۵۰۔ [2] بدائع و شامی۔ [3] بدائع۔

عشری وخراجی زمین میں بنیادی فرق :

اراضیٔ عشر

مسلمان فاتح جب کسی ملک کو فتح کرتا ہے تو اس کی چند صورتیں ہو سکتی ہیں :

۱۔ ملک صلح کے ساتھ اس طرح فتح ہوا کہ اس کے باشندے بھی مسلمان ہو گیے اور ان کی زمینیں بدستور ان ہی کی ملک ہیں، تو یہ عشری ہیں، جیسے مدینہ طیبہ، کہ وہاں کے باشندوں نے خود آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی، اور ان کی اطاعت قبول کی :

"الارض التی اسلم علیہا اہلہا طوعاً"[۱]

۲۔ ملک عنوۃ و قہراً فتح ہوا اور اس کی زمینیں غانمین مسلمین کے درمیان تقسیم کر دی گئیں، تو یہ عشری ہیں۔ کیوں کہ زمین مونت سے خالی نہیں ہوتی، عشر یا خراج لازم ہے اور مسلم کی زمین میں عشر ہی سے ابتداء کی جا سکتی ہے۔

۳۔ مسلمان نے اپنے گھر کو باغیچہ بنا لیا، اور عشری پانی سے سیراب ہوتا ہے تو عشری ہے، (اگر خراجی پانی سے سیراب کرتا ہے تو خراجی ہے) گویا اس صورت میں عشری و خراجی ہونے کا مدار پانی پر ہے۔ تمام صورتوں میں نہیں ہے اور ضابطہ یہ ہے اگر زمین کا عشری ہونا منصوص علیہ ہے تو وہ عشری ہے خواہ خراجی پانی سے سیراب کی جائے اور اگر خراجی ہونا منصوص علیہ ہے خواہ عشری پانی سے سیراب کی جائے اور جو منصوص علیہ نہیں ہے اس کا مدار پانی پر ہے اگر عشری ہے تو عشری، اگر خراجی ہے تو خراجی، اور اگر کبھی عشری پانی سے کبھی خراجی پانی سے تو مسلم کے لیے عشر ہی زیادہ لائق ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں :

"قال فی الکافی لان المؤنۃ فی غیر المنصوص علیہ تدور مع الماء

---

[۱] بدائع و شامی۔

فان کانت تسقی بماء بئرا وعین فهی عشریة وان کانت تسقی بانهار الاعاجم فخراجیة ولو بهذا مرة وبهذا مرة فالعشر احق بالمسلم اھ ومقتضاه ان المنصوص علی انه عشری کارض العرب ونحوها او علی انه خراجی کارض السواد ونحوها لایعتبر فیہ الماء[1]۔

اورعلامہ ابن ہمام نے صاحب ہدایہ کے اس قول "وفی الجامع الصغیر کل ارض فتحت عنوة فوصل الیها ماء الانهار فهی ارض خراج الخ" کے تحت تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد حاصل کلام جو ذکر کیا ہے وہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے :

"والحاصل ان التی فتحت عنوة ان اقر الکفار علیها لا یوظف علیهم الا الخراج ولو سقیت بماء المطر وان قسمت بین المسلمین لا یوظف الا العشر وان سقیت بماء الانهار واذا کان کذلك فبالضرورة یراد الارض التی احیاها معی فان الذی فتحت عنوة مما یبتدأ فیها التوظیف غیر المقسومة والمقر اهلها علیها لیس الاموات التی احییت ویصیر المعنی کل ارض فتحت عنوة صارت ارض خراج اذا اقام اهلها علیها وکل ارض لم تفتح عنوة بل احیاها مسلم ان کان صفتها انها یصل الیها ماء الانهار فهی خراجیة او ماء عین ونحوه فهی عشریة[2]۔"

عشری پانی

بارش کا پانی ، خود مسلم نے کنواں کھودا ، یا چشمہ جاری کیا ، اسی طرح دجلہ اور فرات اور وہ سارے بڑے بڑے دریا جن کا کوئی مالک نہیں ہوتا ۔

---

[1] شامی ۲/۱۸۵۔

[2] فتح القدیر ۵/۲۸۰۔

علامہ ابن ھمام نے اپنی کتاب فتح القدیر میں امام محمدؒ کا قول ذکر کیا ہے :

" ان محمداً قال فیمن احیا ارضاً میتۃ ببئر حفرھا اوعین استخرجھا او ماء دجلۃ والفرات او باقی الانہار العظام التی لا یملکھا احد او بالمطر فہی عشریۃ لہ "

خراجی پانی

وہ چھوٹی چھوٹی نہریں جنہیں کفار نے کھودا ہے، جن پر ان کا قبضہ ہوتا ہے، جیسے نہر ملک نہر یزد جرد وغیرہ، شامیؒ نے تعریف نقل کرنے کے بعد حاصل کلام یہ ذکر کیا ہے :

" والحاصل ان ماء الخراج ما کان للکفرۃ ید علیہ ثم حوینا ہ قہراً وما سواہ عشری لعدم ثبوت الید علیہ فلم یکن غنیمۃ لہ "

شامی نے جو حاصل کلام ذکر کیا ہے اس پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ بارش اور بحار کا پانی تو ایسا ہے کہ اس پر کفار کا پہلے قبضہ نہ تھا لیکن کنوئے اور چشمے ان پر تو قبضہ تھا پھر ان سے قہراً لینا پایا گیا تو اس کو خراجی ہونا چاہیے، اس سوال کا جواب خود ابن ہمام نے دیا ہے، جس کو شامی نے نقل کیا ہے کہ :

"واجاب فی الفتح بانہ لا یلزم ذالک فی کل عین و بئر فان اکثر ما کان من حفر الکفرۃ قد دثر وما نراہ الآن اما معلوما الحدوث بعد الاسلام او مجھول الحال فیجب الحکم فیہ بانہ اسلامی اضافۃ للحادث إلی اقرب وقتیہ الممکنین لہ "

۳ــــ ارض موات جس کو مسلم نے باذن امام زندہ کیا تو ابو یوسف کے قول پر اگر یہ عشری زمین کے حیز میں ہے یعنی اس کے ہر طرف عشری زمین ہے تو یہ عشری ہے اور اگر خراجی زمین کے حیز میں ہے۔ تو خراجی ہے اور امام محمدؒ کے قول پر اگر عشری پانی سے سیراب کرتا ہے تو عشری ہے ورنہ خراجی ہے۔

لہ ھ ۲۹۰/۲ شہ ۳۳۰/۲

شامی نے امام ابویوسف کے قول کو معتمد قرار دیا ہے، فرماتے ہیں :

"ان احیاء مسلم یعتبر قربہ عند ابی یوسفؒ وعند محمدؒ یعتبر الماء والمعتمد الاول[1]"

یہیں اس کا جان لینا بھی نہایت ضروری ہے کہ امام ابویوسف کے قول کے مطابق بصرہ کی زمینیں خراجی ہونی چاہیے کیوں کہ وہ خراجی کے حیز میں ہے جیسا کہ خراجی زمینوں کے بیان میں اس کی تفصیل آجائے گی۔ لیکن اجماعِ صحابہ کی وجہ سے بصرہ کو خاص کرلیا گیا ہے :

"وقیاس قول ابی یوسف ان تکون البصرة خراجیة لانہا من حیز ارض الخراج وان احیاھا المسلمون إلاّ انہا ترك القیاس بإجماع الصحابة حیث وضعوا علیہ العشر[2]"

اور شامی میں ہے :

"والبصرة احیاھا المسلمون لانہا بنیت فی ایّام عمر بن الخطابؓ وھی فی حیز ارض الخراج[3]"

۵۔ عرب کی ساری زمینیں عشری ہیں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے ارض عرب سے خراج نہیں وصول کیا، اس سے معلوم ہوا کہ وہ عشری ہے :

"امّا العشریة فمنہا ارض العرب کلہا وإنّما کانت ھذہ ارض عشر لان رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلم والخلفاء الرّاشدین بعدہٗ لم یأخذوا من ارض العرب خراجاً فدلّ إنہا عشریة[4]"

اور ابن ہمام فرماتے ہیں :

"ولانہ کالارق علیٰ العرب فکذا لاخراج علیٰ ارضہم[5]"

---

[1] ج ۲/ ۱۰۶ ، [2] بدائع ۲/ ۵۹ ، [3] ج ۲/ ۱۶۹ ، [4] بدائع ۲/ ۵۷
[5] ج ۵/ ۲۰۹ ۔

حدودِ عرب کا جاننا بھی ضروری ہے تاکہ اس کا عشری ہونا متیقن ہو سکے۔ شامی نے بحوالہ تقویم البلدان نقل کیا ہے :

"جزیرۃ العرب خمسۃ اقسام تہامۃ، نجد، حجاز، عروض یمن فاما تہامۃ فھی الناحیۃ الجنوبیۃ من الحجاز اما نجد فھی الناحیۃ التی بین الحجاز والعراق واما الحجاز فھو جبل یقع من الیمن حتی یتصل بالشام وفیہ المدینۃ وعمان واما العروض فھو الیمامۃ إلی البحرین[۱]"

خراجی زمینیں

۱ــــ اگر ملک عنوۃً وقہراً فتح کیا گیا اور امام نے اس کی زمینیں ان کے مالکوں کے قبضے میں باقی رکھیں تو ان کی زمینیں ہمیشہ کے لیے خراجی ہوگئیں، وہ اسلام لائیں یا نہ لائیں :

"الاراضی التی فتحت عنوۃ وقہراً فمن الامام علیہم وترکہا وفی ید اربابہا فانہ یضع علی جماعتہم الجزیۃ اذا لم یسلموا وعلی اراضیہم الخراج اسلموا اولم یسلموا[۲]"

اس ضابطے کا تقاضا یہ ہے کہ مکہ کی زمینیں خراجی ہوں، کیوں کہ وہ عنوۃً فتح ہوا ہے (جیسا کہ ابن ہمام نے دلائل قویہ سے ثابت کیا ہے، کہ وہ عنوۃً فتح ہوا ہے، یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جو دلائل ہم پیش کیے ہیں ان کی روشنی میں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا کہ مکہ عنوۃً فتح نہیں ہوا ہے) اور ان کی ملکیت برقرار رکھی گئی اور تقسیم نہیں کیا گیا، لیکن فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قیاس متروک ہے، کیوں کہ آپؐ نے اس پر خراج نہیں مقرر کیا :

"ومکۃ مخصوصۃ من ھذا العموم فان رسول صلی اللہ علیہ وسلم فتحہا عنوۃ وترکہا لاھلہا ولم یوظف الخراج[۳]"

---

[۱] شامی ۳/۱۰۶، [۲] بدائع ۲/۵۸، [۳] ھدایۃ مع الفتح ۴/۲۸۹ ۔

اور بدائع میں ہے :

"فصارت مکۃ مخصوصۃ بذالک تعظیما للحرم[1]"

۲ـــــ ملک تو عنوۃً فتح کیا اور ان کی زمینوں پر ان کی ملکیت باقی بھی رکھی یا ان سے ان کی زمینوں میں دراہم و دنانیر کے ایک مخصوص مقدار پر صلح کر لی تو یہ بھی خراجی ہے ۔

۳ـــــ یا ان کفار کو تو نکالدیا، البتہ دوسرے کفار کو وہاں بسا دیا، کیوں کہ یہ ان ہی کے قائم مقام ہو گئے :

"وما فتح عنوۃ واقر اھلہ علیہ اونقل الیہ کفار آخر او فتح صلحا خراجیۃ[2]"

۴ـــــ ارض موات جس کو مسلم نے زندہ کیا اور خراجی پانی سے سیراب کرتا ہے :

"الارض المیتۃ التی احیاھا المسلم وھی تسقیٰ بماء الخراج[3]"

۵ـــــ یا ذمی نے مردہ زمین کو قابل کاشت بنایا ۔

۶ـــــ یا اس نے اپنا گھر باغیچہ بنایا ۔

"و فی دار جعلت بستانا خراج ان کانت لذمی مطلقا اوللمسلم سقاھا بمائہ ای الخراج ولوان المسلم اوالذمی سقاھا مرۃ بماء العشر ومرۃ بماء الخراج فالمسلم احق بالعشر والذمی بالخراج کما فی المعراج[4]"

۷ـــــ نصاریٰ بنی تغلب کی زمینیں خراجی ہے مالک کا حال بدلنے سے زمین کے خراجی ہونے میں کچھ تغیر نہ ہوگا ۔

"ارض نصاریٰ بنی تغلب لان عمرؓ صالحھم علیٰ ان یاخذ اراضیھم العشر مضاعفا وذالک خراج فی الحقیقۃ[5]"

۸ـــــ باستثناء بصرہ عراق کی ساری زمینیں خراجی ہیں ، اس لیے کہ جب عمرؓ نے اسے فتح

---

[1] ۲/۵۸ ، [2] شامی ۲/۲۵۱ ، [3] بدائع ۲/۵۸ [4] شامی ۳/۲۶۱ ، [5] بدائع ۲/۵۸ ۔

کیا تو صحابہؓ کی موجودگی میں خراج مقرر کیا گویا اس کے خراجی ہونے میں اجماع ہو گیا :

"دارض السواد کلہا ارض خراج[1] "

شامی نے عراق کے حدود، تقویم البلدان کے حوالے سے جو نقل کی ہے وہ یہ ہے :

"وامتداد العراق طولا شمالا وجنوبا من الحديثة على دجلة إلى عبدان وامتداده عرضًا غربا وشرقا من القادسية إلى حلوان[2] "

محور پنجم

(۱) ـــــ نصاب عشر کے سلسلے میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین میں اختلاف ہے امام صاحب کا یہ فرمانا ہے کہ وجوب عشر کے لیے کوئی نصاب شرط نہیں، بلکہ ہر اس چیز میں عشر واجب ہے جسے زمین اگاتی ہو اور اس سے نماء کا قصد کیا جاتا ہو وہ قلیل ہو یا کثیر، رطب ہو یا یابس عام طور سے ایک سال تک رہ جاتا ہو یا نہ رہ پاتا ہو، کیل کیا جاتا ہو یا نہ کیا جاتا ہو، بہنے والے پانی سے سیراب کیا جاتا ہو، یا بارش سے۔

"قال ابوحنيفة رح في كل ما تنبت الارض ويبتغى به النماء قليلاً كان اوكثيراً، رطبًا كان او يابسًا يبقى من سنة إلى سنة اولا يوسق اولا يسقى سيحًا او بماء جار او سقته السماء اى المطر، العشر[3] "

البتہ اگر پیداوار اس قدر کم ہے کہ اسے عرف میں پیداوار کہا ہی نہ جاتا ہو مثلاً کل پیداوار نصف یا ایک صاع ہے، تو اس میں وجوب عشر کا کوئی قائل نہیں ہے۔ جیساکہ علامہ شامی نے اس کی تصریح کی ہے :

---

[1] بدائع ۲/۵۸، [2] ۳/۱۷۷، [3] عنایہ علی ہامش فتح القدیر، ۲/۱۸۶۔

"فیجب ای العشر فیما دون النصاب بشرط ان یبلغ صاعًا وقیل نصفہ[1]"

- امام صاحب کی دلیل آیت :

"یاایھا الذین اٰمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض الخ[2]"

اور اللہ تعالیٰ کا قول :

"واٰتوا حقہ یوم حصادہ"

کا عموم ہے اور حدیث بھی :

"ما سقتہ السماء ففیہ العشر وما سقی بغرب اودالیۃ ففیہ نصف العشر"

اور :

"ما اخرجت الارض ففیہ العشر"

قلیل وکثیر کے درمیان کوئی فصل نہیں کرتی، اور عقلی دلیل یہ ہے کہ وجوب عشر کا سبب ارض نامیہ ہے، یعنی زمین سے پیداوار حاصل ہو جانا، اور نمو قلیل وکثیر دونوں سے حاصل ہوتا ہے۔

اور صاحبین کے نزدیک وجوبِ عشر کے لیے نصاب شرط ہے اور وہ پانچ وسق ہے، ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ اور ایک صاع آٹھ رطل کا، ایک رطل نصف من عربی کا، لہذا چار من کا ایک صاع ہوا، اس اعتبار سے بارہ سو من کا پانچ وسق ہوگا، اور ان کی دلیل ایک طویل حدیث کا یہ ٹکڑا ہے جسے بخاریؒ نے روایت کیا ہے :

"لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ"

صاحبین فرماتے ہیں کہ اس میں صدقہ سے مراد عشر ہے اس لیے کہ زکاۃ التجارہ بالاتفاق پانچ وسق سے کم میں بھی واجب ہے، جب اس کی قیمت دو سو درہم ہو جائے، اور عقلی دلیل یہ دیتے

---

[1] شامی ۲/ ۳۲۶۔

ہیں کہ یہ عشر صدقہ ہے اور صدقہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کا تعلق نماء ارض سے ہے اور یہ کافر پر واجب نہیں ہے، اور اسے مصارف صدقات ہی میں صرف کیا جا سکتا ہے، جب اس کا صدقہ ہونا ثابت ہوا تو اس کے لیے نصاب شرط ہونا چاہیے تاکہ غنی متحقق ہو سکے، اور امام صاحبؒ کے نزدیک " لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ " میں صدقہ سے مراد زکاۃ التجارۃ ہے، عشر نہیں، اس لیے کہ عہد نبوت میں لوگ وسق کے ذریعہ بیع کیا کرتے تھے اور ایک وسق کی قیمت چالیس درہم ہوا کرتی تھی، اس اعتبار پانچ وسق کی قیمت دو سو درہم ہوئی اور یہی زکاۃ کا نصاب ہے اسی لحاظ سے آپؐ نے " لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ " فرمایا ہے کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں یعنی دو درہم سے کم قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

اور صاحبین نے جو یہ فرمایا کہ یہ صدقہ ہے لہٰذا نصاب شرط ہونا چاہیے تاکہ صفت غنی متحقق ہو سکے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ باب عشر میں نفس مالک کا اعتبار نہیں[1]، تا بہ صفت چہ رسد، یہی وجہ ہے کہ مکاتب، صبی، مجنون، ماذون کی زمین میں عشر ہے، اور ان اراضی میں جو متعین یا غیر متعین افراد اعیان پر وقف ہیں، اور ان اراضی میں بھی جو کسی فرد، کسی قوم پر وقف نہیں بلکہ رباطات و مساجد کے لیے وقف ہیں[2] اسی وجہ سے اگر عشری زمین میں غلہ پیدا ہوا، اور مالک زمین پر ایک خطیر رقم دین کی ہے۔ جب بھی اس کے ذمہ سے عشر ساقط نہ ہوگا، کیوں کہ دین بیش از بیش مالک کی صفت غنی کو منعدم کر سکتا ہے، اور وہ ایجاب عشر میں معتبر نہیں۔

"واذا اخرجت الارض العشرية طعاما و على صاحبها دين كثير لم يسقط عنه العشر لان الدين يعدم غنى المالك بما في يده و قد بينا ان غنى المالك غير معتبر لايجاب العشر[3]"

اسی لیے وجوب عشر میں حولان حول شرط نہیں، کیوں کہ وہ استنماء کے لیے ہے اور یہ کل کا کل نماء ہے[3]

یہ نصاب مذکور ان چیزوں کے لیے ہے جو مکیل ہے، کیل کے اندر داخل ہوتی ہے۔

---

[1] هدایہ [2] عنایۃ [3] بدائع۔

لیکن وہ چیزیں جو کیل کے اندر داخل نہیں ہوتیں، موسوقات میں سے نہیں ہیں، جیسے روئی، زعفران وغیرہ ان کے نصاب کے ذکر میں خود صاحبین کا اختلاف ہے، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، اور وہ اس طرح کہ جتنے غلے موسوقات میں سے ہیں، یعنی وسق میں داخل ہوتے ہیں، ان میں سے جو ادنیٰ ہے، پیداوار اس کے پانچ وسق کی قیمت کے برابر ہو جائے، تو عشر واجب ہو جائے گا، ورنہ نہیں، اس لیے کہ پانچ وسق منصوص ہے تو جب تک پانچ وسق پر صوری و معنوی طور سے عمل ممکن ہو گا، اس پر عمل کیا جائے گا، اور جب صورۃً عمل ممکن نہ رہ جائے تو معنوی طریقے سے عمل پر اکتفا کیا جائے گا اور وہ قیمت ہے، لہٰذا غیر موسوقات میں قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، جیسا کہ عروض تجارت میں قیمت ہی کا اعتبار کیا جاتا ہے[۱]

اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ پیداوار کو دیکھا جائے گا کہ اس کے پیمانے کے کتنے درجات ہیں جو سب سے اعلیٰ درجہ ہوگا جب اس کا پانچ گنا ہو جائے تو عشر واجب ہوگا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ موسوقات میں وسق سے تقدیر کی وجہ یہی ہے کہ وہ اپنے باب میں اعلیٰ پیمانہ (اقصیٰ ما یقدر بہ) ہے کیوں کہ سب سے ادنیٰ پیمانہ صاع ہے، پھر کیل ہے، پھر وسق ہے[۲]، اور روئی کا سب سے آخری پیمانہ حمل ہے اس لیے کہ سب سے پہلا پیمانہ استار ہے پھر من عربی ہے، پھر حمل ہے، لہٰذا جب روئی پانچ حمل ہو جائے تو عشر واجب ہو جائے گا، اور زعفران کا سب سے اعلیٰ پیمانہ من ہے، اس لیے کہ ادنیٰ پیمانہ سنجا ہے، پھر استار ہے، پھر من ہے، لہٰذا زعفران جب پانچ من ہو جائے تو عشر واجب ہو جائے گا۔

۲ ـــــ رہا یہ سوال کہ زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز پر عشر واجب ہے یا بعض چیزوں پر نہیں ہے تو شمس الائمہ سرخسی نے یہ فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک وجوب عشر سے پانچ چیزیں مستثنیٰ ہیں۔ (۱) سعف یعنی کھجور وغیرہ کی شاخیں (۲) تبن یعنی گیہوں، دھان وغیرہ کی ڈنٹھل (۳) حشیش یعنی گھاس (۴) قصب یعنی بانس (۵) حطب یعنی جلانے کی لکڑی جیسے جھاؤ، چنار کا درخت وغیرہ

"والمستثنیٰ عند ابی حنیفۃ خمسۃ اشیاء: السعف فانہ من

---

[۱] ھدایۃ۔ [۲] عنایۃ۔

اغصان الاشجار ولیس فی الشجر شیٔ والتبن فانہ ساق للحب کالشجر للثمار والحشیش فانہ ینقی من الارض ولا یقصد بہ استغلال الاراضی والطرفاء والقصب فانہ لا یقصد استغلال الاراضی بہما عادۃ[۱]"

ان اشیاء خمسہ کے استثناء سے ایک اصول مستنبط ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ پیداوار جس سے زمین کا نماء مقصود ہو، اور زمین سے عادۃً اسے غلہ کے طور پر حاصل کیا جاتا ہو، تو اس میں عشر ہے ورنہ نہیں۔ اسی اصول کی طرف صاحب درمختار نے اس عبارت سے اشارہ کیا ہے:

"وتجب فی مسقی سماء وسیح بلا شرط نصاب وبقاء إلا فیما لا یقصد بہ استغلال الارض[۲]"

اور صاحب بدائع نے وضاحت کے ساتھ کہہ دیا ہے:

"ومنہا ای من شرائط العشر ان یکون الخارج من الارض مما یقصد بزراعتہ نماء الارض وتستغل الارض بہ عادۃ[۳]"

اب وجوب عشر سے مستثنیٰ صرف پانچ چیزیں نہ رہیں بلکہ اس اصول کے اندر جتنی چیزیں داخل ہوتی چلی جائیں گی، وہ وجوب عشر سے مستثنیٰ ہوتی چلی جاویں گی۔ مثلاً وہ بیج جو خود مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس سے صرف زراعت مقصود ہوتی ہے، جیسے لکڑی وغیرہ کی بیج:

"ولا فی کل بزر لا یطلب بالزراعۃ[۴]"

اسی طرح ادویہ کی قبیل سے جتنی چیزیں ہوں گی وہ وجوب عشر سے خارج ہو جائیں گی، جیسے، کندر، ہلیلج:

"ولا یجب فی السعتر والشونیز والحلبۃ لانہا من جملۃ الادویۃ فلا یعم الانتفاع بہا[۵]"

---

[۱] المبسوط للسرخسی ۳/۰۰ [۲] درمختار ۲/۳۲۶ [۳] بدائع ۲/۵۸
[۴] فتح ۲/۱۸۱ [۵] بدائع ۲/۰۰

اسی اصول کے پیشِ نظر صاحب درمختار ان چیزوں کو شمار کراتے ہوئے جن میں عشر نہیں ہے فرماتے ہیں :

" نحو حطب وقصب فارسی وحشیش وتبن وسعف وصمغ وقطران وخطمی واشنان وشجر قطن وباذنجان وبزر بطیخ وقثاء وادویة کحبة وشونیز [۱] "

ہاں اگر کسی نے ان اشیاء خمسہ سے زمین کا نما، واستغلال مقصود بنالیا تو ان میں بھی عشر واجب ہو جائے گا، کیوں کہ مانع مرتفع ہوگیا، اس لیے بدائع میں کہا ہے :

" قالوا فی الارض اذا اتخذها مقصبة وفی شجرة الخلاف التی یقطع فی کل ثلاث سنین او اربع سنین انه یجب فیها العشر لان ذلك غلة وافرة [۲] "

شامی نے کہا ہے :

" فلو استنمی ارضه بقوائم الخلاف وما اشبهه او بالقصب او الحشیش وکان یقطع ذالك ویبیعه کان فیه العشر غایة البیان [۳] "

اس اعتبار سے پانی میں کاشت کی جانے والی چیزیں مثلاً مکھانہ، سنگھاڑا وغیرہ اگر چہ پانی میں پیدا ہوتے ہیں، لیکن ان کا تعلق زمین سے ہوتا ہے، لہٰذا "مِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ" میں داخل ہیں اور چوں کہ مقصود ہوتے ہیں، اس لیے اس میں عشر واجب ہونا چاہیے ۔

۳ـــــ آج کل عام طور سے زراعتی اراضی پر تالاب کھود دیئے جاتے ہیں اور اس میں مچھلی کی کاشت کی جاتی ہے، مچھلی کی کاشت کو بہت نفع بخش تصور کیا جاتا ہے، کسان یہ سمجھتا ہے کہ اگر ان اراضی پر گیہوں، دھان وغیرہ کی کاشت کرے تو اخراجات اور محنت زیادہ ہے اور منفعت کم، اس لیے اراضی کو مچھلی کی کاشت کے لیے تالاب بنا کر استعمال کرتا ہے، کبھی اس تالاب میں قدرتی پانی

---

[۱] ۲/۳۲۷ ۔ [۲] بدائع ۲/۵۸ ۔ [۳] شامی ۲/۳۲۷ ۔

جمع ہوتا ہے اور کبھی بورنگ یا دوسرے ذرائع سے اس میں پانی پہونچایا جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مچھلی کی اس کاشت کو زراعت میں داخل کر کے اس پر احکام عشر نافذ ہوں گے، یا اس پر زکوٰۃ کے اموال کا حکم جاری ہوگا ؟

ظاہر یہ ہے کہ اس پر زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہوگا، کیوں کہ زمین مچھلیاں نہیں اگاتی بلکہ تالاب کا مالک چھوٹی چھوٹی مچھلیاں لاکر ڈالتا ہے، اور کچھ مچھلیاں قدرتی طور پر پیدا ہو جاتی ہیں، پھر یہ سب بڑھتی ہیں تو مالک اس سے تجارت کر کے نفع حاصل کرتا ہے لہذا یہ " مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ " میں داخل ہے جس سے مالِ تجارت مراد ہے نہ کہ مِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ" میں، جس سے عشر مراد ہے، اور حدیث ما اخرجت الارض ففیہ العشر" سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین جسے اگائے اسی میں عشر ہے۔

اور یہ اشکال کہ پھر شہد میں کیوں عشر ہے جب کہ وہ خارج من الارض نہیں اور اسی وجہ سے امام مالکؒ و شافعیؒ اس میں عشر کے قائل نہیں کہ وہ خارج من الارض نہیں، بلکہ متولد من الحیوان ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ شہد کا وجود انوار و ثمار سے ہوتا ہے" ثم کلی من کل الثمرات" اور انوار و ثمار خارج من الارض ہیں، اور ان میں عشر ہے لہذا اس میں بھی عشر ہونا چاہیے :

" لان النحل یتناول من الانوار والثمار وفیہما العشر فکذا فیما یتولد منہما۔[1]

اور عسل میں وجوب عشر کے سلسلے میں احادیث کثرت سے ہیں، جنہیں ابن ہمامؒ نے بسط و تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے، اور خلفاء راشدین وغیرہم کا اس پر عمل بھی نقل کیا ہے؛ فلیراجع ثمہ۔

۴ ـــــ ریشم کے کیڑوں کی پرورش و پرداخت کیلیے شہتوت کے درخت لگائے جاتے ہیں ان درختوں سے کاشتکار کو کافی نفع ہوتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ریشم کی اس کاشت پر عشر ہے یا نہیں ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر عشر واجب نہیں اسلیے کہ یہ خارج من الارض نہیں، اور نہ ہی

---

[1] ھدایۃ مع الفتح ۲ : ۱۹۰ ۔

عسل کی طرح ہے کیوں کہ وہ انوار و ثمار سے وجود میں آتی ہے اور اس کا وجود اوراق سے ہے، اور اس میں عشر نہیں، لہٰذا اس میں بھی عشر نہیں، صاحب ہدایہ نے عسل میں عشر ثابت کرنے کے بعد فرمایا:

"بخلاف دود القز لانہ یتناول من الاوراق ولا عشر فیہا" [۱]

۵ ـــــ درختوں کی دو صورت ہوتی ہے، یا تو وہ باغات ہوتے ہیں جن سے پھل حاصل کیے جاتے ہیں، یا پھر وہ درخت ہوتے ہیں جن سے پھل مقصود نہیں ہوتا بلکہ جلانے کے کام میں لاتے ہیں یا عمارت فرنیچر وغیرہ میں استعمال ہوتے ہیں۔

ایسے درخت جو باغات ہیں اور ان سے مقصد پھل ہیں تو پھلوں میں عشر ہے، درختوں میں نہیں، اور ایسے درخت جو پھلدار تو نہیں ہوتے البتہ عمارت فرنیچر وغیرہ کے کام میں لائے جانے کے لیے لگائے جاتے ہیں، ان میں عشر ہے کیوں کہ اس سے استنماء و استغلال مقصود ہوگیا ہے، اور وہ درخت جو صرف جلانے کے کام کے لیے ہے اور کچھ کام نہیں تو اس میں عشر نہیں، کیوں کہ اس سے استنماء و استغلال مقصود نہیں، پھر وہ حطب ہے جس میں عشر نہیں۔

۶ ـــــ سبزیاں جو زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتی اور ان کی پیداوار میں تسلسل رہتا ہے کچھ پھر توڑے جاتے ہیں، پھر دوسرے پھل نکل آتے ہیں، اس طرح کے کاشت کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک صورت یہ ہوتی ہے، کہ ان سے تجارت مقصود ہوتی ہے اور دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ لوگ اپنے مکان کے گرد و پیش افتادہ اراضی میں یا اپنے کھیتوں پر کچھ سبزیاں اگا لیتے ہیں۔ پہلی صورت جب کہ تجارت مقصود ہے تو اس میں بالاتفاق زکوٰۃ التجارۃ واجب ہے، جب کہ زکوٰۃ کی شرطیں پائی جائیں۔ اس لیے کہ وہ مال تجارت ہے اور اس میں وجوب زکوٰۃ متعین ہے۔ خواہ خضروات ہی کیوں نہ ہوں۔

"لان الخضروات اذا کانت للتجارۃ تجب فیہما الزکوٰۃ بالاتفاق" [۲]

دوسری صورت جب کہ تجارت مقصود نہیں تو صاحبینؒ کے نزدیک عشر نہیں ہے کیوں کہ ان کے یہاں ان ہی پھلوں میں عشر ہے جو عام طور سے ایک سال تک بغیر عام ذخیرہ کے باقی رہ جاتے ہوں، جیسے گیہوں، جو وغیرہ؛

---

[۱] ہدایۃ مع الفتح ۲/ ۹۰۔ [۲] کفایۃ مع الفتح ۲/ ۲۰۰

"وقالا لا یجب العشر الا فیما له ثمرة باقیة تبقی من سنة إلی سنة وحد البقاء ان یبقی سنة فی الغالب من غیر معالجة کثیرة کالحنطة والشعیر والذرة وغیرها دون الخوخ والتفاح والسفرجل ونحوها۔"[1]

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

"ولیس فی الخضروات عندهما عشر الخضروات کالریاحین والاوراد والبقول والخیار والقثاء والبطیخ والباذنجان واشباه ذالك وعنده - ای ابی حنیفة - یجب فی کل ذالك۔"[2]

صاحبین دلیل میں وہ حدیث پیش کرتے ہیں جسے موسیٰ ابن طلحہ نے روایت کی ہے:

"لیس فی الخضروات صدقات۔"

اور فرماتے ہیں کہ صدقہ سے مراد عشر ہے، کیوں کہ زکوٰۃ کی نفی تو بالاتفاق مقصود نہیں ہے، لہذا عشر متعین ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک ان چیزوں میں عشر ہے کیوں کہ حدیث:

"ما اخرجت الارض ففیه العشر" و "ما سقت السماء ففیه العشر وما سقی بغرب او دالیة ففیه نصف العشر۔"

حبوبؒ و خضروات میں کوئی فرق نہیں کرتی، اور لیس فی الخضروات صدقة کا مفاد ایام یا عاشر کے لیے ولایتِ اخذ کی نفی ہے۔ یعنی جب کوئی شخص خضروات لے کر عاشر کے پاس سے گذرے، اور عاشر نے عین خضروات میں سے عشر لینے کے بجائے اس کی قیمت لے لی تو اس کے جواز اخذ میں کوئی کلام نہیں، لیکن اگر مالک نے قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا اور یہ جبرًا اس سے عین خضروات ہی فقراء کے لیے لینا چاہتا ہے، تو عاشر کو یہ حق نہیں ہے، لیس فی الخضروات صدقة کا مطلب یعنی صدقة یاخذها العاشر، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ عاشر کو جو ولایت اخذ حاصل ہے وہ فقراء کی منفعت ہی کے واسطے ہے اور اس صورت میں منفعت یقینی نہیں ہے کیوں کہ عاشر شہر سے آبادی سے دور ہوتا ہے اور وہاں فقیر نہیں مل سکتے کہ ان پر خرچ

---

[1] عنایة مع الفتح ۲۰۱۔ [2] فتح القدیر ۲/۲۰۱۔

کر دے تو اسے ضرورت پڑے گی کہ وہ دن بھر تو جمع کرے پھر آبادیوں میں روانہ کرے تو یہ چیزیں بسا اوقات آبادیوں میں فقراء تک پہونچنے سے پہلے خراب ہو جائیں گی، تو اس میں نفع نہیں ضرر ہے، اس لیے عاشر عین خضروات سے نہ وصول کرے، بلکہ مالک خود ہی ادا کر دے، البتہ اگر فقراء کے واسطے نہ لے بلکہ عمال کی اجرت دینے کے لیے لے تو جائز ہے۔ یہاں پر امام صاحبؒ نے اس اصول پر عمل کیا ہے "عام متفق علیہ پر عمل کرنا خاص مختلف فیہ پر عمل کرنے سے اولیٰ ہے" وہ اس طرح کہ امام صاحبؒ کی پیش کردہ حدیث پر پانچ وسق اور اس سے زیادہ کی مقدار میں سب کا عمل ہے اور وجوب عشر پر سب متفق ہیں یہ عام متفق علیہ ہے اور صاحبینؒ کی ذکر کردہ حدیث "لیس فی الخضروات صدقة" پر امام صاحب نے اس معنی پر عمل نہیں کیا، بلکہ اس کا دوسرا محمل بتایا اور اس پر عمل کیا، جب بنو نضیر کو جزیرۃ العرب سے نکالنا چاہا اور وہ عام متفق علیہ نبی علیہ السلام کا فرمان "لا یجتمع دینان فی جزیرة العرب" ہے اور آخر کار انہیں نکال ہی دیا۔ اور لوگوں کی اس بات کی جانب کچھ التفات نہ کی کہ حدیث ہے۔ "اترکوا ھم وما یدینون" کیوں کہ یہ خاص مختلف فیہ ہے، اور امام صاحبؒ کی دلیل عقلی یہ ہے کہ وجوب عشر کا سبب زمین کا نامی ہونا ہے اور زمین میں بقول و فواکہ سے بھی نماء حاصل ہوتا ہے جو دیر تک باقی نہیں رہتا، تو اگر عشر ان چیزوں میں واجب نہ ہو جو دیر تک باقی نہیں رہتی تو کہنا پڑے گا کہ سبب پایا گیا اور حکم نہیں پایا گیا، اور سبب کو حکم سے خالی کر دینا ایسے موضع میں جہاں اثبات حکم میں احتیاط کی ضرورت ہے جائز نہیں۔

؎ ـــــ اراضیٔ اوقاف کی پیداوار میں عشر واجب ہے، کیوں کہ وجوب عشر کے لیے زمین کا مالک ہونا شرط نہیں، اور نہ ہی عقل، بلوغ، حریت شرط ہے، بخلاف زکوٰۃ کے، اسی لیے عشر صغیر، مجنون، مکاتب، ماذون اور وقف کی زمین میں واجب ہے، امام شافعی اس کو زکوٰۃ پر قیاس کرکے فرماتے ہیں، کہ مکاتب کی زمین میں عشر نہیں، اور اراضی موقوفہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر وہ متعین لوگوں پر وقف ہے تو عشر ہے، کیوں کہ یہ لوگ مالکوں کے حکم میں ہو جائیں گے، لیکن اگر ایسے لوگوں پر وقف ہے جو متعین نہیں ہیں، تو ان میں عشر نہیں، اور احناف کے نزدیک متعین یا غیر متعین افراد پر ہو یا سرے سے

؎ عنایۃ۔

افراد پر ہو ہی نہ بلکہ رباطات و مساجد پر بھی عشر ہے :

"ان کانت الارض لمکاتب او صبی او مجنون وجب العشر فی الخارج منها عندنا وقال الشافعیؒ لا شی فی الخارج من ارض المکاتب والعشر عنده قیاس الزکاة لایجب الاّ باعتبار المالك، اما عندنا فالعشر مؤنة الارض النامیة کالخراج فالمکاتب فیه و الحر سواء وکذالك الخارج من الارض الموقوفة علی الرباطات و المساجد یجب العشر عندنا وعند الشافعیؒ لایجب الاّ فی الموقوفة علی اقوام باعیانهم فانهم کالملاك اما الموقوفة علی اقوام لغیر اعیانهم فلا شیٔ فیها"[1]

فقط ۔

[1] المبسوط للسرخسی، ۳/۳ ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

عشر و خراج

از: مولانا محبوب علی وجیہی ——— مدرسہ جامع العلوم فرقانیہ، رام پور

جب کوئی ملک فتح ہو تو اس کی زمین دو قسم کی ہو گی ایک غیر مملوک جن کو ارض مباح کہا جاتا ہے، دوسرے وہ زمینیں جو لوگوں کی مملوک ہیں اور ان کے زیر تصرف ہیں ایسی ہی ممالک مفتوحہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جنھیں قہر و غلبہ یعنی لڑ کر فتح کیا جائے، دوسرے وہ جو صلح و امان کے ساتھ فتح ہو جائیں اور ان میں جنگ نہ کرنا پڑے۔ جو ممالک صلح و امان کے ساتھ فتح ہوئے وہاں کے باشندوں کی دو حالتیں ہیں (۱) اہلیان ملک مسلمان ہو جائیں یا اپنے قدیمی مذہب پر قائم رہتے ہوئے صلح کے ساتھ اپنے ملک پر مسلمانوں کا تغلب اور تسلط تسلیم کر لیں اور مسلمان حاکم ان پر خراج مقرر کر دے اس کی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہاں کی رعایا سے خود خراج اور جزیہ وصول کرے اس کے لئے اپنے کارندے مقرر کر دے، دوسرے یہ کہ وہاں کے حاکم کو برقرار رکھے اور اس سے خراج کی کوئی رقم مقرر کر لے۔ پھر خراج کی دو قسمیں ہیں (۱) خراج مؤظف (۲) خراج مقاسمت۔ خراج موظف میں رقم نقد مقرر کی جاتی ہے اور خراج مقاسمہ میں غلہ اور پیداوار مقرر کی جاتی ہے۔ اور جو ملک لڑ کر فتح ہوئے اس کے متعلق بادشاہ اسلام کو اختیار ہے کہ اسے غانمین کے درمیان تقسیم کر دے اور پانچواں حصہ بیت المال کے لئے رکھ لے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہاں کے ساکنین کو جن کی زمینیں تھیں ان پر انھیں کو قابض اور متصرف رکھا جائے اور ان سے خراج مقرر کر لیا جائے جیسے کہ فاروق اعظمؓ نے عراق اور شام کی زمینوں کے ساتھ کیا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ جو ملک طاقت سے فتح ہوئے ان کی زمینوں کو مال غنیمت بنا کر غانمین میں تقسیم کرے نہ مالکین [illegible] کی ملکیت ان پر قائم رکھے بلکہ ان کو بیت المال میں [illegible] کرے اور پھر بیت المال کی طرف سے ان میں

کاشت اور آبادی کا حسب موقع انتظام کرے اور یہ بھی اختیار ہے کہ بعض کے ساتھ یہ معاملہ کرے اور بعض کے ساتھ وہ معاملہ کرے جیسے کہ فاروق اعظم رضؓ نے عراق کی زمینوں میں دس قسم کی زمینیں مخصوص کرلی تھیں یعنی بیت المال کے لئے۔ اور باقی زمینوں پر ان کے سابق مالکان کو برقرار رکھ کر ان سے خراج کا معاہدہ فرمالیا تھا۔

اس تمہید کے بعد گذارش ہے کہ حضرت محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے جب سندھ پر حملہ کیا تو اس کے بعض حصے صلح سے اور بعض حصے جنگ اور قوت کے ذریعہ قبضہ میں آئے محمد بن قاسم نے جو مقامات صلح سے قبضہ میں لائے ان پر ان کے ساکنین کو برقرار رکھا اور ان سے خراج وغیرہ کے جو شرائط طے ہوئے اسی کے مطابق عمل کیا اور یہی قانون شریعت ہے کہ جو شرائط مابین وقت صلح طے ہوں ان پر عمل کیا جائے جس طرح خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ معاملہ فرمایا تھا محمد بن قاسم نے بھی ان شرائط کے مطابق ان پر خراج اور جزیہ مقرر کر دیا۔ اور جو حصے جنگ کے ذریعہ قبضہ میں آئے ان میں حاکم وقت کے مملوکات اور شاہی مقبوضات کو بیت المال میں داخل کیا گیا اور وہ اراضی بیت المال قرار پائیں اس کی نظیر فاروق اعظمؓ کا وہ عمل ہے جو انھوں نے عراق وایران وغیرہ میں کیا اور بیت المال کی زمینوں میں عشر ہوتا ہے۔ انھیں زمینوں میں سے عطیات اور جاگیریں تقسیم فرمائیں اور باقی زمینیں انھیں کے پاس رہنے دیں جو ان پر قابض ومتصرف تھے البتہ ان کی زمینوں پر خراج مقرر کر دیا یہی طریقہ فاروق اعظمؓ نے بھی اپنے زمانے میں مفتوحہ زمینوں میں جاری فرمایا تھا چوں کہ یہ لوگ غیر مسلم تھے اس لئے ان سے خراج لیا گیا[1] عرب کی زمینیں اور جس جگہ کے لوگ اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے یا وہ ملک جو جنگ سے فتح ہوئے اور وہاں کی زمینیں مجاہدین میں تقسیم کر دی گئیں۔ اسی طرح بصرہ کی زمینیں یا بیت المال کی وہ زمینیں جو مسلمانوں کے پاس ہیں مسلمانوں کے باغات وغیرہ اگر عشری پانی سے سیراب ہوں تو وہ عشری ہیں اور اگر خراجی پانی سے سیراب ہوں تو خراجی ہیں۔ اور کبھی عشری پانی سے اور کبھی خراجی پانی سے سیراب ہوں تو مسلمان کے لئے عشری ہیں اور کافر کے لئے خراجی ہیں۔ اور جس زمین کا احیا، کسی مسلمان نے باجازت مسلم بادشاہ کے کیا تو حضرت امام محمدؒ کے نزدیک جس قسم کے پانی سے وہ سیراب ہوں گی اسی قسم کا حکم

---

[1] [illegible] الاموال لابی عبید، الخراج للامام ابی یوسف

[2] شاہ [illegible] اور اسلامی [illegible] آراضی

ان کے ساتھ ہوگا۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس زمین کے قریب جو زمین ہوگی اس کا اعتبار ہوگا۔ جو ملک بزور یعنی جنگ کے ذریعہ فتح ہوا اور بادشاہِ اسلام نے وہاں کی زمینیں وہیں کے باشندوں کے پاس رہنے دیں اور غانمین میں انھیں تقسیم نہیں کیا تو وہ سب زمینیں خراجی ہوں گی اور ہمیشہ خراجی ہی رہیں گی۔ اور جو ملک صلح سے فتح ہوئے اور وہاں کے باشندے اپنے مذہب قدیم پر قائم رہے اور مسلمان نہ ہوئے اور بادشاہ اسلام نے ان کو ان کی زمینوں پر قابض اور قائم رکھا تو یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی اور یہ لوگ حسب سابق ان زمینوں کے مالک رہیں گے اور بیع و ہبہ کے حقوق ان کو حاصل رہیں گے۔ جیسا کہ خلیفہ دوم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں یہ عمل مفتوحہ علاقہ کے باشندوں کے ساتھ کیا[1] اور جو ممالک صلح کے ساتھ اس طور سے حکومت اسلامی کے زیر نگیں آئے کہ وہاں کے باشندے بھی مسلمان ہوگئے تو ان کی زمینیں بھی بدستور ان کی ملک رہیں گی اور ان پر عشر واجب ہوگا۔ جیسے مدینہ منورہ کے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ مقدسہ آنے کی دعوت دی تو ایسی زمینیں بھی عشری ہوں گی اگر حاکم مسلم ملک فتح کرنے کے بعد وہاں کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم کر دے تو وہ بھی عشری ہوں گی مگر ہندوستان کی زمینوں کے متعلق کسی مورخ نے اس قسم کا واقعہ ہوتا بیان نہیں کیا

عشر میں عبادت اور ٹیکس دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں اور خراج میں صرف ٹیکس کی حیثیت پائی جاتی ہے۔ اسی لئے عشر غیر مسلم پر نہیں ہوتا اور خراج اولاً مسلم پر نہیں ہوتا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ عشری زمینوں میں نمو حقیقی معتبر ہے اور خراجی زمینوں میں نمو حقیقی اور تقدیری دونوں کا اعتبار ہے:

"كما هو مذكور في الفقه والآثار المنقولة من عمل رسول الله صلى الله عليه وسلم والصحابة والتابعين رضوان الله عليهم اجمعين"۔

محور دوم

حضرت محمد بن قاسم علیہ الرحمۃ نے سندھ اور ہند کے جن حصوں کو فتح کیا ان میں سے وہ حصے جو صلح سے فتح ہوئے ان کے حکمرانوں اور باشندوں سے جو ان کے شرائط طے ہوئے ان پر

---

[1] ص ۶۔ اسلام کا نظام اراضی

جن آپ نے عمل کیا عام طور سے آپ نے اس حصے کے باشندوں کو قابض و مالک و متصرف برقرار رکھا اور ان سے خراج مقرر کرلیا۔ دوسری صورت یہ بھی ہوئی کہ وہاں کے حاکم کو اس زمین کا حاکم برقرار رکھا اور ان سے ٹیکس مقرر کرلیا اس طرح ان کو اپنا باجگذار بنالیا وہ حاکم ان زمینداروں سے خود وصولیابی کرتے اور حکومت اسلامی کو مقررہ ٹیکس ادا کر دیتے اور جو بچتا وہ خود لے لیتے۔ وہ زمینیں جن کے مالک لاوارث مرگئے یا وہ زمینیں جو بنجر تھیں یا وہ زمینیں جن میں جنگلات واقع تھے یا وہ زمینیں جو غیر مسلم حکمرانوں سے جنگ کے بعد ملتیں یہ بیت المال کی ملکیت ہوتی تھیں انھیں زمینوں میں سے مسلم حکمراں جاگیریں اور جائدادیں دیتے تھے یہ زمینیں اگر مسلمانوں کو دی جاتی تھیں تو ان پر عشر ہوتا تھا اور یہ عمل فقہ اسلام کے مطابق ہے حضرت محمد بن قاسم کے زمانے سے انگریزوں کے تسلط و تغلب تک قریب قریب یہی معاملہ مسلم حکمرانوں کا رہا تاریخ سے کسی جگہ کے متعلق بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ مسلم حکمرانوں نے کوئی ملک فتح کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں کو بے دخل کرکے ان کی اراضی مسلم فاتح غازی پر تقسیم کردی ہوں بلکہ وہی طریقہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جاری کیا تھا کہ بعض مخصوص زمینوں کو چھوڑ کر مفتوحہ علاقوں پر مقامی باشندوں کو حسب سابق بحال رکھا گیا اور ان کے مالکانہ تصرفات میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کی گئی کہیں خراج مؤظف اور کہیں خراج مقاسمہ ان پر مقرر کیا گیا چوں کہ خراج مؤظف میں سہولت تھی اس لئے اس کا رواج زائد رہا۔ اس سے پہلے خراج مقاسمہ کا طریقہ عام تھا۔ اور مغل دور میں بھی خراج مؤظف کا طریقہ جاری کیا گیا۔ علاءالدین خلجی اور کچھ دیگر حکمرانوں نے خراج مؤظف کا طریقہ اختیار کیا۔ انگریزوں نے ہندوستان پر تسلط حاصل کرنے کے بعد مغلیہ دور کے طریقۂ کار کو یکسر بدلنے میں دشواری محسوس کی۔ اکبر بادشاہ کے دور میں راجہ ٹوڈرمل جو ہندوستان کی اراضیات کے متعلق قانون بنائے تھے وہ اپنی افادیت اور سہولت کی وجہ سے پورے ہندوستان میں جاری اور نافذ تھے اس میں نقد رقم زمینداروں سے وصول کی جاتی تھی لیکن انگریزوں کو اپنے مفاد کی خاطر ترمیم بھی ضروری تھی بعض مقامات پر جو جاگیردار یا تعلقدار تھے وہ خود مالک زمین بن گئے اور انگریزی قانون نے بھی ان کو مالک تسلیم کرلیا۔ ۱۸۵۶ء میں اودھ پر انگریزوں نے قبضہ کرلیا اول اول انگریزی گورمنٹ تعلقداروں اور جاگیرداروں سے بدگمان تھی اور خیال تھا انھیں ہٹاکر گورمنٹ براہ راست کاشتکاروں سے معاملہ کرلے لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اکثر جاگیرداروں اور تعلقداروں نے حکومت برطانیہ کا ساتھ دیا اس لئے گورمنٹ

ان سے خوش ہو گئی اور ان کو ان کی جائدادوں پر مالکانہ قبضہ کے ساتھ بحال رکھا اور ان پر مال گزاری مقرر کردی اس نظام کو نظامِ زمینداری کے نام سے موسوم کیا گیا اس سے ان علاقوں میں دو قسمیں ہو گئیں ایک زمینوں کے مالک یعنی زمیندار دوسرے زمین میں کام کرنے والے یعنی کاشتکاران کا کوئی قبضہ یا تصرف زمین پر نہیں مانا جاتا تھا۔ شمالی ہند میں اس کا رواج زائد تھا برخلاف اس کے جنوبی ہند میں بیشتر آراضی خود کاشتکاروں کی ملک ہوتی اور سرکار ان میں سے ہر ایک سے الگ الگ مال گزاری مقرر کرتی اور وصول بھی کرتی اس نظام کو رعیت داری کے نام سے موسوم کیا جاتا اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کرنے کے وقت مالکانہ آراضی کو اپنی اپنی ملکیت پر برقرار رکھا اور بہت سے مقامات پر اسی پرانے طریقہ جاگیرداری اور ٹھیکیداری کو جاری رکھا اس سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کی جو زمینیں عشری تھیں وہ ویسی ہی عشری رہیں۔

۱۹۲۲ء میں انگریزوں نے ایک قانون کے ذریعہ حقیت آراضی میں کاشتکاروں کے حقوق بھی قائم کردئے اب کاشتکار بھی زمینداروں کے ساتھ کسی حد تک شریک و سہیم ہو گئے جس کی ایک وجہ تو یہ بھی کہ کاشتکار سمجھتا تھا کہ زمین پر میرا کوئی حق نہیں ہے اس لئے وہ زمین کے بنانے سنوارنے اور پیداوار کو بڑھانے میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لیتا تھا جس سے پیداوار میں کمی واقع ہو رہی تھی دوسرے کاشتکاروں کی بے چینی کو بھی ختم کرنا تھا تیسرے زمینداروں کی طاقت کو گھٹانا تھا مگر کاشتکار اب بھی بالکل مطمئن نہ تھا۔ آخر کار آزادئ ملک کے بعد زمیندار اور تعلقدار بالکل ختم کردئے گئے اور جبراً تھوڑا سا معاوضہ دے کر ان کی ملکیت بالکل ختم کردی گئی اور کاشتکاروں کو زمین پر مالکانہ حقوق دے دئے گئے اس لئے اب سرکار اور کاشتکار دو ہی باقی رہ گئے ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ جنوبی ہند میں عموماً پہلے ہی سے کاشتکار زمین کے مالک تھے اور جہاں نہیں تھے وہاں اس قانون کے ذریعہ مالک بن گئے۔

محور سوم

۱۔۔۔ انگریزی دور میں مختلف قوانین نے آہستہ آہستہ بٹائی دار اور کاشتکار کو آہستہ آہستہ زمین کا مالک بنا دیا اور جو اصلاً ٹھیکیدار یا تعلقدار یا زمیندار تھے ان کے حقوق کم ہوتے چلے گئے بالآخر کانگریس گورمنٹ نے ان کو بالکل محروم کردیا جس کی تفصیل محور دوم میں آچکی۔

۲۔۔۔۔۔۔ خاتمۂ زمینداری جو ایک بھیانک ظلم تھا اس کی وجہ سے زمیندار، ٹھیکیدار اور تعلقدار بیک بینی و دو گوش اپنی اپنی ملکیتوں سے محروم ہونے کی وجہ سے افلاس کے دائرہ میں داخل ہوگئے۔ صرف وہ لوگ جنھوں نے باغات یا کاشتکاری کی زمینیں پہلے سے حاصل کر لی تھیں وہ ایک کاشتکار کی حیثیت میں باقی رہ گئے اور جو کل مالگزاری ادا کرتے تھے وہ زمینوں کے مالک بن گئے۔ اس کی وجہ سے ان کی معاشرتی اور اقتصادی حالت اچھی ہوگئی اور تعلیمی میدان میں اس کی بدولت وہ ترقی کر گئے "وتلک الایام نداولها بین الناس" اس قانونی عمل سے مسلمان خصوصیت کے ساتھ متاثر ہوئے اور ان کی شان و شوکت اور اقتصادی برتری ختم ہوگئی کیونکہ مسلمان کا تکیہ زمینداری، تعلقداری اور ٹھیکہ داری پر ہی تھا۔ برخلاف ہندو زمینداروں کے کہ وہ تجارت، صنعت و حرفت، سودی کاروبار اس دور میں بھی جاری رکھے ہوئے تھے اس لئے خاتمۂ زمینداری سے وہ زائد متاثر نہیں ہوئے مزید برآں گورمنٹ کانگریس نے مسلمانوں کے لئے ملازمت اور دیگر ترقی کے راستے مسدود کر دیئے اور اپنے ہم مذہب لوگوں کے لئے ملازمت تجارت ٹھیکیداری، اور اعلیٰ تعلیم کے دروازے کھول دیئے جس کی وجہ سے اکثریت کے افراد ہر شعبۂ زندگی میں کافی ترقی کر گئے اور مسلمان غربت جہالت کے اندھیروں میں ڈوبتے چلے گئے اسی وجہ سے مسلمانوں میں اچھی قیادت بھی نہیں ابھری اور مسلمان افراتفری اور انتشار کا شکار ہو گئے۔

محور چہارم

۱۔۔۔۔۔۔ جو زمینیں مسلمانوں کی ملکیت میں پہلے سے چلی آرہی ہیں یا کسی مسلمان نے کسی مسلمان سے خریدی ہیں یا وہ زمینیں جو مسلم حکمرانوں نے مسلمانوں کو بطور عطیات دی تھیں اور وہ ان کے پاس باقی ہیں یا وہ زمینیں جن کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا لیکن نسلاً بعد نسلٍ مسلمانوں کے قبضے میں چلی آرہی ہیں وہ سب عشری ہیں ان پر احکام عشر جاری ہوں گے اور وہ زمینیں جو مسلمان نے کسی کافر سے خریدی ہیں وہ خراجی ہوں گی اور وہ زمینیں جو مسلمان چھوڑ کر پاکستان چلے گئے بعد کو گورمنٹ نے ان پر قبضہ کر لیا اور پھر کسی مسلمان کو الاٹ کر دیں وہ بھی خراجی ہیں اسی طرح اگر کسی کافر کو دے دیں اور اس سے کسی مسلمان نے خریدیں تو وہ بھی خراجی ہوں گی کیوں کہ استیلاء کافر کا مال مسلم پر اس کافر کو مالک بنا دیتا ہے اس لئے وہ زمینیں عشری نہیں رہیں۔

۲۔۔۔۔۔۔ ایسی زمینوں کے متعلق حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان کے قریب جو زمینیں ہیں ان کا اعتبار

ہو گا یعنی جو عشری زمینوں کے قریب ہیں ان پر عشر اور جو خراجی زمینوں کے قریب ہیں ان پر خراج اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں ان کی سیرابی جس قسم کے پانی سے ہوگی اسی کا حکم ہو گا عشری پانی سے سیراب ہونے پر عشری کا اور خراجی پانی سے سیراب ہونے پر خراجی کا۔ علامہ شامیؒ کے قول سے حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

۳ــــ حکومت اسلامیہ جیسے پاکستان کو جو لگان دیا جائے اور دیتے وقت ادائے خراج کی نیت ہو تو خراج ادا ہو جائے گا اور غیر مسلم حکومتوں کو لگان دینے سے خراج ادا نہیں ہو گا۔

۴ــــ خراجی زمینوں میں جن میں پانی پہنچتا ہے فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع گیہوں یا جو یا جو چیز بھی اس زمین میں بوئی جائے اور ترکاری میں فی جریب پانچ درہم انگور اور کھجور کے باغات میں فی جریب دس درہم۔ یاد رکھئے ایک درہم ساڑھے تین ماشہ کا ہوتا ہے۔ دس درہم پینتیس ماشہ کے ہوتے ہیں اس طرح ایک ماشہ کم تین تولہ چاندی ہوتی ہے۔ یہ خراج فاروق اعظمؓ نے عراق کی زمینوں پر فرمایا تھا ان کے علاوہ دوسرے پھلوں کے باغات یا اور قابل کاشت چیزیں ان کے متعلق فقہاء نے فرمایا ہے کہ پیداوار کا کم از کم پانچواں حصہ جو پیداوار کے نصف حصہ سے زائد نہ ہو مسلمانوں کو ہندوستان میں پیداوار کا پانچواں حصہ ان زمینوں پر نکالنا چاہئے جو خراجی زمینیں ہیں اور اس کو جو خراج کے مصارف ہیں وہیں پر خرچ کرنا چاہئے جیسے یتیموں بیواؤں کی مدد مدارس اسلامیہ اور طلبہ کے مصارف اور دیگر رفاہ عام کے کام خراج کی ادائیگی مسلمان کے لئے بھی عبادت نہیں کیوں کہ وہ صرف زمین کا ٹیکس ہے لیکن اس حق کی ادائیگی پر اجر کا مستحق ہو گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

۵ــــ موجودہ زمانے میں اگر ایک طرف کاشت کے مصارف زائد ہو گئے ہیں تو دوسری طرف پیداوار میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا ہے چنانچہ ہمارے اطراف میں جن کھیتوں میں ایک کوئنٹل یا ڈیڑھ کوئنٹل فی بیگہ پیدا ہوتا تھا آج ان میں چار اور پانچ کوئنٹل تک پیدا ہو رہا ہے اس لئے وہی مسئلہ رہے گا کہ بغیر مصارف نکالے ہوئے کل پیداوار کا عشر یا خراج دینا ہو گا۔

۶ــــ جو زمینیں بٹائی پر دی جاتی ہیں ان کی پیداوار کا عشر مالک اور کاشتکار دونوں پر ان کے حصوں کے بقدر ہو گا۔ بشرطیکہ دونوں مسلمان ہوں اور اگر ایک مسلمان ہے تو مسلمان پر عشر ہو گا اس کے حصے کے بقدر غیر مسلم پر نہیں۔

مسئلہ پنجم : ۱ــــ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پیداوار کے ہر حصہ پر عشر ہے

خواہ زائد ہو یا کم جیسا کہ قرآن پاک کی آیات اور بہت سی احادیث مبارکہ کے عموم سے پتہ چلتا ہے لیکن صاحبین اور دیگر ائمہ کے نزدیک پیداوار کی مقدار پانچ وسق یعنی ساٹھ صاع جس کے تقریباً ۱۲ کوئنٹل پیداوار ہوتی ہے عشر نہیں ہے اس سے زیادہ میں عشر ہے مگر فتوی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے۔

۲ ـــــ ایسی چیزیں جو خود رو ہوں اور ان کے ذریعہ زمین سے حصول منفعت مقصود نہ ہو جیسے گھاس اس میں عشر نہیں ہے، وہ چیزیں جن کی کاشت کی جاتی ہے۔ اور وہ چیزیں جن سے حصول منفعت مقصود ہو ان پر عشر ہے جیسے وہ بانس جو بوئے جاتے ہیں یا وہ درخت جو لکڑی یا پھل حاصل کرنے کی غرض سے لگائے جاتے ہیں ان پر عشر ہے ایسے ہی وہ گھاس اور چارہ جو اگایا جاتا ہے اس پر بھی عشر ہے مکھانہ سنگھاڑا ان سب پر عشر ہوگا۔

۳ ـــــ تالاب بنا کر جو مچھلیاں پالی جاتی ہیں ان پر زکوۃ اموال کا حکم ہوگا عشر کا نہیں کیونکہ مچھلی زمین سے پیدا نہیں ہوتی۔

۴ ـــــ ریشم کے کیڑے پالنے کے لئے جو درخت لگائے جاتے ہیں ان سے بلا واسطہ استغلال مقصود نہیں ہے بلکہ ان سے ان کیڑوں کی غذا حاصل کرنا مقصود ہے جن سے ریشم حاصل کیا جاتا ہے اس لئے ان کیڑوں سے حاصل شدہ ریشم پر تجارتِ مال کے قاعدہ کے تحت زکوۃ اموال واجب ہوگی عشر نہیں۔

۵ ـــــ وہ درخت جن سے پھل حاصل کئے جاتے ہیں یا وہ لکڑی جو فرنیچر کے کام آتی ہے یا وہ لکڑی جو دیگر منافع کے لئے بوئی جاتی ہے ان پر بھی عشر ہوگا حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ فرنگی محلی نے لکھا ہے:

"المراد ما لا یقصد به استغلال الارض غالبًا کالتبن نعم لو قصد الاستغلال بشئی منها کما اذا اتخذ الجنان مقصبة ومشجرة"۔

۶ ـــــ سبزیاں خواہ اپنے مکان میں اُگائی جائیں یا افتادہ زمین میں چھتوں پر ہوں یا فضا میں تجارت کے لئے ہوں یا اپنے کھانے کے لئے جنگل میں ہوں یا اپنے گھر میں کم ہوں یا زائد امام اعظمؒ کے نزدیک عشر دینا ہوگا۔ رہی یہ بات کہ بعض چیزوں میں پیداوار میں تسلسل رہتا ہے تو جتنے پھل توڑتے جائیں اس میں سے عشر نکالتے جائیں امام اعظمؒ کا یہی مسلک ہے اور یہی مفتی بہ ہے البتہ کسی مقام پر اسلامی حکومت ہو تو ایسی چیزوں کا عشر گورنمنٹ نہیں لے گی صاحب پیداوار خود ہی مستحقین کو تقسیم کرے گا۔

۷ ـــــ آراضی موقوفہ میں اگر وہ عشری ہیں تو عشر ہے اور اگر وہ خراجی ہیں تو ان میں خراج ہے خواہ وقف فی سبیل اللہ ہوں یا وقف علی الاولاد۔ درمختار میں ہے:

"ویجب الخراج فی ارض الوقف والصبی والمجنون لو خراجیۃ والعشر لو عشریۃ"

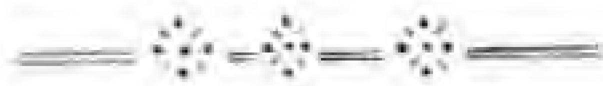
اور شامی نے اسی پر لکھا ہے:

"بان الملک غیر شرط فیہ بل الشرط ملک الخارج فیجب فی الارض الموقوفۃ لعموم قولہ تعالی انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض وقولہ تعالی واتوا حقہ یوم حصادہ"

اور اسی میں ہے:

"ولان العشر یجب فی الخارج لا فی الارض فکان ملک الارض وعدمہ سواء کما فی البدائع"

نوٹ:۔ بارش کا پانی قدرتی چشموں کا پانی بڑے بڑے دریا اور ندیاں جو خود بہتی ہیں اور ان کے جاری کرنے میں کسی کو دخل نہیں ہے اور عادۃً وہ کسی کی ملک بھی نہیں ہوتی ہیں اور مسلمانوں کے کھدوائے ہوئے کنویں یہ سب عشری ہیں۔ چھوٹی نہریں جو حکومت یا کسی جماعت نے اپنے خرچ و محنت سے بڑی نہروں سے نکالی ہیں اور وہ عادۃً نہر نکالنے والوں کی ملک بھی جاتی ہیں ان سب کا پانی خراجی ہے۔



ہندوستان کی زمینوں میں عشر و خراج کا مسئلہ

از: ——— مولانا شاہین جمالی۔ مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار۔ میرٹھ

محور چہارم

(۱) ہندوستان کی زمینوں کا عشری یا خراجی ہونا کافی عرصے سے مختلف فیہ مسئلہ بنا ہوا ہے، اس سلسلے میں دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارن پور کے دارالافتاء سے ابتک یہی فتویٰ صادر ہوتا رہا ہے کہ یہاں کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی۔ اگرچہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رح نے اخیر میں یہاں کی عشری زمینوں میں احتیاطاً عشر ادا کرنے کا فتویٰ صادر فرمایا تھا، تاہم ایک طویل عرصے تک وہ عدمِ وجوبِ عشر ہی کا فتویٰ دیتے رہے تھے۔ (۱)

حال میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی حضرت مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہم کے فتاویٰ کا جو مجموعہ شائع ہوا ہے اس میں بھی عدم وجوب عشر کی بات کہی گئی ہے۔ اس فتویٰ پر حضرت مفتی نظام الدین اور مفتی احمد علی سعید کے بھی دستخط ہیں۔ (۲)

اس کے برعکس حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح، حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رح، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رح قطعیت کے ساتھ ہندوستان کی عشری زمینوں پر وجوب عشر کے فتوے صادر فرماتے رہے۔ اور بعد میں حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی رح نائب امیر شریعت بہار

---

(۱) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۲/۱۵۹ تا ۱۶۳ (۲) فتاویٰ محمودیہ ۳/۳۵

دائرہ نے اس مسئلہ کی خوب تنقیح وتحقیق فرمادی اور "کتاب العشر والزکوٰۃ" میں انھوں نے تمام دلائل کا جائزہ لینے کے بعد واضح طور پر یہ فیصلہ دیا کہ ہندوستان کی زیادہ تر زمینوں پر عشر واجب ہے، انھوں نے یہاں تک لکھا کہ

" ایسے مجتہد اور مفتی بھی ملتے ہیں جن کا فتویٰ یہ ہوتا ہے کہ ہندوستان چوں کہ دارالحرب ہے لہٰذا یہاں کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی۔ بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست۔" (۱)

مانعین وجوب عشر کے فتاویٰ کی بنیاد غالباً حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری کے آٹھ ورقی رسالہ" اراضی ہند" اور حضرت مولانا شیخ محمد اعلیٰ تھانوی کے رسالے اور فقہائے احناف کی بعض عبارتوں یا حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی کتاب "مَالَابُدَّمِنْہُ" ص۹۳ کی عبارت" ہم چنیں احکام عشر زمین عشری کہ در ہیں دیار نیست" پر ہے۔

ان رسائل کے دلائل کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم وجوب عشر کی بنیاد ان حضرات کے نزدیک (۱) ہندوستان میں استیلاء کفار (۲) اس کے دارالحرب ہونے (۳) زمین ھند کے ارض حوزہ ہونے (۴) خاتمۂ قانون زمین داری کے نفاذ کے سبب زمینوں پر ملک مسلم نہ ہونے پر ہے۔

مگر غور کیا جائے تو مذکورہ تینوں بنیادیں عدم ملک مسلم میں جمع ہوجاتی ہیں اور عدم وجوب عشر کی بنیاد صرف "عدم ملک مسلم" ہی رہ جاتی ہے۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ تفصیلی طور پر مذکورہ چاروں بنیادیں عدم وجوب عشر کی حقیقی بنیادیں قرار دی جاسکتی ہیں یا نہیں؟

واقعہ یہ ہے کہ استیلاء کفار اور ارض حوزہ یعنی وہ زمین جو سرکاری تحویل میں ہو اور بیت المال کے تحت ہونے کے سبب کسی شخص کی ذاتی ملکیت میں داخل نہ ہو یا وہ دارالحرب کی زمین ہو تو یہ سب صورتیں محققین فقہاء کی تصریحات کے مطابق وجوب عشر میں مانع نہیں ہیں۔

استیلاء کفار جہاں تک استیلاء کفار کا سوال ہے تو اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ ہندوستان پر برٹش گورنمنٹ کے تسلط کے بعد انگریزی سرکار کی طرف سے زمینوں کے بحق سرکار ضبط ہونے کا اعلان کیا گیا، جس کا ظاہری مطلب اس وقت کے بعض علماء نے یہ سمجھا کہ مسلم بادشاہوں کے وقت سے جو زمینیں مسلمانوں کی ملکیت میں تھیں، وہ

---

(۱) کتاب العشر والزکاۃ ص۱۴۰

سرکاری اعلان کے بعد ملک مسلم سے نکل کر ملک سرکار میں داخل ہوگئیں، اس لیے اب ان زمینوں پر عشر و خراج واجب نہیں ہے۔ (۱)

لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ سرکاری اعلان کی حیثیت مالکانہ تھی ہی نہیں بلکہ صرف بادشاہانہ اور منتظمانہ تھی اور اس حیثیت سے ان زمینوں پر زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کا ملک تام باقی نہیں رہا، لیکن وجوب عشر کے لیے ملک تام کی شرط ہی معتبر نہیں بلکہ ملک ناقص اور قبضہ ظاہری ہی وجوب عشر کے لیے حسب تصریحات فقہا، کافی ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رح نے ایک استفتا، کے جواب میں ارشاد فرمایا:

"ضبط کرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک قبضہ مالکانہ، اگر یہ ہوا ہے تو وہ آراضی عشری نہیں رہیں۔ دوسرا قبضہ حاکمانہ و منتظمانہ اور احقر کے نزدیک قرائن قویہ سے اس کو ترجیح ہے، اگر ایسا ہوا ہے تو آراضی عشریہ بحالہا عشری رہیں" (۲)

ارض حوزہ کا مسئلہ

رہا ارض حوزہ کا مسئلہ جس کو عدم ادائے عشر و خراج کے لیے حضرت شیخ محمد اعلیٰ تھانوی نے بنیاد قرار دیا ہے۔

ارض حوزہ ایسی زمین کو کہتے ہیں جس کے مالک کی وفات کے بعد اس کا وارث کوئی نہ ہو اور وہ بیت المال کی تحویل میں آجائے یا کسی مقام کو بذریعہ لشکرکشی فتح کیا جائے اور وہاں کی زمین قیامت تک کے لیے مسلمانوں کے واسطے باقی چھوڑ دی جائے۔ (۳)

اور اس تعریف پر ہندوستان کی زمینوں کی موجودہ پوزیشن ایسی نہیں ہے تو اس پر ارض حوزہ کا اطلاق کیونکر ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ اس کے ارض حوزہ ہونے کا احتمال ہو سکتا ہے اور احتمال کی بنیاد پر قطعیت کے ساتھ عدم عشر و خراج کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس کے واسطے دلیل خاص اور نقل کی ضرورت ہے۔ فالقول بعدم الوجوب فی خصوص الارض یحتاج الی دلیل خاص و نقل صریح۔ (۴)

ہمارے موقف کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ

---

(۱) رسالہ آراضی ہند ص۔ (۲) جواہر الفقہ ج۲/۲۹۰ بحوالہ تتمہ ثالثہ امداد الفتاویٰ ص۔

(۳) رد المحتار ج۳/۳۰۵ (۴) رد المحتار ج۳/۳۱۳

ملک ظاہر بیبرس نے جب مصر کی زمینوں کے متعلق آراضی حوزہ کے احتمالی بنیاد پر تمام آراضی پر قبضہ کرنا چاہا تو امام نووی نے اس کی زبردست تردید کی اور اسے بتایا کہ علمائے مسلمین میں سے کسی ایک عالم کے نزدیک بھی یہ حلال نہیں ہے بلکہ جس شخص کے قبضہ میں جو زمین ہے وہ اس کی ملک ہے اور کسی شخص کے لیے اس پر اعتراض کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی زمیندار کو ثبوت ملکیت پیش کرنے کی زحمت دی جائے گی۔ بالآخر ملک بیبرس اپنے ارادے سے باز آگیا۔

علامہ شامی اس مسئلہ پر اپنی رائے پیش کرتے ہیں:

فهذا البحر الذی اتفقت علماء المذاهب علی قبول نقله واعترافت بتحققه وفضله نقل اجماع العلماء علیٰ عدم المطالبة بمستند عملاً باليد الظاهر منها وصنعت بحق اللّٰه ۔ (۱)

پس یہ ماہر شریعت (امام نووی) جن کے قبول نقل پر تمام علما، مذاہب کا اتفاق ہے اور ان کی تحقیق و فضل کے سب معترف ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کے صرف ظاہری قبضہ کی بنا پر ان زمینوں کے ملک ہونے کا اجماع نقل کیا ہے۔

لہذا ہندوستان کی زمینوں کو ارض حوزہ قرار دے کر عشر و خراج سے خارج کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ ان پر مسلمانوں کے ظاہری قبضے کی بنیاد پر انھیں ملک مسلم قرار دیا جائے گا اور حسب ضابطہ ان زمینداروں پر عشر لازم ہوگا۔

اور حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری کے بقول یہ تسلیم کیا جائے کہ ابتدائے فتح میں زمین ہند "سواد عراق" کی طرح بیت المال کی ملک تھی اور اس کی حیثیت موقوفہ ہونے کی تھی، تب بھی ان کی رائے کے خلاف مسلک احناف کے مطابق ہندوستان کی زمینیں عشری یا خراجی قرار پاتی ہیں کیوں کہ "سواد عراق" عہد فاروقی میں قہراً فتح ہوا تھا، اور حضرت عمرؓ نے وہاں کی زمینیں کاشت کاروں کے ملک میں باقی چھوڑ دی تھیں اور تمام صحابۂ کرام کے سامنے وہاں کی زمینوں پر خراج کا حکم جاری فرمایا تھا۔ (۲)

اس تحقیق کے اعتبار سے ارض ہندوستان کو ارض حوزہ قرار دینا درست نہیں ہوگا، کیوں کہ ابتدائے فتح ہند میں مسلم بادشاہوں نے یہاں کی بہت سی زمینوں کو مسلمانوں میں تقسیم کرکے انھیں مالک بنادیا تھا اور ان سے شرعی طریقہ پر عشر وصول کیا جاتا تھا۔ اس کا پتہ حضرت محی الدین عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے ایک فرمان سے پتہ چلتا ہے جو ۱۰۷۹ھ میں محمد ہاشم صوبہ دار کے نام جاری ہوا تھا، یہ فرمان برلن کی شاہی لائبریری میں محفوظ ہے، جس کی نقل پر وفیسر جادو ناتھ

---

(۱) شامی ۳/۲۹ (۲) جواهر الفقه ۲/۲۵۱

سرکار نے جنرل اینڈ پروسیڈنگ آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے جلد ۲ میں ۶ جون ۱۹۰۶ء کو شائع کیا تھا اور تاریخ " مرآۃ احمدی " میں اس فرمان کا مسودہ مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔ اس کی دفعہ چہارم میں افتادہ زمین کے متعلق اگر اس کو مسلمانوں کے ساتھ بندوبست کیا جائے یہ حکم مذکور ہے :

" دریں زمین مذکور قریب آرامنی عشری بود براد عشر مقرر نمایند " (۱)

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی نے اس مسئلہ کو بالکل واضح لفظوں میں بیان فرمادیا ہے کہ

" ہندوستان میں جب اسلامی حکومتیں قائم تھیں تو چند بادشاہوں کو چھوڑ کر اکثر زمانوں میں " اسلامی محاصل " اسلامی آئین کے مطابق لیے جاتے تھے، اکبر کے بعد جب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰۹۰ھ میں اسلامی نظام مال و بیت المال کو قائم کیا اور اسلامی نظام کے مطابق اسلامی طریق محاصل کو رواج دیا تو جس طرح ہندوؤں پر جزیہ اور خراج قائم کر کے محصلین جزیہ و خراج کو مقرر کیا اسی طرح مسلمانوں سے زکوٰۃ اور عشر کے وصول کرنے کے لیے محصل مقرر ہوئے ۔ " (۲)

مولانا ہمایونی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قلمی رسالہ " سراج الہند " میں شیخ ابوالحسن سندھی کی کتاب " رفع الغریہ " کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ

" قد ثبت فی کتاب التاریخ ان فتح السند کان فی سنۃ ثلاث وتسعین وکان عنوۃ إلا مَرْدُمْ جِنَّہ اسلموا طوعاً علیٰ ما صرحوا بہ فی التاریخ ۔"

کتب تاریخ سے ثابت ہے کہ سندھ کی اسلامی فتح ۹۳ھ میں جنگ و جہاد کے ذریعہ ہوئی بجز مقام مردم جنہ کے لوگوں کے جنھوں نے اول فتح کے وقت اسلام قبول کر لیا تھا۔

اسی رسالہ میں مذکورہ حوالہ کے بعد لکھا ہے :

اراں سمت فقہائے اسلام آں رد ئے آب راکہ در تصرف مردم جنہ بود عشری می گویند ۔ (اسی سبب سے فقہائے اسلام اس علاقے کی بارانی زمین کو جو مردم جنہ کے لوگوں کے تصرف میں تھی عشری کہتے ہیں) ۔ (۳)

مورخ بلاذری نے راجہ داہر کے پایۂ تخت برہمن آباد کے متعلق بھی کچھ اسی قسم کے حالات لکھے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے اکثر لوگ فتح کے وقت مسلمان ہو گئے تھے ۔ (۴)

---

(۱) ... عشر و خراج ۱۵۴ (۲) مقدمہ کتاب العشر والخراج سید سلیمان ندوی ۱۰/۳ (۳) جواہر الفقہ ۲۵۵/۲ (۴) جواہر الفقہ ۲۵۶/۲

لیکن اس کے بعد پھر انقلاب آیا اور بالآخر حضرت عمر بن عبد العزیز کی دعوت پر راجہ داہر کا بیٹا جیسیہ اور دوسرے راجہ بھی مسلمان ہو گئے اور حضرت عمر بن عبد العزیز نے انہی راجاؤں کو ان کی ریاستوں کا حاکم مقرر کر کے ان کی تمام اراضی پر ان کی ملکیت برقرار رکھی اور یہ ظاہر ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد ان کی آراضی پر خراج نہیں لگایا جا سکتا بلکہ اب وہ سب زمینیں عشری ہوں گی۔ (۱)

اس پوری گفتگو کے نتائج کو سامنے رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہند و سندھ کی زمینیں یا تو عشری ہیں یا خراجی۔ لیکن ان کے نہ عشری نہ خراجی ہونے کی کوئی تحقیقی بنیاد موجود نہیں ہے، البتہ وہ زمینیں جن کے مسلمانان ہند زمانہ قدیم سے وراثۃً مالک ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ یہ آراضی ہندو مالکان سے منتقل ہو کر ان کے قبضہ میں آئی ہیں تاکہ ان پر خراجی ہونے کا حکم لگایا جائے، یا اول فتح کے وقت سے مسلمانوں کی ملک ہیں تاکہ انھیں عشری کہا جائے۔ احتمال بلاشبہ دونوں ہو سکتے ہیں۔ لیکن چند وجوہ سے ترجیح اس کو ہوتی ہے کہ جن آراضی کے متعلق کافی ثبوت اس کا موجود نہیں کہ اول ہندوؤں کی ملکیت تھی پھر ان سے خرید کر یا کسی دوسری صورت سے مسلمانوں کی ملکیت میں آئی ہیں، ان کو بطور استصحاب حال کے اول ہی سے مسلمانوں کی ملکیت قرار دے کر عشری کہا جائے۔ (۲)

دار الحرب کی بنیاد ہندوستان کے دار الحرب ہونے کی بنیاد پر یہاں کی زمینوں کے غیر عشری ہونے کا مسئلہ کافی اہمیت رکھتا ہے اور یہی وہ بنیاد ہے جس پر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے یہاں کی زمینوں کے غیر عشری ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

اور علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے:

ویحتمل ان یکون احترازاً عما وجد فی دار الحرب فان ارضها لیست ارض خراج وعشر۔ (۳)

یہ بھی احتمال ہے کہ ارض خراجیہ وعشریہ کی قید اس زمین سے احتراز کے لیے ہو جو دار الحرب میں ہے کیوں کہ دار الحرب کی زمین نہ خراجی ہے نہ عشری۔

شمس الائمہ سرخسی نے بھی امام محمد کی کتاب "سیر کبیر" کی شرح میں ایک مسئلہ کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا:

---

(۱) جواهر الفقه ۲/۲۵۷ (۲) ایضاً

(۳) شامی ۲/۵۹

" وهذه أراضي اهل الحرب ليست بعشرية ولا خراجية ۔ (۱)

اور یہ زمین اہل الحرب کی ہے اور اہل الحرب کی زمین نہ عشری ہوتی ہے نہ خراجی ۔

اسی طرح صاحب ہدایہ نے دارالحرب میں مسلمانوں کی زمین کو " فئی " کہا ہے اور دلیل یہ دی ہے :

ان العقار في يد اهل الدار وسلطانها اذ هو من جملة دار الحرب فلم يكن في يده حقيقة ۔ (۲)

دارالحرب کی زمین اہل حرب اور وہاں کے بادشاہ کے قبضہ میں ہے کیوں کہ زمین بھی منجملہ دارالحرب ہے پس وہ زمین حقیقت میں مسلمانوں کے قبضہ میں نہیں رہی ۔

اس سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ اس میں عشر و خراج واجب نہ ہو ۔

۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان پر انگریزوں کے مکمل تسلط ہو جانے کے بعد ہندوستان کا دارالحرب ہونا جمہور علماء ہند کے نزدیک محقق ہو چکا تھا چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، قاضی ثناءاللہ پانی پتی اور دیگر علماء کے فتاویٰ و واقعات سے یہ بالکل واضح ہے اور حضرت گنگوہی رح کا مستقل رسالہ اس مسئلہ میں موجود ہے حضرت مفتی عزیزالرحمن رحمۃ اللہ علیہ کے بقول قاضی ثناء اللہ ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بناپر سیار کی زمینوں کو عشری نہیں سمجھتے تھے اور یہ اس دور کے علماء کا متفقہ فیصلہ تھا ۔ (۳)

اسی کے پیش نظر آج تک دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء سے اسی کی نقل ہوتی چلی آرہی ہے ۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ حضرت محدث العصر مولانا رشید احمد گنگوہی رح ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے کے باوجود ہندوستان کی بعض زمینوں میں وجوب عشر کے قائل ہیں ۔ (۴)

اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دارالحرب ہونا وجوب عشر میں مانع نہیں ہے ۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں ایک قاعدۂ کلیہ بیان کیا ہے :

فكل ارض اسلم اهلها عليها وهي من ارض العرب او ارض العجم فهي لهم وهي ارض عشر ——— بمنزلة المدينة حين اسلم عليها اهلها وبمنزلة اليمن ۔ (۵)

---

(۱) شرح سیر کبیر ۳/۲۳۳ (۲) هدایه ۲/۵۸۱ (۳) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۶/۱۷۵

(۵) کتاب الخراج لامام أبي يوسف ۶۲/

ہر ایسی زمین کہ اس کے مالک نے اسلام قبول کر لیا ہو چاہے وہ عرب کی زمین ہو یا عجم کی وہ زمین عشری ہوگی اور ان کا حکم بمنزلہ مدینہ منورہ اور یمن کے ہوگا، جب کہ وہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلامی فرائض وواجبات کی ادائیگی ہر مسلمان کا اسلامی فریضہ ہے، خواہ وہ دارالحرب میں رہتا ہو یا دارالاسلام میں۔ فرائض اسلامی کی ادائیگی میں اختلاف دارین سے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی امام سرخسی فرماتے ہیں:

ولوكان مسلمين فى دارالحرب بامان تعامل احدهما صاحبه فهذا وما لو كانت المعاملة بينهما فى دارالاسلام على السواء لان المسلم ملتزم بحكم الاسلام حيث مايكون۔ (۱)

اگر دو مسلمان دارالحرب میں امان سے رہتے ہوں اور ان دونوں نے آپس میں کوئی معاملہ کیا ہو پس یہ معاملہ اور ہر وہ معاملہ جو ان دونوں کے درمیان دارالاسلام میں ہوا ہو برابر ہے اس لیے کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں وہ اسلامی احکام کے پابند ہیں۔

اسی طرح قرآن وسنت کے نصوص کے اطلاق وعموم سے یہی ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی زمین کا اصل وظیفہ عشر ہے خواہ وہ کسی ملک اور کسی جگہ میں رہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَهُوَ الَّذِىٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ الى قوله تعالىٰ " وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۔ (۲)

اور کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔

اس آیت میں تمام محققین مفسرین نے بلا تخصیص مکان وجوب عشر کو بیان کیا ہے۔ (۳)

دوسری جگہ حکم ہے:

يآايها الذين آمنوا انفقوا من طيبات ماكسبتم ومما اخرجنا لكم من الارض۔ (۴)

---

(۱) شرح سیر کبیر ۴/۱۲۸ (۲) الانعام: ۱۴۱ (۳) تفسیر طبری ۱۲/۱۵۸۔ احکام القرآن لابن عربی ۲/۲۱۳۔ التفسیر الکبیر للرازی ۱۳/۲۱۳۔ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۷/۹۹۔ تفسیر ابن کثیر ۲/۱۸۱۔ تفسیر جلالین ۱/۹۸۔ تفسیر مظہری ۳/۲۹۳۔ روح المعانی ۸/۳۶۔ احکام القرآن للجصاص ۳/۱۳۹۔ (۴) البقرہ۔ آیت ۲۶۷

اے ایمان والو اپنی پاکیزہ کمائی سے اور جو پیداوار ہم نے زمین سے نکالی ہے اس میں سے خرچ کرو۔

اسی طرح حدیث نبوی میں ادائے عشر کا عام حکم ہے :

فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر۔ (۱)

تاہم ایک اشکال باقی رہ جاتا ہے کہ جب دارالحرب ادائے عشر میں مانع نہیں تو بعض فقہاء نے دارالحرب میں عشر و خراج کی جو نفی کی ہے اس کا مطلب کیا ہے ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان فقہاء کو دارالحرب کے لفظ سے اشتباہ ہوگیا وہ یہ سمجھے کہ ہر قسم کے دارالحرب کا ایک ہی حکم ہے، حالاں کہ بات یہ نہیں ہے، جس دارالحرب میں عشر و خراج کچھ لازم نہیں۔ اس سے مراد وہ دارالحرب ہے جو اصل سے دارالحرب ہو اس پر کبھی نہ مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی ہو نہ وہاں کی زمین مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں ہوں، نہ وہاں وہ زمینیں خرید سکتے ہوں تو ظاہر ہے کہ ایسے دارالحرب کی زمینیں اہل حرب کفار کی ملکیت ہوں گی جو احکام شریعت کے مکلف نہیں ہیں ان پر عشر و خراج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

لیکن وہ دارالحرب جہاں کسی دور میں اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہو اور وہاں مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں اپنی یا سرکار کی عطا کردہ زمینیں ہوں اور وہ انھیں خرید و فروخت کر سکتے ہوں تو اس کا حکم پہلی قسم کے دارالحرب سے مختلف ہوگا اور وہ یہ ہے کہ وہاں مسلمانوں کی زمینوں پر حسب قاعدۂ شرعی عشر و خراج لازم ہوگا۔

اور ہندوستان چوں کہ دوسری قسم کے دارالحرب میں شامل ہے بلکہ بعض اعتبار سے دیکھا جائے تو دارالحرب ہی نہیں کیوں کہ جس حکومت میں مسلمان شریک ہوں، ملک کے سب سے بڑے عہدۂ صدارت پر فائز ہوتے ہوں جہاں حکومت میں ان کے ٹیکس داخل ہوتے ہوں اور حکومت کی تشکیل میں ان کی رائے معتبر ہو اور حد یہ ہے کہ مسلم پرسنل لا اور اسلام کا عائلی نظام قانوناً محفوظ ہو اور جو ایک امدادی ادارہ اور ویلفیر اسٹیٹ کی حیثیت میں ہو اسے حقیقی اور اصلی دارالحرب کہنے کے کوئی معنیٰ نہیں۔

شرح سیر الکبیر کی عبارت سے یہ مسئلہ اور بھی واضح ہو جاتا ہے :

لان العشر والخراج انما یجب فی ارض المسلمین و ھذہ اراضی اھل الحرب لیست بعشریة ولا خراجیة۔ (۲)

---

(۱) بخاری ۱/۲۰۱ (۲) ۴/۳۰۴

یعنی عشر وخراج مسلمانوں کی زمین میں ہوتا ہے اور ہندوستان کی زمین جو مسلمانوں کے پاس ہیں وہ مسلمانوں کی کہلاتی ہیں، پس اس میں عشر وخراج واجب ہوگا، باقی رہی آراضی اہل الحرب جس میں عشر وخراج نہیں تو ظاہر ہے کہ یہ حکم ایسے خطہ کے لیے ہو سکتا ہے کہ جہاں ابتدا سے مسلمانوں کی کوئی ملکیت نہیں ہے۔ ہندوستان کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے وہ تقریباً آٹھ سو برس تک دارالاسلام رہ چکا ہے۔ یہاں لاکھوں مسلمان آج تک اپنی زمینوں کے مالک چلے آتے ہیں، غیر مسلم اقتدار کے وقت اگرچہ ملک کو دارالحرب کہا جائے گا، لیکن یہ دارالحرب اصلی دارالحرب سے مختلف ہوگا، جو دارالاسلام کے بعد پھر دارالحرب بن گیا ہے، اس میں املاک مسلمانوں کی موجود ہیں، اس لیے شرح سیر وشامی باب الرکاز کی روایات اس پر منطبق نہیں بلکہ جب یہاں مسلمانوں کی ملکیت میں زمینیں ہیں تو ان پر احکام عشر وخراج کے عائد ہوں گے شرح سیر کی عبارت خود اس کے لیے کافی دلیل ہے۔ امداد الفتاویٰ میں سیدی حکیم الامت قدس سرہٗ کی تحقیق بھی اس کے قریب قریب ہے۔ (۱)

عدم ملک و قانون خاتمہ زمینداری

میری رائے میں ابتک جن بنیادوں پر بحث کی گئی ہے ان سب کی اصل یہی عدم ملک مسلم ہے اور خاتمہ زمینداری کا عام طور پر یہ مطلب لیا گیا ہے کہ اب ہندوستان کی زمینوں پر مسلمانوں کی ملکیت باقی نہیں رہی ہے اسی لیے ان پر عشر وخراج کے واجب ہونے کا سوال ہی نہیں۔ (۲)

مگر یہ اصلی بنیاد بھی عشر کے باب میں کوئی وزن نہیں رکھتی کیوں کہ فقہاء نے صراحت فرمائی ہے کہ عشر کا تعلق زمین کی پیداوار سے ہے نہ کہ زمین کی ملکیت۔

وان المقصود حاصل وھو الخارج (۳) ــــــــ وان لم یکن الارض مملوکۃ۔ (۴)

البتہ زمین پر قبضہ متصرفانہ ضروری ہے تاکہ وہ پیداوار حاصل کرنے پر قادر ہو سکے یہی وجہ ہے کہ آراضی وقف اور مستاجر و مستعیر پر بھی عشر واجب ہے جب کہ عشر ادا کرنے والا ان کا مالک بھی نہیں۔

و بان الملک غیر شرط فیہ بل الشرط ملک الخارج۔ الی قولہ فکان ملک الارض وعدمہ

---

(۱) جواہر الفقہ ۲/۲۶۶ (۲) فتاویٰ محمودیہ ۳/۳۰۴

(۳) ھدایہ ۱/۲۰۰ (۴) عنایہ شرح ھدایہ

سواء کمافی البدائع ۔ (۱)

اور ابن الہمام نے مزید صراحت فرمائی ہے کہ

فلا یلتفت الی کونہ مالکا للارض وغیر مالک کما اذا اجر العشریۃ عندھما یجب العشر علی المستاجر ولیس بمالک وعندہ علی الموجر وکما اذا استعار وزرع یجب العشر علی المستعیر بالاتفاق ۔ (۲)

فتاویٰ عالمگیری میں یہ ہے کہ

زمین کی ملکیت بھی عشر کے واجب ہونے میں شرط نہیں ہے اس لیے کہ وقف کی زمین میں بھی عشر واجب ہوتا ہے، اور غلام ماذون اور مکاتب کی زمین میں بھی واجب ہوتا ہے ۔ (۳)

ان سب تصریحات سے صاف ظاہر ہے کہ تنسیخ زمین داری کے بعد اگر مسلمان ان زمینوں کے مالک بھی نہیں رہے بلکہ زمین صرف ان کے قبضہ و تصرف میں ہیں، تب بھی ان پر عشر ادا کرنا واجب ہوگا ۔

مگر اس کے برعکس صورت حال یہ ہے کہ قانون خاتمہ زمین داری سے مسلمانوں کی ملکیت پر برائے نام ہی اثر پڑا ہے، کیوں کہ ثبوت ملکیت کے لیے شرعی طور پر جو چیزیں علامت بنتی ہیں وہ خاتمہ زمینداری کے بعد بھی بدستور موجود ہیں ۔

محدث کبیر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں :

" مگر یہ سنو کہ اگر سرکار مالک ہے تو بیع و شراء مالگذار کرتا ہے، سرکار کاہے مانع نہیں ہوتی، یہ دلیل ملک مالگذاری کی ہے اور اگر زمین مالگذار کو سرکار اپنی سڑک یا مکان میں لیوے تو قیمت زمین کی رقبہ مالگذار کو دیتی ہے یہ دلیل مالگذار کی بدیہی ہے اگر ملک سرکار ہوتی تو قیمت دینے کے کیا معنی ہو دیں گے " (۴)

پھر مزید تحریر فرماتے ہیں :

یہ لکھنا کہ مالگذاری کی عدم ادا پر سرکار دوسرے کو زمین دیتی ہے یہ دوسرے کو دینا اپنے حق کی تحصیل کے واسطے ہے نہ اپنی زمین کا لینا جیسا کہ عدم ادا، خراج کے شرع میں زمین خراجی دوسرے کو دے دیتے ہیں حالاں کہ صاحب خراج مالک زمین کا ہوتا ہے ۔ لہٰذا یہ دلیل ملک سرکار کی نہیں ۔ (۵)

---

(۱) شامی ج ۲ ص ۳۴۲ (۲) فتح القدیر ج ۲ (۳) فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۰۳ (۴) فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۲۹ (۵) ایضاً

ایک سائل نے پوچھا کہ موجودہ زمین داریاں زمیندار کی ملک صحیح ہے یا نہیں ؟

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے اس کا حسب ذیل جواب دیا :

" موجودہ زمین داریاں بلاشبہ ان لوگوں کی ملک صحیح ہیں جن کا نام کاغذات سرکاری کے خانۂ ملکیت میں درج ہے اور وہ ان میں مالکانہ تصرفات کرتے ہیں .... انگریز حکومت نے بھی فتح اول سے آج تک اس ملکیت کو برقرار رکھا ہے جس پر اس سلطنت (کانگریس) کے ذمہ داروں کے بیانات کے علاوہ حکومت موجودہ (کانگریس) کا یہ طرز عمل خود شاہد ہے کہ تمام مالکانہ تصرفات جیسے بیع و شراء، رہن و ہبہ اور وقف و صدقہ وغیرہ کے اختیارات کو ان کے حق میں تسلیم کیا اور بزور قانون خود ان کو نافذ کیا ہے اور کررہی ہے بہت سے لوگوں نے حکومت سے بڑی بڑی رقمیں دے کر زمینیں خریدی ہیں اور بہت سے مواقع میں حکومت بھی اپنی ضرورت کے وقت ان کی زمینیں اور قیمت ادا کرکے خریدتی ہے یہ سب چیزیں ان کی ملکیت کا بیّن ثبوت ہیں یہ مالکانہ قبضہ اور تصرفات بلانکیر خود سب سے بڑی اور دائمی دلیل ملک کی ہے "[1]

اس فتویٰ پر تصدیقی دستخط کرنے والوں میں :

شارح مسلم حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی ۔ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۔ مولانا محمود الحسن ناظم امداد الغرباء سہارن پور ۔ مولانا احتشام الحق مقیم نئی دہلی ۔ مولانا ظریف احمد مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور ۔ مفتی جمیل احمد دارالافتاء خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون کے نام شامل ہیں ۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان تصدیقات کے بعد خاتمہ زمینداری کے بعد بھی مسلمانوں کی زمینیں جوں کی توں ان کے قبضہ و تصرف میں ہیں اور ان کی پیداوار سے عشر نکالنا ان پر لازم ہے اور قانون تنسیخ زمین داری کو عدم وجوب عشر کا سبب قرار دینا غلط ہے ۔

عشری اور خراجی زمینوں کی تفصیل

حضرت امام اہلسنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی نے اس سلسلے میں وضاحت فرمائی ہے کہ ہندوستان کی زمینیں جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں ان کی نو قسمیں ہیں ۔

(۱) بادشاہان اسلام کے وقت سے موروثی ہیں ۔

---

(۱) جواهر الفقه ۲/۳۲

(۲) موروثی ہیں مگر بادشاہی وقت سے نہیں اور معلوم نہیں کہ کیوں کر قبضہ میں آئیں۔

(۳) مسلمانوں نے مسلمانوں سے مول لی ہیں اور ان کے بیچنے والے مسلمانوں نے بھی مسلمانوں سے مول لی ہیں۔

(۴) مسلمانوں نے مسلمانوں سے مول لی ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ اس کے بیچنے والے مسلمانوں نے کس سے مول لی ہیں۔

(۵) سرکار انگلشیہ نے بطور معافی کے عنایت کی ہیں اور وہ اس سے پہلے مسلمانوں کے ملک میں تھی۔

(۶) سرکار انگلشیہ نے بطور معافی کے عنایت کی ہیں اور معلوم نہیں کہ وہ اس سے پہلے کس کی ملکیت میں تھیں۔

(۷) مسلمانوں نے مسلمانوں سے مول لی ہیں اور ان بیچنے والے مسلمانوں نے غیر مسلم سے مول لی تھیں۔

(۸) مسلمانوں نے غیر مسلم سے مول لیں۔

(۹) سرکار انگلشیہ نے بطور معافی کے عنایت کیں اور وہ اس سے پہلے کسی غیر مسلم کی مملوکہ تھیں۔

پہلی پانچوں صورتوں میں اگر وہ بارش یا دریا کے پانی سے سینچی جائیں تو عشر فرض ہے اور جو مول کے پانی یا کنوئیں کے پانی سے سینچی جائیں تو نصف عشر فرض ہے اور اخیر کی چار صورتوں میں خراجی ہیں۔ (۱)

حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی رح نائب امیر شریعت بہار و اڑیسہ نے تیرہ صورتیں تحریر فرمائی ہیں، یہاں مذکور نو صورتوں میں سے باقی ماندہ صرف چار صورتوں کو ہم ذکر کریں گے جن کو حضرت رحمانی رح نے بیان فرمایا ہے،

(۱۰) بادشاہان اسلام کے وقت سے موقوفہ ہیں۔

(۱۱) مسلمانوں نے غیر مزروعہ زمین جو کسی کے قبضے میں نہ تھی آباد کیا ہے اور وہ عشری زمین کے قریب ہے یا آسمانی دریائی پانی سے یا اپنے کنوئیں سے سیراب ہوتی ہے۔

(۱۲) مسلمانوں نے اپنے سکونتی مکانات کو مزروعہ بنایا اور اس کی سیرابی عشری پانی سے ہوئی یا بنا بر قول بعض کسی پانی سے سیراب ہوئی ہو۔

(۱۳) جو زمین مسلمانوں کے قبضے میں مسلمانوں سے خرید و فروخت کے ذریعہ سے آئی ہے اور اوپر جا کر یہ معلوم ہوا کہ بادشاہان اسلام نے دی تھی۔ (۲)

حضرت رحمانی رح کی تحقیق کے مطابق ان چاروں صورتوں میں عشر واجب ہے اس طرح مجموعی طور پر نو قسموں میں بالاتفاق وجوب عشر ثابت ہوتا ہے اور ایک صورت اختلافی رہ جاتی ہے اور وہ ہے حضرت لکھنوی کی تحریریں،

---

(۱) عمدۃ الفقہ ج ۲/ص ۳۰ (۲) کتاب العشر والخراج ص ۱۵۹

۱۳ والی صورت جس کو حضرت رحمانی رح نے آٹھویں نمبر پر بیان کیا ہے یعنی وہ زمین جو انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو بطور معافی دی، مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ زمین پہلے کس کی تھی۔

اس صورت کو حضرت لکھنوی رح نے خراجی زمین میں شامل کیا ہے اور حضرت رحمانی رح نے عشری قرار دیا ہے اور حق یہ ہے کہ حضرت رحمانی رح کی رائے صحیح ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح لکھتے،

"اور جس کا حال معلوم نہ ہوا اور مسلمانوں کے پاس ہو وہ بھی بظاہر حال عشری سمجھی جائے گی۔" (۱)

دارالعلوم دیوبند کے فتوے سے جیسے حضرت مولانا رحمانی رح نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے یہی واضح ہوتا ہے حضرت تھانوی رح کے فتوے سے بھی یہی حکم معلوم ہوتا ہے۔ (۲)

خلاصہ یہ ہے کہ صرف تین صورتیں خراجی زمین کی ہیں جو حضرت لکھنوی رح کی تحریر میں نمبر ۸، ۹، ۱۰ پر مرقوم ہیں، باقی ساری دس صورتیں عشری زمین کی ہیں جو دونوں حضرات کی تحریر میں مشترک ہیں۔

محور چہارم

۴۔۔۔ جن زمینوں کا عشری یا خراجی ہونا متعین نہ ہو ان پر بھی الشاذ کالمعدوم کے اصول اور بر بنائے احتیاط عشر لازم ہوگا۔

مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رح کے سوال پر دارالعلوم دیوبند کے جواب کا ایک جزء یہ ہے:

"نیز یہ بھی احتمال ہے کہ بعض آراضی جو اوّل سے کفار کے پاس چھوڑ دی گئی ہوں اور ان پر خراج مقرر کیا گیا ہو اور کسی طرح سے اہل اسلام کے پاس آگئی ہو تو وہ بھی خراجی ہی رہیں گی۔ مگر چوں کہ یہ امر مشخص اور ممیز ہونا دشوار ہے نیز شاذ و نادر ہے بلکہ اکثر مسلمانوں کے پاس اس وقت وہی آراضی ہیں جو ان کے آباء و اجداد کو بادشاہ اسلام نے دی تھیں یا انھوں نے مسلمانوں سے خریدی ہیں یا سرکار انگلش نے بعض اہل اسلام کی آراضی بعض کو دی ہیں اس لیے ان جملہ اقسام میں عشر واجب ہے اور شاذ و نادر کو معدوم سمجھ کر جمیع آراضی مملوکۂ اہل اسلام کو عشری کہا جائے گا۔" (۳)

---

(۱) کتاب العشر والزکاۃ /۱۹۱ (۲) تتمہ اولیٰ امداد الفتاویٰ /۵۰ (۳) کتاب العشر والزکاۃ /۱۶۴

حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی علیہ الرحمۃ نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ نے اس جواب پر اپنی یہ رائے ظاہر فرمائی ہے کہ

"ہمارے نزدیک بھی یہی صحیح ہے اور اس کے علاوہ ایک دوسری جہت سے بھی ادائے عشر میں احتیاط کا تقاضا یہی ہے اور وہ یہ ہے کہ دیگر ائمہ کرام رحمہم اللہ کے نزدیک مسلمان کی ہر زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے اگرچہ خراجی ہی زمین کیوں نہ ہو، چنانچہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین ارض عراق کے اندر خراجی زمین کے مالک تھے اور وہ خراج کے علاوہ عشر بھی دیتے تھے۔ اس لیے جہاں پر اپنے امام کے مسلک سے عملاً منافات نہ ہو اور احتیاط کی راہ اختیار کی جائے تو بہتر ہے کیوں کہ ہمارے ائمہ کے نزدیک خراجی زمین کی پیداوار کا عشر ادا کرنا گناہ نہیں ہے۔" (۱)

حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے ایک فتویٰ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ استصحاب حال کی بنا پر عشر لازم ہوگا۔ (۲)

۳۔ عشر زمین زکوٰۃ کی طرح ایک مالی عبادت ہے اور اس کا مصرف بھی وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کوئی حکومت خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم اگر زمینداروں یا کاشت کاروں سے کوئی سرکاری ٹیکس وصول کرتی ہے تو اس ٹیکس کی ادائے گی سے عشر ساقط نہ ہوگا، بلکہ مسلم مالکان کے ذمہ ہوگا کہ وہ بطور خود عشر نکالیں اور اس کے مصرف پر خرچ کریں اور بعینہٖ ایسا ہے جیسے حکومتوں کے انکم ٹیکس ادا کرنے سے اموال تجارت اور نقد کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ غیر مسلم حکومت وصول کرتی ہے تو معاملہ واضح ہے کہ نہ وہ زکوٰۃ اور عشر وصول کرنے کی مستحق یا اہل ہے، نہ وہ اس کے مصارف میں خرچ کرنے کی پابند ہے، اس لیے اس کے ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ یا عشر ادا نہ ہوگا۔ (۳)

علامہ ہمایونی سندھی نے اپنے رسالہ "سراج الهند فی خراج الهند" میں تحریر فرمایا ہے:

" داما آنچہ حکام نصاریٰ می گیرند پس در ادائے خراج محسوب نمی گردد۔ لان الكافرين ليس لهم ولاية اخذ الخراج من المسلمين وايضا ليسوا المصارف الخراج فی ادا ادی المسلمين اليهم مالاً بنية الخراج لا يخرجون عن عهدته لانهم ليسوا بمقاتلين لاهل الحرب ولا رافعين اعداء الاسلام عنهم و عن دارهم۔

علامہ ہمایونی نے جو کچھ حکم لکھا ہے وہ خراج کا ہے اس سے عشر کا حکم بدرجہ اولیٰ معلوم ہو گیا کہ سرکاری مالگذاری

---

(۱) کتاب العشر والزکاۃ ۱۳۳ (۲) تتمہ اولیٰ امداد الفتاوی ۵۰ (۳) جواہر الفقہ ۲/۲۸

ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوتا۔

حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے بھی ایک سوال کے جواب میں یہی لکھا ہے:

"ہم کو تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ادا نہیں ہوتا، جیسے انکم ٹیکس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔"(۱)

البتہ اس مسئلہ میں مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے برخلاف رائے ظاہر فرمائی ہے:

"ہر در زمیں کہ مملوکہ خود آب باراں کاشت کرد عشر غلہ بر دے واجب الادا است مگر در صورتے کہ خراج زمین مذکورہ بحاکم وقت دادہ شود دراں وقت عشر ساقط است بحکم عبارت ردالمحتار - لایجتمع العشر مع الخراج۔"(۲)

جو شخص اپنی زمین میں زراعت کرے اس پر ادا کرنا اور مصارف زکوٰۃ میں صرف کرنا دسواں حصہ کا واجب ہے، اگر زراعت بذریعہ پانی برسات یا نہروں وغیرہ کے ہو اور اگر کنویں سے پانی نکلوا کر اور خرچ کر کے زراعت کی ہو تو بیسواں حصہ واجب ہے لیکن جس صورت میں کہ خراج اس زمین کا حاکم وقت کو دینا پڑتا ہے اس وقت ادائے عشر وغیرہ ساقط ہے جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے، لایجتمع العشر مع الخراج۔(۳)

لیکن مولانا عبدالحی صاحبؒ کے قول کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ انھوں نے خراج شرعی مراد لی ہو خراج انگریزی نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے پاس ایسی زمین ہو کہ اس پر خراج شاہی وقت سے چلا آتا ہو اور اب موجودہ وقت میں وہ خراج حاکم وقت کو ادا کرتا ہو تو اس پر عشر لازم نہیں ہوگا۔

اور چوں کہ موجودہ حکومت ہند کا زمین کی مالگذاری وصول کرنا خراج شرعی نہیں ہے اس لیے کہ اس پر عشر واجب کرنے سے لایجتمع العشر مع الخراج کا اصول نہیں ٹوٹے گا۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ وقت میں ہندوستان کی کسی زمین پر خراج شرعی نہیں ہے کیوں کہ کسی زمین کے خراجی ہونے کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) عجمیوں کے ملکوں میں سے جو ملک بھی ایسا ہو کہ امام کا اس پر غلبہ ہو گیا اور امام نے اس کو انھیں لوگوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا یعنی کافروں کے ملک میں بدستور باقی رہنے دیا تو وہ زمینیں خراجی ہوں گی۔

(۲) عجمیوں کی ہر وہ زمین جس پر امام المسلمین سے صلح ہو گئی ہو اور وہ ذمی بن گئے ہوں تو وہ زمین بھی خراجی ہوگی۔(۴)

---

(۱) حوادث الفتاویٰ ۱/۲۰، ۱۹ (۲) مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ ۲/۲۱۹

(۳) فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ ۲/۲۲۰ (۴) کتاب الخراج للامام ابی یوسف ۱/۹۲

یہ دونوں صورتیں موجودہ حالت میں ہندوستان میں مفقود ہیں کیوں کہ یہاں امام المسلمین کا اقتدار قائم نہیں ہے اور خراج اسلامی احکام میں سے ایک حکم ہے جو دارالاسلام میں رہنے والوں پر واجب ہوتا ہے اور ہندوستان جب دارالاسلام نہیں ہے تو یہاں خراج واجب ہونے کی صورت بھی نہیں پائی جائے گی۔

امام سرخسی فرماتے ہیں:

ان خراج الارض لایجب الاعلی من هو من اهل دارنا لانه حکم من الاحکام المسلمین وحکم المسلمین لایجری الاعلی من هو من دار الاسلام۔ (۱)

بنابریں مالگذاری کی شکل میں حکومت جو کچھ وصول کرتی ہے اس کی حیثیت خراج شرعی کی نہیں بلکہ انکم ٹیکس کی سی ہے لہٰذا مالگذاری ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوگا۔

۴۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رح اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور مفتی محمد شفیع صاحب رح کا رجحان ہندوستان کی بعض زمینوں کے خراجی ہونے کا ہے۔

اراضی ہند بعض عشری ہیں بعض خراجی۔ (۲)

اسی طرح پچھلے صفحات میں تین قسم کی زمینوں کو مولانا عبدالشکور لکھنوی رح اور مولانا عبدالصمد رحمانی رح نے بھی خراجی قرار دیا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ کچھ زمینیں ہندوستان میں خراجی ہیں۔

پھر ان زمینوں میں خراج کی مقدار اور خراج کی کون سی قسم متعین ہے۔ خراج مؤظف یا خراج مقاسمہ ـــــ اس میں کچھ تفصیل ہے:

محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد ہندوستان کے دوسرے علاقے جن کی فتوحات عہد غزنوی اور عہد غوری سے شروع ہوکر علاء الدین خلجی تک تمام ہوئیں ـــــ تحقیق سے اتنی بات ثابت ہے کہ ان تمام علاقوں کی زمین عموماً ان کے ہندو مالکان ہی کی ملک اور قبضہ میں باقی رکھی گئی اور ان پر خراج عائد کیا گیا۔

البتہ "نزہۃ الخواطر" اور "آئینہ حقیقت نما" کی تصریحات کے مطابق علاء الدین خلجی نے اس میں یہ تغیر کر ڈالا کہ مالکان اراضی پر جو نقد خراج مقرر تھا اس کے بجائے بٹائی کا قاعدہ جاری کر دیا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے علاقوں اور صوبوں میں عموماً اول فتح کے وقت سے نقد خراج یعنی

---

(۱) شرح السیر الکبیر ۴/۳۷ (۲) جواهر الفقه ۲/۲۶۹

خراج موظف جاری تھا اور علاء الدین خلجی نے جو اس کو خراج مقاسمہ اور بٹائی کی صورت میں تبدیل کیا یہ معاملہ اگر مالکان زمین کی رضامندی سے ہوا تو کوئی مضائقہ نہیں، ورنہ ان کو اس تبدیلی کا کوئی حق نہ تھا۔

وفی الکافی لیس للامام ان یحول الخراج الموظف الی خراج المقاسمة اقول وکذلک عکسہ۔ (۱)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے اکثر علاقوں میں آج بھی خراج موظف کا حکم جاری ہے، لہٰذا اس کی ادائے گی حسب دستورعام قابل کاشت زمینوں میں ایک جریب یعنی ۳۲۲۵ مربع گز پر ایک درہم (۳ ½ ماشہ چاندی) اور ایک صاع گندم یا جو (تین کیلو دو سو چھیاسٹھ گرام) واجب ہوگا۔ ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور اور کھجور کے ایسے گنجان باغ پر جن میں کاشت نہ ہو سکے دس درہم (ایک ماشہ کم تین تولہ چاندی) اور زعفران جیسی قیمتی اشیاء، اور انگور اور کھجور کے باغ جو گنجان نہ ہوں اور دوسرے ہر قسم کے باغ اگرچہ گنجان ہی ہوں سب پر خراج اس اندازے سے لگایا جائے کہ پیداوار خمس سے گھٹے نہیں اور نصف سے بڑھے نہیں۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے عراق کی ان سب زمینوں پر جن میں پانی پہنچتا ہے اور قابل کاشت ہیں یہی خراج موظف مقرر فرمایا تھا۔ (۲)

لیکن سطور بالا میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ خراج مقرر کرنا اور اس کی وصولیابی کا نظام مرتب کرنا امام المسلمین کا کام ہے اور خراج دارالاسلام کے رہنے والوں پر عائد ہوتا ہے اور ہندوستان بلاشبہ دارالاسلام نہیں ہے، پس یہاں کی جو زمینیں خراجی قرار پاتی ہیں ان میں بھی عشر کا وجوب ہی مناسب ہے اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عشر میں معنیٰ عبادت پایا جاتا ہے، کیوں کہ یہ زمین کی زکوٰۃ ہے، اسی لیے عشر مسلمانوں کے مناسب حال ہے۔

فلا یبتدأ بهذا الحق الا على المسلم بلا خلاف لان فیه معنى العبادة۔ (۳)

اور خراج کی حیثیت شرعی ٹیکس کی سی ہے اس میں معنیٰ عبادت نہیں پایا جاتا اسی لیے وہ دارالاسلام کے غیر مسلم ذمیوں کے مناسب حال ہے، مسلمانوں کے شایان شان نہیں اسی واسطے ابتداءً کسی مسلمان پر اس کی زمین میں خراج واجب نہیں کیا جاتا اور عشر کافر پر مقرر نہیں کیا جاتا کیوں کہ وہ عبادت کا مکلف نہیں ہے۔

۵۔۔۔ شریعت اسلامیہ میں زمین کی پیداوار پر آسمانی بارش اور بڑے دریاؤں کے پانی سے سینچائی کی صورت

---

(۱) رد المحتار ۲/۳   (۲) کتاب الاموال ابوعبید /۹۹ - ھدایہ ۱/۵۹۲ ، جواھر الفقہ ۲/۸۶

(۳) بدائع الصنائع ۲/۵۴

میں پیداوار کا دسواں حصہ اور زراعت پر آنے والے مصارف کھاد۔ دوا۔ جوتائی اور کھیتی کی نگہداشت اور بطور خود آبپاشی کے ذرائع پمپنگ سیٹ یا نہروں سے سینچائی کرنے پر جو بیسواں حصہ مقرر ہے وہ پیداوار کی زکوٰۃ ہے ایسا نہیں کہ مصارف زراعت کے بقدر پیداوار کو مخصوص کرنے کے بعد نصف عشر کو مقرر کیا گیا ہو، بلکہ عشر کی طرح نصف عشر بھی پورے پیداوار کی زکوٰۃ ہے۔

لہٰذا کھیتی پر آنے والے اخراجات کی وجہ سے نصف عشر کی مقدار کو کم کرنا یا اصل پیداوار میں سے اخراجات کو منہا کرنے کے بعد باقی پیداوار سے عشر نکالنا جائز نہیں ہے۔

امام اکمل الدین بابرتی نے ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے جو مصارف زراعت کے بقدر پیداوار کو الگ کرنے کے بعد باقی پیداوار سے زکوٰۃ ادا کرنے کو درست قرار دیتے ہیں، بہت واضح دلیل کے ساتھ لکھا ہے کہ

"وجہ قولنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حکم بتفاوت الواجب بتفاوت المؤنۃ لانہ قال ماسقتہ السماء ففیہ العشر وماسقی بغرب ففیہ نصف العشر ـــــ فاذا کان کذلک لم یکن لرفعھا معنی لان رفعھا یستلزم عدم التفاوت المنصوص علیہ وھو باطل -

وبیانہ ان الخارج فیما سقتہ السماء اذا کان عشرین قفیزاً ففیہ العشر قفیزان واذا کان الخارج فیما سقی بغرب اربعین قفیزاً والمؤنۃ تساوی عشرین قفیزاً ـــــ فاذا رفعت کان الواجب قفیزین فلم یکن تفاوت بین ماسقتہ السماء وبین ماسقی بغرب والمنصوص خلافہ فتبین ان ماسقی بغرب ففیہ نصف العشر من غیر اعتبار المؤنۃ ـــــ وھذا الحل من خواص ھذا الشرح فلیتأمل۔ (۱)

ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصارف زراعت کے فرق کے سبب حکم میں بھی فرق کیا ہے، چنانچہ آسمانی پانی سے سیرابی کی صورت میں پیداوار پر عشر اور چرس سے سینچائی کی صورت میں نصف عشر کو واجب قرار دیا ہے پس جب بات یہی ہے تو مصارف کے بقدر غلہ کو علیحدہ کر لینے کے کوئی معنی نہیں کیوں کہ خرچ کے بقدر پیداوار کو الگ کرکے باقی سے زکوٰۃ دینے کی صورت میں منصوص علیہ حکم (یعنی عشر اور نصف عشر) میں فرق ہی باقی نہیں رہے گا وہ باطل

---

(۱) عنایہ شرح ھدایہ برحاشی فتح القدیر ۲/۱۰

باطل ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ مثلاً آسمانی بارش سے سیراب شدہ زمین کی پیداوار بیس قفیز (تقریباً پونے آٹھ کوئنٹل) ہو تو اس میں عشر کی مقدار (پیداوار کے دسویں حصہ کے مطابق) دو قفیز ہوگی اور اگر پیداوار چرس وغیرہ سے سینچائی کے ذریعہ چالیس قفیز ہو اور مصارف آبپاشی کی مقدار بیس قفیز کے برابر ہو تو اب اگر اس خرچ کے بقدر بیس قفیز غلہ منہا کرلیا جائے تو مقدار زکوٰۃ دو قفیز ہی رہ جائے گی (جو کل پیداوار چالیس قفیز بیسویں حصہ کے مطابق ہے) پس آسمانی بارش کی پیداوار اور اپنے ذاتی ذرائع سے سینچائی کی پیداوار پر زکوٰۃ کی ایک ہی مقدار ہو جائے گی۔ دونوں میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا، حالاں کہ نص حدیث میں دونوں صورتوں کے دو الگ الگ حکم ہیں۔

پس یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ ذاتی ذرائع سے سیراب کردہ زمین کی پیداوار میں جو نصف عشر متعین ہے اس میں مصارف زراعت کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور اس مسئلہ کا یہ حل بس اسی شرح کی خصوصیت ہے اس پر غور کرلو۔

حافظ ابن الہمام نے اگرچہ صاحب نہایہ کے بیان کردہ صورت مسئلہ پر اشکال ظاہر کیا ہے لیکن مذکورہ مثال اور حکم مسئلہ کو جوں کا توں تسلیم کیا ہے۔

فیلزم اتحاد الواجب فیما سقی بغرب و فیما سقتہ السماء وھو خلاف حکم الشرع۔ (۱)

۶۔ اگر زمین دوسرے شخص کو مزارعت یعنی بٹائی پر دی ہے کہ پیداوار میں ایک حصہ متعین مالک زمین کا اور دوسرا معین حصہ کاشت کار کا۔ مثلاً دونوں نصفا نصف ہو یا ایک تہائی ہو یا دو تہائی ہو، اس صورت میں عشر دونوں پر اپنے اپنے حصۂ پیداوار کے مطابق لازم ہوگا۔ (۲)

اگر بٹائی دار غیر مسلم ہو تو مسلمان مالک زمین پر اپنے حصہ کا عشر واجب ہوگا۔

حضرت گنگوہی رح فرماتے ہیں:

"مزارعت کے مسئلہ میں عشر حصہ دار ہوتا ہے مالک و مزارع پر اگر کوئی کافر ہوگا تو اخذ نہ ہوگا، مسلمان اپنے حصہ سے دیوے گا۔" (۳)

ابن الہمام نے فرمایا:

---

(۱) فتح القدیر ۲/۹ (۲) جواھر الفقہ ۲/۲۶۳ بحوالہ بدائع الصنائع

(۳) فتاویٰ رشیدیہ ص۴۴۷

فان کان ذمیا فهو علی رب الارض بالاتفاق۔ (۱)

علامہ شامی نے اس کی علت یہ نقل کی ہے کہ کافر ادائے عشر کا اہل نہیں اس لیے اس پر عشر واجب نہیں۔

کذا فی شرح درر البحار ای لکونه لیس اهلا للعشر۔ (۲)

---

(۱) فتح القدیر ۶/۵

(۲) رد المحتار ۲/۵۵

مَحوَرِ اَوّل

عشر و خراج

مفتی عبداللہ ——— مدرس مدرسہ عزیزیہ، بہار شریف، نالندہ

اس حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں کہ جس طرح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ فرض ہیں اسی طرح عشر بھی فرض ہے۔ اس وجہ کر بہت سے فقہائے عشر کو زکوٰۃ ہی کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کے لئے "باب زکوٰۃ الزروع والثمار" کا باب منعقد فرمایا ہے۔ عشر کی فرضیت بھی قرآن کریم کی مختلف آیات سے ثابت ہے، مثلاً:

"یا ایہا الذین امنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض"

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وھو الذی انشأ جنت معروشات (الی قولہ تعالیٰ) واٰتوا حقہ یوم حصادہ"

اور علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:

"لانہم صرحوا بان فرضیۃ العشر ثابتۃ بالکتاب والسنۃ والاجماع والمعقول"[1]

اور علامہ ثناء اللہؒ نے تفسیر مظہری میں ذکر فرمایا ہے:

"اجمع العلماء علی وجوب العشر فی النخل والکرم"

البتہ چونکہ شرعاً زمین دو قسم کی ہیں، عشری اور خراجی۔ اور ایک ہی زمین پر عشر و خراج لازم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ کونسی زمین عشری ہے اور کونسی زمین خراجی۔ کتب فقہ میں تتبع و تلاش سے جو کچھ مفہوم ہوتا

---

[1] رد المختار ۲/۱۳۹، ۲/۲۵۲

ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خراجی زمین کی دو قسم ہے :

ا ــــــ جب کفار کے ملک کو خلیفۃ المسلمین (مسلمان بادشاہ) نے بزورِ شمشیر فتح کیا ہو اور زمین کفار ہی کی ملکیت میں چھوڑ دیا ہو تو یہ زمین خراجی ہوگی اور مسلمان بادشاہ اس زمین کے خراج وصول کرنے کا حقدار ہے (اس مذکورہ صورت سے عرب کی زمین مستثنیٰ ہیں)

۲ ــــــ جس ملک کے باشندوں نے بغیر جنگ وجدال کے کسی مسلمان بادشاہ سے صلح کرکے ان کی اطاعت قبول کرلی ہو تو اس ملک کی زمین کفار ہی کی ملکیت میں رہے گی اور یہ زمین بھی خراجی ہوگی۔

اسی طرح عشری زمین کی بھی ابتداءً دو ہی صورتیں نکلتی ہیں :

ا ــــــ کسی ملک کے حربی کفار مسلمان ہوگئے ہوں تو مسلمان ہونے والوں کی زمینیں عشری ہوں گی۔

۲ ــــــ ملک عجم کے کسی ملک یا اس کے کسی حصہ پر بزورِ شمشیر فتح حاصل کرلیا ہو اور وہاں کی زمینوں کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کردیا ہو تو ایسی زمینیں بھی عشری ہوں گی۔ ملک عجم کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اگر عرب کی زمین پر مسلمان قابض ہو جائیں تو خواہ وہ مسلمانوں کے درمیان تقسیم ہو یا کفار ہی کے قبضہ میں چھوڑ دیا گیا ہو بہر دو صورت وہ عشری ہی ہوں گی۔ یہ سب صورتیں مندرجہ ذیل عبارتوں سے مستفاد ہیں۔

شرح وقایہ میں ہے :

"ارض العرب وما اسلم اهله او فتح عنوة وقسم بين جيشنا والبصرة عشرية والسواد وما فتح عنوة واقر اهله عليه او صالحهم خراجية"[1]

درمختار میں لکھا ہے کہ :

"ارض العرب وما اسلم اهله طوعا او فتح عنوة وقسم بين جيشنا ... عشرية"

اسی کے تحت شامی نے لکھا ہے :

"(وقسم بين جيشنا) احترز به عما اذا قسم بين قوم كافرين غير اهله فانه خراجي"[2]

عالمگیری میں ہے :

---

[1] شرح وقایہ ج ۲ ... [2] در مختار مع شامی ج ۳ ص ۲۵۱

"فارض العرب کلها عشریة وما سوی ذلك کل بلدة فتحت صلحا وقبلوا الجزیة فهی ارض خراج وکل بلدة فتحت عنوة وقسمها الامام بین الغانمین فهی عشریة وکل بلدة فتحت عنوة واسلم اهلها قبل ان یحکم الامام فیهم بشیٔ کان الامام فیها بالخیار ان شاء قسمها بین الغانمین وتکون عشریة وان شاء منّ علیهم وبعد المن کان الامام بالخیار ان شاء وضع العشر وان شاء وضع الخراج وان کانت تسقی بماء الخراج کذا فی فتاوی قاضی خان عالمگیری"[1]

امام ابی یوسفؒ اپنی کتاب "کتاب الخراج" میں تحریر فرماتے ہیں:

"ایما دار من دور الاعاجم قد ظهر علیها الامام وترکها فی ایدی اهلها فهی ارض خراج وان قسمها بین الذین غنموها فهی ارض عشر......وکل ارض من ارض الاعاجم صالح علیها اهلها وصاروا ذمیة فهی ارض خراج"

اسی صفحہ پر دوسری جگہ لکھا ہے:

"وکل ارض اسلم اهلها علیها وهی من ارض العرب او العجم فهی لهم وهی ارض عشر"[2]

اور ایک جگہ امام ابو یوسفؒ تحریر فرماتے ہیں:

"وکذلك کل من لا تقبل منه الجزیه لا یقبل منه الاسلام او القتل من عبدة الاوثان من العرب فارضهم ارض عشر وان ظهر علیها الامام لان رسول الله صلی الله علیه وسلم قد ظهر علی ارضین من ارض العرب وترکها فهی ارض عشر حتی الساعة"[3]

اول تو وقت کم ہے چونکہ سوالنامہ کافی تاخیر سے موصول ہوا، دوسری بات یہ کہ اب تک محور دوم وسوم کے سلسلے میں تاریخ دانوں اور ماہرین قانون سے ضروری معلومات حاصل کر کے آپ نے روانہ نہیں فرمایا ہے، اسی لئے ایک ہی محور کے جواب پر اکتفا کرتا ہوں۔ ٭٭

---

[1] فتاوی قاضی خان عالمگیری - ۵۰۰ [2] کتاب الخراج ص۶۳ [3] ایضاً

جَوابات

از: مولانا انور علی اعظمی دارالعلوم مئو

محور چہارم

۱۔ علامہ عینی نے بنایہ میں عشری اور خراجی زمینوں کی مندرجہ ذیل اقسام ذکر کی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ عشری زمین کی چھ قسمیں ہیں:

(۱) عرب کی زمین جیسے حجاز اور یمن کی آراضی۔

(۲) وہ آراضی جن کے مالک بخوشی مسلمان ہو گئے ہوں۔

(۳) وہ زمین جو بزور طاقت حاصل کی گئی ہو اور غانمین کے درمیان کر دی گئی ہو۔

(۴) ایسی مردار زمین جسے قابل کاشت بنایا گیا اور عشری پانی سے سیراب کیا جاتا ہو۔

(۵) خراجی زمین جس سے خراجی پانی ختم ہو گیا ہو اور وہ عشری پانی سے سیراب کی جاتی ہو۔

(۶) کسی مسلمان نے اپنے گھر کو باغ بنا دیا اور عشری پانی سے سیراب کرنے لگا۔

خراجی زمین کی آٹھ قسمیں ہیں:

(۱) ایسی زمین جس کو بزور طاقت حاصل کیا گیا ہو اور کافروں کے ہاتھ میں وظیفۂ خراج کے ساتھ باقی رکھا گیا ہو۔

(۲) ایسی زمین جس کو کافروں نے امیر المؤمنین کی اجازت سے قابل کاشت بنایا ہو۔

(۳) کافر اپنے گھر کو باغ بنا دے اگرچہ عشری پانی سے سیراب کرے۔

(۴) کوئی کافر قوم خوشی خوشی خراج دینے پر آمادہ ہو جائے۔

(۵) ایسی زمین جو خراجی پانی سے قابل کاشت بنائی جائے۔

(۶) ایسی زمین جس کو مسلمان کافر سے خریدے

(۷) عشری زمین جس کا پانی بند ہو جائے اور خراجی پانی سے سیراب کی جانے لگے۔

(۸) کسی مسلمان نے اپنے گھر کو باغ بنا دیا اور خراجی پانی سے سیراب کرنے لگا۔ (۱)

کسی زمین کے عشری یا خراجی کا فیصلہ اسی تفصیل کی روشنی میں کیا جائے گا۔

جو زمین نسلاً بعد نسلٍ مسلمانوں کے قبضہ میں چلی آرہی ہے اور یہ پتہ نہیں کہ کب اور کیسے آئی تو اسے عشری ہی مانا جائے گا، کیوں کہ فقہاء کے نزدیک استصحاب بھی ایک دلیل ہے۔

۲۔۔۔ جن اراضی کا عشری اور خراجی ہونا متعین نہ ہو سکے ان میں عشر نکالنا احوط ہے اور مسلمانوں کے حال سے زیادہ مناسب ہے۔

بدائع میں مذکور ہے:

والابتداء بالعشر فی ارض المسلم أولی لان فی العشر معنی العبادة وفی الخراج معنی الصغار۔ (۲)

۳۔۔۔ سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں داخل نہیں ہے کیوں کہ موجودہ سرکار اس کا مصرف نہیں، اور وہ اس کے مصارف میں استعمال بھی نہیں کرتی۔

۴۔۔۔ حضرت تھانوی رح کی تحقیق جدید کے مطابق خراج کی ادائے گی بھی ایک حق شرعی ہے اس کی شرح قرب وجوار کی اراضی سے اندازہ کر کے متعین کی جائے گی۔ علامہ کاسانی رح صاحب بدائع فرماتے ہیں کہ عشر میں عبادت کا مفہوم پایا جاتا ہے اور خراج میں صغار یعنی ماتحتی کا۔ ردالمحتار میں ہے:

ولو ترک السلطان او نائبه الخراج لرب الارض او وهب له ولو بشفاعة جاز عند الثانی وحل له لو مصرفاً والا تصدق به یفتی۔

یہ عبارت یہی بتا رہی ہے کہ اگر خود مصرف نہ ہو تو صدقہ کرنا پڑے گا، حالانکہ سلطان نے معاف کر دیا ہے، لہٰذا خراج کی ادائے گی میں صرف اظہار ماتحتی ہی نہیں بلکہ حق شرع بھی ملحوظ ہے۔

۵۔۔۔ کھاد اور دوا وغیرہ سے نہ تو عشر میں کمی کی جائے گی اور نہ ہی پیداوار سے ان اخراجات کو منہا کیا جائے گا، کل پیداوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہوگا۔ درمختار میں ہے:

---

(۱) ماخوذ از حاشیہ شرح وقایہ۔ مولانا عبدالحی لکھنوی ۱/۲۹۵

(۲) بدائع ۲/۵۷ (۳)

بلا رفع مئون الزرع لتصریحهم بالعشر فی کل الخارج قال فی رد المحتار ای یجب العشر فی الاول ونصفه فی الثانی بلا رفع اجرة العمال ونفقة البقر وکری الانهار واجرة الحافظ ۔ (۱)

مزارعت کی بٹائی کی صورت میں عشر امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک رب الارض پر ہے اس لیے کہ امام صاحب مزارعت کو عقد فاسد قرار دیتے ہیں، غلہ کا مالک زمین والا ہوتا ہے اور مزارع اجرت مثل کا مستحق ہوتا ہے صاحبین رح کے نزدیک مزارعت ایک جائز عقد ہے۔ لہٰذا دونوں اپنے اپنے حصہ کے مالک ہوں گے اور چونکہ عشر پیداوار سے متعلق ہے اس لیے دونوں ہی اپنے اپنے حصہ سے وظیفہ کو ادا کریں گے۔ راقم السطور اس مسئلہ میں صاحبین رح کے قول کو لائق ترجیح سمجھتا ہے۔ شامی میں مذکور ہے:

ولکن ماذکر من التفصیل یخالفه ما فی البحر والمجتبی والمعراج والسراج والحقائق والظهیریة وغیرها من ان العشر علی رب الارض عنده علیهما عندهما من غیر ذکر هذا التفصیل وهو الظاهر لما فی البدائع من المزارعة جائزة عندهما والعشر یجب فی الخارج والخارج بینهما فیجب العشر علیهما ۔ (۲)

محور پنجم

۱۔ عشر یا نصف عشر کا وجوب ارض عشریہ میں پیداوار کی ہر مقدار پر ہے، امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک اس میں کسی نصاب کی شرط نہیں ہے اور نہ قرض وغیرہ مانع ہے احناف کے نزدیک مفتی بہ یہی مذہب ہے۔ (۳)

۲۔ ہر وہ پیداوار جس سے آمدنی حاصل کرنا مقصود ہو اس میں عشر واجب ہوتا ہے چنانچہ غلے اور پھل وجوب عشر کے حکم میں یکساں ہیں، حتیٰ کہ اگر کسی زمین میں بانس، چری کی باقاعدہ کاشت کی جاتی ہے تو اس میں بھی عشر واجب ہوگا۔ (۴)

چوں کہ عشر کا سبب ارض نامیہ ہے اور سنگھارا اور مکھانا پانی کی پیداوار ہیں اس لیے ان پر عشر کا حکم نہیں جاری

---

(۱) شامی ۲/۶۹، امداد الفتاوی ۲/۶۰ (۲) شامی ۲/۴۹

(۳) کفایۃ المفتی ۴/ ، امداد الفتاوی ۲/ (۴) ایضاً (۵) قاضی خان ۱/۲۹

ہوگا، احادیث میں عشر یا نصف عشر کو انھیں اشیا، پر نافذ کیا گیا ہے جو زمین کی پیداوار کہی جاتی ہیں۔
اسی طرح سے عشر ان بیجوں میں واجب نہیں جو صرف زراعت کے کام آتے ہیں، عشر دواؤں میں بھی واجب نہیں، نرکٹ وغیرہ میں واجب نہیں۔ (۱)

۳۔۔۔ مچھلی خواہ کسی قسم کے پانی میں پائی گئی ہو اس میں عشر نہیں ہوگا، اس کو بیچنے کے بعد حاصل شدہ رقم پر زکوٰۃ کا حکم جاری ہوگا۔

لاشیٔ فیما تستخرج من البحر کالعنبر واللؤلؤ والسمك۔ (۲)

۴۔۔۔ ریشم کی کاشت پر عشر واجب نہیں، صاحب ہدایہ شہد پر بحث کرتے ہوتے رقم طراز ہیں:

وفی العسل العشر اذا اخذ من ارض العشر وقال الشافعی لا یجب لانہ متولد من الحیوان فاشبہ الابریسم ولنا قولہ علیہ السلام فی العسل العشر ولان النحل یتناول من الانوار والثمار وفیہما العشر فکذا فیما یتولد منہا بخلاف دود القز لانہ یتناول الاوراق ولا عشر فیہا۔ (۳)

لہٰذا معلوم ہوا کہ ریشم وظیفۂ عشر سے مستثنیٰ ہے۔

۵۔۔۔ وہ درخت جن سے پھل مقصود نہیں ہوتا بلکہ جلانے یا فرنیچر اور عمارت کے استعمال میں آتے ہیں اگر کسی عشری زمین کو ایسے درختوں کے لیے خاص کر دیا گیا ہو تو ان میں عشر واجب ہوگا۔ وجوب عشر کے لیے قاضی خاں ہر سال کاٹنے اور بیچنے کی شرط لگاتے ہیں۔

ولو جعل ارضہ مقصبۃ ومشجرۃ یقطعہا ویبیعہا فی کل سنۃ کان فیہ العشر۔ (۴)

لیکن عالمگیری میں یہی مسئلہ محیط السرخسی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اس میں ہر سال کاٹنے کی شرط نہیں بلکہ مسئلہ کا مدار استنما، اور آمدنی کو قرار دیا ہے لہٰذا ایسی عشری زمین جو صنوبر، ساکھو، شیشم، ساگوان وغیرہ کے لیے خاص کرلی جائے اور یہ درخت تیار ہونے کے بعد کاٹے جائیں چاہے دس سال کیوں نہ لگ جائیں ان میں عشر واجب ہوگا۔ (۵)

---

(۱) قاضی خاں ۱/۱۲۹ (۲) ایضاً (۳) ھدایہ ۱/۱۸۲

(۴) قاضی خاں ۱/۱۲۹ (۵) عالمگیری ۱/۹۵

۶۔۔۔۔ وہ سبزیاں جو عشری زمین میں بوئی جائیں ان میں عشر واجب ہوگا بہتر یہ ہے کہ جب توڑی جائیں عشر الگ کردیا جائے اور مستحقین کو دے دیا جائے، البتہ اپنے گھر یا مکان کی چھتوں پر بوئے جانے والے درختوں یا سبزیوں میں عشر نہیں ہوگا۔

رجل فی داره شجرة مثمرة لاعشر فيه وان كانت البلدة عشرية بخلاف ما اذا كانت فی الارض ۔ (۱)

۷۔۔۔۔ اوقاف کی آراضی میں عشر واجب ہے کیوں کہ عشر کا سبب ارض نامیہ ہے اور وہ یہاں موجود ہے دوسرے یہ کہ عشر کا تعلق پیداوار کی ملک سے ہوتا ہے لہٰذا اراضی موقوفہ علی الاولاد میں عشر واجب ہوگا اس لیے اولاد ان زمینوں کی پیداوار کی مالک ہوتی ہے اگرچہ زمین کی مالک نہیں ہوتی۔

يجب العشر فی الاراضی الموقوفة (۲) وكذا ملك الارض ليس بشرط للوجوب لوجوبه فی الاراضی الموقوفة ۔ (۳)

هذا ما عندی والله اعلم بالصواب

---

(۱) قاضی خان ۱/۱۲۹ ، عالمگیری ۱/۹۵ (۲) قاضی خان ۱/۱۲۹

(۳) عالمگیری ۱/۹۵

عشر کے کچھ احکام ومسائل

(محور پنجم)

از :- مولانا رفیق المنان قاسمی - جامعہ عربیہ احیاء العلوم - مبارکپور، اعظم گڑھ

(۱) نصاب

وجوب عشر کسی خاص نصاب کے ساتھ مشروط ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں دو رائیں ہیں۔ جمہور ائمہ کے نزدیک دیگر اموال زکوٰۃ کی طرح زرعی پیداوار کے لیے نصاب متعین ہے اس سے کم پیداوار میں عشر واجب نہ ہوگا۔ ائمہ احناف میں سے امام ابو یوسف و امام محمد رحمہم اللہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

ان حضرات کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں وجوب عشر کے لیے متعین نصاب کا ذکر ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة۔ وبلفظ أخر۔ لیس فی حب ولا تمر صدقة حتی یبلغ خمسة اوسق"

علامہ ابن قدامہ المغنی میں فرماتے ہیں:

" ولنا قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس فیما دون خمسة اوسق متفق علیہ وهذا خاص یجب تقدیمه...... ولانه مال تجب فیه الصدقة فلم یجب فی یسیره کسائر اموال الزکاتیة...... یحققه ان الصدقة انما تجب علی الاغنیاء بما قد ذکرنا فیما تقدم ولا یحصل الغنا بدون النصاب کسائر اموال الزکاتیة۔ "(۱)

(۱) المغنی ۲/۲۹۶

جو حضرات نصاب کی شرط لگاتے ہیں تفصیلات میں ان کے مابین بھی کلی اتفاق نہیں، وہ پیداواری اشیاء جو ازقبیل مکیلات ہیں ان کا نصاب بالاتفاق پانچ وسق ہے، اس میں بھی یہ امر مختلف فیہ ہے کہ یہ نصاب تحدیدی یا تقریبی؟

قال الحافظ اختلف فی ھذا النصاب ھل ھو تحدید او تقریب و بالاول جزم احمد وھو اصح الوجھین للشافعیۃ الا ان کان نقصا یسیراً جداً مما لاینضبط فلایضر قالہ ابن دقیق العید وصحح النووی فی شرح مسلم انہ تقریب۔ (۱)

غیر کیلی اشیاء میں کسی خاص نصاب کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں داؤد ظاہری کا مسلک یہ ہے کہ ان میں کوئی نصاب ضروری نہیں، جس قدر بھی پیداوار ہو اس میں عشر واجب ہوگا۔

ان نصاب الحبوب و الثمرات خمسۃ اوسق لحدیث الباب عند الشافعی ومالک واحمد وابی یوسف ومحمد و داؤد الظاھری الا انھم اختلفوا فی ذلک فیما لایکال ولایوسق فقال داؤد ان کل مایدخل فیہ الکیل یراعی فیہ النصاب ومالایدخل فیہ الکیل ففی قلیلہ وکثیرہ الزکوٰۃ قال الحافظ ھو نوع من الجمع بین الحدیثین۔ (۲)

حضرات شوافع کا مذہب بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

قال اصحاب الشافعی فی الزعفران تجب الزکٰوۃ فی قلیلہ وکثیرہ[۳] وفی شرح الاحیاء الزعفران والورس لازکاۃ فیھما علی الجدید المشھور وقال فی القدیم یجب فان اوجبنا فیھما فالمذھب انہ لایعتبر النصاب بل یجب فی القلیل وقیل فیہ قولان۔ (۴)

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قال الشافعی اخبرنی ھشام بن یوسف ان اھل حفاش اخرجوا کتابا من ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فی قطعۃ ادیم یامرھم بان یؤدوا عشر الورس قال الشافعی ولاادری اثابت ھذا؟ وھو یعمل بہ بالیمن فان کان ثابتاً عشر قلیلہ وکثیرہ۔ (۵)

---

(۱) اوجز المسالک ۲/۱۳۶ (۲) حوالہ مذکور (۳) المغنی ۲/۶۹۶

(۴) اوجز ۲/۱۳۹ (۵) السنن الکبری للبیہقی ۴/۱۲۶

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے غیر کیلی اشیاء کے نصاب کے سلسلہ میں دو اقوال مروی ہیں، ایک قول یہ ہے کہ موزونات میں پانچ وسق کے بقدر وزن ہی کو نصاب مانا جائے گا، واضح رہے کہ پانچ وسق کا وزن جمہور فقہاء کے نزدیک سولہ سو (۱۶۰۰) رطل ہے اور احناف کے نزدیک چوبیس سو (۲۴۰۰) رطل ہے۔

نصاب الزيتون خمسة اوسق نص عليه احمد فى رواية صالح ونصاب الزعفران والقطن وما الحق بهما من الموزونات الف وست مأة رطل بالعراقى لانه ليس بمكيل فيقوم وزنه مقام كيله ذكره القاضى فى المجرد ۔(۱)

امام احمد رح کی دوسری روایت اس سلسلہ میں یہ ہے کہ موزونات میں سب سے کم قیمت مکیل کے پانچ وسق کی قیمت کو نصاب قرار دیا جائے گا، جیسے عروض تجارت میں سونے اور چاندی کے نصابوں میں سے جو کم قیمت کا ہو اسے معیار نصاب بنایا جاتا ہے۔ ائمہ احناف میں امام ابو یوسف رح کا مسلک بھی یہی ہے۔

وحكى عنه اذا بلغت قيمته نصابا من ادنى ما تخرجه الارض مما فيه الزكاة ففيه الزكاة وهذا قول ابى يوسف فى الزعفران لانه لم يمكن اعتباره بنفسه فاعتبر بغيره كالعروض تقوم بادنى النصابين من الاثمان ۔(۲)

اما ما لا يدخل تحت الكيل كالقطن والزعفران فقد اختلفا فيما بينهما قال ابو يوسف يعتبر فيه القيمة وهو ان يبلغ قيمة الخارج قيمة خمسة اوسق من ادنى ما يدخل تحت الوسق من الحبوب .... لابى يوسف ان الاصل هو اعتبار الوسق لان النص ورد به غير انه ان امكن اعتباره صورة ومعنى يعتبر وان لم يمكن يجب اعتباره معنى وهو قيمة الموسوق ۔(۳)

امام محمد رح کے نزدیک غیر مکیل اشیاء میں سے جس چیز کا عشر نکالنا ہو اس کی قدر و پیمائش کے سب سے بڑے پیمانے کو ایک وسق کے حکم میں رکھا جائے گا۔

قال محمد يعتبر خمسة امثال اعلى ما يقدر به ذلك الشئ ما القطن يعتبر بالاحمال فاذا بلغ خمسة احمال يجب والا فلا ويعتبر كل حمل ثلث مأة من فتكون جملته

(۱-۲) المغنى ۲/۶۹۶ (۳) بدائع ۲/۶۱

الفا وخمس مأة منا والزعفران يعتبر بالامنان فاذا بلغ خمسة امنان يجب والافلا وكذلك فى السكر يعتبر خمسة امنان وجه قول محمد ان التقدير بالوسق فى الموسوقاة لكون الوسق اتصى ما يقدر به فى بابه واقصى ما يقدر به فى غير الموسوق ماذكرنا فوجب التقدير به۔(۱)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نصاب کا اعتبار نہیں، پیداوار کی قلیل وکثیر ہر مقدار پر عشر واجب ہے، مجاہد رح، زہری رح، ابراہیم نخعی رح اور عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ کا قول بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔

عن مجاهد قال فيما اخرجت الارض فيما قل منه اوكثر العشر ونصف العشر — عن حماد قال، فى كل شئ اخرجت الارض العشر اونصف العشر — عن ابراهيم قال، فى كل شئ اخرجت الارض زكاة حتى فى عشر دستجات بقل — عن الزهرى انه كان لايوقت فى الثمر شيئا وقال العشر ونصف العشر — عن معمر قال كتب بذلك عمر بن عبد العزيز الى اهل اليمن۔(۲)

ان حضرات کا استدلال ان آیات واحادیث سے ہے جن میں علی الاطلاق زرعی پیداوار سے عشر وصدقہ نکالنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

يا ايها الذين آمنوا انفقوا من طيبات ما كسبتم — ومما اخرجنا لكم من الارض (البقرہ ۲۶۷) — كلوا من ثمره اذا اثمر وآتوا حقه يوم حصاده۔ (الانعام : ۱۴۱)

ان آیات میں زرعی پیداوار کا ایک حصہ خرچ کرنے اور اس کا حق واجب ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ حکم کسی معین مقدار کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر قلیل وکثیر مقدار کو عام ہے جس کا مقتضا یہ ہے کہ پیداوار کی ہر مقدار میں عشر واجب ہو۔

اس سلسلہ کی احادیث میں بھی ایسا ہی عموم ہے جس سے قلیل وکثیر کا فرق مٹ جاتا ہے اور ہر مقدار پر وجوب ثابت ہوتا ہے۔

عن ابن عمر عن النبى صلى الله عليه وسلم قال فيما سقت السماء والعيون اوكان عثريا العشر وما سقى بالنضح نصف العشر(۳) — فيما سقت الانهار والغيم العشر

---

(۱) بدائع ۲/۶۱ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۱۳۹ (۳) بخاری ۱/۲۰۱

وفیما سقی بالسانیۃ نصف العشر۔(۱)

قرآن وحدیث کے ان نصوص سے استدلال کرتے ہوئے علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی فرماتے ہیں:۔

ولابی حنیفۃ عموم قولہ تعالیٰ: یٰایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ماکسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض" وقولہ عز وجل: وآتوا حقہ یوم حصادہ۔ وقول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ما سقتہ السماء ففیہ العشر وما سقی بغرب او دالیۃ ففیہ نصف العشر من غیر فصل بین القلیل والکثیر۔(۲)

فقہائے احناف کا مختار ومفتی بہ مذہب یہی ہے اور اس کی معقول ومضبوط بنیادیں موجود ہیں احتیاط وحق فقراء کی رعایت کا تقاضا بھی یہی ہے۔

مشہور مالکی فقیہ ومحدث علامہ ابن العربی رح فرماتے ہیں کہ

" اقوی المذاھب ابی حنیفۃ دلیلا واحوطہا للمساکین واولاھا قیاما شکر النعمۃ وعلیہ یدل عموم الآیۃ والحدیث۔" (۳)

اسی طرح علامہ فخر الدین رازی شافعی رح فرماتے ہیں:

قال ابو حنیفۃ العشر واجب فی القلیل والکثیر واحتج بہذہ الآیۃ فقال قولہ تعالیٰ، "وآتوا حقہ یوم حصادہ" یقتضی ثبوت حق فی القلیل والکثیر فاذا کان ذلک الحق ھو الزکاۃ وجب القول بوجوب الزکاۃ فی القلیل والکثیر۔(۴)

رہ گئی وہ حدیث جس میں پانچ وسق سے کم میں صدقہ کی نفی کی گئی ہے تو احناف کے نقطۂ نظر سے اسے کسی ایسے معنی پر محمول کیا جائے گا جو نصوص کتاب وسنت کے عموم کے متعارض نہ ہو، مثلاً وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں عشر کا نصاب نہیں بلکہ تجارتی غلہ جات کی زکوٰۃ کا نصاب بیان کیا گیا ہے، عہد نبوی میں پانچ وسق غلہ کی قیمت کم وبیش دو سو درہم کے مساوی تھی جو عروض تجارت کا نصاب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسانی کے لیے غلہ کا نصاب الگ سے پانچ وسق متعین کیا۔

ابوحنیفۃ یقول تاویل الحدیث زکاۃ التجارۃ فانہم کانوا یتبایعون بالاوساق

---

(۱) مسلم ۱/۳۱۶ (۲) بدائع الصنائع ۲/۵۹ (۳) بحوالہ اوجز المسالک ۳/۱۳۸

(۴) تفسیر ابن کبیر۔

کما ورد به الحدیث نقیمۃ خمسۃ اوسق مأتا درھم[1] ــــــ قال الجصاص فی احکام القرآن قد روی "فیما دون خمسۃ اوسق زکوٰۃ" فجائز ان یرید به زکاۃ التجارۃ بان یکون سأل سائل عن اقل من خمسۃ اوسق طعام او تمر للتجارۃ فاخبران لازکوٰۃ فیه فنقل الراوی کلام النبی صلی اللہ علیه وسلم وترك ذکر السبب کما یوجد ذلك فی کثیر من الاخبار۔ (۲)

صاحب بدائع علامہ کاسانی حدیث کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اما الحدیث فالجواب عن التعلق به من وجهین احدهما انه من الآحاد فلا یقبل فی معارضۃ الکتاب والخبر المشهور ــــــ والثانی ان المراد من الصدقۃ الزکاۃ لان مطلق اسم الصدقۃ لا ینصرف الا الی الزکاۃ المعهودۃ ونحن به نقول ان مادون خمسۃ اوسق من طعام او تمر للتجارۃ لا یجب فیه الزکاۃ مالم یبلغ قیمتها مأتی درهم او یحتمل الزکاۃ فیحمل علیها عملا بالدلائل بقدر الامکان۔ (۳)

عشر میں عدم نصاب وعدم وجوب کی ایک وجہ ترجیح یہ ہے کہ جب خاص اور عام نصوص میں تعارض ہو اور ان میں سے کون زمانًا مقدم ہے اس کا پتہ نہ چلے تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ خبر عام کو ترجیح دے کر اسی پر عمل کیا جائے، نیز عام وخاص کے متعارض ہونے کی صورت میں مختلف فیہ کو چھوڑ کر متفق علیہ کو ترجیح دینا اور اسی پر عمل کرنا بہتر ہے بحکم حدیث "دع مایریبك الی مالا یریبك"۔

علامہ جصاص رازی رح احکام القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

اذا روی عن النبی صلی اللہ علیه وسلم خبران احدهما عام والآخر خاص واتفق الفقهاء علی استعمال احدهما واختلف فی استعمال الآخر فالمتفق علی استعماله قاض علی المختلف فیه فلما کان خبر العشر متفقا علی استعماله واختلفوا فی خبر المقدار کان استعمال خبر العشر علی عمومه اولی وکان قاضیا علی المختلف فیه فاما ان یکون الآخر منسوخا او یکون تاویله محمولا علی معنی لاینافی شیئا من خبر العشر۔ (۴)

---

(۱) المبسوط للسرخسی ۳/۲ (۲) اوجز المسالک ۱۳۶/۳ (۳) بدائع ۵۹/۲ (۴) بحوالہ اوجز المسالک ۱۳۶/۳

علامہ عینی فرماتے ہیں:

ومن الاصحاب من جعله منسوخا ولهم فی تقریره قاعدة فقالوا اذا ورد حدیثان احدهما عام والآخر خاص فان علم تقدیم العام علی الخاص خص العام به وان علم تقدیم الخاص ینسخ بالعام قال محمد بن شجاع البلخی هذا اذا علم التاریخ اما اذا لم یعلم فان العلم یجعل آخرا لما فیه من الاحتیاط وههنا لم یعلم تاریخه فجعل العام آخرا احتیاطا۔ (۱)

قائلین نصاب کہتے ہیں کہ دونوں قسم کے نصوص میں کوئی تعارض نہیں ہے احناف کے پیش کردہ کتاب وسنت کے نصوص میں صرف وجوب عشر کا بیان ہے اور مقدار نصاب کا اس میں کوئی ذکر نہیں گویا مقدار کے حق میں یہ نصوص مجمل ہیں جن کے اجمال کی تفصیل وتوضیح "خمسۃ اوسق" والی حدیث سے ہوتی ہے اس لیے اس پر عمل کرنا کسی بھی نص شرعی کے خلاف نہیں۔

پھر عشر بھی زکوٰۃ ہی کی طرح اللہ کی طرف سے عائد کردہ ایک مالی فریضہ ہے اس لیے بحکم حدیث "تؤخذ من اغنیاءھم وترد الی فقراءھم" وجوب عشر کے لیے بھی دیگر اموال زکاتیہ کی طرح ایک معیار نصاب کا تعین ضروری ہے تاکہ غنا کا تحقق ہو سکے۔

واحتاج ابی حنیفة فی النصاب بهذا العموم فیه ضعف فان الحدیث انما خرج مخرج تبیین القدر الواجب منه۔ (۲)

ولانه مال تجب فیه الصدقة فلم تجب فی یسیره کسائر الاموال الزکاتیة ...... والنصاب اعتبر لیبلغ حدا یحتمل المواساة منه فلهذا اعتبر فیه یحققه ان الصدقة انما تجب علی الاغنیاء بما قد ذکرنا فیما تقدم ولا یحصل الغنی بدون النصاب کسائر الاموال الزکاتیة۔ (۳)

لیکن فقہائے احناف کے نقطۂ نظر سے یہ دونوں باتیں محل نظر ہیں، آیت عشر ظاہر المعنیٰ ہے جوا پنے منطوق کے اعتبار سے پیداوار کی ہر مقدار کو شامل ہے اس میں پیداوار (تھوڑی ہو یا زیادہ جتنی بھی ہو) کا ایک حصہ راہ خدا میں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مقدار واجب کے حق میں تو یہاں ابہام واجمال ہے جس کی توضیح وتفسیر اور معنی کی تعیین حدیث "ماسقتہ الخ"

---

(۱) عمدۃ القاری ج۹ص۷۲ (۲) بدایۃ المجتہد ج۱ص۱۹۳ (۳) المغنی ج۲ص۶۹۶

ہوجاتی ہے لیکن پیداوار کی کس مقدار میں عشر واجب ہے اس اعتبار سے کوئی ابہام نہیں، مذکورہ آیت مجمل نہیں بلکہ مفسر و ظاہر المعنی ہے۔ وہ ہر قلیل و کثیر پیداوار کو عام ہے اور آیت کے اس عموم کی تخصیص اور اس کے اطلاق کی تقیید نسخ کے مترادف ہے اور نص کتاب اللہ کے نسخ و تبدیل کے لیے خبر واحد کافی نہیں، اس کے لیے اتنے ہی مضبوط و محکم دلیل کی ضرورت ہے مثلاً اجماع، خبر متواتر یا کم از کم خبر مشہور و مستفیض، نص قرآنی و خبر واحد میں تعارض کی صورت میں خبر واحد قابل رد ہے یا واجب التاویل۔

حدیث" لاصدقة فیما دون خمسة اوسق " نہ خبر متواتر ہے نہ خبر مشہور، نہ ہی اسے اجماع کی سند حاصل ہے اس لیے اس کے ذریعہ آیت عشر کے عموم کو بدلا نہیں جاسکتا۔

اس پہلو سے اگر قطع نظر کرلیا جائے تو بھی یہ حدیث آیت عشر کے لیے بیان و تفسیر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی کیوں کہ بیان و تفسیر کے لیے ضروری ہے کہ وہ مبین پر پورے طور پر منطبق اور اس کے جملہ افراد کو شامل ہو، آیت سے تمام پیداواری اشیاء میں عشر کا وجوب ثابت ہوتا ہے چاہے وہ موسوق ہوں، موزون ہوں یا معدود، اگر وجوب عشر کے لیے نصاب کو ضروری قرار دیا جائے اور نصاب کے حق میں آیت کو مجمل مانا جائے تو اس کا بیان ایسا ہونا چاہیے جس سے تمام اقسام کی پیداواری اشیاء کا نصاب معلوم ہو جائے اور کوئی بھی قابل عشر چیز اس کے دائرہ سے باہر نہ رہ جائے لیکن حدیث مذکور صرف موسوقات کے نصاب سے بحث کرتی ہے، پیداوار کی بقیہ تمام اقسام کے نصاب کے بیان سے وہ بالکل خاموش ہے، پھر اس بیان کا فائدہ کیا ہوا؟ جب کہ موزونات و معدودات وغیرہ کا نصاب پھر بھی مجہول رہا۔

اگر اس حدیث کو آیت کا مخصص مانا جائے تو صرف موسوقات ہی اس کے دائرۂ عمل میں آئیں گی، پیداوار کی بقیہ اقسام میں آیت کا عموم علیٰ حالہ باقی رہے گا جس کا مقتضا یہ ہے کہ موسوقات کے علاوہ بقیہ تمام پیداواری اشیاء میں بلا لحاظ ہر قلیل و کثیر مقدار پر عشر واجب ہو جیسا کہ ظاہر یہ اور بعض شوافع کہتے ہیں لیکن قائلین نصاب کی اکثریت اسے قبول نہیں کرتی ہے بعض نے تو غیر موسوقات میں وجوب عشر کا یکسر انکار کردیا ہے اور بعض نے قیاس و تعلیل کے ذریعہ نصاب متعین کرنے کی کوشش کی۔

فالجواب انہ لایمکن حملہ علی البیان ماتمسکنا بہ عام یتناول ما یدخل تحت الوسق و ما لایدخل و مار و یتم من خبر المقدار خاص فمایدخل تحت الوسق فلا یصلح بیاناً للقدر الذی یجب فیہ العشر لان من شان البیان ان یکون شاملاً لجمیع ما یقتضی البیان و ھذا لیس کذلک علی ما بینا فعلم انہ لم یرد مورد البیان۔ (بدائع الصنائع)

ان "فيما سقت السماء العشر" عام في ايجابه في الموسوق وغيره وخبر "الخمسة اوسق" خاص في الموسوق دون غيره فغير جائز ان يكون بيانًا لمقدار ما يجب فيه العشر لان حكم البيان ان يكون شاملا لجميع ما يقتضي البيان فلما كان خبر الاوساق مقصورا على ذكر مقدار الوسق دون غيره وكان خبر العشر عموما في الموسوق وغيره علمنا انه لم يرد مورد البيان لمقدار ما يجب فيه العشر وايضا فان ذلك يقتضي ان يكون ما يوسق يعتبر في ايجاب الحق بلوغ مقداره خمسة اوسق وما ليس بموسوق يجب في قليله وكثيره لقوله عليه السلام "فيما سقت السماء العشر" وفقد ما يوجب تخصيص مقدار ما لا يدخل في الاوساق وهذا قول مطروح والقائل به ساقط لاتفاق السلف والخلف." (۱)

جہاں تک عقلی استدلال اور عشر و زکوٰۃ پر قیاس کرنے کی بات ہے تو احناف کے نزدیک وہ بھی نادرست اور قیاس مع الفارق ہے، زکوٰۃ ایک خالص مالی عبادت ہے جب کہ عشر کی حیثیت زرعی ٹیکس کی سی ہے گو کہ اس میں عبادت کا پہلو بھی ہے، احکام عشر میں ان دونوں پہلوؤں کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے، جہت عبادت کے پیش نظر وجوب عشر کے لیے مسلمان ہونا شرط قرار دیا گیا، غیر مسلم پر عشر نہیں ہے چاہے وہ عشری زمین کا مالک ہو جائے اور اسی پہلو کے لحاظ سے عشر کے مصارف بھی وہی قرار دیئے گئے جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں، لیکن زرعی ٹیکس ہونے کی حیثیت سے عشر کے احکام بہت سے امور میں زکوٰۃ سے مختلف ہیں، زکوٰۃ کے وجوب کے لیے عاقل و بالغ ہونا، مال زکوٰۃ پر مکمل ملکیت کا حاصل ہونا، حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا، بقدر نصاب مال زکوٰۃ پر سال گذر جانا، بنیادی شرائط ہیں، جب کہ عشر کے وجوب کے لیے ان میں سے کوئی چیز بھی ضروری نہیں، عشری زمین میں پیداوار کا حاصل ہونا ہی وجوب عشر کے لیے کافی ہے۔

نیز وجوب زکوٰۃ کے لیے تمکن علی النماء کافی ہے، بقدر نصاب مال زکوٰۃ پر اگر سال گذر جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی چاہے فی الواقع مال میں زیادتی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، جب کہ وجوب عشر کے لیے حقیقت نماء ضروری ہے عشری زمین سے اگر پیداوار حاصل نہ ہو تو سالہا سال گذر جانے کے بعد بھی عشر واجب نہ ہوگا، اسی طرح مال زکوٰۃ میں چاہے جتنا بھی اضافہ ہو جائے سال گذرنے سے پہلے اس میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، جب کہ عشری زمین سے اگر سال بھر

---

(۱) احکام القرآن للجصاص بحوالہ اوجز ۳/۱۳۸

میں چار مرتبہ پیداوار حاصل ہو تو چار مرتبہ عشر ادا کرنا ہوگا، ان تمام امور میں عشر زکوٰۃ سے مختلف اور مشابہ ہے اس لیے نصاب کے اعتبار سے بھی عشر کو خراج کے حکم میں رکھا جانا زیادہ قرین قیاس ہے، جس طرح خراج میں غنا و معیار غنا، نصاب کا اعتبار نہیں ایسے ہی عشر میں بھی اس کا اعتبار نہیں ہونا چاہیے۔

"ولا يعتبر فيه النصاب لعموم الحديثين كما روينا ولان النصاب فى اموال الزكاة كان معتبرا لحصول صفة الغنى للمالك بها وذلك غير معتبر لايجاب العشر فان اصل المالك ههنا لايعتبر فهو وخمس الركاز سواء ـــــــ وابوحنيفة رحمه الله قال العشر مؤنة الارض النامية وباعتبار الخارج قل اوكثر تصير الارض نامية فيجب العشر كما يجب الخراج" (۱)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ قول امام اعظم رحمہ اللہ کے رجحان پر نظر و قیاس کے پہلو سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والنظر الصحيح ايضا يدل على ذلك وذلك انا راينا الزكوٰت تجب فى الاموال والمواشى فى مقدار منها معلوم بعد وقت معلوم وهو الحول فكانت تلك الاشياء تجب بمقدار معلوم ووقت معلوم ثم راينا ماتخرج الارض يوخذ منه الزكاة فى وقت ماتخرج ولا ينتظر به وقت فلما سقط ان يكون له وقت تجب فيه الزكاة بحلوله سقط ان يكون له مقدار يجب الزكاة فيه ببلوغه فيكون حكم المقدار والميقات فى هذا سواء اذا سقط احدهما سقط الآخر كما كانا فى الاموال التى ذكرنا سواء فهذا هو النظر وهو قول ابى حنيفة رحمه الله تعالى" (۲)

موجب عشر پیداوار

لکڑی، گھاس اور خودرو قسم کی وہ چیزیں جن کی کاشت نہیں کی جاتی اور عرف عام میں جنھیں پیداوار شمار نہیں کیا جاتا بالاتفاق موجب عشر نہیں ہیں اور پیداوار کی چار اقسام گیہوں، جو، کھجور اور کشمش میں باجماع امت عشر واجب ہے۔ لیکن ان چار کے علاوہ پیداواری اشیاء میں وجوب و عدم وجوب میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

---

(۱) [illegible] (۲) شرح معانی الآثار [illegible]

بعض اکابر سلف کے نزدیک ان چار کے علاوہ اور کسی بھی قسم کی پیداوار میں عشر واجب نہیں، علامہ ابن قدامہ مقدسی کے بقول عبداللہ بن عمرؓ، موسیٰ بن طلحہ، حسن بصری، ابن سیرین، شعبی، حسن بن صالح، ابن ابی لیلیٰ، ابن مبارک اور ابو عبید رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ امام احمد بن حنبل رح سے بھی ایک روایت یہی منقول ہے۔

ان حضرات کا مستدل درج ذیل روایات ہیں:

"قد روی عمرو بن شعیب عن ابیہ عن عبد اللہ بن عمرو انہ قال انما سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الزکاۃ فی الحنطۃ والشعیر والتمر والزبیب وفی روایۃ العشر فی التمر والزبیب والحنطۃ والشعیر وعن موسیٰ بن طلحۃ عن عمر انہ قال انما سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثھما الی الیمن یعلمان الناس امر دینھم فامرھم ان لایاخذوا الصدقۃ الامن ھذہ الاربعۃ الحنطۃ والشعیر والتمر والزبیب رواھن کلھن الدارقطنی" (۱)

یہ حضرات چار مذکورہ منصوص اقسام کے علاوہ اور کسی بھی پیداوار میں عشر کو واجب قرار نہیں دیتے کیوں کہ ان کے نزدیک:

غیر ھذہ الاربعۃ لانص فیھا ولا اجماع ولا ما ھو فی معناھا فی غلبۃ الاقتیات بھا و کثرۃ نفعھا ووجودھا فلم یصح قیاسہ علیھا ولا الحاقہ بھا فیبقی علی الاصل۔ (۲)

جمہور علماء امت کے نزدیک عشر انھیں چار اقسام میں محصور نہیں ہے بلکہ اور بہت سی چیزوں میں بھی وہ واجب ہوتا ہے، لیکن تفصیلات میں یہاں بھی اختلاف ہے، ائمہ کرام نے اپنے اپنے ذوق اجتہاد کے مطابق الگ الگ اصول و ضوابط مقرر کیے ہیں۔

امام مالک و امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک پھلوں میں صرف کھجور اور کشمش اور دانوں میں صرف وہ چیزیں موجب عشر ہیں جو غذائی ضروریات میں استعمال ہوتی ہیں۔

قال مالک والشافعی لازکوٰۃ فی ثمر الا التمر والزبیب ولا فی حب الا ما کان قوتا فی حالۃ الاختیار لذلک۔ (۳)

---

(۱) المغنی ۲/۲۹۲ (۲) حوالۂ مذکور (۳) المغنی ۲/۲۹۱

ومنهم من قال الزكاة فی جمیع المدخر المقتات من النبات وھو قول مالك والشافعی۔ (۱)

امام مالک رحمہ اللہ مؤطا میں فرماتے ہیں:

قال مالك والحبوب التی فیها الزكاة الحنطه والشعیر والسلت والذُرة والدخن والارز والعدس والجُلبان واللوبیا والجلجلان وما اشبه ذلك من الحبوب التی تصیر طعاما فالزكاة توخذ منها كلها بعد ان تحصد وتصیر حبا۔ (۲)

قال مالك والسنة التی لا اختلاف فیها عندنا والذی سمعت من اهل العلم انه لیس فی شئ من الفواكه كلها (سوی التمر والزبیب) صدقة الرمان والفرسك والتین وما اشبه ذلك ومالم یشبه اذا كان من الفواكه ۔(۳)

امام شافعی رحمہ اللہ کتاب الام میں فرماتے ہیں:

قال الشافعی ماجمع أن یزرعه الآدمیون ویبیس ویدخر ویقتات ماكولا خبزا او سویقا او طبیخا ففیه الصدقة ۔(۴)

قال الشافعی وبهذا ناخذ فی كل ثمرة یكون لها زبیب وثمار الحجاز فیما علمت كلها تمرا او زبیبا الا ان یكون شیئا لا اعرفه ۔(۵)

حنابلہ کے راجح قول کے مطابق قابل عشر وہ تمام چیزیں ہیں جو کیلی ہوں اور جنھیں خشک کر کے محفوظ رکھا جا سکتا ہو جو چیزیں ان اوصاف سے متصف نہ ہوں ان میں عشر واجب نہیں۔

ان الزكاة تجب فیما جمع هذه الاوصاف الكیل والبقاء والیبس من الحبوب والثمار مما ینبته الآدمیون اذا نبت فی ارضه سواء كان قوتا كالحنطة والشعیر والسلت والارز والذرة والدخن او من القطنیات كالباقلاء والعدس والماش والحمص او من الابازیر كالكسفرة والكمون والكراویا اوالبزور كبزر الكتان و القثاء والخیار

---

(۱) بدایۃ المجتہد ۱/۱۸۳ (۲-۳) مؤطا مع الاجز ۳/۲۴۹-۲۵۰ مرتبًا
(۴) ۲/۲۹ (۵) کتاب الأم ۲/۲۸

اوحب البقول كالرشاد وحب الفجل والقرطم والترمس والسمسم وسائر الحبوب و تجب ايضا فيما جمع هذه الاوصاف من الثمار كالتمر والزبيب والمشمش واللوز والفستق والبندق ولا زكوٰة فى سائر الفواكه كالخوخ والاجاص والكمثرى والتفاح والمشمش والتين والجوز ولا فى الخضر كالقثاء والخيار والبازنجان واللفت والجزر۔[1]

ائمہ احناف میں سے امام ابویوسف وامام محمد رحمہما اللہ کا مذہب بھی کچھ ایسا ہی ہے لیکن دو امور میں صاحبین کا مذہب حنابلہ سے مختلف ہے۔ صاحبین کے نزدیک عشر کے لیے کیل ہونا شرط نہیں، اس اعتبار سے ان کا مذہب حنابلہ کی بہ نسبت زیادہ عام ہے، لیکن صاحبین کے نزدیک موجب عشر وہی چیزیں ہوں گی جو مقصود بالذات ہوں اور بنفس نفیس ان سے انتفاع کیا جاتا ہو، اس اعتبار سے حنابلہ کا مذہب صاحبین کی بہ نسبت عام ہوگا، گویا دونوں مذہبوں میں عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہوگی، روئی، زعفران وغیرہ غیر مکیل اشیاء میں حنابلہ کے نزدیک عشر واجب نہیں جب کہ صاحبین کے نزدیک واجب ہے، اور کھیرے، ککڑی، بیگن، مولی وغیرہ کے بیج میں جو صرف زراعت کے کام آتے ہیں اور وہ خود مقصود نہیں ہوتے صاحبین کے نزدیک عشر واجب نہ ہوگا، جب کہ حنابلہ کے نزدیک واجب ہوگا۔

ونحوه قول ابى يوسف ومحمد فانهما قالا لا شئ فيما تخرجه الارض الا ما كانت له ثمرة باقية يبلغ مكيلها خمسة اوسق۔ (۲)

و عند ابى يوسف ومحمد لا يجب الا فى الحبوب وماله ثمرة باقية[۳] ــــــ والاصل عند ابى يوسف و محمد رحمهما الله تعالى ان ما ليست له ثمرة باقية مقصودة فلا شئ فيه كالبقول والخضر والرياحين انما العشر فيما له ثمرة باقية مقصودة۔ (۴)

خود امام محمد رحمہ اللہ کی تصنیف "کتاب الاصل" میں ہے:

وقال ابو يوسف ومحمد ليس فى شئ من هذا زكاة الا فيما كان له ثمرة باقية وحتى يكونوا التمر الباقى خمسة اوسق فصاعداً والوسق ستون صاعا فاما الزعفران ونحوه مما يوزن فانه اذا اخرج منه ما يساوى خمسة اوسق ادنى ما يكون من قيمة الاوسق

---

(۱) المغنى ۲/۲۹۰ (۲) المغنى ۲/۶۹۱ (۳) بدائع الصنائع ۲/۵۹

(۴) المبسوط للسرخسى ۳/۲

ففیہ العشر وھو قول ابی یوسف وقال محمد القصب الذی یکون منہ السکر اذا کان فی ارض العشر فھو بمنزلۃ الزعفران وقال محمد لیس فی الزعفران حتی یکون خمسۃ امناء۔ (۱)

امام اعظم کا مسلک اس سلسلہ میں سب سے زیادہ عام ہے، ان کے نزدیک زمین سے پیدا ہونے والی ہر وہ چیز جو خودرو نہ ہو بلکہ اس کی کاشت کی جاتی ہو اور وہ بذاتہ مقصود اور بنفس نفیس قابل استعمال وانتفاع ہو وہ موجب عشر ہے چاہے وہ کیل ہو یا غیر کیل، ماکول ہو یا غیر ماکول، قابل ادخار ہو یا نہ ہو۔

قال ابو حنیفۃ تجب الزکاۃ فی کل ما یقصد بزراعتہ نماء الارض الا الحطب والقصب والحشیش۔ (۲)

ومنھم من قال الزکاۃ فی کل ما تخرجہ الارض ما عدا الحشیش والحطب والقصب وھو ابو حنیفۃ رح۔ (۳)

الاصل عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ان کل ما یستنبت فی الجنان ویقصد بہ استغلال الارض ففیہ العشر الحبوب والبقول والرطاب والریاحین والرطاب والوسمۃ والزعفران والورد والورس فی ذلک سواء وھو قول ابن عباس رضی اللہ عنہ وقد روی انہ حین کان والیا بالبصرۃ اخذ العشر من البقول من کل عشر دستجات دستجۃ۔ (۴)

یجب العشر ...... بلا شرط نصاب وبقاء وحولان حول لان فیہ معنی المؤنۃ ولذا کان للامام اخذہ جبرًا ویوخذ من الترکۃ ویجب مع الدین وفی ارض صغیر ومجنون ومکاتب وماذون ووقف الا فی ما لا یقصد بہ استغلال الارض نحو حطب وقصب فارسی وحشیش وتبن وسعف وصمغ وقطران وخطمی واشنان وشجر قطن وباذنجان وبزر بطیخ وقثاء وادویۃ کحلبۃ وشونیز حتی لو اشغل ارضہ بھا یجب العشر۔ (۵)

(۱) کتاب الاصل لمحمد ۱۶۳/۲ (۲) المغنی ۶۹۲/۲ (۳) بدایۃ المجتہد ۱۹۳/۱ (۴) المبسوط ۲/۳ (۵) الدر المختار علی ھامش رد المحتار ۲/۵ - علامہ عینی لکھتے ہیں: قول ابی حنیفۃ مذھب ابراہیم النخعی ومجاھد وحماد وعمر بن عبد العزیز وھو مروی عن ابن عباس وھو قول (باقی آئندہ صفحہ پر)

امام اعظم کے سوا تمام مذکورہ ائمہ کرام کا مستدل وہی مذکورہ روایات ہیں جن میں صرف چار چیزوں کی صراحت ہے، کچھ نے وجوب عشر کو انھیں منصوصات تک محدود رکھا اور اکثریت نے قیاس و تعلیل کے ذریعہ اس حکم کی تعمیم کی، پھر کسی نے علت و مدار حکم "قوت مع الادخار" کو قرار دیا (جیسے امام مالکؒ و شافعی رح) کسی نے "کیل مع الادخار" کو (جیسے ابن حنبلؒ اور کسی نے صرف ادخار کو (جیسے صاحبین رح) انبات کی شرط سب کے ہاں قدر مشترک ہے اور شئی منبت کا مقصود بذاتہٖ ہونا صاحبین رح کے نزدیک شرط مستزاد، تنقیح مناط کے اس اختلاف کے باعث امتداد حکم اور اس کے دائرہ کی وسعت میں بھی اختلاف پیدا ہوا۔

ان حضرات کا مستدل وہ روایات بھی ہیں جن میں خضراوات سے صدقہ کی نفی کی گئی ہے۔

عن علی ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: "لیس فی الخضراوات صدقة"
وفی روایة عن عائشة وطلحة وانس مرفوعًا " لیس فیما انبتت الارض من الخضر صدقة" رواهن الدار قطنی۔ (۱)

امام اعظم رح کا استدلال عموم نص سے ہے اور اس کے خلاف جو روایات ہیں بر تقدیر صحت مؤول اور دوسرے معانی پر محمول ہیں۔

ولابی حنیفة قوله تعالیٰ " یا ایها الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض " واحق مایتناوله هذه الآیة الخضراوات لانها هی المخرجة من الارض حقیقة .... وقوله تعالیٰ " وآتوا حقه یوم حصاده " والحصاد القطع واحق مایحمل الحق علیه الخضراوات لانها هی التی یجب ایتاء الحق منها یوم القطع واما الحبوب فیتأخر الإیتاء فیها الی وقت التنقیة وقول النبی صلی اللّٰه علیه وسلم " ماسقته السماء ففیه العشر وماسقی بغرب او دالیة ففیه نصف العشر" من غیر فصل بین الحبوب والخضراوات ولان سبب الوجوب هو الارض النامیة بالخارج والنماء بالخضر ابلغ لان ریعها اوفر واما الحدیث فغریب فلایجوز تخصیص

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ): داؤد واصحابہ فیما لا یوسق وحکاہ عن یحیی بن آدم وغیرہ من السلف (بحر الدائر جلد ۱۴

(۱) المغنی ۲/۶۹۲ ملخصًا

الکتاب والخبر المشهور بمثلہ او یحمل علی الزکاۃ او یحمل قولہ "لیس فی الخضراوات صدقۃ" علی انہ لیس فیہا صدقۃ تؤخذ بل اربابہا ہم الذین یؤدونہا بانفسہم فکان ہذا نفی ولایۃ الاخذ للامام وبہ نقول واللہ اعلم۔ (۱)

امام اعظمؒ کے موقف کی واضح تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ سورۂ انعام میں زرع ونخل اور زیتون ورمان کے ذکر کے بعد ہی اس کے حق واجب (عشر) کا حکم دیا گیا ہے جس سے واضح طور پر رمان میں بھی عشر کا وجوب ثابت ہوتا ہے جس میں مخالفین احناف کی شرائط نہیں پائی جاتیں۔

وھو الذی انشأ جنّٰت معروشٰت وغیر معروشٰت والنخل والزرع مختلفا اکلہ والزیتون والرمان متشابہا وغیر متشابہ کلوا من ثمرہ اذا اثمر وآتوا حقہ یوم حصادہ ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین (انعام: ۱۴۱)

امام رازی شافعی رح تفسیر کبیر میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وقولہ تعالیٰ "وآتوا حقہ یوم حصادہ" بعد ذکر انواع الخمسۃ وھو العنب والنخل والزرع والزیتون والرمان یدل علی وجوب الزکوٰۃ فی الکل وھذا یقتضی وجوب الزکاۃ فی الثمار کما کان ابوحنیفۃ رح یقولہ۔ (۲)

فروعات احکام

فقہائے احناف کے ہاں امام اعظم رح ہی کا قول مختار ومعمول بہا ہے۔ احناف کے اصول کے مطابق زمین سے پیدا ہونے والی اشیاء میں چند اقسام عشر سے مستثنیٰ ہیں۔

(۱) خودرو وغیر منبت اشیاء جن کی بالعموم کاشت نہیں کی جاتی۔

(۲) پھل دار درختوں اور غذائی اجناس کے حامل پودوں کی لکڑیاں، شاخیں، پتیاں اور ڈنٹھل جب کہ بذات خود مقصود نہ ہوں بلکہ انھیں پھل اور اجناس ہی حاصل کرنے کے لیے لگایا اور بویا گیا ہو۔

(۳) پھلوں اور سبزیوں کے وہ بیج جو سوائے زراعت کے اور کسی کام نہیں آتے۔

---

(۱) بدائع ۲/ ۵۹ (۲) بحوالہ اوجز ۲/ ۱۳۸

(۴) وہ غیر مزروع جڑی بوٹیاں جو سوائے دوا کے اور کسی قابل لحاظ استعمال میں نہیں آتیں۔

ومنها (شرائط العشر) أن يكون الخارج من الارض مما يقصد بزراعته نماء الارض وتستغل الارض به عادة فلا عشر في الحطب والحشيش والقصب الفارسي لان هذه الاشياء لا تستنمي بها الارض ولا تستغل بها عادة لان الارض لا تنمو بها بل تفسد فلم تكن نماء الارض۔ (۱)

والمستثنى عند ابي حنيفة رح خمسة اشياء السعف فانه من اغصان الاشجار وليس في الشجر شيء والتبن فانه ساق للحب كالشجر للثمار والحشيش فانه ينقى من الارض ولا يقصد به استغلال الأراضي والطرفاء والقصب فانه لا يقصد استغلال الأراضي بهما عادة والمراد القصب الفارسي فاما قصب السكر ففيه العشر۔(۲)

سئل فيما اذا كان لرجلين اشجار مثمرة قائمة في ارض عشرية نقطعاها وانتفعا بحطبها .... فهل لا عشر فيها؟ الجواب: نعم لا عشر في الاشجار لانها بمنزلة جزء الارض ولهذا تتبعها في البيع كما في الزيلعي والبحر وغيرهما من باب العشر.... اقول، قوله لا عشر في الاشجار يعني المثمرة التي لم تعد للقطع۔ (۳)

وفي محيط السرخسي كل شيء يتبع الارض في البيع بغير شرط فلا عشر فيه بمنزلة اجزاء الارض وكل شيء لا يتبع الارض الا بشرط ففيه العشر كالحبوب والثمر ثم البذور التي لا تصلح إلا للزراعة كبزر البطيخ والقثاء ونحوهما فلا عشر فيها لانها غير مقصودة في نفسها وانما المقصود ثمارها۔ (۴)

لا يجب العشر فيما كان من الادوية كالموز والهليلجة ولا في الكندر والصمغ۔(۵)

مذکورہ قسم کی چیزوں میں عشر واجب نہیں بشرطیکہ زراعت بذات خود انھیں اشیاء کے لیے نہ کی گئی ہو، ورنہ ان میں سے بھی وہ چیزیں جو مقصود بالذات ہوں اور جن کے ذریعہ زمین کو بارآور و نفع بخش بنانے کا ارادہ کیا جائے

---

(۱) بدائع ۲/۵۸ (۲) المبسوط ۳/۲ (۳) تنقیح الفتاوی حامدیہ ۱/۹ (۴) ایضاً

(۵) فتاویٰ قاضی خاں ۱/۱۹۹

ان میں عشر واجب ہوگا۔

حتی قالوا فی الارض اذا اتخذھا مقصبة وفی شجرة الخلاف التی یقطع فی کل ثلث سنین اواربع سنین انہ یجب فیہ العشر لان ذلک غلة وافرة ویجب فی قصب السکر و قصب الذریرة لانہ یطلب بھما نماء الارض۔ (۱)

ولوجعل ارضہ مشجرة اومقصبة یقطعھا ویبیعھا فی کل سنة کان فیہ العشر وکذا لوجعل فیہ القت الدواب۔ (۲)

فاتخذ رجل من اھل القریة بعض الارض التی بیدہ مشجرة للقطع فھل یجب فی ذلک العشر؟ الجواب: نعم۔ (۳)

فلو استنمی ارضہ بقوائم الخلاف وما اشبہ اوبالقصب اوالحشیش وکان یقطع ذلک ویبیعہ کان فیہ العشر غایة البیان ومثلہ فی البدائع وغیرھا قال فی الشرنبلالیة وبیع مایقطعہ لیس بقید۔ (۴)

بقیہ ہر قسم کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا چاہے وہ منبت ہو غیر منبت، مملوکہ آراضی سے حاصل ہو یا موقوفہ سے، سطح زمین پر پیدا ہو یا پانی میں، قابل ادخار ہو یا جلد خراب ہو جانے والی، مکلف کی ملکیت ہو یا غیر مکلف کی بہر صورت عشر واجب ہوگا، بشرطیکہ پیداوار ایک صاع سے کم نہ ہو(۵) اور عشری زمین سے حاصل ہوئی ہو۔

غیر عشری زمین کی پیداوار میں عشر واجب نہیں ہے، صحرا اور پہاڑ کو بھی عشری قرار دیا گیا ہے اس لیے ان سے حاصل شدہ قابل عشر چیزوں میں عشر واجب ہوگا۔

قولہ " ارض غیر خراج " اشار الی ان المانع من وجوب العشر کون الارض خراجیة لانہ لایجتمع العشر والخراج تشمل العشریة وما لیست بعشریة ولا خراجیة کالجبل والمفازة لکن قدمنا عن الخانیة وغیرھا ان الجبل عشری وقد منا ایضا ان المراد انہ لو استعمل فھو عشری۔(۶)

---

(۱) بدائع ۲/۵۸ (۲) فتاوی قاضی خان ۱/۱۹۹ (۳) تنقیح فتاوی حامدیہ ۱/۱۰

(۴) ردالمحتار ۲/۵۰ (۵) فیجب فیمادون النصاب بشرط ان یبلغ صاعا وقیل نصفہ (شامی ۲/۴۹)

(۶) فتاوی قاضی خاں ۱/۱۹۹

وما يجمع من ثمار الاشجار التي ليست بمملوك كاشجار الجبل يجب فيه العشر

وما يستخرج من الجبال ان كان مما ينطبع كالذهب والفضة والصفر والنحاس

والحديد يجب فيه الخمس وان كان لا ينطبع كالزرنيخ والكحل والزاج والياقوت

والفيروزج والزبرجد لا شئ فيه - (۱)

قلت افرأيت النحل اذا كانت في الجبال او في ارض ليست لاحد ارض فلاة - (۲)

مکان، اس کے آس پاس کی زمین اور چھت پر اگائی جانیوالی چیزوں کا حکم

عشر کی شرط سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مکانات، ان کے آس پاس کی افتادہ زمین میں نیز چھتوں پر جو چیزیں اگائی جاتی ہیں ان میں عشر واجب نہیں، ہاں جن مکانات کی زمین کو باقاعدہ باغ یا زرعی آراضی میں تبدیل کر دیا جائے اور ان کی سیرابی عشری پانی سے ہو تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

رجل في داره شجرة مثمرة لا عشر فيه وان كانت البلدة عشرية بخلاف ما اذا كانت

في الارض - (۳)

سئل في رجل له في داره شجرة مثمرة او نخلة هل فيها عشر؟ الجواب: لا عشر فيها

لانه تبع للدار ولا عشر في الدار - (۴)

وخرج ثمرة شجر في دار رجل ولو بستانا في داره لانه تبع للدار كذا في الخانية

عن القهستاني - (۵)

اخذ خراج من دار جعلت بستاناً او مزرعة ان كانت لذمي او لمسلم وقد سقاها بمائه

واخذ عشر ان سقاها المسلم بماء العشر او بهما ولا شئ في دار ومقبرة ولو

لذمي -

لو لم يجعله بستانا وفيها نخل اكرارا لا شئ فيها - بحر - (ردالمحتار ۲/۵۱)

(۱،۲) فتاوی قاضی خان ۱/۱۹۹ (۳) تنقیح الفتاوی حامدیہ ۱/۱۲ ھ فاصاب رجل من المسلمین شیئاً من عسلها هل یکون فیها عشر؟ قال نعم (کتاب الاصل ۱/۱۵۶) (۴) شامی ۲/۱ (۵) درمختار علی هامش الشامی ۲/۵۲

آراضی موقوفہ میں عشر

جیسا کہ گذر چکا آراضی موقوفہ کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہوتا ہے کیوں کہ وجوب عشر کے لیے ملکیت ارض شرط نہیں ہے بلکہ پیداوار کا حصول کافی ہے کیوں کہ اصلاً عشر زرعی ٹیکس کی حیثیت رکھتا ہے اسی وجہ سے اس کے لیے مکلف ہونا بھی ضروری نہیں، بچے اور دیوانے کی عشری زمین میں بھی عشر واجب ہے۔

" لا معتبر بالمالك فى العشر وانما المعتبر بالخارج حتى يجب العشر فى الآراضى الموقوفة التى لا مالك لها "(۱)

يجب العشر فى الأراضى الموقوفة وارض الصبيان والمجانين ان كانت عشرية و ان كانت خراجية ففيها الخراج۔ (۲)

افاد ان ملك الارض ليس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج لانه يجب فى الخارج لا فى الارض فكان ملكه لها وعدمه سواء (بدائع) قلت هذا ظاهر فيما اذا زرعها اهل الوقف اما اذا زرعها غيرهم بالاجرة فيجرى فيه الخلاف الآتى فى الارض المستاجرة۔(۳)

شہد کا حکم

شہد میں عشر واجب ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے، بعض اہل علم کے نزدیک اس میں عشر واجب نہیں کیوں کہ وہ زرعی پیداوار میں سے نہیں ہے بلکہ وہ شہد کی مکھی سے حاصل ہوتا ہے، امام مالک اور امام شافعی کا قول قدیم یہی ہے۔

وقال مالك والشافعى وابن ابى ليلى والحسن بن صالح وابن المنذر لا زكاة فيه لانه مائع خارج من حيوان اشبه اللبن۔ (۴)

اس سلسلہ میں بعض روایات بھی پیش کی جاتی ہیں:

عن عبد اللہ بن ابی بکر بن حزم قال جاء كتاب من عمر بن عبد العزيز الى ابى وهو

---

(۱) مبسوط ۳/۳ (۲) فتاوی قاضی خان ۱/۱۹۹ (۳) شامی ۲/۴۹ (۴) المغنی ۲/۱۴

بمعنی ان لا یاخذ من الخیل ولا من العسل صدقة ۔(۱)

لیکن امام عبدالرزاق نے مصنف میں اس کے بالکل برعکس نقل کیا ہے اس میں عمر بن عبدالعزیز رح کے الفاظ یوں نقل کیے گئے ہیں ۔

انا قد وجدنا بیان صدقة العسل بارض الطائف فخذ منه العشر ۔ (۲)

ایسے ہی علامہ جصاص رح نے عمرو بن شعیب کی یہ روایت نقل کی ہے :

کتب الینا عمر بن عبد العزیز یامرنا ان نعطی زکاة العسل ونحن بالطوان العشر یسند ذلك الی النبی صلی الله علیه وسلم ۔ (۳)

شہد میں عشر کی نفی کے تعلق سے کچھ اور بھی روایات منقول ہیں لیکن وہ بالاتفاق ضعیف اور ناقابل احتجاج ہیں جمہور علماء کے نزدیک شہد میں عشر واجب ہے، ائمہ اربعہ میں امام ابوحنیفہ، امام احمد اور امام شافعی کا قول قدیم یہی ہے ۔

قال الجصاص فی احکام القرآن اختلف فی زکاة العسل فقال ابوحنیفة و ابویوسف و محمد والاوزاعی اذا کان فی ارض العشر ففیه العشر وقال مالك والثوری والحسن بن صالح والشافعی لاشئ فیه وعن عمر بن عبد العزیز مثله وروی عنه الرجوع عن ذلك وانه اخذ منه العشر حین کشف عن ذلك وثبت عنده ماروی فیه ۔

وقال العینی فی البنایة وهو مروی عن عمر بن عبد العزیز والاوزاعی والزهری و ربیعة ومکحول ویحیی بن سعید وابن وهب من المالکیة وسلمان بن موسی الفقیه الاحدب الدمشقی واسحٰق وابی عبید ۔ (۴)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

والعمل علی هذا عند اکثر اهل العلم وبه یقول احمد واسحٰق ۔ (۵)

شہد میں عشر کے ذکر و اثبات کے سلسلہ میں متعدد احادیث مروی ہیں ۔

---

(۱) مؤطا امام مالک مع الأوجز ۳/۲۵۴ ۔ کتاب الام للشافعی ۲/۳۳ (۲) بحوالہ اوجز ۳/۲۵۳ ۔ (۳) حوالہ مذکور

(۴) اوجز ۳/۲۵۵ (۵) ترمذی ۱/۸۰

عن ابن عمر ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال "فی العسل فی کل عشرۃ ازق زق"
و فی الباب عن ابی ھریرۃ و ابی سیارۃ المتعی و عبداللّٰہ بن عمرو ۔ (۱)

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال جاء ھلال احد بنی متعان الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بعشور نحل لہ وکان سئلہ ان یحمی وادیا یقال لہ سلبۃ نحمی لہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ذلک الوادی فلما ولی عمر بن الخطاب کتب سفیان بن وھب الی عمر بن الخطاب یسئلہ عن ذلک فکتب عمر ان ادی الیک ما کان یودی الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من عشر نخلۃ فاحم لہ سلبۃ والا فانما ھو ذباب غیث یاکلہ من یشاء ۔ (۲)

عن سعید بن ابی ذباب قال قدمت علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثم قلت یا رسول اللّٰہ اجعل لقومی ما اسلموا علیہ من اموالھم نفعل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم واستعملنی علیھم ثم استعملنی ابوبکر ثم عمر قال وکان سعد من اھل السراۃ قال فکلمت قومی فی العسل فقلت لھم زکوۃ فانہ لا خیر فی ثمرۃ لا تزکی فقالوا کم ؟ قال ، فقلت العشر فاخذت منھم العشر فاتیت عمر بن الخطاب رض فاخبرتہ مما کان فقبضہ عمر فباعہ ثم جعل ثمنہ فی صدقات المسلمین ۔ (۳)

روی عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یوخذ فی زمانہ من قرب العسل من کل قربۃ من اوسطھا رواہ ابوعبید والاثرم وابن ماجۃ وعن سلیمان بن موسیٰ ان ابا سیارۃ المتعی قال قلت یا رسول اللّٰہ ان لی نحلا قال اد عشرھا ...... رواہ ابوعبید وابن ماجۃ و روی الاثرم ...... ان عمر رض امرہ فی العسل بالعشر ۔ (۴)

منکرین کے نزدیک عشر فی العسل کے سلسلہ کی روایات کچھ زیادہ مضبوط نہیں ہیں اور ان میں رد و قدح کی گنجائش ہے اس لیے

---

(۱) ترمذی ۱/۸۰ ۔ السنن الکبریٰ للبیھقی ۴/۱۲۶ (۲) ابو داؤد ۱/۲۳۲، نسائی ۱/۲۳۶ ، بیھقی ۴/۱۲۶

(۳) مسند شافعی ۱/۹۲ ۔ الام ۲/۳۲، بیھقی ۴/۱۲۶، مصنف ابن شیبۃ ۳/۱۴۲ (۴) المغنی ۲/۱۳ ۔

شہد جیسی حیوانی پیداوار کو "مخرج من الارض" کے حکم میں نہیں رکھا جا سکتا۔

امام ترمذی رح فرماتے ہیں :

"لایصح عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی ھذا الباب کبیر شئ" ۔(۱)

امام بیہقی رح نے زعفرانی رح کے حوالہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے :

الحدیث فی ان "فی العسل العشر" وفی "ان لا یوخذ منہ العشر" ضعیف الا عن عمر بن عبد العزیز واختیاری ان لا یوخذ منہ لان السنن والآثار ثابتۃ فیما یوخذ منہ ولیست فیہ ثابتۃ فکانہ عفو ۔(۲)

علامہ ابن قدامہ رح نے المغنی میں ابن المنذر رح کا یہ قول نقل کیا ہے :

لیس فی وجوب الصدقۃ فی العسل خبر یثبت ولا اجماع فلا زکاۃ فیہ ۔(۳)

امام شافعی رح اپنی نقل کردہ حدیث سعد بن ذباب رض کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں مگر اس کی توجیہ کرتے ہیں :

قال الشافعی وسعد بن ذباب یحکی ما یدل علی ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لم یامرہ باخذ الصدقۃ من العسل وانہ شئ رآہ فتطوع لہ بہ اھلہ ۔(۴)

نیز اسی حدیث کی بنا پر وہ یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ

فان تطوع اھلھا بشئ قبل منھم وجعل فی صدقات المسلمین وقد قبل عمر بن الخطاب من اھل الشام ان تطوعوا بالصدقۃ عن الخیل وکذلک الصدقۃ عن کل شئ تقبل ممن تطوع بھا ۔(۵)

لیکن جمہور علماء امت کی نظر میں یہ روایات مجموعی حیثیت سے ثابت شدہ اور قابل احتجاج ہیں اگر اسناد و روایت کے لحاظ سے ان میں کہیں کوئی سقم بھی ہو تو تعدد طرق و کثرت روایت سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے اس لیے ان سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔

قال الاثرم سئل ابو عبد اللّٰہ (احمد بن حنبل) انت تذھب الی ان فی العسل زکاۃ ؟

---

(۱) سنن ترمذی ۱/۸۰ (۲) سنن کبریٰ للبیہقی ۴/۱۲۶ (۳) المغنی ۲/۱۱۳

(۴) الام للشافعی ۲/۳۳ (۵) ایضاً

قال نعم اذهب الی ان فی العسل زکاۃ العشر قد اخذ عمر منهم الزکاۃ قلت ذلک علی انهم تطوعوا به ؟ قال لا بل اخذه منهم ویروی ذلک عن عمر بن عبد العزیز ومکحول والزهری وسلیمان بن موسی والاوزاعی واسحاق ۔(۱)

قال العینی واحتجت اصحابنا بما رواه ابن ماجۃ .... وبروایۃ ابی داؤد ایضا .... والحدیث سکت علیه ابوداؤد ولم یتکلم علیه فاقل حاله ان یکون حسنا وهو حجۃ وقول البخاری لیس فی زکوٰۃ العسل حدیث یصح لا یقدح مالم یبین۔(۲)

علامہ ابن قیمؒ جمہور کے موقف کی تائید اور اس سلسلہ کی روایات پر محاکمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان هذه الآثار یقوی بعضها بعضا وقد تعددت مخارجها واختلفت طرقها ومرسلها یعضد بمسندها وقد سئل ابوحاتم عن عبد اللّٰه والد منیر عن سعد بن ابی ذباب یصح حدیثه ؟ قال نعم ، قال هولاء ولانه یتولد من نور الشجر والزهر ویکال ویدخر فوجبت فیه الزکاۃ کالحبوب والثمار۔ (۳)

ریشم میں عشر واجب ہوگا یا نہیں ؟

گذشتہ بحث سے یہ بات واضح طور پر سامنے آگئی کہ شہد میں عشر واجب ہے اور یہ حکم منصوص ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حکم مورد نص ہی تک محدود ہے یا وہ معلل ہے کہ علت جامعہ کی بنا پر یہ حکم اسی طرح کی دوسری چیزوں پر بھی لگایا جا سکتا ہے، پہلی بات قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی بالخصوص یہ فقہ حنفی کے ذوق و مزاج کے خلاف ہے۔

ان غیر المنصوص علیه یقاس علی المنصوص علیه لمعنی موثر یجمع بینهما ۔(۴)

اگر شہد کو بھی ہم منصوصات عشریہ میں سے تسلیم کرلیں تو ان کی تعداد پانچ ہوجاتے گی، گیہوں، جو، کھجور، کشمش اور شہد، ان میں سے چار اول الذکر تو راست طور پر مخرج من الارض ہیں جب کہ شہد براہ راست زمین سے نہیں نکلتا بلکہ وہ

---

(۱) المغنی ۲/۱۳۰ (۲) علۃ الحدیث والقادح فیه ولا یلزمنا قول البخاری لان الصحیح لیس موقوفا علیه وکم من حدیث صحیح لم یصححه البخاری ولانه لا یلزم من کونه غیر صحیح ان لا یحتج به فان الحسن وان لم یبلغ درجۃ الصحیح فهو یحتج به (ا و جز ۳/۲۵۶) (۳) ایضاً (۴) هدایه ۴/۲۰۳

" مخرج من الحیوان المتعلق بالارض " ہے، حبوب وثمار اور شہد کے درمیان یہ مابہ الامتیاز ہے، اس فرق کے باوجود شریعت نے ان دونوں قسم کی مختلف المخرج چیزوں کو ایک ہی حکم میں رکھا اور دونوں میں یکساں طور پر عشر کو واجب قرار دیا اس کی کیا وجہ ہے ؟

اگر راست طور پر مخرج من الارض ہونے کو عشر کی علت قرار دی جائے تو شہد میں بھی عشر واجب نہیں ہونا چاہیے، (جیسا کہ مالک رح و شافعی رح کہتے ہیں) اور اگر زمین سے براہ راست نکلے نہ ہونے اور ایک حیوان کے واسطے سے حاصل ہونے کے باوجود شہد میں عشر واجب ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسی قسم کی دوسری چیزوں کو عشر سے مستثنیٰ کر دیا جائے اور وجوب عشر کو انھیں اشیاء کے ساتھ خاص کر دیا جائے جو بلا واسطہ زمین سے نکلی ہوئی ہوں۔

شہد میں عشر کا وجوب اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ براہ راست زمین سے نکلا ہوا ہونا وجوب عشر کی لازمی شرط نہیں ہے بلکہ اس کے بغیر بھی عشری زمین سے متعلق حاصلات میں عشر واجب ہو سکتا ہے۔

یہاں قابل غور چیز یہ ہے کہ حبوب و ثمار اور شہد میں قدر مشترک و علت جامعہ کیا ہے جس کی وجہ سے واضح فرق کے باوجود ان دونوں قسموں کو وجوب عشر کے حق میں یکساں قرار دیا گیا ؟ اگر اس قدر مشترک کا تعین ہو جائے تو شہد جیسی دوسری چیزوں کا حکم بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

شہد اور دوسری چیزوں میں علت جامعہ جیسے بھی قرار دیا جائے وہ عشری آراضی میں بغرض استغلال ارض توت کے درخت لگا کر ریشم کے کیڑوں کے واسطے سے پیدا کیے گئے ریشم میں پائی جاتی ہے۔

بعض عبارات فقہیہ میں یہ تصریح ملتی ہے کہ ریشم میں عشر واجب نہیں اور شہد و ریشم میں یہ فرق بتایا گیا ہے کہ شہد کی اصل کلیاں، پھول اور پھل ہیں شہد کی مکھی انھیں سے عرق کشید کر کے شہد تیار کرتی ہے اس لیے شہد بھی پھل کے مشابہ اور اس کے حکم میں ہوگا، لیکن ریشم کا کیڑا توت کی پتیاں کھا کر ریشم تیار کرتا ہے اور پتیوں میں چوں کہ عشر نہیں اس لیے ان سے بننے والے ریشم میں بھی عشر واجب نہ ہوگا۔

قال الشافعی رح لایجب (العشر فی العسل) لانه متولد من الحیوان فاشبه الابریسم ولنا قوله علیه السلام " فی العسل العشر " ولان النحل یتناول من الانوار والثمار وفیهما العشر فکذا فیما یتولد منهما بخلاف دود القز لانه یتناول الاوراق ولا عشر فیها۔(۱)

---

(۱) هدایه ۱/۲۰۲

قال الشافعی رح لا عشر فیه .... وجه قوله ان سبب الوجوب هو الارض النامیة بالخارج ولم یوجد لانه لیس من نماء الارض بل هو متولد من الحیوان فلم تکن الارض نامیة بہا .... اما قوله لیس من نماء الارض فنقول هو ملحق بنمائها لاعتبار الناس اعداد الارض لها ولانه یتولد من انوار الاشجار فکان کالثمر۔ (۱)

ان فقہی نصوص میں شہد کو مخرج من الحیوان ہونے کے باوصف دوسری عشری چیزوں کے مشابہ اور حکماً مماثل ہونے کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ اوّل یہ کہ شہد کی اصل انوار و ثمار ہیں جو موجب عشر ہیں اس لیے شہد بھی انھیں کے حکم میں ہوگا۔ دوّم یہ کہ شہد بھی عرف عام میں نماء الارض سمجھا جاتا ہے یعنی "ما یستعمل به الارض" کے عموم میں وہ بھی داخل ہے۔

پہلی وجہ میری ناقص رائے میں کوئی زیادہ وزن نہیں رکھتی، اولاً تو شہد کی مکھی پھلوں اور دانوں سے رس نہیں چوستی جو اصلاً قابل عشر ہے بلکہ وہ کلیوں اور پھولوں سے عرق کشید کرتی ہے جو اصولاً محل عشر نہیں ہیں کیونکہ مقصد زراعت پھل ہوتے ہیں پھول نہیں، پھر جو رس وہ چوستی ہے وہ اس قدر معمولی اور حقیر ہے کہ بذات خود اس کی کوئی حیثیت نہیں اگر کوئی شخص مختلف درختوں اور پودوں کے پھلوں اور پھولوں سے شہد کی مکھی کے اندازے اور اسی کے بقدر تھوڑا تھوڑا عرق کشید کرکے شہد سے بھی گراں قدر مشروب تیار کرلے تو بھی اس میں عشر واجب نہ ہوگا کیوں کہ جو چیز اس نے درخت سے حاصل کی وہ مقصود زراعت نہ ہونے کی وجہ سے قابل عشر نہ تھی۔

لیکن اگر اس وجہ کو تسلیم کرلیا جائے تو بھی اس کے اعتبار سے شہد اور ریشم کے درمیان فرق کرنا بے حد مشکل ہے، یہ کہنا کہ ریشم کا کیڑا پتیاں کھا کر ریشم تیار کرتا ہے اور پتیوں میں عشر نہیں اس لیے ریشم میں بھی عشر نہ ہوگا، اور شہد کی مکھی انوار و اشجار سے رس چوس کر شہد بناتی ہے اور انوار و اثمار میں عشر ہے اس لیے شہد میں بھی عشر ہے اصول احناف کی رو سے علی الاطلاق صحیح نہیں ہے۔

درخت کی پتیاں نہ بہر حال عشر سے مستثنیٰ ہیں نہ انوار و اثمار مطلقاً موجب عشر ہیں، اصل یہ ہے کہ جو چیز بھی مقصود زراعت کی حیثیت حاصل کرلے وہ قابل عشر ہے چاہے وہ حبوب و ثمار ہوں یا تنے، شاخیں، پتیاں اور ان میں پایا جانے والا رس۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۶۲/۲

جبل وبیاباں میں پائے جانے والے درختوں کے پھلوں اور پتیوں میں یقیناً فرق ہے، جنگلی درختوں سے توڑے گئے پھلوں میں عشر واجب ہے اور ان کی پتیوں میں واجب نہیں ہے، اس اعتبار سے شہد اور بیابانوں میں پائے جانے والے توت کے درختوں سے حاصل کیے گئے ریشم میں فرق کیا جا سکتا ہے کیوں کہ اس ریشم کی اصل درخت کی وہ پتیاں ہیں جو مقصود زراعت نہ ہونے کی وجہ سے ناقابل عشر ہیں اور شہد و ریشم کے فرق کے سلسلے میں وارد نصوص فقہیہ کا محل بھی غالباً یہی ہے، پہلے شاید شہد کی مکھیاں اور ریشم کے کیڑے پالنے کا کوئی باقاعدہ طریقہ دستیاب درائج نہ تھا، شہد کے حصول کا دار و مدار ان مکھیوں کی مہربانی پر تھا جہاں قدرت کو منظور ہوا انھوں نے اپنا کیمپ لگا دیا اور شہد تیار کرنا شروع کر دیا۔

كتب عمر الى سفيان بن عبد الله الثقفي انما النحل ذباب غيث يسوقه الله تعالى رزقا الى من يشاء فان ادوا اليك ماكانوا يؤدون منه إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فاحم لهم واديهم والا فخل بين الناس وبينها۔ (۱)

ریشم کا معاملہ بھی اس سے کچھ مختلف نہیں رہا ہوگا، اس پس منظر میں فقہاء قدامی نے شہد و ریشم کے درمیان فرق کا جو فتویٰ دیا اور ان کے عشری ہونے یا نہ ہونے میں ان کی اصل پھول پھل اور پتی کا لحاظ کیا وہ بجائے خود درست تھا۔

لیکن آج بدلے ہوئے حالات میں جب کہ توت کے درخت لگانے کا مقصود و مطلوب ہی پتیاں اور ان کے ذریعہ ریشم کی پیداوار ہوتی ہے، یہ تفریق میرے خیال میں صحیح نہ ہوگی۔

جن اشجار و نباتات کا مقصود زراعت لکڑیاں، شاخیں اور پتیاں ہی ہوں، ان میں بذات خود یہی چیزیں موجب عشر ہیں، حالاں کہ پھل اور دانے مطلوب ہونے کی صورت میں یہ چیزیں بالاتفاق عشر سے مستثنیٰ ہیں۔

مٹر، چنا، سرسوں، میتھی، دھنیا اور اس قسم کی چیزوں کو اگر دانے حاصل کرنے کی غرض سے بویا جائے تو ان کی ڈنٹھل اور پتیوں میں عشر نہیں ہوتا لیکن اگر ان کی کاشت ساگ، سبزی کے حصول اور اسے فروخت کرنے کی غرض سے ہو۔ جیسا کہ آج کل عام طور پر ہوتا ہے تو احناف کے نزدیک ان میں بھی عشر ہوگا۔

خود توت کی پتیوں کے بارے میں کتب فقہ میں تصریح موجود ہے کہ اگر انھیں کو مقصود زراعت اور استغلال ارض کا ذریعہ بنا لیا جائے تو ان میں عشر واجب ہوگا۔

سئل فی اوراق التوت هل يجب فيها العشر أم لا؟ الجواب: قال فی صور المسائل نقلا عن الزاهدی ماصورته قلت يمكن ان يلحق به اغصان التوت واوراقها لانه يقصد

بها الاستغلال بخوارزم وخراسان وقد نص عليه فی درر الفقه فقال، یجب العشر فی أوراق التوت واغصان الخلاف التی تقطع فی أوان تقلیم الکروم وغیر ذلك۔ (۱)

جہاں تک دوسری وجہ کا تعلق ہے تو بہ حالات موجودہ یہ وجہ ریشم میں بھی بدرجۂ اولیٰ پائی جاتی ہے بلکہ یہ شہد سے کہیں زیادہ نفع بخش اور زمین کی زرخیزی کا باعث ہے، اس لیے اگر عشری زمین میں توت کی کاشت کیڑے پال کر ریشم پیدا کرنے کے لیے کی جائے تو بلاشبہ یہ بھی استنماءِ ارض کی ایک صورت ہے اور اس طرح حاصل ہونے والا ریشم "مایستغل بہ الارض" کے عموم میں داخل اور اس میں عشر واجب ہوگا۔

مچھلی کی کاشت

آج کل عام طور پر زراعتی آراضی پر تالاب کھود دیے جاتے ہیں اور اس میں مچھلی کی کاشت کی جاتی ہے، مچھلی کی کاشت کو بہت نفع بخش تصور کیا جاتا ہے، کسان یہ سوچتا ہے کہ اگر ان آراضی پر گیہوں، دھان وغیرہ کی کاشت کرے تو اخراجات اور محنت زیادہ ہے اور منفعت کم، اس لیے اراضی کو مچھلی کی کاشت کے لیے تالاب بنا کر استعمال کرتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مچھلی کی اس کاشت کو زراعت میں داخل کرکے اس پر عشر کے احکام نافذ ہوں گے یا اس پر زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہوگا؟ (۲)

اس صورت میں مچھلی کی کاشت کو میرے خیال میں زراعت ہی کے ساتھ ملحق کرکے اس پر عشر کے احکام نافذ کرنا زیادہ قرین صواب ہے، جب عشر کا سبب وجوب ارض نامیہ ہے اور احناف کے اصول کے مطابق محل عشر زمین سے براہ راست یا بالواسطہ نکلنے والی وہ تمام چیزیں ہیں جن کی کاشت کی جاتی ہو اور جن کے ذریعہ زمین کو زرخیز، نفع بخش اور بارآور بنانا مقصود ہو تو عشری زمین میں مچھلی کی کاشت اور اس کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہونا چاہیے کیوں کہ وہ بھی یقینی طور پر "مایستغل به الارض" میں داخل ہے۔

تجارت کی غرض سے خریدی گئی زندہ مچھلیاں اگر گڈھے اور تالاب میں حفاظت کی غرض سے رکھی جائیں تو یقیناً وہ مال تجارت قرار پائیں گی اور شرائط زکوٰۃ کے پائے جانے کی صورت میں ان پر زکوٰۃ ہی واجب ہوگی، لیکن اگر مچھلیوں کے چھوٹے بچے پرورش وافزائش کی غرض سے تالاب وغیرہ میں چھوڑے جائیں جیسا کہ رواج ہے تو انھیں

---

(۱) تنقیح الفتاوی حامدیہ ۱/۲ (۲) اقتباس سوالنامہ ۳/

مال تجارت قرار دینا مشکل ہے چاہے انھیں بعد میں فروخت کرنے ہی کی نیت کیوں نہ ہو، کیوں کہ مچھلیوں کے چھوٹے بچے ناقابل استعمال ہونے کی وجہ سے کوئی قابل لحاظ حیثیت نہیں رکھتے، ان کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے بھنڈی بیگن، مولی، ٹماٹر وغیرہ کے بیج جو سوائے زراعت کے کسی اور استعمال کے قابل نہیں ہوتے۔ مچھلیوں کے بچے پرورش کے لیے تالاب میں ڈالنا ایسا ہی ہے جیسا کہ زمین میں بیج کی کاشت کرنا، میرے خیال میں بنیادی طور پر دونوں یکساں حیثیت کے حامل ہیں، جیسے زمین میں ڈالے گئے بیج میں نیت تجارت معتبر نہیں ایسے ہی ان مچھلیوں میں بھی نیت تجارت معتبر نہ ہوگی، کیوں کہ یہاں اولین مقصد نما، وافزائش ہے نہ کہ بیع وتجارت۔

یہاں ایک اور پہلو بھی قابل لحاظ ہے، اگر عشری زمین سے کوئی پیداوار حاصل نہ ہو تو بہر حال عشر واجب نہیں لیکن نماء ارض حاصل ہوتے رہنے کی صورت میں عشری زمین کا عشر کسی بھی حال میں ساقط نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اگر کسی مسلمان نے اپنی عشری زمین کسی غیر مسلم کو عاریۃً کاشت کے لیے دے دی تو باوجود دے کہ اس صورت میں زمین کا سارا نفع غیر مسلم کاشت کار کو ملے گا اور صاحب زمین کے ہاتھ کچھ بھی نہ لگے گا، مالک زمین پر اس کی پیداوار کا عشر واجب ہوگا، یہ عشر اس زمین کی پیداوار سے نہیں بلکہ اپنے گھر سے دینا پڑے گا۔

فان کان اعار الارض من ذمی فالعشر علی المعیر لان العشر صدقة لا یمکن ایجابها علی الکافر والمعیر صار مفوتا حق الفقراء بالاعارة من الکافر فکان ضامنا للعشر۔ (۱)

مذکورہ مچھلی پالن کی صورت پر غور کیا جائے کہ گیہوں، دھان وغیرہ کی زراعت سے زیادہ نفع مچھلی کی کاشت نظر آئی اور صاحب زمین نے تالاب کھود کر مچھلیاں پال لیں، اس طرح اس نے خود تو زمین سے امکانی حد تک زیادہ سے زیادہ آمدنی کا بندوبست کر لیا، اب کیا یہ بات مناسب اور قرین انصاف ہوگی کہ اس زمین کی پیداوار سے فقراء کا جو حق متعلق ہے اس سے انھیں محروم کر دیا جائے اور مالک زمین کو یہ حق دے دیا جائے کہ وہ زراعت واستنماء ارض کے طریقے بدل کر فقراء کا حق بھی خود سمیٹ لے اور عشر کا حصہ بھی خود ہی ہضم کر جائے۔

جب زمینی پیداوار سے بالکلیہ دست بردار ہو جانے کی صورت میں بھی عشر اور حق فقراء کی ادائے گی سے مفر نہیں تو اپنا حق ارض اضعافاً مضاعفاً محفوظ کر لینے کی صورت میں اس سے مفر کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے؟ اور کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس صورت میں عشری زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی صرف اسی کے لیے مختص ہوگی، اس میں فقراء کا حق

---

(۱) المبسوط ۳/۳

(عشر) نہیں ہوگا؟

خُلاصہ جوابات

گذشتہ مباحث میں محورِ پنجم کے تحت آنے والے تمام سوالوں کے جوابات ضمناً آگئے ہیں مگر آسانی کے لیے ان کے جوابات صراحۃً بھی اختصار کے ساتھ لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ احناف کے قول مختار کے مطابق وجوب عشر کے لیے کسی متعین نصاب کی ضرورت نہیں، پیداوار کی ہر قلیل وکثیر مقدار پر عشر واجب ہے، البتہ امام ابویوسف وامام محمد اور جمہور ائمہ رحمہم اللہ کے نزدیک پانچ وسق سے کم پیداوار میں عشر نہیں ہے۔ ایک وسق بالاتفاق ۶۰ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع وزن میں احناف کے نزدیک ۸ رطل کا اور جمہور ائمہ بشمول امام ابویوسف رح کے نزدیک ۵ ⅓ رطل کے بقدر ہوتا ہے۔ ایک رطل نئے میٹرک پیمانے سے ۴۰۸ گرام مانا گیا ہے، اس حساب سے پانچ وسق عمدہ گیہوں وزن میں عندالاحناف ۹ کوئنٹل ۸۰۰ کلوگرا اور امام ابویوسف وجمہور کے نزدیک ۶ کوئنٹل ۵۳ کیلو ۸۰۰ گرام کے بقدر ہوگا۔ اگر عشر میں نصاب کا اعتبار کیا جائے تو احتیاطاً آخرالذکر مقدار معتبر ہوگی۔

۲۔ زمین سے اگائی جانے والی ہر وہ چیز جو مقصود ومطلوب ہو اور جو زمین کی آمدنی وزرخیزی کا باعث ہو وہ محل عشر ہے چاہے وہ سطح زمین پر اگنے والی ہو جیسے گیہوں، دھان وغیرہ یا پانی میں پیدا ہونے والی جیسے سنگھاڑا، تال مکھانہ وغیرہ ــــ خودرو گھاس یا بیکار قسم کے خودرو درخت اگر کسی زمین میں ہو جائیں تو ان میں عشر نہیں گھاس اور بانس کو اگر آمدنی کی غرض سے اگایا گیا ہو تو ان میں بھی عشر ہے اور ویسے ہی کوئی درخت اگ گیا ہے تو نہیں۔ (جواھر الفقہ ۲/۱۰۱)

۳۔۴۔ مذکورہ صورتوں میں ریشم اور مچھلی کی پیداوار میرے خیال میں "مایستغل بالارض" میں داخل ہے اس میں عشر واجب ہونا چاہیے۔

۵۔ درختوں میں اگر مقصود زراعت پھل ہیں تو پتے، شاخیں اور لکڑیاں عشر سے مستثنیٰ ہیں لیکن اگر زراعت سے مقصود بذات خود یہی چیزیں ہوں تو ان پر بھی عشر واجب ہوگا۔

۶۔ زراعتی عشری آراضی میں جو سبزیاں بوئی جاتی ہیں انھیں میں عشر واجب ہوگا، مکان کے گرد وپیش کی افتادہ زمین اور چھت پر اگائی گئی سبزیوں میں عشر نہیں ہے۔

۷۔ اوقاف کی عشری آراضی کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہوتا ہے۔ (ھذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ اتم)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محورِ اوّل

عشر و خراج کی حقیقت

از ______________ محمد ارشد قاسمی

عشر و خراج میں سے خراج تاریخی حیثیت سے چوں کہ کافی قدیم اصطلاح ہے اس لئے پہلے خراج کی حقیقت بیان کی جاتی ہے۔

خراج کی حقیقت

اہل لغت کے یہاں خراج چند معانی حاصل، مال، مزدوری، محصول اور مال گذاری کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اور کبھی اجر و ثواب اور اللہ کا دیا ہوا رزق مراد ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں اسی معنی کے لئے استعمال ہوا ہے:

"ام تسئلهم خرجا فخراج ربك خير وهو خير الرازقين" [1]

اور " قالوا يذا القرنين ان يأجوج ومأجوج مفسدون في الأرض فهل نجعل لك خرجا على ان تجعل بيننا وبينهم سدا" [2]

اکثر اہل لغت خرج اور خراج کو مرادف قرار دیتے ہیں [3]

---

[1] المؤمنون ۷۲، [2] الکہف ۹۴

[3] لغات القرآن، مجمع بحار الأنوار، مفردات القرآن، القاموس۔

خراج کی عام اصطلاحی تعریف

عام اصطلاح میں زمینوں پر مقرر محصول کو خراج کہا جاتا ہے [۱]

خراج کی تاریخی حیثیت

تاریخ جن محصولوں اور ٹیکسوں کی نشاندہی کرتی ہے ان میں خراج قدیم ترین ہے، چنانچہ اس کا وجود (مقدار و کیفیت کے تغیرات کے ساتھ) فراعنہ، بطالسہ، رومیوں، بزنطیوں اور فارسیوں کے ادوار حکومت میں ملتا ہے۔

فراعنہ

اس ٹیکس کا موجد رمسیس ثانی ہے [۲] جس نے ملکی باشندوں کو تین طبقوں (دینی پیشواؤں، فوجیوں اور کاشتکاروں) میں تقسیم کیا، اور ہر ایک کے لئے اراضی کا ایک ایک حصہ مختص کر دیا اور محصول صرف کاشتکاروں پر عائد کیا، اس دور میں پیداوار کا دسواں حصہ بطور خراج وصول کیا جاتا تھا [۳]

بطالسہ

ان کے دور میں خراج کے نظام میں قدرے تبدیلی ہوئی، اور مقدار میں کمی ہوئی، اور تین ۳ فیصد سے دس ۱۰ فیصد تک وصول کیا جاتا [۴]

رومہ: جب مصر پر رومیوں کی حکومت ہوئی تو خراج کی مقدار میں غیر معمولی اضافہ ہو کر

---

[۱] کتاب التعریفات و النظام المالی الاسلامی المقارن ص۳۷

[۲] اس نے ۱۳۳۰ قبل عیسوی حکومت کی، اور ۱۲۷۰ - ۱۲۶۰ کی درمیانی مدت میں فوت ہوا۔

[۳] استرابون ج ۱۷، الفقرہ ۳ - ماسبیرو ج ۱ ص۳۳۰

[۴] دیودور الکتاب الاول الفقرہ ۷۳ - ۷۴، وھالیہ مصر ص۱۶۳

بیس٪ فیصد ہو گیا [1]

فرس

فارسیوں کے یہاں خراج کی مقدار تین٪ فیصد سے چھٹ٪ فیصد تک رہی، جب تک ان کے یہاں خراج مقاسمہ رائج رہا۔

لیکن قباذ نے اس نظام کی تبدیلی کا فرمان جاری کیا اور عملی جامہ کسریٰ نے پہنایا، جس کے نتیجہ میں بہت سی مفید ترمیمات ہوئیں [2]

خراج اور زمانہ رسالت و خلافت ابوبکر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے دور میں اسلامی حکومت کی آمدنی زکوٰۃ، غنیمت اور جزیہ پر منحصر تھی، اس وقت خراج رائج نہیں ہوا تھا۔

خراج اور عہد عمر رضی اللہ عنہ

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا اور اسلام کو غلبہ ہوا اسلامی حکومت کو وسعت ملی، ذرائع آمدنی دوچند ہوئے، اور مصارف میں غیر معمولی اضافہ ہوا، تو حضرت عمرؓ نے ملکی مالیات کے سلسلہ میں ایسی ٹھوس دوررس پالیسی وضع کرنے کے سلسلہ میں غور و فکر شروع کیا جو عوام و خواص کی مصلحتوں کی محافظ اور حکومت کی سلامتی کی ضامن ہو سکے، جس کے لئے مستقل سرمایہ کی فراہمی لازمی ہوتی، اس پس منظر میں حضرت عمرؓ نے خراج تجویز کیا جو اسلامی حکومت کے لئے ایک مستقل ذریعۂ آمدنی بن سکے، جو ایک طویل غور و فکر، بحث و مباحثہ، اور استشارہ و استخارہ کے بعد طے ہو سکا۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب عراق و مصر کو اسلامی فوجوں نے فتح کیا تو امرائے حضرت عمرؓ کو خطوط لکھا اور مطالبہ کیا کہ ان زمینوں کو فاتحین پر تقسیم کئے جانے کے احکام صادر فرمائے جائیں،

---

[1] بارکاردت ج ۱۰ ص ۲۹۳ [2] الطبری ج ۲ ص ۱۲۲-۱۲۳

کہ یہ زمینیں غنیمت کے طور پر حاصل ہوئی ہیں، اس لئے تقسیم ضروری ہے، ان امراء میں حضرت سعد بن وقاص اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سرفہرست تھے۔

حضرت عمرؓ نے جواب میں صاف صاف یہ تحریر فرمایا کہ ان اراضی کو تقسیم نہ کیا جائے، البتہ دوسرے اموال منقولہ کو حسب ضابطہ شرعیہ تقسیم کر دیا جائے۔

حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ سے اتفاق کرنا اول وہلہ میں بعض اکابر صحابہ (جیسے عبدالرحمن بن عوف زبیر بن عوام، بلال بن رباح) کے لئے بھی مشکل ہوگیا پھر اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر تمام اکابر صحابہ انصار و مہاجرین کی ایک مجلس شوری منعقد ہوئی، جس میں حضرت عمرؓ نے اس تجویز کی اہمیت و افادیت اور حکمت کو بھرپور مضبوط دلائل کی روشنی میں واضح کیا تو تمام صحابہ نے اس تجویز سے اتفاق کر لیا، اور بغیر کسی اختلاف کے اجماع منعقد ہوگیا، جو جمہور امت کے نزدیک دلائل شرعیہ میں ایک دلیل ہے [1]

خراج کا اوّلین نفاذ

جب تمام صحابہ کے اتفاق سے مسئلہ خراج طے ہوگیا تو سب سے پہلے اس کا نفاذ عراق میں تفصیلی ارضی جائزہ کے بعد عثمان ابن حنیف اور حذیفہ بن یمان کے بدست کیا گیا۔

اور عراق کی اراضی کی پیمائش مروجہ پیمانہ "جریب" سے کی گئی۔ جس کا میزان تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب آیا، اور فی جریب ایک قفیز ایک درہم خراج عائد کیا گیا [2]

عراق کے بعد خراج کا نفاذ "شام" میں کیا گیا، اس کے بعد مصر میں عمرو بن عاص کے ہاتھوں نافذ ہوا، لیکن مصر میں "جریب" کی جگہ "فدان" پیمانہ استعمال کیا گیا [3]

خراج کی شرعی تعریف

جرجانی نے بایں الفاظ خراج کی تعریف کی ہے:

---

[1] کتاب الخراج ابو یوسف ص ۲۶-۳۸ [2] کتاب الاموال

[3] ایک فدان برابر ۵۹۲۹ میٹر۔

"هو الوظيفة المعينة التي توضع على أرض كما وضع عمرؓ على سواد العراق" [۱]

اور مولانا حفظ الرحمٰن مزید وضاحتی تشریحات کے ساتھ خراج کا تعارف کراتے ہیں:

" اور جن ممالک پر اسلام کا غلبہ ہو گیا اور خلیفہ نے وہاں کی زمین مفتوحین ہی کے قبضہ میں رہنے دیں، اور جن غیر مسلموں سے صلح ہو گئی، اور وہ حکومت اسلامی کے ذمہ و عہد میں داخل ہو کر ذمی بن گئے، ان کی زمین خراجی کہلاتی ہیں اور خلیفہ ان زمینوں پر جو محصول مقرر کرتا ہے اس کو خراج کہا جاتا ہے،، [۲]

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ " خراج " دراصل " فئ " کی ہی ایک قسم ہے۔ کیونکہ اگر معمولی جنگ کے بعد کفار مغلوب ہو کر صلح کر لیں تو وہ مال بھی " فئ " میں ہی شمار ہوتا ہے۔ تو گویا جب غلبۂ اسلام کے بعد خلیفہ نے صلح کے ساتھ کفار کی زمینوں کو غانمین میں تقسیم کرنے کے بجائے ان پر لگان مقرر کر کے ان ہی کے قبضہ میں رہنے دیا تو یہ ٹیکس بھی " فئ " ہی شمار ہو گا، تو اس صورت میں خراج کا وجود بھی قرآن عزیز کی اس نص کے تحت آجاتا ہے:

" ما أفاء الله على رسوله من اهل القرى فلله وللرسول ولذي القربى، واليتمٰى والمسكين وابن السبيل كي لايكون دولة بين الاغنياء " [۳]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی آیت کریمہ سے خراج کا استخراج کیا ہے، اس آیت کی تلاوت کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا:

" قد اشرك الله الذين يأتون من بعدكم في هذا الفئ، فلو قسمته لم يبق لمن بعدكم شئ، ولئن بقيت ليبلغن الراعي بصنعاء نصيبه من هذا الفئ ودمه في وجهه [۵]

---

[۱] اسلام کا اقتصادی نظام ص۱۱۰، کتاب الخراج ص۶۹، کتاب الاموال ص۷۸، شامی ج ۳ ص۲۵۴

[۲] کتاب التعریفات ص۳۳ [۳] الحشر

[۴] کتاب الخراج ص۲۳

[۵] نفس المصدر ص۲۳-۲۴

حضرت عمرؓ نے مزید آیتیں بھی تلاوت فرمائیں :

" للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم - الاية " والذين تبوؤ والدار والايمان من قبلهم يحبون من هاجر اليهم - الاية - والذين جاؤ وا من بعدهم يقولون : ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان .... الآية " [1]

سورہ حشر کی ان آیات کا ترجمہ جن سے خراج ثابت کیا جاتا ہے :

" جو مال لوٹایا اللہ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے سو اللہ کے واسطے اور رسول کے ، اور قرابت والے کے ، اور یتیموں کے اور محتاجوں اور مسافر کے تاکہ نہ آتے لینے دینے میں دولتمندوں کے تم میں سے ، اور جو دے تم کو رسول سو لے لو ، اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو ، اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے ، واسطے ان مفلسوں وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے آتے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے ، ڈھونڈتے آئے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی ، اور مدد کرنے والوں کو اللہ کی اور اس کے رسول کی ، وہ لوگ وہی ہیں سچے ، اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے سے وہ محبت کرتے ہیں ان سے جو وطن چھوڑ کر آتے ان کے پاس اور نہیں پاتے اپنے دل میں تنگی اس چیز سے جو ان (مہاجرین) کو دی جائے اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو ان پر فاقہ ، اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے ، اور واسطے ان لوگوں کے جو آتے ان کے بعد کہتے ہوئے اے رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بیر ایمان والوں کا اے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان " [2]

حضرت عمرؓ کے قول قد اشرک اللہ الذین الخ کا ترجمہ :

---

[1] الحشر الآیات ۸تا۹

[2] الحشر الآیات ۷ - ۱۰ از بیان القرآن

"یقیناً اللہ نے اس فیٔ میں تمہارے بعد آنے والی نسلوں کو بھی شامل و شریک کیا ہے، اگر میں نے اس کو تقسیم کر دیا تو تمہارے بعد والوں کے لئے کچھ نہیں رہ جائیگا اور اگر تقسیم نہیں کیا (بلکہ خراج مقرر کر دیا) تو صنعاء میں رہنے والے چرواہے کو بھی اس 'فیٔ' میں سے اس کا حصہ باعزت طریقہ پر مل جائے گا۔"

خراج کی قسمیں

خراج کی دو قسمیں ہیں (۱) خراج مقاسمہ (۲) خراج موظف۔

خراج مقاسمہ

یہ زمین کی پیداوار میں سے بطور بٹائی کے ایک مقررہ حصہ ہے جو امام وحاکم کے متعین کر دینے کے بعد زمین والوں سے لیا جاتا ہے جو پانچویں حصہ سے کم اور نصف سے زیادہ نہیں ہوتا۔

خراج موظف

زمین کے رقبہ اور قوت افزائش کے اندازہ کے بعد جو نقد رقم متعین کر دی جائے [۱]

خراج کی وہ مقدار جو حضرت عمرؓ نے مقرر فرمائی

عراق کی زمینوں کی پیمائش کے بعد حضرت عمرؓ نے اس تفصیل سے خراج موظف مقرر فرمایا کہ عام زمینوں پر فی "جریب" ایک درہم نقد اور ایک صاع گندم یا جو، یا جو چیز بوئی جائے، اور خضروات کی ایک "جریب" پر پانچ درہم اور انگور یا کھجور کا باغ جو گنجان درختوں پر مشتمل ہو تو فی "جریب" دس درہم [۲]

[۱] رد المحتار ج ۳ ص [۲] الہدایۃ ج ۱ ص ۵۹۲ وجواہر الفقہ، وفی الدر المختار: وضع عمر رضی اللہ عنہ علی السواد لکل جریب یبلغہ الماء صاعا من بر او شعیر ودرهما ولجریب الرطبۃ خمسۃ دراهم ولجریب الکرم او النخل متصلہ ضعفها (ای عشرۃ) ج ۳ ص ۲۶۱

جریب : ۱۲۲۵ مربع گز کی ہوتی،

درھم : ایک درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے،

صاع : ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے،

خراج کے تعین میں تین چیزوں کا لحاظ

۱۔۔۔۔ زمین کی قوت نما

۲۔۔۔۔ پیداوار کی قسم وجنس

۳۔۔۔۔ آب پاشی کی نوعیت

جو حضرت عمرؓ کے فرامین وارشادات سے واضح ہے۔

عشر کی حقیقت

عشر کی لغوی تعریف

ھو واحد الأجزاء العشرة[۱] عشر دسویں حصہ کو کہتے ہیں۔

عشر کی اصطلاحی تعریف

عشر اس حصہ مقررہ کا نام ہے جو زکوۃ کی طرح زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے، اور پیداوار ہی میں لیا جاتا ہے، پس اگر عشری زمین، ندی، تالاب یا دریا سے سیراب شدہ ہے یا بارانی ہے یعنی صرف بارش کے ذریعہ پیداوار ہوتی ہے تو اس زمین کی پیداوار سے دسواں حصہ لیا جاتا ہے، اور اگر چاہی ہے تو اس کی پیداوار سے بیسواں حصہ لیا جاتا ہے[۲]

---

[۱] ردالمحتار ج ۲ صـ۳۵

[۲] کتاب الخراج صـ۶۹ ، ردالمحتار صـ۲۶-۲۷ ج-۲ ، و ج ۳ صـ۳۵ ،

اسلام کا اقتصادی نظام صـ۱۱۶

عشر کے وجوب کے دلائل

قرآن اور عشر

(ا) ـــ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یا ایہا الذین امنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم، ومما اخرجنا لکم من الأرض، ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم بآخذیہ إلا ان تغمضوا فیہ واعلموا ان اللہ غنی حمید" [1]

ترجمہ: اے ایمان والو خرچ کرو ستھری چیزیں اپنی کمائی سے اور اس چیز میں سے کہ جو ہم نے پیدا کیا تمہارے واسطے زمین سے، اور قصد نہ کرو گندی چیز کا اس میں سے کہ اس کو خرچ کرو حالاں کہ تم کبھی اس کو نہ لوگے مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اور جان رکھو کہ اللہ بے پرواہ ہے خوبیوں والا۔ [2]

قرآن کریم میں "زکوۃ" کے لئے "انفاق" کا استعمال بکثرت ہے، ابوبکر جصاص لکھتے ہیں:

"قولہ "انفقوا" المراد بہ الصدقۃ والدلیل علیہ قولہ تعالیٰ "ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون" یعنی تتصدقون، ولم یختلف السلف والخلف فی أن المراد بہ الصدقۃ" [3]

اللہ تعالیٰ کے ارشاد "انفقوا" سے مراد صدقہ ہے، چوں کہ ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون سے مراد باتفاق سلف وخلف صدقہ ہی ہے۔

(ب) ـــ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وھو الذی أنشأ جنات معروشات وغیر معروشات والنخل والزرع مختلفا أکلہ، والزیتون والرمان متشابہا وغیر متشابہ، کلوا من ثمرہ اذا أثمر وآتوا حقہ یوم حصادہ، ولا تسرفوا انہ

---

[1] البقرہ ۲۶۷ [2] ترجمہ شیخ الہند [3] احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۵۴۳

لایحب المسرفین»[1]

ترجمہ: "اور اسی نے پیدا کیا باغ جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں، اور جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے، اور کھجور کے درخت اور کھیتی کہ مختلف ہیں ان کے پھل، اور پیدا کیا زیتون کو اور انار کو ایک دوسرے کے مشابہ اور جدا جدا بھی، کھاؤ ان کے پھل میں سے جس وقت پھل لادیں، اور ادا کرو ان کا حق جس دن ان کو کاٹو، اور بے جا خرچ نہ کرو، اس کو خوش نہیں آتے بے جا خرچ کرنے والے۔"

اکثر مفسرین اس آیت کریمہ میں "حقہ" سے مراد زکوۃ یعنی عشر یا نصف عشر قرار دیا ہے۔ ابوجعفر طبری نے اس آیت کی تفسیر میں انس بن مالک (رحمہ) سے روایت نقل کی ہے، کہ انھوں نے فرمایا کہ "حق" سے مراد فریضۂ زکوۃ ہے۔

اور ابن عباس رض سے متعدد طرق سے روایت ہے کہ "حق" سے مراد عشر و نصف عشر ہے، اور ابن عباس کی ایک روایت بایں الفاظ ہے:

یعنی بحقہ: زکاتہ المفروضۃ یوم یکال ویعلم کیلہ۔

اسی طرح جابر بن زید، حسن، سعید بن مسیب، محمد بن حنفیہ، طاؤس، قتادہ اور ضحاک سے "حق" کی تفسیر زکاۃ، صدقۂ مفروضہ، عشر و نصف عشر منقول ہے، الفاظ کے تفاوت کے باوجود مراد و معنی ایک ہی ہے[2]

اور یہی تفسیر قرطبی کی روایت کے مطابق ابن وہب اور ابن قاسم نے مالک سے نقل کی ہے، اور اسی کے قائل بعض شوافع ہیں[3]

اور یہی تفسیر امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب سے منقول ہے[4]

ایک شبہ کا ازالہ: بعض مفسرین نے اس آیت کو منسوخ قرار دیا ہے۔ مثلاً ابن جریر نے ابن عباس

---

[1] الانعام ۱۴۱ [2] تفسیر الطبری ج ۲، ص۱۵۸-۱۶۱

[3] القرطبی ج ۷ ص۹۹ [4] بدائع الصنائع ج ۲ ص۵۳

سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نسخها العشر ونصف العشر اسی طرح سعید ابن جریر جبیر، حسن، سدی اور عطیہ العونی سے بھی نسخ منقول ہے،

لیکن جمہور مفسرین نے غیر منسوخ قرار دیا ہے، جیساکہ اس کے خلاف خود ابن عباس وغیرہ کی تفاسیر و اقوال نقل کئے گئے۔ اس لئے اس شبہ کا حل یہ ہے کہ "نسخ" جس اصطلاحی معنی "رفع حکم شرعی بدلیل شرعی متأخر" میں مشہور ہے اس معنی میں صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے دور میں معروف نہیں تھا، بلکہ "عام" کی تخصیص "مطلق" کی تقیید "مبہم" کی تشریح، "مجمل" کی تفصیل، استثناء، شرط اور صفت کے ذکر کو بھی "نسخ" ہی قرار دیا جاتا تھا اس لئے جن مفسرین نے اس آیت پر "نسخ" کا اطلاق کیا ہے اسی عمومی معنی میں کیا ہے، کہ یقیناً "حقہ" مجمل ہے اس کی تفصیل احادیث میں عشر و نصف عشر سے کی گئی ہے۔

جیساکہ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے:

"وفی تسمیة هذا نسخاً نظر، لانه قد كان شيئا واجبا فی الاصل، ثم انه فصل بيانه، وبين مقدار المخرج وكميته، قالوا وكان فی السنة الثانية من الهجرة والله اعلم"[1]

کہ "حقہ" کو منسوخ قرار دینا مشکل ہے کیوں کہ یہ تو فی نفسہ واجب رہا ہی البتہ اس کی تفصیل و تشریح مع مقدار واجب کے کر دی گئی اور ۲ھ میں یہ تفصیلات بیان کی گئیں۔

حدیث اور عشر:

(۱) ابن عمر سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فیما سقت السماء والعيون أو كان عثريا العشر وفيما سقى بالنضح نصف العشر"[2]

---

[1] الموافقات ص ۵۸، اعلام الموقعین ۲۰۸/۱-۲۹ [2] تفسیر ابن کثیر ۱۸۲/۲

[2] حدیث فی المنتقی رواه الجماعة الا مسلما، لکن لفظ النسائی وابی داؤد و ابن ماجة "وكان بعلا" بدل "عثريا"، نیل الاوطار ۱۳۹/۴-۱۴۰

(ب) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وفیما سقت الأنہار والغیم العشور، وفیما سقی بالسانیہ نصف العشر"[1]

اجماع اور عشر

پوری امت مسلمہ عشر ونصف عشر کے وجوب پر فی الجملہ متفق ہے گو تفصیلات میں اختلاف ہے[2]

عشر کے وجوب کی حکمت

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وفیما سقت السماء والعیون اوکان عثریا العشر، وماسقی بالنضح نصف العشر، فان الذی هو أقل تعانیا وأکثر ریعا، أحق بزیادہ الضریبۃ، والذی هو أکثر تعانیا واقل ریعا احق بتخفیفها"۔

"اور جو کھیت بارش یا چشموں سے سیراب ہوں یا وہ زمین عشری ہو تو اس میں دسواں حصہ ہے، اور جن کھیتوں میں ہاتھ سے پانی دیا جائے تو ان میں بیسواں حصہ ہے، کیوں کہ جس میں محنت کم ہے اور پیداوار زیادہ ہے اس میں لگان زیادہ ہونا چاہئے، اور جس میں محنت زیادہ ہے اور پیداوار کم ہے تو اس کے لگان میں تخفیف مناسب ہے۔"[3]

عشر کے وجوب کے شرائط

عشر کے واجب ہونے کی دو طرح کی شرطیں ہیں، پہلی کا تعلق اہلیت سے ہے تو دوسری کا محلیت سے۔

تو عشر کا اہل مسلم ہے چوں کہ یہ عبادت ہے اس لئے اولیں شرط "اسلام" ہے، اسی طرح

---

[1] رواہ احمد ومسلم والنسائی وابوداؤد وقال: الانہار والعیون (نفس المصدر)

[2] بدائع الصنائع ۲/۵۴ [3] حجۃ اللہ البالغہ

عشر کے وجوب کا "علم" بھی ضروری ہے۔

وضاحت

عقل و بلوغ عشر کے وجوب کے شرائط میں داخل نہیں ہیں، حتی کہ "صبی" اور "مجنون" کی اراضی میں عشر واجب ہوگا، اور زمین کا مالک ہونا بھی شرط نہیں ہے حتی کہ آراضی موقوفہ میں عشر واجب ہوگا۔

دوسری طرح کی شرطوں کا تعلق محلیت سے ہے، اس میں زمین کا عشری ہونا پیداوار کا حقیقتاً پایا جانا اور پیداوار کا مقصود بالذات ہونا داخل ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے:

"وشرط وجوبه نوعان الأول: شرط الأهلية وهو الاسلام فانه شرط ابتداء فلايبتداء الاعلى مسلم بلاخلاف، والعلم بالفرضية، واما العقل والبلوغ فليسا من شرائط الوجوب حتى يجب العشر فى أرض الصبى والمجنون كذلك ملك الارض ليس بشرط للوجوب لوجوبه فى الأراضى الموقوفة" [1]

"والنوع الثانى شرط المحلية وهو أن تكون عشرية - ووجود الخارج - وأن يكون الخارج منها مما يقصد بزراعة نماء الارض، هكذا فى البحر الرائق" [2]

عشری زمینیں

ابوعبید نے عشری زمینوں کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:

۱۔ وہ ملک جس کے باشندے محض دعوت اسلام پر مسلمان ہو گئے ہوں تو ان کی زمینیں بدستور ان کی ملکیت میں رہیں گی، اور عشری قرار دی جائے گی، جیسے مدینہ، طائف، یمن، بحرین اور مکہ۔ باوجودیکہ مکہ قتال کے ذریعہ فتح ہوا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان فرما کر اموال مکہ کو بطور غنیمت تقسیم نہیں فرمایا، حتی کہ یہاں کے لوگ اسلام لائے اور ان کی

---

[1] فتاوی عالمگیری ۱/۹۵ [2] ایضاً

ملکیت ہی قائم رہی۔ تو کہ کی اراضی عشری تسلیم کی گئیں۔ عبارت یہ ہے :

" كل أرض أسلم عليها أهلها فهم مالكون بها كالمدينة، والطائف واليمن، والبحرين، وكذلك مكة الا أنها كانت فتحت بعد القتال، ولكن رسول الله صلى الله عليه وسلم من عليهم، فلم يعرض لهم فى أنفسهم، ولم يغنم أموالهم، فلما خلصت أموالهم ثم أسلموا بعد ذلك كان اسلامهم على ما فى أيديهم، فلحقت أرضوهم بالعشر" [1]

۲ ـــــ ہر وہ ملک جو قتال کے بعد فتح ہوا، اور امام نے بطور غنیمت آراضی کو فاتحین میں تقسیم کر دیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "خیبر" والوں کے ساتھ معاملہ فرمایا، تو یہ زمین جن میں تقسیم کر دی گئی وہ لوگ اس کے مالک قرار دیئے جاتے ہیں اور یہ اراضی عشری کہلاتی ہیں۔ ایسے ہی سرحدیں اگر تقسیم کر دی جائیں تو عشری ہو جاتی ہیں۔ عبارت یہ ہے :

" كل أرض أخذت عنوة (اى فتحت بعد حرب وقتال بين أصحابها وبين المسلمين) ثم أن الامام لم ير أن يجعلها فيئا موقوفا، ولكنه رأى ان يجعلها غنيمة فخمسها، وقسم أربعة أخماسها بين الذين افتتحوها خاصة، كفعل رسول الله صلى الله عليه وسلم بأرض خيبر (وكانت ملكا لليهود قبل قتالهم) هذا أيضا ملك ايمانهم ليس فيها غير العشر، وكذلك الثغور كلها اذا قسمت بين الذين افتتحوها خاصة، وعزل عنها الخمس لمن سمى الله تبارك وتعالى" [2]

۳ ـــــ وہ غیر آباد زمینیں جن کا کوئی مالک اور آباد کرنے والا نہیں تھا امام نے کسی مسلمان کو بخش دیں یا خواہ یہ جزیرۃ العرب میں ہو یا اور کسی جگہ۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے یمن، یمامہ اور بصرہ اور ان جیسی آراضی میں عمل کیا۔ عبارت یہ ہے :

" كل أرض عادية (قديمة) لا رب لها ولا عامر، أقطعها الامام

---

[1] الأموال ص ۵۱۲ [2] الأموال ص ۵۱۲-۵۱۳ ، فقه الزكاة ج ۱ ص ۳۰۲

رجلا اقطاعا، من جزيرة العرب اوغيرهما كفعل رسول الله صلى الله عليه وسلم والخلفاء بعده فيما اقطعوا من بلاد اليمن، واليمامة والبصرة وما اشبهها» [1]

۴ ــــ ہر وہ غیر آباد زمین جس کو کسی مسلم نے آباد اور قابل کاشت بنا لیا ہو۔

"كل أرض ميتة، استخرجها (استحياها) رجل من المسلمين، فأحياها بالماء والنبات» [2]

ان مذکورہ زمینوں کو شریعت نے عشری قرار دیا ہے جن کی تفصیلات احادیث سے ثابت ہیں۔ عشری اراضی کی تفصیل درمختار میں بایں الفاظ ہے:

"أرض العرب وما أسلم أهله أو فتح عنوة وقسم بين جيشنا والبصرة عشرية" [3]

جس کی تشریح حاشیہ ابن عابدین میں اس طرح ہے:

"في مختصر تقويم البلدان، جزيرة العرب خمسة اقسام، تهامة ونجد وحجاز وعروض ويمن، اما تهامه فهي الناحية التي بين الحجاز والعراق، واما الحجاز فهو جبل يقبل من اليمن حتى يتصل بالشام، وفيه المدينة وعمان واما العروض فهو اليمامة الى البحرين" [4]

۵ ــــ وہ اراضی جن کو عشری پانی سے سیراب کیا گیا ہو، یہ امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی زمین کو آباد کیا گیا تو قرب وجوار کی اراضی کا حکم اس نو آباد زمین پر عائد کیا جائے گا، اگر عشری ہیں تو اس زمین پر عشر اور اگر خراجی ہیں تو خراج واجب ہوگا۔ اور علامہ شامیؒ نے ابو یوسفؒ کے قول کو معتمد قرار دیا ہے:

---

[1] الاموال ص۵۱۳، فقه الزكاة ۱/۴۰۶ [2] نفس المصدرين

[3] الدر المختار ۲/۲۵۳-۲۵۴، مع الرد

[4] رد المحتار على الدر المختار ۲/۲۵۳-۲۵۴

"ان ما أحياء مسلم يعتبر قربه عند أبي يوسف، وعند محمد يعتبر الماء، والمعتمد الأول" [1]

عشری پانی کی تفصیل

بارش کا پانی، اور کنوؤں اور قدرتی چشموں کا پانی اور وہ بڑے دریا جن پر کسی کا عمل دخل نہ ہو، اور نہ عادتاً وہ کسی کی ملک ہوتے ہوں، جیسے عراق میں دجلہ وفرات، اور ہندوستان میں گنگا وجمنا۔ یہ سب عشری پانی ہے، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے:

"هو ماء السماء والبئر، والعين، والبحر الذى لا يدخل تحت ولاية أحد" [3]

وضاحت

البتہ ان دنوں جو پانی نہروں کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے اور حکومت کے محکمہ آب پاشی کی طرف سے اس پر ٹیکس وصول کیا جاتا ہے تو جو آراضی ان نہروں کے پانی سے سیراب کی جاتی ہیں ان کی پیداوار پر عشر کے بجائے نصف عشر واجب ہوگا۔

خراجی زمینیں

ابو عبید خراجی زمینوں کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں:

"وما سوى هذه البلاد، فلا تخلو من أن تكون أرض عنوة صيرت فيئاً كأرض السواد (سواد العراق) والأهواز وفارس وكرمان وأصبهان والرى وأرض الشام - سوى مدنها - ومصر والمغرب - أو تكون أرض صلح مثل: نجران وأيلة، وأذرح ودومة الجندل،

---

[1] نفس المصدر ۲۵۲ [2] جزء الأموال ص ۲۳۹-۲۵۰ [3] رد المحتار ۳/۲۹۰

وكذلك وما اشبهها مماصالحهم رسول الله صلى الله عليه وسلم صلحا، اوفعلته الائمة بعده كبلاد الجزيرة وبعض بلاد أرمينية، وكثير من كور خراسان فهذ ان النوعان من الأرضين : الصلح والعنوة التى تصير فيئًا، تكونان عاما للناس فى الأعطيه وأرزاق الذرية ومايتوب الإمام من أمور العامة.»[۱]

یعنی عشری زمینوں کے علاوہ یا تو کوئی ملک بذریعہ قتال فتح کیا گیا اور عام فاتحین پر امام نے تقسیم نہیں کیا بلکہ "فیئ" کا حکم دے کر باقی رکھا، جیسے عراق، اہواز، فارس، کرمان، اصفہان، ری، شام سوی کچھ شہروں کے مصر مراکش وغیرہ۔

یا امام نے کسی ملک کے کافروں سے بغیر قتال کے صلح کرلیا کہ وہ اپنے دین پر رہیں گے، اور حکومت وسلطنت اسلامی رہے گی جیسے نجران، ایلہ، اذرح، دومۃ الجندل اور فدک وغیرہ کہ رسول اللہؐ نے یا آپ کے بعد خلفائے صلح کرلی، جیسے آرمینیا اور علاقہائے خراسان تو یہ دونوں طرح کی اراضی "فیئ" قرار دے کر عام لوگوں کی منفعت کے لئے خاص کردی جاتی ہیں۔

یعنی یہ زمینیں خراجی ہیں، اور جو خراج وصول ہوگا وہ اسلامی مملکت کے خزانہ میں جمع ہوکر مسلمانوں کی عام ضروریات میں حسب ضوابط وقوانین صرف کیا جائے گا۔ جس کی تفصیلات "خراج کی حقیقت" کے عنوان سے بیان ہوچکی۔

اور درمختار میں خراجی زمینوں کی تفصیل یہ ہے :

" وسواد العراق - وما فتح عنوة، وأُقر عليه اهله او فتح صلحا خراجية.»[۲]

کہ کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا اور حسب دستور ان کو باقی رکھا گیا یا صلح کے ساتھ فتح ہو تو خراجی ہے۔ درمختار کی ایک اور عبارت ہے جس میں خراجی زمین کی قسم بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے:

" موات احياه ذمى باذن الامام خراجى، ولو أحياه مسلم اعتبر

[۱] الأموال ص۵۳۔۵۴ وکتاب الخراج ص۲۹ [۲] الدرالمختار مع الرد م۲۵۴-۲۵۵

قريبه، وكل منها ان سقى بماء العشر أخذ منه العشر الأراض كافر

تسقى بماء الخراج أخذ منه الخراج "۔[1]

غیر آباد زمین کو اگر ذمی امام کی اجازت سے آباد و قابل کاشت بناتا ہے تو یہ زمین خراجی ہے، اور اگر مسلمان قابل کاشت بناتا ہے تو قرب وجوار کی زمین کا حکم عائد ہوگا۔ اور ان دونوں میں جو زمین بھی عشری پانی سے سیراب کی جائے گی عشر واجب ہوگا مگر ہاں اگر کافر کی زمین عشری پانی سے سیراب کی جاتی ہے تو عشر واجب نہ ہو کر خراج واجب ہوگا۔ اور اگر خراجی پانی سے یہ زمینیں سیراب کی جاتی ہیں تو خراج ہی وصول کیا جائیگا

ابو عبید اور درمختار کی ان عبارتوں سے خراجی زمینوں کی تفصیل اس طرح واضح ہوتی ہے :

۱ ـــــ اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ فتح ہوا تو اس کی زمینوں کے تمام معاملات ان شرائط صلح کے مطابق ہوں گے جن پر معاہدہ صلح ہوا ہے اگر اس صلح نامہ میں یہ شرط ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر رہیں گے اور آراضی بدستور ان ہی لوگوں کی ملکیت میں رہیں گی، جن کی ملکیت میں اب تک تھیں تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج لگا دیا جائے گا، اور یہ زمینیں ہمیشہ کے لئے خراجی ہو جائیں گی

۲ ـــــ اگر کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا مگر فتح کے بعد امام نے اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہ کر کے اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت بدستور قائم رکھی تو یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی [2]

۳ ـــــ غیر آباد زمین کو ذمی نے امام کی اجازت سے قابل کاشت بنالیا تو یہ زمین بھی خراجی ہو گی۔

۴ ـــــ وہ زمین جو خراجی پانی سے سیراب کی جائے خراجی ہوگی۔

خراجی پانی کی تفصیل

مفتی شفیع صاحب نے خراجی پانی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے :

"وہ نہریں جو حکومت یا کسی جماعت نے اپنی محنت اور خرچ کے ذریعہ نکالی ہیں، اور وہ عادتاً نکالنے والوں کی ملک ہوتی ہیں جیسے ان دریاؤں سے نکلنے والی نہریں، نہر گنگ وجمن وغیرہ۔ وہ چونکہ فتح اسلامی سے پہلے غیر مسلموں کی ملک تھی اس لئے ان کا پانی خراجی پانی ہے"[4]

---

[1] الدر المختار مع الرد ج ۲ ص ۲۵۹-۲۶۰ [2] جواہر الفقہ ج ۲ ص ۲۴۶ [3] نفس المصدر

[4] جواہر الفقہ ج ۲ ص ۲۵۰

اور علامہ ابن عابدین خراجی پانی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"ماء الخراج وهو ماء انهار حفرتها العجم۔ والحاصل ان ماء الخراج ماكان للكفرة يد عليه ثم حويناه قهرا۔"[1]

خلاصہ یہ ہے کہ جس پانی پر کافروں کا تسلط رہا ہو اور پھر مسلمانوں نے اس پر قبضہ کرلیا ہو تو یہ پانی خراجی کہلائے گا۔

خراج وعشر میں فرق

۱ــــــ عشر کے اندر عبادت کی حیثیت بھی ہے، اور خراج صرف ایک ٹیکس ہے۔

۲ــــــ عشر زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے اور خراج (موظف) قابل کاشت زمین پر واجب ہوتا ہے۔ ثمرہ یہ مرتب ہوگا کہ اگر قابل کاشت زمین میں پیداوار کا نظم نہیں کیا گیا تو عشر واجب نہیں ہوگا اور خراج واجب ہوجائے گا۔

۳ــــــ عشر مسلمان پر واجب ہوتا ہے اور خراج ابتداءً کافر پر واجب ہوتا ہے۔

۴ــــــ عشر زکوٰۃ کے مصارف میں خرچ کیا جائے گا، اور خراج مصالح عامہ میں۔

۵ــــــ اگر ایک سال میں عشری زمین میں متعدد بار پیداوار ہوتی تو ہر پیداوار پر عشر واجب ہوگا اور خراجی زمین میں باوجود کئی پیداوار ہونے کے خراج سال میں ایک ہی مرتبہ واجب ہوگا۔

۶ــــــ جس زمین پر خراج ایک مرتبہ واجب ہوجاتا ہے پھر اس پر ہمیشہ خراج ہی رہتا ہے برخلاف عشر کے کہ اگر کافر نے عشری زمین خریدلی تو عشر اس پر عبادت کے اہل نہ ہونے کی وجہ سے ساقط ہوکر خراج واجب ہوجائے گا۔

۷ــــــ عشر قطعی دلائل سے ثابت ہے، اور خراج مجتہد فیہ ہے۔ . . . . اگرچہ اجماع صحابہ سے ثابت ہونے کی وجہ سے اس میں تقویت پیدا ہوجاتی ہے۔

عشری اور خراجی زمینوں کے درمیان بنیادی فرق

عشری اور خراجی زمینوں کی جو تعریفات

---

[1] رد المحتار على الدر المختار ۲/۵۲ و ۳/۲۶۰

درج کی گئیں اور پھر عشر و خراج کے مابین جو فرق بیان کیا گیا ان تفصیلات کی روشنی میں خراجی اور عشری آراضی کے مابین فرق خود واضح ہوگیا۔

اور حد فاصل یہ ہے کہ جو اراضی ابتدائی طور پر مسلمانوں کی ملک میں ہوں (تمام مذکورہ صورتوں کے ساتھ) وہ عشری ہیں۔

اور جو اراضی کافروں کی ملک ہوں اور مسلم حکمراں کے تسلط میں آجائیں اور کافروں کی ملک باقی رکھی جائے (مذکورہ شرائط کے تحت) وہ خراجی ہیں۔

ہاں جو زمین ایک مرتبہ خراجی ہوگئی وہ ہمیشہ خراجی ہی رہے گی البتہ اگر کسی عشری زمین کا مالک کافر (حربی) ہو جائے تو اس کافر کے حق میں اب یہ زمین عشری نہیں رہے گی۔

اس کے برخلاف اگر کسی خراجی زمین کا مالک مسلمان ہو جائے تو یہ زمین خراجی ہی رہے گی اور اس مسلمان پر خراج واجب ہوگا اس صورت میں عشر واجب نہیں ہوگا۔

بحمد اللہ ان ہی سطور پر محور اول مکمل ہوتا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْم

محور چہارم

(۱) موجودہ ہندوستان میں مسلمانوں کی مملوکہ اراضی میرے نزدیک عشری ہیں، الایہ کہ کسی زمین کے بارے میں یقینی طور پر خراجی ہونے کا سبب معلوم ہو جائے۔

مولانا عبد الصمد رحمانی نے عشری اراضی ہند دس صورتیں بہت ہی تلاش و جستجو بحث و تحقیق کے بعد ذکر فرمائے ہیں، جو یہ ہیں:

۱ ــــ بادشاہوں کے وقت سے موروثی ہیں۔

۲ ــــ بادشاہان اسلام کے وقت سے موقوفہ ہیں۔

۳ ــــ موروثی ہیں مگر شاہی وقت سے نہیں، لیکن یہ بھی نہیں معلوم کہ کس طرح قبضہ میں آگئی ہیں۔

۴ ــــ جو زمینیں مسلمانوں نے خریدی ہیں، یا بطریق ہبہ یا بطریق وصیت ان کو ملی ہیں، اور جس نے فروخت کیا یا ہبہ کیا یا وصیت کی، اس نے بھی کسی مسلمان ہی سے حاصل کی تھی اسی طرح برابر سلسلہ جاری ہے۔

۵ ـــــ جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں مسلمانوں سے خرید و فروخت کے ذریعہ سے آئی ہیں، اور اوپر جاکر یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ اسلام نے دی تھی۔

۶ ـــــ مسلمانوں کے قبضہ میں وارثتاً یا خرید و فروخت کے ذریعہ سے ہے لیکن اوپر کا حال معلوم نہیں کہ پہلے لوگوں نے کس طرح حاصل کی تھی۔

۷ ـــــ انگریزی حکومت نے بطور معافی اس زمین کو دیا جو پہلے سے مسلمانوں کی ملکیت تھی۔

۸ ـــــ انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو بطور معافی زمین دی مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ زمین پہلے کس کی تھی۔

۹ ـــــ مسلمانوں نے غیر مزروعہ زمین جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی آباد کی ہے اور وہ عشری زمین کے قریب ہے یا آسمانی یا دریائی پانی سے یا اپنے کنویں سے سیراب ہوتی ہے۔

۱۰ ـــــ مسلمانوں نے اپنے سکونتی مکانات کو مزروعہ بنایا [1]

وضاحت

میرے نزدیک تقسیم ملک کے بعد سابقہ دس صورتوں کی حامل وہ آراضی جس کو مسلمان چھوڑ کر پاکستان چلے گئے اور حکومت ہند نے ان کی آراضی کسی مسلمان کو دے دی تو بوجہ استیلاء خراجی ہو جائیں گی۔

مفتی شفیع صاحب نے جواہر الفقہ میں لکھا ہے کہ:

"اگر کسی جگہ مسلمانوں کی متروکہ زمین حکومت ہند نے کسی مسلمان ہی کو ابتداء میں دے دی ہو تو وہ بھی بوجہ استیلاء عشری نہ رہے گی، بلکہ خراجی ہو جائے گی۔" [2]

حاصل یہ کہ ہندوستان کی اراضی کچھ عشری اور کچھ خراجی ہیں، لیکن خراجی ہونے کا سبب جب تک یقینی طور پر معلوم نہ ہو جائے عشر کا حکم ہی دیا جائے گا۔ محتاط فیصلہ یہی ہے۔

یہی رائے کہ کچھ زمینیں عشری اور کچھ خراجی ہیں، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، مفتی شفیع صاحب، مولانا یوسف ، مولانا عبدالشکور صاحب اور مولانا عبدالصمد رحمانی کی ہے۔

حضرت تھانوی کا ایک فتویٰ نقل کیا جاتا ہے:

---

[1] کتاب العشر والزکاۃ: عبدالصمد رحمانی

[2] جواهر الفقه عشر و خراج کے احکام ص۲۶۶

"جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک میں ہیں، اور ان کے پاس مسلمانوں ہی سے پہنچی ہیں ارثاً او شراءً و علم جرا۔ وہ زمینیں عشری ہیں، اور درمیان میں اگر کوئی کافر مالک ہو گیا تھا وہ عشری نہ رہی، اور جس کا حال کچھ معلوم نہ ہو، اور اس وقت مسلمانوں کے پاس ہے، یہی سمجھا جائے گا کہ مسلمان ہی سے حاصل ہوتی ہے بدلیل استصحاب حال، بس وہ بھی عشری ہوگی۔" لہ

مفتی عزیز الرحمن صاحب کا فتوی ہے :

"ہندوستان میں جو اراضی مملوکہ مسلمین ہیں وہ عشری ہیں، کیوں کہ اصل وظیفہ مسلمانوں کی زمین کا عشر ہے بس بحالت اشتباہ احوط عشر نکالنا ہے۔"

موصوف کا دوسرا فتوی ہے :

"ہندوستان کی تمام زمینوں کا ایک حکم نہیں ہے، البتہ جو زمین مملوکہ مسلمین ہے اس میں عشر واجب ہے مسلمانوں کو عشر نکالنا چاہئے۔" ٢ہ

مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں :

"تقسیم ملک کے بعد جو خطہ ہندوستان کے نام سے مخصوص ہو کر ہندو اکثریت کے اقتدار میں آیا اس کی وہ زمینیں جو قدیم سے مسلمانوں کے مالکانہ قبضہ میں چلی آئی ہیں، اور کسی دور میں اس پر کسی کافر کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے، وہ جس طرح عہد برطانیہ میں عشری تھیں آج بھی عشری رہیں گی۔" ٣ہ

مولانا عبدالشکور صاحب نے ہندوستان کی زمینوں کی نو حالتیں ذکر کی ہیں اور پانچ کو عشری تو چار کو خراجی قرار دیا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے :

١۔۔۔۔ بادشاہان اسلام کے وقت سے موروثی ہیں۔

٢۔۔۔۔ موروثی ہیں مگر بادشاہی وقت سے نہیں اور معلوم نہیں کیوں کر قبضہ میں آئیں۔

٣۔۔۔۔ مسلمانوں نے مسلمانوں سے مول لی ہیں، اور ان بیچنے والے مسلمانوں نے بھی مسلمانوں سے مول لی ہیں۔

لہ امداد الفتاوی ۲؍۶۰ ٢ہ فتاوی دارالعلوم دیوبند، سوم چہارم ٣ہ عشر و خراج کے احکام

۴۔ مسلمانوں نے مسلمانوں سے مول لی ہیں، مگر یہ نہیں معلوم کہ ان کے بیچنے والوں نے کس سے مول لے لیں۔

۵۔ سرکار انگلشیہ نے بطور معافی کے عنایت کی ہیں، اور وہ اس سے پہلے مسلمانوں کی ملکیت میں تھیں۔

۶۔ سرکار انگلشیہ نے بطور معافی کے عنایت کی ہیں اور معلوم نہیں کہ وہ پہلے کس کی ملک میں تھیں۔

۷۔ مسلمانوں نے مسلمانوں سے مول لیں اور ان بیچنے والے مسلمانوں نے غیر مسلم سے مول لی تھیں۔

۸۔ مسلمانوں نے غیر مسلم سے مول لیں۔

۹۔ سرکار انگلشیہ نے بطور معافی کے عنایت کی اور وہ اس سے پہلے غیر مسلم کی مملوکہ تھیں۔

پہلی پانچ حالتیں عشری ہیں اور اخیر کی چاروں خراجی [۱]

مولانا یوسف بنوری اراضی ہند کے متعلق لکھتے ہیں:

"فالأحوط أن تعشر هذه الاراضي ويودي عشرها الى الفقراء" [۲]

دوسری رائے کچھ علماء کی یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کی مملوکہ اراضی ہند عشری ہیں، اور عشر واجب ہے، ان کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کی زمین کا اصل وظیفہ عشر ہے۔

لیکن یہ قول ازحد ضعیف ہے قابل توجہ نہیں ہے چوں کہ پھر تو فقہاء امت کے اجتہادات، کتب فقہ کی تفصیلات جو اراضی کے عشری وخراجی ہونے کے سلسلہ میں ہیں الغط ہو جاتی ہیں۔

تیسری رائے بعض علماء کی یہ ہے کہ اراضی ہند نہ عشری ہیں اور نہ خراجی، چوں کہ یہ دارالحرب ہے اور دارالحرب کے متعلق علامہ شامی نے یہ لکھا ہے کہ:

"فان ارضها (دارالحرب) ليست أرض خراج وعشر" [۳]

اور سرخسی نے شرح سیر کبیر میں فرمایا:

---

[۱] علم الفقہ ۴/۴۲ [۲] معارف السنن ۵/۲۲۱ [۳] رد المحتار ۲/۵۹

" اراضی اهل الحرب ليست بعشرية ولا خراجية " [1]

ان عبارتوں سے بعض اہل علم کو ہندوستان کی اراضی کے سلسلہ میں اشتباہ ہوا ہے، یہ رائے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ علامہ انور شاہ کشمیری، شاہ عبدالعزیزؒ، محمد اعلی تھانوی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی نقل کی جاتی ہے، دارالعلوم دیوبند کے مفتی ظفیر صاحب ابھی تک اسی پر فتویٰ دیتے ہیں۔

علامہ انور شاہ کا قول مولانا بنوری نقل کرتے ہیں:

" قال الشيخ اعلم ان اراضي بلاد الهند ليست بعشريه لأنها اصبحت من دار الحرب، وهكذا التحقيق عندي من كتب الفقه " [2]

محمد اعلی تھانوی کا قول شاہ صاحب نے نقل کیا ہے:

" بان أراضي الهند ليست بعشريه ولا خراجيه " [3]

لیکن ان عبارتوں کا تعلق دارالحرب سے اور فقہاء کے نزدیک دارالحرب کی جو تعریف ہے کیا وہ موجودہ ہندوستان پر بالکلیہ صادق آتی ہے؟ یہ خود ایک اختلافی مسئلہ ہے، انگریزوں کے تسلط کے بعد بے شک شاہ عبدالعزیزؒ وغیرہ کا فتویٰ صادر ہوا کہ ہندوستان اب دارالحرب ہے۔ لیکن کیا دارالحرب سے مراد وہ دارالحرب ہے جو علامہ شامی وغیرہ کی عبارت میں موجود ہے۔

اس سلسلہ میں مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں:

" غور کرنے پر شرح سیر کی عبارت سے حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ دارالحرب سے اس جگہ وہ دارالحرب مراد ہے جو اصل سے دارالحرب ہے، اس پر نہ کسی وقت مسلمانوں کی حکومت رہی، نہ وہاں مسلمانوں کے باقاعدہ بسنے اور زمینیں خریدنے کا کوئی تصور ہے، ایسے دارالحرب کی زمینیں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ملک نہیں ہوں گی، بلکہ اہل حرب کفار کی ملکیت ہوں گی، جو احکام شرعیہ فرعیہ کے مخاطب نہیں؛ اس لئے ایسے دارالحرب کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی! ــــــ ہندوستان کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے، تقریباً ۸ سو برس یہ دارالاسلام رہا ہے، یہاں لاکھوں مسلمان اپنی زمینوں کے آج تک مالک

---

[1] شرح السیر الکبیر ۲۳۳/۴ [2] ان سے رجوع ثابت ہے۔ [3] معارف السنن ۵/ [4] نفس المصدر

چلے آتے ہیں، غیر مسلم اقتدار کے وقت اگرچہ ملک کو دار الحرب کہا جائے گا، لیکن یہ دار الحرب اصلی دار الحرب سے مختلف ہوگا، جو دار الاسلام کے بعد دار الحرب بن گیا ہے، کہ اس میں املاک مسلمانوں کی موجود ہیں،

اس لئے شامی اور شرح سیر کی روایات اس پر منطبق نہیں ہوتیں، بلکہ جب یہاں مسلمانوں کی ملکیت ہی زمینیں ہیں تو ان پر احکام عشر وخراج کے عائد ہوں گے، حضرت تھانوی کی تحقیق بھی اسی کے قریب ہے۔" لہ

دار العلوم دیوبند سے اس مسئلہ میں جو طویل عرصہ سے فتوی دیا جارہا ہے اس کی بنیاد بھی شامی و شرح سیر کی یہی عبارت ہے "فان ارضها لیست ارض خراج ولا عشر"، خاص طور پر مطبوعہ فتاوی میں مفتی ظفیر صاحب نے یہی فتوی دیا ہے، سوال یہ ہے اس عظیم درسگاہ سے جو یہ فتوی مسلمانان ہند کو دیا جارہا ہے اس کی مکمل تحقیق اکابر علماء سے رابطہ قائم کرکے کیوں نہیں کی گئی۔

خلاصہ یہ کہ آراضی ہند کے بارے میں کل تین رائے ہے :

۱ ـــــ مسلمانوں کی مملوکہ آراضی نہ عشری ہیں نہ خراجی،

۲ ـــــ مسلمانوں کی مملوکہ آراضی عشری ہیں،

۳ ـــــ مسلمانوں کی مملوکہ آراضی کچھ عشری تو کچھ خراجی،

اور تیسری رائے محقق اور راجح ہے۔

اور عشر واجب کرنے کے سلسلہ میں میری رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کی مملوکہ تمام آراضی پر عشر واجب ہے الا یہ کہ کسی زمین کے متعلق خراجی ہونے کا سبب یقینی طور پر معلوم ہو جائے۔ ہندوستان کی آراضی کا یہ حکم ہے۔ مالکان ان تفصیلات کو سامنے رکھ کر کافی حد تک تطبیق کر سکتے ہیں۔

لیکن مکمل جغرافیائی تطبیق تاریخی اور قانونی حیثیت کے عمیق و مفصل مطالعہ کی داعی ہے جو مورخین اور محققین کا کام ہے، امید کہ اکیڈمی کے تحت یہ کام انجام پائے گا۔

(۲) جن آراضی کا عشری یا خراجی ہونا متعین نہ ہو سکے احتیاطاً وہ عشری کے حکم میں ہوں گی

لہ عشر وخراج کے احکام ص ۲۶۶

اور مسلمانوں کو عشر دینا چاہئے آتوا حقہ یوم حصادہ کا عموم اسی کا متقاضی ہے جیسا کہ مولانا عبدالصمد رحمانی کی ذکر کردہ صورتوں میں یہ صورت بھی شامل ہے۔

(۳) سرکار کو دی جانے والی مال گذاری خراج کے حکم میں نہیں ہے مفتی شفیع صاحب کی تحریر ہے:

"وہ (مال گذاری) ایک خالص ٹیکس ہے جس کے ادا کرنے سے خراج کی شرعی ذمہ داری پوری نہیں ہوتی"[۱]

(۴) ہندوستان کی جن اراضی کے متعلق خراجی ہونے کا یقینی سبب معلوم ہو ان کا خراج اس شرح سے ادا کیا جائے:

عام قابل کاشت زمینوں میں ایک جریب (۳۲۲۵ مربع گز) پر ایک درہم (۳½ ماشہ چاندی) اور ایک صاع گندم یا جو۔

خضراوات کی ایک جریب پر ۵ درہم

اور باغات پر ۱۰ درہم

اور باقی اشیاء کا خراج اسی اندازہ سے لگایا جائے گا کہ پیداوار کے خمس سے گھٹے نہیں اور نصف سے بڑھے نہیں۔

وضاحت ہند کی خراجی زمینوں کا خراج خود مالکان زمین نکال کر مدارس اسلامیہ اور علماء پر خرچ کریں[۲]

(ب) خراج عشر کی طرح عبادت نہیں ہے، جیسا کہ "مو ...ول" میں وضاحت کی گئی۔ ہاں مسلمان واجب شرعی سمجھ کر جب ادا کرے گا تو ماجور ہوگا اور اطاعت کے ثواب کا مستحق ہوگا۔

(۵) جدید طریقہ زراعت میں ہونے والے غیر معمولی اخراجات کی وجہ سے "عشر میں کمی نہیں کی جاسکتی، کہ یہ عشر و نصف عشر "منصوص" ہے۔

---

[۱] عشر و خراج کے احکام ص۲۹۳ [۲] احکام عشر و خراج ص۲۸۸

اورنہ ان اخراجات کو اصل پیداوار سے منہا کیا جائے گا کہ فقہائے نے صراحت کر دی ہے :

" ولاتحسب أجرة العمال ونفقة البقر، وكرى الأنهار، واجرة الحافظ وغير ذلك فيجب اخراج الواجب من جميع ما اخرجته الأرض عشرا او نصفا. كذا في البحر الرائق "[۱]

(۶) جن آراضی کی کاشت بٹائی پر ہوتی ہے، اگر یہ صورت اختیار کی گئی ہے کہ تخم زمیندار کا ہے تو احناف کے یہاں باتفاق عشر زمیندار پر واجب ہو گا۔

اور اگر تخم بٹائی دار کا ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک زمیندار پر عشر واجب ہو گا۔ جب کہ صاحبین کے نزدیک دونوں پر اپنے اپنے حصہ میں عشر واجب ہو گا۔ ردالمحتار میں ہے :

" والحاصل ان العشر عند الامام على رب الأرض مطلقا، وعندهما كذالك لو البذر منه ولو من العامل فعليهما "[۲]

لیکن بدائع کی عبارت یہ ہے جس کو شامی نے نقل کیا ہے :

" ان المزارعة جائزة عندهما، والعشر يجب في الخارج والخارج بينهما فيجب العشر عليهما "

اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صاحبین کے یہاں بہرصورت عشر زمیندار و بٹائی دار دونوں پر اپنے حصص کے بقدر واجب ہو گا۔

اور یہی رائے قابل عمل ہے مفتی شفیع صاحب نے اسی کو بطور مسئلہ بیان کیا ہے [۳]

یہ حکم اس وقت ہے جب دونوں مسلمان ہوں، اور اگر مزارعت کا ایک شریک غیر مسلم ہو تو مسلم اپنے حصہ کی پیداوار کا عشر نکالے گا ——— والله اعلم علمه اتم۔

وصلى الله على النبي الكريم

---

[۱] فتاوی عالمگیری ۱/۹۶ [۲] ردالمحتار ۲/۳۱۰

[۳] عشر وخراج کے احکام۔

محورِ پنجم

(۱) پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہے یا اس کے لئے کسی نصاب کا اعتبار ہے؟

کتبِ فقہ میں اس مسئلہ میں ائمہ و فقہاء کے چار مسلک نقل کئے جاتے ہیں جن میں دو کافی مشہور ہیں:

۱۔۔۔۔ پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہے، یہ مسلک امام ابوحنیفہؒ، عمر بن عبدالعزیز، مجاہد، ابراہیم نخعی، حماد بن ابوسلیمان اور امام زفر (رحمہم اللہ) کا ہے۔

معارف السنن میں ہے:

"وذکر ان ذلک مذھب عمر بن عبدالعزیز، ومجاھد، وابراھیم النخعي اخرج ذلک منھم عبدالرزاق وابن ابي شیبه والطحاوي وھو قول زفر"۔ [۱]

اور یہ عبارت بھی ہے:

"وقال ابوحنیفة: في کل ما اخرجته الأرض صدقة قل أو کثر"۔ [۲]

المغنی اور فقہ الزکاۃ میں بھی یہ مسلک نقل کیا گیا ہے۔ البتہ ابن قدامہ نے مغنی میں عمر بن عبدالعزیز کا یہ مسلک نقل کرکے دوسرا نقل کردیا ہے جو نمبر ۲ میں آرہا ہے لیکن یہ ابن قدامہ کی چوک ہے۔ [۳]

۲۔۔۔۔ پیداوار پر عشر واجب ہونے کے لئے نصاب شرط ہے اور نصاب کی مقدار پانچ وسق ہے، پانچ وسق سے کم پر عشر واجب نہیں۔

یہ مسلک ابن عمر، جابر، ابوامامہ بن سہل، جابر بن زید، حسن، مکحول، مالک، ثوری، اوزاعی، ابن ابی لیلی، شافعی، ابویوسف، محمد، احمد بن حنبل اور دیگر مشاہیر علماء کا ہے۔ [۳]

۳۔۔۔۔ جو پیداوار وسق کے ذریعہ ناپی جاسکتی ہے اس پر عشر واجب ہونے کے لئے پانچ وسق نصاب ہے،

---

[۱] معارف السنن ۵/ [illegible] نفس المصدر۔

[۲] المغنی ۲/ [illegible]

[۳] المغنی ۲/ [illegible]، فقہ الزکاۃ ۱/ ۳۶۲-۳۶۰، اصل عبارت طوالت کے خوف سے نقل نہیں کی گئی۔

اور جو پیداوار "وسق" کے ذریعہ ناپی نہیں جا سکتی اس کی ہر مقدار پر عشر واجب ہے۔ یہ مسلک داؤد ظاہری کا ہے [۱]

۴ ـــــ نصاب کا اعتبار تمر، زبیب، گندم اور جَو میں ہوگا جو پانچ وسق ہے، اس کے علاوہ ہر پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہے یہ مسلک باقر اور ناصر کا ہے [۲]

ان چاروں مسالک میں سے پہلے دو ہی معروف و مشہور ہیں۔

دلائـــل

قول اوّل کے دلائل

(ا) فرمان باری تعالیٰ ہے: "یاایها الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم، ومما اخرجنا لکم من الأرض"

اور ارشاد ہے: "وآتوحقه یوم حصاده"۔

اسی طرح: "خذ من اموالهم صدقة"

یہ تمام آیات مطلق اور عام ہیں، ان میں کسی قسم کی قید و تخصیص نہیں ہے پیداوار کی ہر قلیل و کثیر مقدار کو شامل ہیں۔

(ب) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل فرامین:

(۱) "فیما سقت السماء العشر" [۳]

(۲) "فیما سقت الانهار والغیم العشر، وفیما سقی بالسانیة نصف العشر" [۴]

(۳) "فیما سقت السماء والعیون أو کان عثریا العشر، وما سقی بالنضح نصف العشر" [۵]

---

[۱] نفس المصدر [۲] فقه الزکاة ۱/۳۶۳، والبحر الذخار ۲/۱۶۹

[۳] رواه البخاری [۴] رواه مسلم من حدیث جابر فی باب ما فیه الزکاة من الاموال واخرجه الطحاوی [۵] رواه البخاری ومسلم عن ابن عمر۔

(۴) "عن معاذ قال "بعثنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الی الیمن فأمرنی أن آخذ مما سقت السماء وما سقی بعلا العشر، وما سقی بالدوالی نصف العشر"۔[1]

(۵) " فیما سقت السماء العشر، وفیما سقی بنضح أو غرب نصف العشر فی قلیلہ وکثیرہ"۔[2]

یہ ساری روایات مرفوع ہیں، جن کے راوی ابن عمر، جابر، انس اور معاذ رضی اللہ عنہم ہیں۔

(ج) ان کے علاوہ موقوف روایات وآثار بھی مروی ہیں، عمر بن عبدالعزیز، مجاہد اور نخعی کے آثار بالخصوص قابل توجہ واستدلال ہیں۔

(۱) "عن ابراھیم انہ قال" فی کل ما أخرجتہ الارض من قلیل وکثیر زکاۃ"۔[3]

(۲) " عن بسر بن سعید قال "فرض رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الزکاۃ فیما سقت السماء وفی البعل وفیما سقت العیون العشر، وفیما سقت السوانی نصف العشر"۔[4]

(۳) ابوعبید صحیح سند سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو فرمان جاری کیا اس کی عبارت یہ ہے:

" ما کان عثریا تسقیہ السماء والانہار وما کان یستقی من بعل ففیہ العشر، وما کان یسقی بالنواضح ففیہ نصف العشر"۔[5]

(۴) "عن علی عن طریق عاصم بن ضمرۃ" فیما سقت السماء العشر، وفیما سقی بالدوالی والنواضح نصف العشر"۔[6]

---

[1] رواہ ابن ماجہ من طریق أبی وائل عن مسروق عن معاذ۔
[2] حدیث أبی مطیع البلخی عن أبی حنیفۃ عن أبان بن أبی عیاش عن رجل عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، وجہالۃ الصحابی لا یضر، وأخرجہ ابن خسرو بہذا الاسناد عن أنس مرفوعا فزالت الجہالۃ۔ [3] معارف السنن ۲۰۴/۵
[4] الأموال ص۴۸۶ [5] نفس المصدر [6] ایضاً۔

مذکورہ آیات، احادیث اور آثار میں عموم واطلاق ہے اور یہ عموم واطلاق "تواتر" کی حد تک ہے[1]

(د) مزید برآں پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب کرنے میں فقراء کی مصالح کا لحاظ بھی ہے[2]

(۲) پیداوار پر حولان حول کسی کے نزدیک شرط نہیں ہے اسی طرح نصاب کی شرط بھی نہیں ہونی چاہئے جیساکہ "رکاز" کا حکم ہے۔

قول ثانی کے دلائل

(ا) فرمان رسالت ہے: "ليس فيما دون خمسة اوسق صدقة"[3]

یہ حدیث صحیح ہے اور اس میں صریح حکم ہے کہ پانچ وسق سے کم پیداوار میں زکاۃ نہیں ہے قول ثانی کے قائلین کی یہی دلیل قوی ترین ہے۔

(ب) دوسری دلیل یہ ہے کہ شریعت نے تمام ان باتوں میں جن پر زکوۃ واجب ہے نصاب کا اعتبار کیا ہے تاکہ "غنی" پر ہی زکوۃ واجب ہو اور غنا کا معیار نصاب ہے اس لئے پیداوار میں بھی نصاب کا اعتبار شریعت کی روح کے ہم آہنگ ہے[4]

قول ثالث کے دلائل

نصاب کا اعتبار کرنے میں اس قول کا مستدل "ليس فيما دون خمسة اوسق صدقة" والی حدیث ہے اور جن چیزوں میں نصاب کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے اس میں "فيما سقت السماء العشر" والی حدیث مستدل ہے۔ گویا اس مسلک کے قائل داؤد ظاہری نے دونوں حدیثوں میں تطبیق کی ایک شکل تجویز کر کے مسلک بنایا ہے[5]

---

[1] معارف السنن ۵/۲۰۲ [2] نفس المصدر [3] رواہ البخاری ومسلم وقال فی المنتقی رواہ الجماعۃ من حدیث ابی سعید۔

[4] المغنی وفقہ الزکاۃ [5] فقہ الزکاۃ ۱/۳۶۲

قولِ رابع کے دلائل

"لیس فیما خمسة اوسق صدقة" والی حدیث ہی مستدل ہے جن چار چیزوں میں نصاب کا اعتبار کیا گیا ہے اور وجہ ودلیل یہ ہے کہ چوں کہ یہ چار ہی اجناس گندم، جو، تمر اور زبیب کا لین دین وسق سے عام عرف میں ہوتا تھا اس لئے یہ حدیث ان کے ساتھ مختص ہے اور دیگر پیداوار میں "فیما سقت السماء العشر" والی حدیث پر عمل ہے۔ گویا یہ بھی تطبیق کی ایک شکل ہے۔

تعقیب و ترجیح

مذکورہ چاروں اقوال میں سے دو پر امت کی اکثریت کا عمل ہے، حنفیہ کے نزدیک کسی نصاب کے اعتبار کے بغیر پیداوار کی ہر کم و بیش مقدار پر عشر واجب ہے۔

اور ائمہ ثلاثہ، صاحبین کے نزدیک نصاب کا اعتبار کیا گیا ہے جو پانچ وسق ہے، اس سے کم پیداوار پر عشر واجب نہیں ہے۔

دونوں مسالک کے دلائل ذکر کئے گئے، اس کے بعد جمہور نے حنفیہ کے پیش کردہ دلائل کے جو جوابات دیئے ہیں، اور اس باب میں وارد احادیث میں تطبیق کی جو صورتیں بیان کی ہیں، ہم ان کو ذکر کرتے ہیں، اور حنفیہ نے جو ان اشکالات کے جوابات دیئے ہیں ان کو بھی ذکر کریں گے اور آخر میں حنفیہ کے مسلک کی حقانیت اور دلائل کی قوت وصحت کو آشکارا کریں گے نیز وجوہ ترجیح بیان کریں گے۔

جمہور نے ان آیات واحادیث کو جن سے عموم ثابت کیا جاتا ہے "مجمل" قرار دیا ہے اور اس "مجمل کے لئے "مفسر" "لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة" کو تسلیم کیا ہے جو بلاشبہ حدیث صحیح ہے [1]

جواب: ان آیات کا عموم "قطعی" ہے اور احادیث کا عموم "متواتر" ہے [2]

تو اگر ان کو "مجمل" قرار دیا جائے اور خمسۃ اوسق والی حدیث کو "مفسر" مانا جائے تو ضروری ہے کہ جس

---

[1] معارف السنن ۵/۲۰۳-۲۰۵ [2] نفس المصدر

شان کا "مجمل" ہے اسی شان کا "مفسر" ہو حالاں کہ "مجمل" "قطعی و متواتر ہے اور "مفسر" کا شمار اخبار احاد میں ہے اس لئے یہ تقریر درست نہیں ہے۔

جمہور کہتے ہیں کہ نصاب کا اعتبار نہ کرنے میں خمسۃ اوسق والی حدیث صحیح کا ترک لازم آتا ہے۔ اس لئے ہم اس حدیث کو اصل قرار دیتے ہیں چوں کہ یہ "صریح" ہے اور فیما سقت السماء العشر والی حدیث کے متعلق حنفیہ کا یہ کہنا کہ یہ عام ہے اور خمسۃ اوسق والی حدیث خاص ہے، اور عام و خاص دونوں "قطعی" ہیں، اس لئے تعارض کے وقت احتیاط کے تقاضہ کے پیش نظر وجوب (پیداوار کی ہر مقدار پر) اختیار کیا جائے۔ یہ درست نہیں ہے۔

کیوں کہ دونوں حدیثوں میں تعارض کے بجائے تطبیق ممکن ہے تطبیق کی ایک صورت علامہ ابن قیم کے بایں الفاظ نقل کرتے ہیں:

"یجب العمل بکلا الحدیثین، ولا یجوز معارضۃ احدھما بالآخر، ولا الغاء احدھما بالکلیۃ، وان طاعۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فرض فی ھذا وفی ھذا، ولا تعارض بینھما- بحمد اللہ تعالی- بوجہ من الوجوہ، فان قولہ" فیما سقت السماء العشر" إنما أرید بہ التمییز بین مایجب فیہ العشر، ومایجب فیہ نصفہ، فذکر النوعین مفرقا بینھما فی مقدار الواجب، واما مقدار النصاب فسکت عنہ فی ھذا الحدیث وبینہ نصا فی الحدیث الآخر" [1]

کہ دونوں حدیثوں (فیما سقت الخ ولیس فیما دون خمسۃ الخ) پر عمل کرنا ضروری ہے، اور ایک کو دوسرے کے "معارض" قرار دینا درست نہیں ہے اور نہ کسی ایک کو بالکلیہ ترک کر دینا صحیح ہے، چوں کہ رسول اللہ کے دونوں فرمانوں کی پیروی ضروری ہے، اور اللہ کے فضل سے دونوں حدیثوں میں کئی اسباب کی بناء پر تعارض نہیں ہے، چوں کہ "فیماسقت السماء العشر" سے صرف یہ فرق بیان کرنا ہے کہ کس قسم کی پیداوار میں "عشر" واجب اور کس قسم کی پیداوار پر نصف عشر واجب ہے، اور یہ حدیث نصاب کی مقدار کے بیان

---

[1] اعلام الموقعین ۲/۲۲۹-۲۳۰

کے سلسلہ میں کوئی روشنی نہیں ڈالتی، اس سلسلہ میں اس حدیث میں سکوت اختیار کیا گیا ہے، اور نصاب کے مسئلہ کو باقاعدہ دوسری حدیث میں بطور "نص" بیان کردیا گیا ہے اور وہ ہے "لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة"

جواب : اس اعتراض کے جواب کے لئے بھی حنفیہ کا یہ جواب کافی ہے کہ اس تقریر سے صرف دونوں حدیثوں کے تعارض کو رفع کیا جارہا ہے جب کہ "لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة" کا تعارض اس عموم سے ہو رہا ہے جو کتاب اللہ سے ثابت ہے، اور ظاہر ہے کہ کتاب اللہ کے عموم قطعی کو خبر واحد کے ذریعہ خاص نہیں کیا جا سکتا۔

پھر جو تطبیق بیان کی گئی اس کے قطعی ہونے کی کیا دلیل ہے ؟ جب کہ حنفیہ بھی تطبیق کی اس تقریر کے بجائے دوسری تقریر کرتے ہیں [۱]

نیز جمہور میں سے ابن قدامہ کہتے ہیں کہ : "فیما سقت السماء العشر" "عام" اور "لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة" "خاص" ہے، اس خاص کے ذریعہ "عام" کی تخصیص کی جائے گی، جیسا کہ "فی کل سائمة من الإبل الزکاة" کے عموم کا تقاضہ یہ تھا کہ اونٹوں کے اندر بھی کوئی نصاب نہ ہو، لیکن اس عام کی تخصیص "لیس فیما دون خمس ذود صدقة" سے کی گئی، اور پانچ اونٹ نصاب قرار دیا گیا۔

اسی طرح "فی الرقة ربع العشر" کے عموم کا تقاضا کے تحت چاندی کی ہر مقدار پر زکوۃ کا وجوب ثابت ہوتا ہے لیکن "لیس فیما دون خمسة أواق صدقة" کے ذریعہ تخصیص کی گئی، اور چاندی کا نصاب دو سو درہم مقرر کیا گیا [۲]

جواب : ان دونوں مثالوں میں خبر واحد کے عموم کی تخصیص خبر واحد ہی کے ذریعہ کی گئی ہے جو ہمارے یہاں بھی درست ہے البتہ پیداوار کے مسئلہ میں کتاب اللہ کے عموم کی تخصیص خبر واحد کے ذریعہ کی جا رہی ہے، جو ہمارے یہاں درست نہیں۔

---

[۱] جس کو علامہ انور شاہ کے حوالے سے آئندہ ذکر کیا جائے گا۔

[۲] المغنی ۲/۲۹۶

امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی ترجیح کے اسباب

علماء احناف فرماتے ہیں کہ زیر بحث مسئلہ میں جمہور کی دلیل "خاص" ہے اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل "عام" ہے، تو عام و خاص میں تعارض پایا گیا۔

اور قاعدہ یہ ہے کہ تعارض کے وقت ترجیح کی کوشش اس وقت کی جاتی ہے جب کہ تاریخ معلوم نہ ہو، اور اگر معلوم ہو تو متأخر "ناسخ" ہوتا ہے، حالاں کہ اس مسئلہ میں تاریخ کا علم نہیں ہے، تو عام کو خاص پر بر بنائے احتیاط ترجیح دی جائے گی۔[1]

علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے مسلک پر "سلف" کا "تعامل" شاہد ہے چونکہ یہی رائے مجاہد، زہری نخعی اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی ہے۔[2]

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تمام شہروں کو فرمان جاری کیا کہ پیداوار کی ہر کم و بیش مقدار میں سے عشر وصول کیا جائے:

"کتب عمر ابن عبد العزیز الی البلدان، ان یؤخذ العشر فی کل قلیل وکثیر"۔[3]

اور اس فرمان پر کسی کی نکیر نقل نہیں کی گئی ہے تو ثابت ہوا کہ امت نے اس فرمان عمری کو شرف قبول بخشا۔

- عشر خراج کی نظیر ہے، اور خراج پیداوار کی ہر مقدار پر واجب ہوتا ہے اس لئے عشر کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے۔
- طحاوی اور جصاص کہتے ہیں کہ عشر میں حولان حول کی شرط کسی فقیہ نے نہیں لگائی تو ضروری ہوا کہ "نصاب" کا اعتبار بھی "رکاز" اور غنیمت کی طرح نہ کیا جائے۔[4]
- علامہ انور شاہ فرماتے ہیں کہ: "لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة" میں جمہور کے لئے حجت نہیں ہے، اس لئے کہ میرے نزدیک اس کا محمل "عریہ" ہے اور اس کے متعدد

---

[1] نصب الرایة و فتح القدیر والفوائد الظہیریہ و معارف السنن ۵ ۲۰۵ [2] نصب الرایة و فتح الملہم للعثمانی [3] معارف السنن ۵ ۲۰۰

[4] شرح معانی الآثار

قرینے میری نظر میں ہیں [1]

ایک تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ وسق سے کم کے عریہ کی بیع کی اجازت دی ہے:

" أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رخص فی بیع العرایا فیما دون خمسۃ اوسق "

تو جس کھجور کے باغ کے مالک نے بطور عریہ کسی فقیر کو کھجور کا کوئی درخت دیا اور پھر اس کے بدلہ فقیر کو خشک کھجوریں دے دیں تو کھجوروں کا یہ حصہ جو (جس کے بدلہ کھجوریں فقیر کو دے دی گئی ہیں) پانچ وسق سے کم ہے اس میں زکاۃ واجب نہیں رہتی۔

اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کی تخریج امام طحاوی نے کیا ہے:

" ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رخص فی العریۃ فی الوسق والوسقین والثلاثۃ والأربعۃ، وقال: فی کل عشرۃ اقناء قنو، یوضع فی المسجد للمساکین " [2]

اس حدیث کی تخریج شافعی، احمد، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ابن منذر، خطابی اور بیہقی نے کی ہے [3]

اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں دو جگہ نقل کیا ہے [4]

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ابو حنیفہ کی بہت قوی دلیل ہے [5]

"لیس فیما دون خمسۃ أوسق صدقۃ" میں "صدقۃ" سے مراد وہ صدقہ ہے جس کو عامل وعاشر وصول کرتا ہے تو حدیث کا مفہوم ہوگا کہ عامل پانچ وسق سے کم پیداوار کی زکوۃ وصول نہیں کرے گا بلکہ مالکان دیانۃً اس مقدار کی زکوۃ از خود ادا کریں گے۔

خلاصہ یہ کہ پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہوگا اور اس کے لئے کسی نصاب کا اعتبار نہیں ہوگا۔

---

[1] فیض الباری [2] شرح معانی الآثار [3] الکبری للبیہقی، والجواہر النقی

[4] فتح الباری ۴/۳۲۲ [5] معارف السنن ۵/۲۰۹

(۳) کیا زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز پر عشر واجب ہے یا کچھ چیزیں مستثنیٰ ہیں؟

(الف) زمین کی پیداوار پر زکوۃ کا فی الجملہ وجوب قرآن وسنت، اجماع وقیاس سے ثابت ہے، البتہ تفصیلات میں علماء کا اختلاف ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل مسالک ہیں:

۱۔ ابن عمر اور سلف کی ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ زکاۃ صرف چار پیداوار حنطہ شعیر تمر اور زبیب میں فرض ہے اور یہ حدیث:

"انما سن رسول الله صلى الله عليه وسلم: الزكاة فى الحنطة والشعير والتمر والزبيب" [۱]

اس مسلک کی دلیل ہے۔

۲۔ مالک وشافعی کا مسلک یہ ہے کہ زکوۃ ہر اس پیداوار پر واجب ہے جو بطور غذا عام احوال میں استعمال کی جائے اور ذخیرہ اندوزی کے لائق ہو"

"اور معاذ بن جبل کی حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے:

"اما القثاء والبطيخ، والرمان، والقصب، والخضر، فعفو عفا عنه رسول الله صلى الله عليه وسلم" [۲]

یہ استدلال صاحب مہذب اور شارح مہذب نے پیش کیا ہے اور یہ حضرات دوسری دلیل بایں الفاظ بیان کرتے ہیں:

"ان الاقوات تعظم منفعتها فهى كالانعام فى الماشية" [۳]

یعنی جو پیداوار بطور غذا استعمال کی جاتی ہے اور غذا کو محفوظ کی جاتی ہے اس کی منفعت زیادہ ہے اس لئے اسی پر زکوۃ کا فریضہ عائد ہوگا جیسے چوپایوں میں "انعام" (اھل بقر غنم) کے منافع زیادہ ہیں تو فریضۂ زکوۃ عائد ہوا۔

(۳) امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ ہر اس پیداوار پر زکوۃ واجب ہے جو تین اوصاف سے متصف

---

[۱] ابن ماجه والدارقطنى روياه نيل الأوطار ۴/۱۴۲ [۲] رواه البيهقى فى سنن الكبرى
[۳] المهذب مع المجموع ۵/۴۹۳

ہو خشک ہونا، باقی رہنا، کیلی ہونا۔

" أن الزكاة تجب فيما جمع هذه الاوصاف : الكيل، والبقاء واليبس"۔[1]

حنابلہ کی دلیل "فيما سقت السماء العشر" کا عموم اور فرمان رسول "خذ الحب من الحب" نیز "وليس فى حب ولا تمر صدقة حتى يبلغ خمسة أوسق" ہے[2]
ان حدیثوں سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جن اشیاء پر "حب" (دانہ غلہ) کا لفظ صادق آئے اور کیل ہو سکے ان پر ہی زکوۃ واجب ہوگی۔ مغنی میں ہے :

" فدل هذا الحديث على انتفاء الزكاة مما لاتوسيق فيه اى لا كيل"۔[3]

(۴) امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ زمین کی ہر پیداوار میں عشر واجب ہے بشرطیکہ یہ پیداوار ایسی ہو جس کی کاشت کا مقصد نماء الأرض ہو" فی کل ما اخرج الله من الارض، مما يقصد بزراعته نماء الأرض"[4]
امام ابوحنیفہؒ کا استدلال "ومما اخرجنا لكم من الأرض" کے عموم سے ہے جس میں کسی پیداوار کی تخصیص نہیں ہے۔
فخر رازی اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں :

" ظاهر الاية يدل على وجوب الزكاة فى كل ما تنبته الأرض على ما هو قول أبى حنيفة واستدلاله بهذه الآية ظاهر جدا"۔[5]

دوسرا استدلال "وآتوا حقه يوم حصاده" ہے جس کا ذکر "معروشات وغير معروشات والنخل والزرع والزيتون والرمان" کے بعد ہے، اور بالخصوص کٹائی کے روز خضراوات ہی کی زکوۃ نکالنا ممکن ہے ورنہ اجناس کی زکوۃ کٹائی کے دن نکالنا ناممکن ہے :

---

[1] المغنى ۶۹۲/۲ [2] رواه مسلم والنسائى، نصب الراية ۶۹۲/۲ [3] نفس المصدر
[4] الهداية مع الفتح ۲/۲-۵، [5] تفسير الرازى ۶۵/۷

"واحق مايحمل الحق عليه الخضراوات، لانها التي يتيسر ابتاء الحق منها يوم القطع اما الحبوب فيتأخر الايتاء فيها الى يوم التنقية." [1]

تیسرا مستدل "فیما سقت السماء العشر" کا عموم ہے، جو ہر قسم کی قیود (بقاء، کیل، ادخار، غذا) سے آزاد ہے۔

ترجیح ان ذکر کردہ مسالک اربعہ میں امام ابوحنیفہؒ کا مسلک راجح ترین ہے۔ یہی مسلک عمر بن عبدالعزیز، مجاہد، حماد، داؤد اور نخعی کا ہے۔ قرآن وحدیث کا عموم اسی مسلک کی تائید کرتا ہے اور زکوۃ کی مشروعیت کی حکمت اسی کی متقاضی ہے، چوں کہ یہ بات حکمت سے بالاتر ہے کہ شریعت گندم وجو کے کاشتکاروں پر تو زکوۃ واجب کرے اور آم، سیب، نارنجی، موسمی کے گراں قدر باغات کے مالکوں پر زکوۃ واجب نہ کرے۔

اور مسالک ثلثہ کے مستدلین نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے وہ تمام کی تمام قرآن اور مشہور احادیث کے مقابلہ میں استناد کے قابل نہیں ہیں چوں کہ ان میں سے کوئی منقطع ہے تو کوئی ضعیف، صحت کے باوجود عموم قرآن کے لئے مخصص نہیں ہوسکتیں [2]

حتیٰ کہ مالکیہ میں ابن العربیؒ نے امام ابوحنیفہ کے مسلک کی تائید فرمائی [3] اور ابن عربی شرح ترمذی میں لکھتے ہیں:

"واقوى المذاهب فى المسألة مذهب ابى حنيفة دليلا. واحوطها للمساكين، واولاها قياما بشكر النعمة. وعليه يدل عموم الآية والحديث." [4]

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۵۹ [2] تلخیص الحبیر للحافظ، فتح القدیر، مجمع الزوائد

[3] احکام القرآن لابن العربی۔ القسم الثانی ص۷۴۹

[4] شرح الترمذی لابن العربی ۳/۱۳۵

خلاصہ یہ کہ امام ابوحنیفہ کا مسلک ہی بر اعتبار سے قابل ترجیح ہے۔

(ب) گھاس، بانس، چارہ وغیرہ میں زکوۃ ہے یا نہیں؟

جیسا کہ امام ابوحنیفہ کے مسلک کو ذکر کرتے ہوئے یہ بات بتائی گئی کہ ہر اس پیداوار میں زکوۃ واجب ہے جس کی کاشت کا مقصد نماء الارض ہو یعنی پیداوار مقصود ہو، اس لئے اگر گھاس، بانس، چارہ وغیرہ کی باقاعدہ کاشت کی جائے تو عشر واجب ہوگا، ہاں اگر خودرو ہوں تو عشر واجب نہیں ہوگا۔ ہدایہ میں ہے:

"قال ابو حنيفة: فى قليل ما اخرجته الارض وكثيره العشر، سواء سقى سيحا اوسقته السماء الا الحطب، والقصب، والحشيش" [1]

چند صفحے کے بعد دوسری عبارت ہے:

"حتى لو اتخذها مقصبة أو شجرة او منبتاللحشيش يجب فيه العشر" [2]

(ج) پانی میں کاشت کی جانے والی چیزوں مثلاً مکھانہ، سنگھارا وغیرہ کا حکم صراحۃ (میرے پاس موجود مراجع ومصادر میں باوجود تلاش کے) نہیں مل سکا۔

البتہ قرآن وحدیث کے عموم کا تقاضہ ہے کہ (بالخصوص) حنفیہ کے نزدیک عشر واجب قرار دیا جائے (واللہ اعلم)

۳ جن اراضی مزروعہ کو مچھلی پالن بنالیا جاتا ہے ان کی مچھلیوں پر عشر یا زکوۃ اموال کا حکم جاری ہوگا؟ جیسا کہ ابوعبید نقل کرتے ہیں:

"عن يونس بن عبيد قال: كتب عمر بن عبد العزيز الى عامله على عمان: ان لا يأخذ من السمك شيئا حتى يبلغ مائتى درهم، فاذا بلغ مائتى درهم فخذ منه الزكاة" [3]

اور یہی روایت امام احمد سے بھی منقول ہے [4]

۴ ریشم کی کاشت پر عشر؟

---

[1] الهداية مع الفتح ۲/ ۲۴۲ [2] نفس المصدر ص ۲۴۵ [3] الأموال لأبى عبيد

[4] المغنى لابن قدامه ۳/ ۲۹

ریشم کی کاشت کو ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے "عسل" (شہد) پر قیاس کرتے ہوئے عشر واجب قرار دیا ہے :

" ولهذا أرى أن نعامل المنتجات الحيوانية كالالبان وملحقاتها معاملة العسل فيؤخذ العشر من صافى ايرادها ". لہ

لیکن ائمہ اربعہ یا دیگر علماء متقدمین میں سے کسی نے ریشم کی کاشت پر عشر واجب نہیں قرار دیا ہے۔ ہدایہ میں ہے :

" وفى العسل العشر وقال الشافعي رحمه الله لايجب لانه متولد من الحيوان فأشبه الابريسم ". کہ

ڈاکٹر قرضاوی نے ریشم کو شہد پر جو قیاس کیا ہے یہ قیاس صحیح نہیں ہے بلکہ قیاس مع الفارق ہے چونکہ شہد زرع و ثمار کا کشید کردہ ہے اور زرع و ثمار میں عشر ہے اس لئے ان سے حاصل کردہ شہد پر بھی عشر ہوگا۔

برخلاف ابریشم کے کہ ریشم کے کیڑے ریشم پتوں سے بناتے ہیں اور پتوں پر عشر نہیں ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے :

" ولان النحل يتناول من الانوار والثمار وفيهما العشر فكذا فيما يتولد منهما بخلاف دود القز لأنه يتناول من الاوراق ولاعشر فيها ". سہ

بہر صورت میرے نزدیک ریشم کی کاشت پر زکوۃ اموال کا حکم جاری ہوگا۔

۵ جن درختوں پر پھل آتے ہیں، تو پھلوں پر عشر واجب ہے نہ کہ ان درختوں پر اور جو درخت جلانے کے کام یا فرنیچر بنانے کے کام میں لائے جاتے ہیں اور باقاعدہ ان درختوں کی کاشت کی جاتی ہے تو عشر واجب ہوگا۔ ہدایہ میں ہے :

" حتى لو اتخذها مشجرة يجب فيها العشر ". کہ

لہ فقہ الزکاۃ ۱/۴۳۰ کہ الهداية مع الفتح ۲/۲۳۶-۲۴۸

سہ نفس المصدر کہ نفس المصدر ص ۲۳۵

۶ خضراوات کا حکم سوال ۲۱ کے جواب میں ضمناً لکھا جا چکا ہے۔

(الف) امام ابوحنیفہ کے نزدیک خضراوات پر عشر واجب ہے، جن سبزیوں میں پھل توڑے جاتے ہیں اور کچھ نئے پھل نکل آتے ہیں ان میں عشر نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ جتنے پھل بیک وقت توڑے جائیں ان کا عشر اسی وقت نکال دیا جائے۔

اور اگر اس میں دشواری ہو تو پھر سارے پھل ختم ہونے کے بعد مجموعی پھلوں کی قیمت کا اندازہ لگا کر قیمت کا دسواں حصہ نکال دیا جائے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

"فی کل عشرة اقناء قنو، یوضع فی المسجد للمساکین"۔[۱]

(ب) جس افتادہ زمین پر سبزیاں اگائی جائیں اگر ان کی شکل باقاعدہ زراعت کی سی ہو جاتی ہے تو عشر واجب ہوگا، اور جو سبزیاں مکانوں کی چھتوں یا مکان کے اندرونی حصہ میں اگائی جائیں تو ان سبزیوں پر عشر واجب نہیں ہوگا، جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

"ولو کان فی دار رجل شجرة مثمرة لاعشر فیها"۔[۲]

۷ اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا، ردالمحتار میں ہے:

"فیجب فی الاراضی الموقوفة لعموم قوله تعالی "انفقوا من طیبات ماکسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض" وقوله "اٰتوا حقه یوم حصاده""۔[۳]

وقف علی الاولاد کی اراضی پر یقینی طور پر عشر واجب ہوگا، ہاں جو اراضی مدارس پر وقف ہیں ان کی پیداوار پر عشر واجب نہیں ہوگا جب کہ اہل مدارس کی نگرانی میں کاشت کی جائے اور پیداوار مدارس کے مصارف میں صرف کی جائے۔

لیکن اگر مدارس پر وقف اراضی کو کرایہ پر اٹھا دیا گیا اور کرایہ دار پیداوار حاصل کریں تو اس پیداوار پر عشر واجب ہوگا، ردالمحتار میں ہے:

"العشر علی المستاجر فیما من الشرط ملك الخارج"۔[۴]

وصلی اللہ علی النبی الکریم

---

[۱] [illegible] [۲] فتاوی [illegible]

[۳] ردالمحتار [illegible] ۵۵ [۴] نفس المصدر

اسلام کا نظام عشر وخراج
اور
آراضی ہند وپاک کا شرعی حکم

از :- مولانا مفتی اختر امام عادل صاحب ۔ دارالعلوم ۔ حمید رآباد

عالمی نظام مالیات میں زمین کا بڑا حصہ ہے اور اسلام بھی اس کی اہمیت تسلیم کرتا ہے، فرق یہ ہے کہ اسلام کے سوا دنیا کے تمام نظام ہائے اقتصاد زمین اور زمین داروں کے ساتھ توازن پیدا نہیں کر سکے جس سے عالمی معیشت کو فروغ ہونے کے ساتھ ساتھ غریب انسانوں میں بھی خوش حالی اور فارغ البالی عام ہوتی۔ اسلام اسی توازن کا علم بردار ہے جو آج کے اقتصادی مارکیٹ میں نایاب ہے۔

اسلام نے ایک طرف زمینوں کو آباد کرنے کا جامع اور مکمل منصوبہ دیا اور انسانی معیشت کے وسائل کو زیادہ سے زیادہ متحرک بنانے کی کوشش کی تو دوسری طرف عام انسانوں کے ان سے مستفید ہونے کا ایسا کامل نظام پیش کیا جس کی نظیر نہیں پیش کی جا سکتی۔

یہ اسلام کا نظامِ عشر وخراج ہے۔ عشر وخراج زمین پر لگائے گئے ٹیکسوں کے دو نام ہیں۔ دونوں کا تعلق قابل کاشت زمینوں سے ہے جن کو انسان آباد کرتا ہے اور فائدہ اٹھاتا ہے۔ اسلامی حکومت قابل کاشت زمینوں کی پیداوار کا ایک حصہ اس لیے لیتی ہے تاکہ غریبوں، محتاجوں اور ضرورت مندوں کی امداد کے ساتھ مملکت کے انتظامی تقاضے پورے کر سکے۔ اس لحاظ سے عشر وخراج دونوں مشترک ہیں، مگر اس کے علاوہ دونوں کے درمیان کئی لحاظ سے فرق ہے۔ مثلاً :

عشر وخراج کے درمیانی امتیازات

۱۔ عشر صرف مسلمانوں پر واجب ہوسکتا ہے۔ غیر مسلموں پر نہیں اگر کسی غیر مسلم نے مسلمان سے عشری زمین خرید بھی لی تو اس زمین سے عشر ساقط ہوجائے گا اور اس پر خراج لازم ہوجائے گا جب کہ خراج ابتدائی مرحلے میں صرف غیر مسلموں پر واجب ہوسکتا ہے، مسلمانوں پر نہیں، البتہ اگر مسلمان کسی غیر مسلم سے خراجی زمین خریدلے تو ثانوی مرحلے میں اس پر خراج واجب رہے گا اور اس زمین سے خراج ساقط نہ ہوگا۔ (۱)

۲۔ اس فرق کی وجہ وہ بنیادی امتیاز ہے جو عشر وخراج کے درمیان پایا جاتا ہے کہ عشر ٹیکس ہونے کے ساتھ ساتھ عبادت کا بھی پہلو رکھتا ہے، ایک مسلمان اس ٹیکس کو ادا کرکے ایک طرف حکومت کے ساتھ وفاداری کا دم بھرتا ہے تو دوسری طرف خدا کے یہاں ثواب کا استحقاق بھی حاصل کرتا ہے، اس کے برخلاف خراج ٹیکس ہونے کے ساتھ عقوبت وسزا کا پہلو بھی رکھتا ہے اسی لیے وہ ابتداءً کسی مسلمان پر عائد نہیں کیا جاسکتا ہے، البتہ کوئی مسلمان جان بوجھ کر خراجی زمین خریدے اور اپنے کو خراج کی عقوبت میں گرفتار کرلے تو الگ بات ہے اسلام اس پر پابندی بھی عائد نہیں کرتا۔ (۲)

۳۔ عشر زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے اگر کوئی زمین قابل کاشت ہونے کے باوجود مالک زمین کی سستی یا کسی عذر کی بنا پر آباد نہ ہوسکی اور مالک کو اس سے کوئی پیداوار نہ حاصل ہوسکی تو اس پر عشر واجب نہ ہوگا، یا پیداوار ہوئی مگر اس کو سمیٹنے سے قبل ہی کسی آفتِ سماوی یا ارضی کی بنا پر وہ تباہ ہوگئی تو اس سے عشر ساقط ہوجائے گا، جب کہ خراج کے بارے میں تفصیل ہے کہ خراج کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) خراج موظف (۲) خراج مقاسمہ

خراج موظف وہ خراج ہے جو سالانہ ٹیکس کے طور پر کوئی نقد مقرر ہو خواہ پیداوار ہو یا نہ ہو ـــــــ اور خراج مقاسمہ یہ ہے کہ پیداوار کی مخصوص شرح حکومت کو مطلوب ہو جو عام حالات میں خمس (پانچویں حصہ) سے کم نہیں اور نصف سے زیادہ نہیں ہوتی۔

ان دونوں قسموں میں سے خراج موظف کا تعلق واقعی پیداوار سے نہیں ہوتا بلکہ زمین کی صلاحیت وقابلیت سے ہوتا ہے خواہ زمین آباد ہوسکے یا نہ ہوسکے، یہ خراج بہرصورت ادا کرنا ہوگا اگر مالک زمین کسی غفلت وکوتاہی کی بنا پر زمین

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۵۳ وتحفۃ الفقہاء ۱/۳۹۳ (۲) احکام القرآن للجصاص ۳/۱۴

قابل کاشت ہونے کے باوجود آباد نہ کرسکا تو بھی اس پر خراج لازم رہے گا الایہ کہ کسی آفت سماوی یا ارضی یا عذر شدید کی بنا پر یہ ہوا ہو تو اس کا خراج معاف ہوجائے گا۔ (۱)

البتہ خراج مقاسمہ جو ایک طرح سے حکومت کے ساتھ بٹائی کا معاملہ ہے اس کا تعلق فی پیداوار سے ہے، اگر کسی بنا پر زمین میں پیداوار نہ ہوسکی تو خراج معاف ہوجائے گا۔ (۲)

اس خراج میں ایک بات یہ بھی ہے کہ ہر فصل کے وقت یہ خراج ادا کرنا پڑے گا خواہ سال میں تین بار ہو، جب کہ خراج موظف سال میں صرف ایک بار ادا کرنا پڑتا ہے خواہ سال میں کتنی ہی بار فصل ہوتی ہو۔ (۳)

۴۔ عشر و خراج کے مابین ایک فرق اس لحاظ سے بھی ہے کہ عشر میں مالک زمین یا کاشت کار کی محنتوں کے لحاظ سے تفاوت ہوتا ہے اگر مالک زمین کو پانی خرید کر یا اخراجات ادا کر کے لانا پڑا اور اس کاشت میں کافی محنت و مشقت اور مصارف برداشت کرنے پڑے تو بیسواں حصہ واجب ہوگا[۳] جب کہ خراجی زمینوں میں اس قسم کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔

۵۔ عشر و خراج میں پانی کی نوعیت سے بھی فرق پڑتا ہے اگر زمین بارش کے پانی، کنوؤں، قدرتی چشموں یا دریاؤں اور ندیوں (جو قدرتی طور پر جاری ہیں نہ کہ ان کے جاری کرنے میں کسی کا دخل رہا ہو اور نہ وہ کسی کی ملک ہوں مثلاً عراق میں دجلہ و فرات، مصر میں نیل، خراسان میں جیحون و سیحون اور ہندوستان میں گنگا و جمنا وغیرہ) سے سیراب کی گئی ہو اور کل یا غالب حصہ اسی قسم کے پانی کا لگا ہو تو اس زمین کی پیداوار پر عشر واجب ہوگا، لیکن اگر زمین کو ان ندیوں، نہروں اور دریاؤں سے سیراب کیا گیا جن کو کسی نے کھود کر جاری کیا ہو یا کسی کی ملکیت میں ہو وہ زمین اگرچہ مسلمان کی ملکیت میں ہو مگر خراجی سمجھی جائے گی اور اس پر خراج ہی لازم ہوگا۔ (۴)

۶۔ عشر و خراج کے درمیان زمین کے لحاظ سے بھی فرق پڑے گا دونوں کے لیے کچھ مخصوص نوعیت کی زمینیں ہیں، جس زمین میں عشر واجب ہوگا اس میں خراج واجب نہیں ہوسکتا اور جس میں خراج واجب ہوگا اس میں عشر نہیں۔

عشری زمین

(۱) جزیرۃ العرب کی ساری زمین عشری ہے۔[۵]

---

(۱) ردالمحتار ۳/۳۸۲، تحفۃ الفقہاء ۱/۳۹۰، بدائع الصنائع ۲/۵۳ (۲) شامی ۳/۲۸۲ (۳) تحفۃ الفقہاء ۱/۳۹۶، ردالمحتار ۲/۵۵

(۴) تحفۃ الفقہاء ۱/۳۹۶، بدائع الصنائع ۲/۵۸، شامی ۲/۵ (۵) تحفۃ الفقہاء ۱/۳۹۲

تقویم البلدان میں لکھا ہے کہ جزیرۃ العرب میں پانچ علاقے شامل ہیں:

تہامہ - نجد - حجاز - عروض - یمن۔

حجاز کی جنوبی جانب کا نام "تہامہ" ہے اور حجاز و عراق کے درمیانی حصہ کا نام نجد ہے، اور حجاز وہ پہاڑی سلسلہ ہے جو یمن سے شروع ہو کر حدود شام تک پہونچتا ہے اسی میں مدینہ طیبہ اور شام کا ساحل "عمان" شامل ہے، اور عرض یمامہ سے بحرین تک ہے۔ یمن میں عدن بھی داخل ہے۔ (۱)

۲ ـــــ اسی طرح وہ زمین بھی عشری ہے جس کے باشندوں نے بخوشی اسلام قبول کر لیا ہو اور اسلامی حکومت نے ان کی زمینات کو انہی کی ملکیت میں بدستور رہنے دیا، جیسے مدینہ، طائف، یمن، بحرین یا کوئی بھی ایسا ملک جس کے باشندوں نے بخوشی اسلام قبول کر لیا ہو، مکہ بھی اسی ذیل میں آتا ہے اگرچہ وہ معمولی جنگ کے بعد فتح ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہِ احسان مکہ والوں کی زمین کو بھی عشری قرار دیا۔ (۲)

۳ ـــــ وہ زمینیں بھی عشری ہیں جن کو بزور شمشیر فتح کر کے خمس نکالنے کے بعد مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا ہو، چوں کہ یہ زمینیں ابتداءً مسلمانوں کی ملکیت میں آئیں اس لیے ان پر عشر کا وظیفہ عائد کرنا ہی زیادہ مناسب ہے۔ (۳)

۴ ـــــ اسی طرح وہ لاوارث اور غیر آباد زمینیں جو حکومت نے کسی مسلمان کو بطور جاگیر مالکانہ حقوق کے ساتھ دے دی ہو تو یہ زمینیں بھی عشری ہوں گی (۴)

۵ ـــــ وہ زمینیں جو ناقابل زراعت تھیں اور ان کا کوئی مالک نہ تھا ان کو کسی مسلمان نے حکومت کی اجازت سے آباد کیا تو امام محمد رح کے اصول کے مطابق اگر عشری پانی سے سیراب کی گئی ہوں تو عشری ہوں گی اور خراجی پانی سے کی گئی ہوں تو خراجی ہوں گی۔ اور امام ابو یوسف رح کے اصول کے مطابق اگر زمین کے آس پاس عشری زمینیں ہوں تو وہ زمین بھی عشری ہوں گی اور اگر خراجی ہوں تو خراجی ہو گی اور اگر آس پاس دونوں زمینیں ہو تو وہ زمین عشری قرار پائے گی۔ (۵)

خراجی زمینیں

(۱) یہ وہ زمین خراجی ہے جس کو بزور فتح کیا گیا ہو اور اس کے مالک کا قبضہ برقرار رکھا گیا ہو

---

(۱) تحفۃ الفقہاء ۱/۳۹۲ (۲) جواھر الفقہ ۲/۲۵۱ بحوالہ رد المحتار باب العشر والخراج (۳) تحفۃ الفقہاء ۱/۲۹۲، کتاب الاموال لابی عبید ص۵۱۳ (۴) تحفۃ الفقہاء ۱/۳۹۲، کتاب الاموال لابی عبید ص۵۱۲ (۵) رد المحتار ۲/۳۰۶

بشرطیکہ اس قسم کی زمینوں کے مالکین ملک کے فتح ہوتے ہی مسلمان نہ ہو گئے ہوں۔ خراج کے مقرر ہو جانے کے بعد اگر وہ مسلمان بھی ہو جائیں تو بھی خراج ساقط نہ ہوگا، مثلاً عراق، اہواز، فارس، اصبہان، رے اور شام کے علاقے۔

(۲) اسی طرح وہ زمینیں بھی جن کے باشندوں کو جلا وطن کر دیا گیا ہو اور وہ دوسرے مالکین کے حوالے کر دی گئی ہوں۔

(۳) اسی طرح اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ فتح ہوا تو صلح نامے میں جو شرائط ہوں گی ان کا پاس و لحاظ کرنا لازمی ہوگا اگر صلح میں یہ طے ہوا کہ ملک کی زمینیں ان کے مالکین کے قبضے میں بدستور رہیں گی اور اسلامی حکومت ان کو ضبط نہیں کرے گی تو ان زمینوں پر خراج متعین کر دیا جائے گا اور وہ زمینیں خراجی قرار پائیں گی، مثلاً عہد نبوی کی مفتوحات میں نجران، ایلہ، دومۃ الجندل، فدک وغیرہ اور بعد کی فتوحات میں آرمینیا کے بعض علاقے اور خراسان کا اکثر حصہ وغیرہ۔ (۱)

(۴) وہ زمین بھی خراجی ہوگی جو غیر آباد تھی اور کسی مسلمان نے اس کو خراجی پانی کے ذریعے آباد کیا۔

(۵) اسی طرح وہ غیر آباد زمینیں بھی خراجی ہیں جن کو کسی غیر مسلم شہری نے حکومت کی اجازت سے آباد کیا ہو یا کسی غیر مسلم کو مسلمانوں کی طرف سے جنگ میں اچھی کارکردگی کے صلے میں حکومت نے دی ہوں تو یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی۔ (۲)

(۶) وہ زمین جس پر کسی غیر مسلم کا رہائشی مکان تھا مگر اس نے اس کو توڑ کر باغ میں تبدیل کر دیا تو یہ زمین بھی خراجی ہوگی۔

(۷) اور اگر کسی عشری زمین کو کسی غیر مسلم نے مسلمان سے خرید لی تو یہ زمین عشری نہیں رہے گی بلکہ خراجی ہو جائے گی۔ (۳)

خراج کی مقدار اور نوعیت

خراج کی دو قسمیں ہیں: خراج موظف اور خراج مقاسمہ

(۱) خراج مقاسمہ کے بارے میں گذر چکا ہے کہ یہ بٹائی کی ایک قسم ہے کہ حکومت اسلامیہ غیر مسلموں کی زمینیں انہی کی ملکیت میں چھوڑ دے اور ان پر کل پیداوار کا ایک مخصوص حصہ مثلاً چوتھائی، تہائی یا نصف وغیرہ مقرر کر دے خراج کی یہی وہ شکل ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ اختیار فرمائی تھی۔ اس خراج کا حکم

---

(۱) کتاب الاموال ۱/۵۱۴ و کتاب الخراج لابی یوسف /۶۹ (۲) تحفۃ الفقہاء ۱/۲۹۲-۲۹۴

(۳) تحفۃ الفقہاء ۱/۲۹۶

وصولی کے باب میں عشر کی طرح ہے کہ جس طرح عشر کا تعلق خالص پیداوار سے ہے اس کا تعلق بھی پیداوار سے ہے پیداوار نہ ہونے کی صورت میں عشر کی طرح یہ بھی ساقط ہو جائے گا، البتہ مصارف کے باب میں یہ عشر سے جداگانہ حکم رکھتا ہے عشر کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں، جب کہ خراج کے مصارف تمام امور خیر ہیں۔ (۱)

(۲) خراج مؤظف یہ ہے کہ زمین کی صلاحیت کے لحاظ سے سالانہ ٹیکس مقرر کر دیا جائے اس صورت میں خواہ پیداوار ہو یا نہ ہو بہر صورت اس کو یہ خراج ادا کرنا پڑے گا۔

خراج مؤظف کی مقدار کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ منقول ہے کہ

واما اذا اراد الامام توظيف الخراج على ارض ابتداء و زاد على وظيفة عمر فانه لايجوز عند ابی حنيفة وهو الصحيح لان عمر لم يزد لما اخبر بزيادة الطاقة ۔(۲)

امام جب کسی زمین پر ابتداءً خراج لگانے کا ارادہ کرے تو امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک حضرت عمر رض کی مقدار سے لگانا جائز نہیں اور یہی صحیح ہے اس لیے کہ زمین کے خراج کے زیادہ طاقت رکھنے کے باوجود حضرت عمر رض نے خراج نہیں بڑھایا۔

عراق کی فتح کے بعد حضرت فاروق اعظم نے حضرت عثمان بن حنیف سے جو پیمائش کے ماہر تھے عراق کی پیمائش کرائی چنانچہ حضرت حذیفہ نے کی تو پہاڑ، جنگل اور نہروں کو چھوڑ کر قابل زراعت زمین کا کل رقبہ تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب قرار پایا ان میں سے شاہی جاگیروں، آتش کدوں کے اوقاف، لاوارثوں، مفروروں اور باغیوں کی جائدادوں وقف زمینوں، شاہراہوں، دریا ڈاک کے مصارف کی زمینوں اور جنگل کو خالصہ قرار دے کر رفاہِ عام کے لیے وقف کر دیا جس کا ... لاکھ سالانہ ہوتا تھا اور باقی تمام زمینوں کو مالکان کی ملکیت تسلیم کر کے ان پر حسب ذیل خراج مقرر فرمائے۔

گیہوں	فی جریب	(سوا دو بیگھہ خام)	پون بیگھہ پختہ	۴	درہم
جو	〃	〃	〃	۱	〃
نیشکر	〃	〃	〃	۶	〃
روئی	〃	〃	〃	۵	〃
انگور	〃	〃	〃	۱۰	〃
کھجور	〃	〃	〃	۱۰	〃

---

(۱) تحفۃ الفقہاء ج۱ ص۵۰۰ شامی ج۳ ص۵۵ (۲) البحر الرائق ج۵ ص۱۱۰ (۳) ھدایہ باب العشر والخراج

تل	فی جریب	(سواد و بیگھہ خام)	پون بیگھہ پختہ	۸ درہم
ترکاری	″	″	″	۳ ″

اور عمدہ پیداوار اور عمدہ زمینوں کے اعتبار سے کسی کسی جگہ گیہوں پر فی جریب چار درہم اور جَو پر دو درہم خراج مقرر ہوا اس شرح سے حضرت فاروق اعظم کے زمانے میں عراق کا خراج آٹھ کروڑ ساٹھ لاکھ درہم تھا۔

مصر کی حالت پیداوار نیل کے سبب سے چوں کہ بہت عمدہ رہتی تھی اس لیے وہاں کے لگان کی شرح اس سے زیادہ مقرر کی گئی تھی مگر اس اصول کے ساتھ کہ لگان کم سے کم ہو، زیادہ سے زیادہ نہ ہو اور چوں کہ نیل کی طغیانی اور غیر طغیانی سے سالانہ پیداوار میں فرق پڑتا تھا اس لیے ہر سال جب ادائے گی قسط کا وقت آتا تھا تو مقامی زمیندار، مکھیا، کاشت کار اور ماہرین تخمینہ کو جمع کر کے سب کے مشورہ سے تخمینہ کرایا جاتا تھا۔(۱)

ترکاری کے بارے میں صاحب ہدایہ کی تصریح یہ ہے کہ فی جریب پانچ درہم خراج حضرت عمرؓ نے مقرر فرمایا تھا۔(۲) اسی کو ہمارے اکابر میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور مفتی رشید احمد صاحب پاکستان نے بھی اختیار کیا ہے۔(۳) علامہ سمرقندی کی بھی یہی تحقیق ہے۔(۴)

ان کے سوا دوسرے پھلوں کے باغات اور دوسری قابل کاشت چیزیں جن کا خراج حضرت عمرؓ نے مقرر نہیں فرمایا ان کے متعلق فقہائے کرام کا فیصلہ یہ ہے کہ زمین کی برداشت کے مطابق خراج لگایا جائے گا، جو خمس سے کم نہ ہو اور نصف سے زائد نہ ہو اور اندازہ لگانے کے بعد تجربہ سے ثابت ہو کہ پیداوار اتنی نہیں ہے تو اس کے مناسب کمی کردی جائے۔(۵)

اور اگر اندازہ لگانے کے بعد تجربہ سے ثابت ہو کہ پیداوار کی شرح اندازے سے کہیں زیادہ ہے تو مقررہ خراج میں اضافہ کیا جائے گا یا نہیں؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے مناسب اضافہ کردیا جائے گا اور امام ابو یوسفؒ کا مسلک یہ ہے کہ اضافہ نہیں کیا جائے گا۔(۶)

بحر الرائق کے حوالے سے پیچھے حضرت عمرؓ کا معمول اور امام ابو حنیفہ رحؒ کا مسلک یہ نقل کیا جاچکا ہے کہ اندازہ سے بڑھ جانے کی صورت میں خراج موظف کی مقدار میں اضافہ نہیں کیا جائے گا، حضرت عمرؓ کے زمانے میں خراجی زمینوں کی شرح پیداوار اندازے سے کافی بڑھ گئی تھی مگر پھر بھی حضرت عمرؓ نے اس میں اضافہ نہ فرمایا۔(۷)

(۱) اسلام کا اقتصادی نظام مولانا حفظ الرحمٰن صاحب بحوالہ کتاب الخراج ۳۶/۳۷، ۳۸ (۲) ہدایہ ۱/۵۹۲ (۳) جواہر الفقہ ۲/۲۸۶

واحسن الفتاوی ۴/۳۴۶ (۴) تحفۃ الفقہاء ۱/۴۹۹ (۵) ہدایہ باب العشر والخراج کتاب السیر

(۶) تحفۃ الفقہاء ۱/۵۰۱ (۷) بحر الرائق ۵/۱۱۷

خراج کے باب میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اگر فتح کے وقت خراج موظف عائد کیا گیا تھا تو بعد میں حکومت مالکین اراضی کی مرضی کے بغیر اس کو منسوخ کر کے خراج مقاسمہ عائد نہیں کر سکتی اسی طرح اس کے برعکس بھی جائز نہیں ہے اس لیے کہ اس صورت میں عہد شکنی لازم آئے گی البتہ رضامندی کی صورت میں کوئی مضائقہ نہیں۔(۱)

اراضی ھند وپاک کا شرعی حکم

(محور چہارم)

یہ اسلام کے نظام عشر و خراج کی ہلکی سی جھلک تھی جو پیش کی گئی، پوری تفصیل فقہ کی مبسوط کتابوں میں موجود ہے اصل مسئلہ جو اس روشنی میں ہمیں طے کرنا ہے وہ یہ ہے کہ ہند و پاک کے اراضی کا شرعی حکم کیا ہے؟ مگر اس کے شرعی حکم کی دریافت کے لیے چند سوالات کا حل ہونا ضروری ہے مثلاً

۱ ـــــ مشترکہ ہندوستان سب سے پہلے جس وقت محمد بن قاسم نے فتح کیا تھا اس وقت یہاں کی زمینیں ان کے مالکین کے پاس چھوڑ دی گئیں یا حکومت کی تحویل میں آنے کے بعد مجاہدین میں تقسیم کر دی گئیں؟

۲ ـــــ اور اگر ان کے مالکوں کے پاس ہی وہ زمینیں چھوڑ دی گئیں تو وہ فتح کے وقت ہی مسلمان ہو چکے تھے یا حالت کفر پر برقرار رہے؟

۳ ـــــ محمد بن قاسم نے ان زمینوں پر کس قسم کا خراج مقرر کیا تھا اور اس کی مقدار کیا تھی؟؟

۴ ـــــ محمد بن قاسم کی فتوحات کی حدود کیا تھیں، ہندوستان کے دوسرے علاقے جو بعد میں فتح ہوئے ان کے ساتھ مسلم حکمرانوں نے کیا معاملہ کیا؟؟

۵ ـــــ محمد بن قاسم کے بعد ہندوستان کی زمینوں کی پوزیشن کیا رہی؟ حکومتوں کے انقلابات یا بغاوتوں کے مثبت یا منفی اثرات ان پر پڑے یا نہیں؟

۶ ـــــ صدیوں کی طویل اسلامی حکومت کے بعد انگریزی تسلط سے یہاں کی زمینوں کی حیثیت پر کیا فرق پڑا؟

۷ ـــــ اور پھر آزادی اور تقسیم کے نتیجے میں ہندوستان اور پاکستان کی زمینوں کی پوزیشن کیا رہی؟

یہ وہ سوالات ہیں جن کو حل کیے بغیر اراضی ہند کا شرعی حکم دریافت کرنا بہت مشکل ہے، مگر افسوس

---

(۱) المحتہ ۔ ص ۲۰۶

کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان میں سے بہت کم سوالات ہیں جن کے جوابات ہم معلوم کر سکے ہیں، علمائے کرام نے بہت کم اس موضوع پر رسالے لکھے ہیں اور جن حضرات نے لکھے بھی ہیں تو پورے ہندوستان کے حالات پر نہیں بلکہ کسی خاص خطے کے حالات پر لکھے ہیں، جو کتابیں یا مقالات دیکھنے یا سننے میں آئیں وہ سب زیادہ سے زیادہ اراضی ہند کے حالات سے سے بحث کرتے ہیں جن کی حدود میں سندھ کے علاوہ ملتان، بھاولپور اور پنجاب شامل تھے بلکہ صوبہ گجرات اور راجپوتانہ کو بھی محمد بن قاسم کی فتوحات میں داخل سندھ اور اس کا جزء قرار دیا گیا تھا، ان کے علاوہ باقی ہندوستان جو بعد کے ادوار میں فتح ہوا ان کے حالات کے بارے میں کوئی روشنی نہیں ملتی۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی کتاب "اسلام کا نظام اراضی" کے چھٹے باب میں ہند و پاک کی زمینوں پر بحث کرتے ہوئے مولانا ہمایونی رحہ کے ایک قلمی رسالہ "سراج الہند فی تحقیق خراج السندھ" کا حوالہ دیا ہے اور جابجا اس کے اقتباسات بھی نوٹ کیے ہیں۔

محقق ہمایونی کے بارے میں تاریخی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے کہ وہ کون تھے؟ کیا تھے؟ زیادہ سے زیادہ ان کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا زمانہ حضرت مخدوم ہاشم ٹھٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کا ہے۔

محقق ہمایونی نے اپنی کتاب میں جن کتابوں سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) مخدوم عبدالواحد سیوستانی رحہ کی کتاب "بیاض واحدی"

(۲) شیخ ابوالحسن سندھی کی کتاب "رفع الغریۃ"

(۳) مخدوم محمد عارف کی ایک بیاض

(۴) مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی کی کتاب "اتحاف الاکابر"

ان علماء میں شیخ ابوالحسن سندھی کو ابوالحسن دہری بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ یہ راجہ داہر کی نسل سے ہیں، راجہ داہر قدیم ہند و سندھ کا حکمران تھا۔ محمد بن قاسم کے مقابلے میں اس کو شکست ہوئی، بعد میں راجہ داہر کا بیٹا جیسیہ مسلمان ہوگیا تھا سنا گیا ہے کہ ابھی تک سندھ میں ایک قوم "دہری" کے نام سے موسوم ہے۔ جس کو لوگ عموماً ڈیری کہنے لگے ہیں، ممکن ہے کہ شیخ ابوالحسن سندھی اور یہ ڈیری قوم جیسیہ کی اولاد ہوں۔ (۱)

محقق ہمایونی کے اس رسالہ کی بنا پر سندھ کے بارے میں صورت حال کافی واضح ہوگئی ہے اور علماء نے

---

(۱) جواھر الفقہ ۲/ ۲۵۸

اس کی روشنی میں بہت حد تک یقین کے ساتھ اراضی سندھ کے متعلق کلام کیا ہے اگر ہندوستان متحد ہوتا اور تقسیم نہ ہوا ہوتا تو صرف ایک انداز سے بحث کی جاسکتی تھی مگر تقسیم کے بعد مسلم اور غیر مسلم ملکوں (پاکستان اور ہندوستان) میں بٹ جانے کی بنا پر بہت سی نئی شکلیں پیدا ہوگئی ہیں۔

اراضی پاکستان

۱ــــ تقسیم کے بعد غیر مسلموں کی متروکہ زمینیں جو حکومت پاکستان کے درمیان تبادلۂ اراضی کا معاہدہ ہوا تھا مگر جلد ہی ٹوٹ گیا اور وہ تمام زمینیں حکومت کے بیت المال کی ملک میں آگئیں پھر جب پاکستان نے وہ زمینیں مسلمانوں کے حوالے کیں تو ابتداءً مسلمانوں پر عشر ہی واجب ہوتا ہے اس لیے وہ زمینیں عشری قرار پائیں گی۔

۲ــــ غیر مسلموں کی متروکہ غیر آباد اراضی جو حکومت پاکستان نے کسی مسلمان کو عاریت یا اجارہ یا مزارعت کے طور پر دی ہوں نہ عشری ہیں نہ خراجی، اس لیے کہ یہ اراضی سلطانیہ میں داخل ہیں جیسا کہ شامی کی اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے۔

وھذا نوع ثالث یعنی لا عشریۃ ولا خراجیۃ من الاراضی تسمی ارض المملکۃ واراضی الحوز وھو موات اربابہ بلا وارث وآل لبیت المال اوفتح عنوۃ وابقی للمسلمین الی یوم القیامۃ۔ (۱)

اور حکومت جو کچھ لگان ایسی زمینوں پر سے وصول کرتی ہے وہ اجرت الارض ہے عشر و خراج نہیں۔(۲)

۳ــــ اسی طرح وہ اراضی جو پاکستان بننے سے پہلے غیر آباد تھیں کسی شخص کی ملکیت میں داخل نہیں تھیں پھر انگریزی حکومت نے آب رسانی کے وسائل مہیا کر کے وہ زمینیں قیمتاً یا بلا قیمت مسلمانوں کے درمیان مالکانہ طور پر تقسیم کر دیں تو وہ عشری ہیں اور جو غیر مسلموں کو دی گئیں وہ خراجی ہیں۔

۴ــــ اسی طرح جو غیر آباد زمینیں حکومت پاکستان نے اپنے قیام کے بعد مسلمانوں کو بہ قیمت یا بلا قیمت مالکانہ طور پر دیں وہ بھی عشری ہیں بشرطیکہ امام ابو یوسف رحہ کے اصول کے مطابق آس پاس کی زمینیں بھی عشری ہوں یا عشری و خراجی دونوں طرح کی زمینیں ہوں اور اگر قرب و جوار میں ساری زمینیں خراجی ہوں تو یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی۔

---

(۱) شامی ج۳ ص۳۵ (۲) رد المحتار ج۳ ص۳۹

اور امام محمد رح کے اصول کے مطابق ان غیر آباد زمینوں کو اگر عشری پانی سے سیراب کیا گیا ہو تو یہ عشری ہوں گی اور اگر خراجی پانی سے سینچا گیا ہو تو خراجی ہوں گی۔

علامہ شامی رح نے امام ابو یوسف رح کے قول کے بارے میں کہا کہ

وبا لاول یفتی درمنتقی (۱) ـــــــ اور فتویٰ پہلے قول پر ہے۔

۵ ـــ ان اراضی کے علاوہ پاکستان کی وہ زمینیں جو غیر مسلموں کی ملکیت میں ہیں وہ بلاشبہ خراجی ہیں۔

اراضی ھند

۱ ـــ تقسیم کے بعد سلمانوں کی متروکہ زمینیں حکومت ہند نے عموماً ان غیر مسلموں میں تقسیم کردی تھیں جو پاکستان چھوڑ کر ہندوستان آئے تھے یہ زمینیں کافر کی ملکیت میں جانے کی بنا پر خراجی ہیں۔

۲ ـــ اسی طرح وہ زمینیں جو حکومت ھند نے مسلمانوں میں تقسیم کیں وہ بھی خراجی ہیں اس لیے کہ حکومت کافرہ کا استیلا، ان پر بہرحال ثابت اور اس کی وجہ سے اگر کوئی زمین عشری بھی ہوتی تو خراجی بن جاتی۔

ہندوستان اور پاکستان کی یہ زمینیں جن کا ذکر ابھی کیا گیا ان کے احکام کے بارے میں کوئی کلام نہیں ہے محل کلام ان کے علاوہ وہ زمینیں ہیں جو تقسیم کے قبل سے ہی مسلمانوں کی ملک میں ہیں اور نسلاً بعد نسل وہ مسلمانوں ہی کی ملک میں چلی آرہی ہیں ان کے عشری و خراجی ہونے کا مدار اس تحقیق پر ہے کہ ھندوستان کی اولین فتوحات کے وقت وہ کس کی ملک میں تھیں، اگر وہ کسی مسلمان کو مالکانہ طور پر دی گئیں یا مالک زمین فتح کے وقت ہی بخوشی مسلمان ہوگیا تو وہ عشری ہوں گی اور اگر وہ ہندو مالک کے قبضہ و ملک ہی میں رہیں اور ان پر خراج عائد کیا گیا پھر اس سے مسلمانوں نے خریدا یا کسی جائز صورت سے حاصل کیا تو وہ خراجی ہوں گی۔ یا یہ صورت ہوئی کہ اول فتح کے وقت یہ غیر آباد اور کسی کی ملک میں نہ تھیں کسی مسلمان نے حکومت کی اجازت سے ان کو آباد کیا اور عشری پانی سے سیراب کیا تو یہ زمینیں عشری ہوں گی اور خراجی پانی سے سیراب کیا تو خراجی ہوں گی یا ایسا ہوا ہوگا کہ یہ زمینیں غیر آباد رہی ہوں گی اول فتح کے بعد کسی غیر مسلم نے ان کو حکومت کی اجازت سے آباد کیا ہو اور پھر مسلمان نے ان کو خرید کر یا کسی جائز صورت سے ان کو حاصل کرلیا ہو تو یہ خراجی ہوں گی۔

---

(۱) رد المحتار ج۳ ص۲۶۴

مگر مشکل یہ ہے کہ پورے ہندوپاک میں ہر سلمان کی زمین کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ یہ زمین کس نوعیت سے اس کے پاس آئی کوئی آسان نہیں ہے وہ بھی جب کہ اس واقعہ پر صدیاں بیت گئی ہوں ——— ایسی صورت حال میں اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ جن علاقوں کی زمینوں کے بارے میں صورت حال معلوم ہو ان کے بارے میں اسی حساب سے فیصلہ کیا جائے، اور جن علاقوں کے بارے میں یہ تفصیلات معلوم نہ ہوں وہاں استصحاب حال کو دلیل راہ بنایا جائے۔

محقق ہمایونی کی تحقیق کے مطابق سندھ کے اکثر علاقے (بعض علاقوں کا استثنا کر کے) بزور شمشیر فتح کیے گئے اور اس کی زمینیں وہاں کے رہنے والوں کی ملکیت میں برقرار رکھ کر ان پر خراج مقرر کیا گیا جو ہمایونی کی تصریح کے مطابق پیداوار کا پانچواں حصہ تھا، صرف بعض علاقے ایسے تھے جن کے باشندے اول فتح کے وقت ہی بخوشی مسلمان ہو گئے تھے، مثلاً مردم چنہ اور برہمن آباد وغیرہ کا علاقہ، تو ان علاقوں کی زمینیں عشری ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر ہمایونی کے رسالے کے چند اقتباسات نقل کر دیے جائیں۔

قد ثبت فی کتب التاریخ ان فتح السند کان فی سنة ثلاث وتسعین وکان عنوة الا مردم چنہ اسلموا طوعًا علی ما صرحوا بہ فی التاریخ۔

کتب تاریخ سے ثابت ہے کہ سندھ کی اسلامی فتح ۹۳ھ میں جنگ و جہاد کے بعد ہوئی بجز مقام مردم چنہ کے جنھوں نے تاریخی صراحت کے مطابق اول فتح کے وقت ہی بخوشی اسلام قبول کر لیا تھا۔

اس عبارت کے نقل کرنے کے بعد علامہ ہمایونی اپنا فیصلہ تحریر کرتے ہیں:

"از اں امت فقہائے اسلام آں روئے آب را کہ در تصرف مردم چنہ بود عشری می گویند (اسی بنا پر فقہائے اسلام نے اس پوری ساحلی پٹی کو جو اہل مردم چنہ کے تصرف میں تھی عشری قرار دیا ہے)"

علامہ ہمایونی نے مخدوم عبدالواحد سیوستانی کی کتاب "بیاض واحدی" سے ایک یہ عبارت نقل کی ہے کہ مخدوم عبدالواحد نے شیخ ابوالحسن سندھی کے حوالے سے لکھا ہے:

ما سمعت من احد وما وجدت من کتاب ان محمد بن قاسم وضع العشر علی ارض السند ولو وضع لنقل۔

میں نے کسی سے سنا اور نہ کسی کتاب میں دیکھا کہ محمد بن قاسم نے سندھ کی زمینوں پر عشر لگایا ہو اور اگر وہ عشر لگاتے تو یقیناً ان کا حکم نافذ ہوتا اور وہ معروف و مشہور ہوتا۔

اس عبارت سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ سندھ کی زمینوں پر اول فتح کے وقت عشر نہیں لگایا گیا تھا، ہمایونی نے

مخدوم محمد عارف کی بیاض کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ

الظاهر أن أرض السند والهند خراجية وخراجها الخمس كما حققه الشيخ المحقق الدهري في رسالته المسماة برفع الغرية ونقل فيها عن جامع الفتاوى الناصري ان ارضنا عشرية ولكن ضعف هذا النقل۔ (۱)

ظاہر ہے کہ ہند و سندھ کی زمینیں خراجی ہیں اور ان کا خراج پیداوار کا پانچواں حصہ ہے جیسا کہ محقق دہری (شیخ ابوالحسن سندھی) نے اپنے رسالہ "رفع الغریہ" میں ذکر کیا ہے اور اسی رسالہ میں جامع الفتاویٰ الناصری کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے کہ ہماری زمینیں (یعنی سندھ کی) عشری ہیں، لیکن مصنف رسالہ نے اس نقل کو ضعیف قرار دیا ہے۔

خواجہ مخدوم عارف کی اس عبارت میں بھی مدار تحقیق شیخ ابوالحسن سندھی ہی ہیں، اس عبارت میں خواجہ ابوالحسن کی تحقیق صراحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ ہندوستان کی زمینیں خراجی ہیں، مگر ہند سے مراد یہاں ہندوستان کے صرف وہ علاقے ہیں جو محمد بن قاسم کی فتوحات کے وقت سندھ میں شامل تھے، البتہ شیخ ابوالحسن نے جامع الفتاویٰ الناصری کے بیان پر جو تنقید کی ہے وہ محل کلام ہے۔ صاحب فتاویٰ ناصری نے اپنے علاقے کے بارے میں خبر دی ہے کہ ہمارے علاقے کی زمینیں عشری ہیں اس کو ضعیف قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے کیوں کہ شیخ ابوالحسن کو جب خود یہ تسلیم ہے کہ سندھ کا پورا علاقہ خراجی نہیں ہے بلکہ بعض علاقوں کے لوگ اول فتح کے وقت ہی مسلمان ہو گئے تھے، مثلاً خود انھوں نے مردم جینہ کا حوالہ دیا ہے کہ وہاں کے لوگوں نے اول فتح کے دن ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔

اسی طرح مورخ بلاذری نے راجہ داہر کے پایہ تخت "برہمن آباد" کے متعلق بھی کچھ اس قسم کے حالات لکھے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے اکثر لوگ بھی فتح کے وقت مسلمان ہو گئے تھے، اسی طرح بلاذری نے تاریخی حوالوں کی روشنی میں یہ بھی لکھا ہے کہ سندھ کے بعض علاقے مجاہدین کو جاگیر کے طور پر دیے گئے تھے اور مالکانہ طور پر ان کا قبضہ ان اراضی پر کرا دیا گیا تھا۔[۲]

اسی کے ساتھ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ولید بن عبدالملک کے آخری عہد میں جب اسلامی حکومت کی گرفت سندھ پر ڈھیلی پڑی تو راجہ داہر کے بیٹے جیسیہ نے بغاوت کر کے برہمن آباد پر قبضہ کر لیا اور خود مختار بادشاہ بن گیا اس کو دیکھ کر سندھ کی دوسری متعدد ریاستوں کے راجا بھی باغی ہو کر خود مختار بن گئے، یعنی سندھ کے یہ علاقے ایک بار پھر دارالحرب بن گئے۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا دور آیا تو انھوں نے ان راجاؤں کے نام

---

(۱) جواہر الفقہ ۲/۲۵۳-۲۵۵ (۲) فتوح البلدان للبلاذری ص ۴۲۵ بحوالہ احسن الفتاویٰ ۲/۳۰۷

خطوط لکھے جس میں اول ان کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی پھر اطاعت کی، راجہ داہر کا بیٹا اس غائبانہ دعوت سے اتنا متاثر ہوا کہ مسلمان ہوگیا۔ دوسرے راجاؤں نے بھی اسلام قبول کرلیا اس طرح سندھ کے یہ علاقے دوبارہ اسلامی حکومت کے زیرنگیں اس شان سے آئے کہ ان کے باشندے مسلمان تھے اور ان کی تمام زمینیں ان کی ملکیت میں تھیں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انہی نومسلم راجاؤں کو ان ریاستوں کا گورنر مقرر کیا اور ان کی زمینیں ان کی ملکیت میں برقرار رکھیں اس صورت میں ظاہر ہے کہ ان مسلمانوں کی زمینوں پر خراج عائد نہیں کیا جاسکتا تھا، قاعدہ کے مطابق یہ زمینیں عشری ہی ہوں گی۔ (۱)

اس کے علاوہ اسلامی فتوحات کے بعد بہت سے نئے شہر اور نئی بستیاں بسائی گئیں، ان کی زمینوں کے مالک ابتداءً مسلمان ہی ہوتے جنھوں نے حکومت کی اجازت سے ان کو آباد کیا اور بہت سی زمینیں عشری پانی سے سیراب کی گئیں تو یہ زمینیں بھی قاعدے کی رو سے عشری قرار پائیں گی۔

اس تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ خود سندھ کا بھی ایک بڑا علاقہ عشری ہے ـــــــ اس لیے سندھ کی صرف انھیں زمینوں پر خراج عاید کیا جاسکتا ہے جن کے بارے میں یقین یا گمان غالب کے ساتھ معلوم ہو کہ یہ فتح اول کے وقت غیرمسلموں کے ملک میں رہیں اور بعد میں ہونے والی بغاوت میں وہاں کے لوگ شریک نہیں ہوئے تھے اور اس طرح اسلامی حکومت کی تشکیل کے وقت وہ مسلمان نہیں تھے ـــــــ لیکن جن علاقوں کے بارے میں معلوم ہو کہ یہاں کے لوگ فتح اول کے وقت ہی مسلمان ہوگئے یا بعد میں ہونے والی بغاوت میں شرکت کے بعد اسلام لے آئے تھے ان کو عشری ہی کہنا ہوگا، جب تک کہ اس کا ثبوت نہ مل جائے کہ درمیان میں ان زمینوں کے کسی حصے کو کسی غیرمسلم نے خرید لیا تھا اس کے بعد مسلمان کے پاس آیا۔

اسی طرح سندھ یا ہندوپاک کی بقیہ وہ تمام آراضی جو بعد کے ادوار میں مفتوح ہوئیں اور جن کی تفصیلات معلوم نہیں ہیں اور وہ نسلاً بعد نسلٍ مسلمانوں ہی کے قبضے میں چلی آرہی ہیں اور درمیان میں کسی غیرمسلم کی ملکیت کا ثبوت نہیں ہے تو ان کو استصحاب حال کی بناپر عشری ہی قرار دیا جائے گا اور یہی سمجھا جائے گا کہ یہ زمینیں اول فتح کے وقت ہی سے مسلمانوں کے قبضے میں چلی آرہی ہیں۔

حضرت شاہ جلال تھانیسری رح نے اپنی کتاب "احکام الاراضی" میں یہی ثابت کیا ہے کہ آج جو زمینیں مسلمانوں

---

(۱) تاریخ الکامل لابن اثیر ج۴، ۲۲۴

کے پاس ہیں وہ عشری ہیں اور ان کے عشر کو محض اس بنا پر مشتبہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہندوستان کی زمینوں کے ابتدائی مالکان غیر مسلم تھے پھر مسلمان ان کے ابتدائی مالک کیسے بن گئے؟ ——— اس لیے کہ اس مقام پر جہاں اور بہت سے احتمالات ہیں وہیں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ زمینیں غیر آباد یا لاوارث ہو کر اسلامی حکومت کے بیت المال کی ملکیت میں چلی گئی ہوں پھر حکومت اسلامیہ نے کسی مسلمان کو از خود یا فرمائش کی بنا پر یہ زمینیں جاگیر کے طور پر یا قیمت کے ساتھ دے دی ہوں اور اس طرح ان کا پہلا مالک مسلمان بنا ہو۔ (۱)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا صرف پاکستان کی اس قسم کی اراضی کے بارے میں یہی خیال ہے، حضرت تھانوی رحمہ نے بھی امداد الفتاویٰ میں ہند و پاک کی ان تمام زمینوں کو عشری قرار دیا ہے جو نسلاً بعد نسل مسلمانوں کے پاس چلی آ رہی ہیں اور دلیل وہی استصحاب حال ہے (۲) ——— یوں امداد الفتاویٰ میں حضرت کے مختلف الجواب فتاویٰ منقول ہیں مگر حضرت کا رجحان عشری ہونے کی طرف ہے۔

مفتی رشید احمد پاکستانی نے بھی احسن الفتاویٰ میں اسی قسم کی بات لکھی ہے اور حضرت تھانوی رحمہ کے موقف کی تائید کی ہے۔ (۳)

حقیقتِ واقعی

لیکن اگر ہم کتب تاریخ کی صراحت پر نظر رکھیں کہ محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد ہندوستان کے دوسرے علاقے جن کی فتوحات غزنوی عہد اور غوری حکومت سے شروع ہو کر علاء الدین خلجی تک تمام ہوئیں ان تمام علاقوں کی زمینیں عموماً ان کے ہندو مالکان ہی کی ملک اور قبضہ میں باقی رکھی گئیں اور ان پر خراج عائد کیا گیا تھا، جیسا کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی کتاب "اسلام کا نظام آراضی" کے باب دوم میں تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے۔

اگر یہ تحقیق درست ہے تو ہندوستان کی بقیہ آراضی کے بارے میں کم از کم اتنی بات ماننی پڑتی ہے کہ ان کے اولین مالکین غیر مسلم ہی تھے اور بعد کے ادوار میں اسلامی تبلیغ کے زیر اثر وہ خود ہی مسلمان ہوئے جیسا کہ حضرت خواجہ اجمیری رحمہ کے بارے میں مشہور ہے یا یہ کہ ان غیر مسلموں سے مسلمانوں نے خرید لیا یا کسی جائز صورت سے حاصل کیا، اس لحاظ سے ہندوستان کی آراضی عموماً خراجی ہیں۔

---

(۱) جواهر الفقه ۲/۲۵۹ (۲) امداد الفتاوی ۲/۶۰ (۳) احسن الفتاوی ۴/۳۰۰

یہ امکان ضرور ہے کہ بعض علاقوں کے اراضی مسلمان مجاہدین کو اولین فاتحین نے بطور عطاء و جاگیر یا بہ قیمت دیے ہوں اور یہ بھی امکان ہے کہ ان اراضی کے اولین مالکین اگرچہ غیر مسلم تھے مگر ہو سکتا ہے کہ بعد کے ادوار میں یہ لاوارث اور غیر آباد ہو گئی ہوں اور حکومت کی تحویل و ملک میں جانے کے بعد مسلمانوں کو عطاء کے طور پر یا قیمت کے ساتھ دے دی گئی ہوں ـــــــ مگر جب تک ان امکانات کے لیے کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا یا ان امکانات کو واقعہ کا درجہ دے کر ان اراضی کو عشری قرار دینا مشکل ہے، یہ امکانات محض احتمالات ہیں ان احتمالات کی بنا پر تاریخ کے معلوم حقائق کو رد کر دینا مناسب نہیں ہے۔ اس لیے مناسب معلوم پڑتا ہے کہ ہندوستان کی آراضی کو بالعموم خراجی قرار دیا جائے گجرات، راجپوتانہ اور پنجاب کے علاقے محمد بن قاسم ہی عہد میں فتح ہوئے تھے اور شیخ ابوالحسن سندھی کی تحقیق کے مطابق محمد بن قاسم نے اپنی مفتوحہ آراضی پر خراج (خمس) مقرر کیا تھا، اس کے بعد اگرچہ جیسیہ کی بغاوت کے نتیجے میں سندھ کی کئی ریاستوں کے حکمرانوں نے بغاوت کی مگر تاریخ سے یقین کے ساتھ معلوم نہیں پڑتا کہ گجرات اور پنجاب بھی اس میں شامل تھے یا نہیں؟ برہمن آباد کا تذکرہ فتوح البلدان میں موجود ہے اس لیے اس کی حد تک علاقے کو عشری قرار دیا جا سکتا ہے مگر ابن جزری نے جن دیگر ریاستوں کا ذکر کیا ہے ان میں گجرات اور پنجاب کا ہونا کوئی یقینی نہیں ہے اس لیے یہ علاقے بھی ہندوستان کی دیگر اراضی کی طرح خراجی ہوں گی ــــــ بہار میں دربھنگہ مدھوبنی، سمستی پور، کھگڑیا اور بیگوسرائے کے علاقوں کے بارے میں یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ وہ دربھنگہ مہاراجہ کی جاگیر تھے اور ان علاقوں کے تمام کاشت کار اس کی رعایا سمجھے جاتے تھے۔ مہاراجہ کے انتقال یا زمینداری کی تنسیخ کے بعد لوگوں نے اپنے طور پر ان زمینوں پر قبضہ کر لیا اور ان کو آباد کرتے رہے اس لیے اس پورے علاقے کی زمینیں بلاشبہ خراجی ہیں۔

ہندوستان کی آراضی کے بارے میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا آخری فیصلہ یہی ہے۔[1]

ہندوستانی اراضی میں خراج کی شرح

البتہ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ ہندوستان کی اراضی بالعموم خراجی ہیں یہ مسئلہ اٹھتا ہے کہ خراج کی کون سی قسم ان اراضی پر عائد ہوگی؟ خراج مقاسمہ یا خراج موظف؟

---

(۱) جواہر الفقہ ج۲ [illegible]

اس کے جواب کے لیے بھی ہمیں تاریخ کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ ہمایونی کی کتاب "سراج الہند" سے نقل کیا جا چکا ہے کہ سندھ کی آراضی پر محمد بن قاسم نے خراج مقاسمہ یعنی پیداوار کا خمس مقرر کیا تھا اس لیے جب تک اراضی خراجی ہیں ان پر خمس ہی واجب رہے گا، بعد کے حکمرانوں کو اس وظیفہ کے بدلنے کا اختیار نہیں ہوگا جیسا کہ فقہاء کی صراحت شروع میں ہم نقل کر چکے ہیں ــــــ البتہ سندھ کے کسی علاقے کے بارے میں خراج کی کسی صورت کا ثبوت مل جائے تو پھر اسی صورت کا حکم لگے گا۔

سندھ کے علاوہ ہندوستان کی بقیہ تمام آراضی کے بارے میں اتنا تو معلوم ہے کہ اولین فاتحین نے ان کو سابق مالکین ہندو کی ملکیت میں برقرار رکھ کر ان پر خراج عائد کیا تھا مگر اس کی وضاحت نہیں ملتی کہ ان پر کس قسم کا خراج مقرر کیا تھا۔

البتہ نزہۃ الخواطر اور آئینۂ حقیقت نما وغیرہ میں علاء الدین خلجی کے عہد کی اصلاحات و تبدیلیوں کے ذیل میں دو اہم تبدیلیوں کا ذکر ملتا ہے۔

(۱) ایک یہ کہ پہلے سے جو فوج کو تنخواہ بصورت جاگیر دینے کا دستور چل رہا تھا علاء الدین خلجی نے اس کو بدل کر فوج کو نقد تنخواہیں دینے کا قانون جاری کیا۔

(۲) اسی طرح ایک یہ بھی تغیر ہوا کہ مالکان آراضی پر جو خراج نقد مقرر تھا اس کے بجائے خراج مقاسمہ کا قانون جاری کیا۔

خلجی کے بعد محمد تغلق نے بھی یہی معمول جاری رکھا، فیروز تغلق کے عہد میں تنخواہوں کا طریقہ تو پھر نقد کے بجائے جاگیروں سے جاری کر دیا گیا مگر اس کی تصریح نہیں ملتی کہ اس نے خراج میں بھی کوئی تبدیلی کی یا نہیں؟ (۱)

اس سے کم از کم اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ علاء الدین خلجی سے قبل کی فتوحات میں جو خراج مقرر کیا گیا تھا وہ خراج نقد تھا جس کو اصطلاح میں خراج موظف کہا جاتا ہے خراج مقاسمہ نہ تھا۔ اس لیے اصول کے مطابق خراج موظف ہی ہندوستانی آراضی کا اصل وظیفہ ہونا چاہیے۔ علاء الدین خلجی نے جو اپنے عہد میں خراج کو بدل دیا تھا اس کا اس کو ہرگز اختیار نہیں تھا اور نہ شرعی طور پر اس کا یہ تصرف نافذ ہو سکتا تھا اس لیے شرعاً اس کا تصرف باطل ہوگا اور ہندوستانی اراضی کا خراج خراج موظف قرار پائے گا ــــــ خراج موظف سے مراد وہی تفصیلات ہیں جو حضرت عمرؓ نے

---

(۱) جواھر الفقہ ۲/ ۲۸۰

اپنے عہد میں مختلف کاشت کی آراضی پر جاری فرمائی تھیں اور جن کا ذکر ہم شروع میں کر چکے ہیں، اس لیے ہندوستانی آراضی پر توظیف عمری کے لحاظ سے خراج عائد ہوگا۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی بھی تحقیق کا آخری نقطہ یہی ہے۔ بحث کے آخر میں وضاحت کے ساتھ فرماتے ہیں:

"اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے اکثر علاقوں میں آج بھی خراج موظف کا حکم ہے۔" (۱)

اور اسی کی طرف میرا بھی رجحان ہے۔ (واللہ اعلم)

بعض اکابر کا مسلک

البتہ اس تحقیق پر بعض اکابر کی تحقیقات و فتاویٰ سے اشکال کیا جا سکتا ہے، ہمارے کئی بزرگوں کے فتاویٰ ایسے ملتے ہیں جن میں ہندوستان کی زمینوں سے عشر و خراج دونوں ساقط کر دیا ہے ــــــ ایک طرف حضرت گنگوہی رح کا مسلک، حضرت تھانوی رح کی آخری تحقیق اور حضرت جلال تھانیسری رح کا موقف اور مفتی رشید پاکستانی کا فتویٰ یہ ہے کہ ہندوستان کی آراضی پر عشر واجب ہے ــــــ تو دوسری طرف حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اول دار العلوم دیوبند (آخری قول کے مطابق) حضرت تھانوی رح کا ابتدائی مسلک یہ ہے کہ ہندوستان کی اراضی پر عشر و خراج کچھ واجب نہیں ہے، اس لیے کہ ہندوستان دار الحرب ہے، اور دار الحرب کی زمینوں پر شامی کی صراحت کے مطابق عشر و خراج کچھ واجب نہیں ہوتا۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح نے اپنی مشہور کتاب "مالابدمنہ" میں عشر و خراج کے مسائل ان کے اپنے خیال کے مطابق محض اس لیے ذکر نہیں کیے کہ ہندوستان میں ان احکام کی ضرورت ہی نہیں ہے، کیوں کہ یہاں عشری و خراجی زمینیں نہیں ہیں۔ (۲)

حضرت تھانوی رح کا ایک فتویٰ امداد الفتاویٰ میں یہ منقول ہے:

الجواب:- فی رد المحتار عن شرح الشیخ اسمٰعیل حیث قال ویحتمل ان یکون احترازاً عما

وجد فی دار الحرب فان ارضها لیست ارض خراج او عشر ج۲ ص۴۰، وفی الدر المختار ارض

العرب وما اسلم اهله طوعاً او فتح عنوة وقسم بین جیشنا والبصرة عشریة اھ (۳)

---

(۱) [illegible] (۲) [illegible] کتاب الزکاة [illegible] ص ۲۹۳

اگر ہندوستان کو دارالاسلام مانا جائے تو ظاہراً قسم ثالث میں داخل ہونے سے اس کی زمین مسلمانوں کے پاس ہے جب کہ کسی غیر مسلم سے حاصل نہیں ہوئی ہو عشری ہے اگر غیر دارالاسلام ہے تو اس کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی ہے۔[1]

ظاہر ہے کہ ہندوستان ۱۳۴۳ھ میں دارالاسلام نہ تھا بلکہ غیر دارالاسلام تھا اس لیے اس کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی ہے۔ حضرت نے غیر دارالاسلام کی وسیع المعنی تعبیر اختیار کی ہے جس میں دارالحرب کی جملہ انواع داخل ہوجاتی ہیں —— یہ حضرت کی ابتدائی تحقیق تھی گر حضرت کا آخری راجح فیصلہ جو امداد الفتاویٰ میں جا بجا ملتا ہے وہ وہی ہے جو گذشتہ صفحات میں حضرت کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب ابتدا میں حضرت گنگوہی اور حضرت تھانوی کی تحقیق کے مطابق ہی فتویٰ دیتے تھے کہ ہندوستان کی زمینوں پر عشر واجب ہے۔[2] لیکن بعد میں انھوں نے اپنے فتویٰ سے رجوع کرلیا اور پھر فتویٰ دینے لگے کہ ہندوستان کی زمینوں پر عشر وخراج کچھ نہیں ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ایک مفصل فتویٰ نقل کردیا جائے تاکہ ان کا پہلا مسلک رجوع کی داستان اور آخری موقف سب واضح ہوجائیں۔

الجواب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والا نامہ پہونچا، پہلے ایک زمانہ تک یہی علم رہا کہ ہندوستان کی عشری زمینوں میں عشر واجب ہے اور حضرت رحمہ اللہ کی بعض تحریرات کے موافق یہ فیصلہ کیا اور بہت جگہ فتویٰ دیا کہ مسلمانوں کی مملوکہ زمینوں کو عشری سمجھنا چاہیے اور عشر دینا چاہیے کیوں کہ اراضی عشریہ میں عشر یا نصف عشر کا نکالنا بحکم آیت وآتو ا حقہ یوم حصادہ[3] مثل زکوٰۃ کے فرض ہے، پھر کچھ زمانہ کے بعد "مالا بد منہ" حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب کی یہ تحقیق اور تصریح پیش نظر ہوئی کہ ہم نے اپنی کتاب میں زکوٰۃ کے مسائل کے ساتھ عشر کے احکام اس وجہ سے نہیں لکھے کہ ان دیار میں زمینیں عشری نہیں ہیں، اس کے ساتھ یہ ماننا بھی ضروری ہے کہ قاضی صاحب کا یہ حکم فرمانا کہ یہاں عشری زمینیں نہیں ہیں اس زمانہ کا متفقہ مسئلہ ہوگا، کیوں کہ قاضی صاحب شاہ ولی اللہ صاحب (م ۱۱۷۶ھ) کے خاص تلمیذ اور حضرت شاہ عبدالعزیز رح وغیرہ حضرات کے ہمعصر ہیں اور سب حضرات باہم متفق ہیں، باہم کوئی خلاف نہیں ہے۔ ضرور ہے یہ مسئلہ اس زمانہ کا متفق علیہ مسئلہ ہوگا کہ ہندوستان میں عشری زمینیں نہیں ہیں پھر اس کے ساتھ عموماً یہ معمول دیکھ کر کہ کوئی اپنے بزرگوں میں عشر کا اہتمام مثل زکوٰۃ کے نہیں کرتا۔ تعجب ہوتا تھا اور تردد بھی ہوتا تھا اور گویا حضرت قاضی صاحب کی تحقیق کی تائید ہوتی تھی کہ ایسا بھی کیا ہے کہ سب بزرگوں نے عشر کا

---

(۱) ۱۱ر صفر ۱۳۴۳ھ امداد الفتاویٰ ۲ر۱۰ (۲) فتاویٰ دارالعلوم جدید ۶ر۱۸۵، ۱۸۷ (۳) سورۂ انعام، رکوع ۳

اہتمام چھوڑ دیا، ضرور کوئی بات ہے جس کی وجہ سے عملاً یہ متروک ہوگیا ہے، چند سال ہوتے ہیں کہ مولانا محمد انور شاہ صاحب یا کسی صاحب نے یہ فرمایا کہ شامی "باب الرکاز" میں یہ روایت ہے کہ دارالحرب کی زمینوں میں عشر واجب نہیں ہے وہاں آراضی نہ عشری ہیں نہ خراجی، اس روایت کو دیکھا اور اس کو دیکھ کر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تحریر کی وجہ معلوم ہوئی کہ یہی وجہ ہے کہ وہ حضرت ہندوستان کی زمینوں کو عشری نہیں سمجھتے، کیوں کہ ہندوستان کو وہ حضرات دارالحرب سمجھتے تھے۔

اور عبارت مالابد منہ کی یہ ہے:

"ہمچنیں احکام عشر زمین عشریہ کہ دریں دیار نیست ومسائل عاشر کہ بطرق وشوارع باشد کہ مذکور نہ کردہ شد۔"[1]

اس کے بعد ایک اشکال یہ باقی رہتا ہے کہ حضرت اقدس گنگوہی رحمہ اللہ وجوب عشر کا حکم فرماتے تھے اور تحریراً وتقریراً اس کو ظاہر فرمایا ہے۔ غالباً جناب کو بھی یاد ہوگا یا معمول حضرت کا معلوم ہوگا اور اس میں شک نہیں کہ نصوص آیات واحادیث کا مقتضیٰ بھی یہی معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ امام صاحب "جمیع ما اخرجت الارض" میں وجوب عشر کا حکم فرماتے ہیں اور جیسا کہ زکوٰۃ دارالحرب میں ساقط نہیں ہوتی بلکہ صاحب مال بطور خود ادا کرتا ہے اسی طرح عشر بھی ہر جگہ واجب ہونا چاہیے، ہاں چوں کہ عشر کے وجوب کے لیے زمین کا عشری ہونا ضروری ہے اور جب کہ یہ کہا جاوے کہ دارالحرب کی اراضی عشریہ نہیں ہیں تو پھر وجوب عشر کی کوئی وجہ نہیں ہوگی اور حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا قول وفعل احتیاط پر مبنی کہا جائے۔ چنانچہ ہمارے مرشد مولانا شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) بھی اپنے خاص لوگوں کو عشر نکالنے کا حکم فرمایا کرتے تھے اور اس بنا پر حضرت والد ماجد صاحب جو کچھ محاصل غلہ میں سے بقدر حصہ بندہ کو دیا کرتے تھے کہ وہ دس بیس دھڑی تقریباً ہوتا تھا تو بندہ گھر کہہ دیتا تھا کہ دس دھڑی میں سے ایک دھڑی اللہ واسطے دے دو۔[1]

فتاویٰ دارالعلوم کے دلائل کا جائزہ

حضرت نے اس مفصل فتویٰ میں اپنا موقف پوری طرح واضح کردیا ہے کہ شرعی طور پر ہندوستان کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی اور جن اکابر کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ عشر نکالنے کو کہتے تھے اور خود بھی نکالتے تھے تو ان کے قول وفعل

---

(۱) فتاوی دارالعلوم [illegible]

کو احتیاط و تقویٰ پر محمول کیا ہے اور اپنے موقف پر قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی کتاب مالابد منہ اور فتاویٰ شامی کی عبارت اور عشر کے بارے میں اکابر کی بے التفاتیوں سے استدلال فرمایا ہے، حضرت کا استدلال کافی مضبوط ہے، مگر اس پر کئی اعتبار سے غور کیا جا سکتا ہے۔

ا۔ جہاں تک قاضی ثناء اللہ صاحب کی عبارت کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں یہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ حضرت نے صرف عشر کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہندوستان کی اراضی عشری نہیں ہیں، کیا یہاں کی آراضی خراجی بھی نہیں ہیں؟ تو اس کی نفی بھی آپ نے نہیں فرمائی ہے ــــــ البتہ اس تاویل پر کلام کیا جا سکتا ہے کہ قاضی صاحب نے عشر ایک خاص اصطلاحی معنی میں استعمال نہیں کیا ہے بلکہ اس سے ایک وسیع مفہوم یعنی مطلق وظیفۂ ارض مراد لیا ہے، اس لیے کہ اگر قاضی صاحب کا مقصود صرف عشر کی نفی کرنا ہوتا اور ہندوستانی اراضی کو خراجی تسلیم کرتے تو خراج کے احکام اپنی کتاب میں ضرور ذکر فرماتے۔

مگر اس شبہ کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ قاضی صاحب کی کتاب "مالابد منہ" صرف عبادات کے موضوع پر لکھی گئی ہے اس میں زندگی کے مسائل تحریر نہیں کیے گئے ہیں، بس نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، قربانی، عقیقہ اور کچھ کفر و ایمان کے بارے میں اس میں بحثیں موجود ہیں، عشر بھی چوں کہ زکوٰۃ ہی کی طرح کی ایک عبادت ہے اس لیے بھی زکوٰۃ کے ذیل میں آنا چاہیے تھا مگر چوں کہ ہندوستان کی زمینیں عموماً عشری نہیں ہیں اس لیے اس کے احکام ذکر کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی، اس کے برخلاف خراج خاص ٹیکس ہے جو موضوعی طور پر ایک قسم کی عقوبت ہے اس بنا پر عبادات کے ذیل میں خراج کے احکام داخل کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

یہ الگ مسئلہ ہے کہ خراج مسلمانوں پر عائد ہو جانے کی بنا پر عبادت بن جائے گا، یا اس وقت بھی محض وظیفۂ ارض ہی رہے گا، فقہی عبارات کی روشنی میں (جیسا کہ اس بارے میں کچھ ہم آگے بھی عرض کریں گے انشاء اللہ) ایسا لگتا ہے کہ خراج مسلمان پر عائد ہو جانے کے باوجود بھی حقیقی طور پر عبادت نہیں بنتا، البتہ چوں کہ اس کے مصارف امور خیر ہیں اس بنا پر فقہاء لکھتے ہیں کہ اگرچہ اسلامی حکومت نہ ہو مگر خراج مسلمانوں کو اپنے طور پر نکالنا چاہیے اور اس رقم سے ان امور خیر میں حصہ لینا چاہیے جن سے مسلمانوں کا علمی، دینی، ملی یا اقتصادی فائدہ ہو، لیکن یہ نکالنے کی تاکید محض مآل اور انجام پر نگاہ کرتے ہوئے ہے اصالۃً یہ حکم نہیں ہے اسی لیے فقہاء نے یہ رخصت دی ہے کہ اگر صاحب خراج خود مصرف ہو یعنی دینی یا ملی یا قومی مفادات میں مشغول ہو

تو خود بھی اس رقم سے استفادہ کر سکتا ہے یعنی خراج نکالنے کی اسے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خراج اپنی اصل کے لحاظ سے کبھی عبادت نہیں بنتا۔ اس لیے قاضی صاحب نے اگر اپنی کتاب میں خراج کے احکام ہندوستان کے خراجی ہونے با وجود نہیں کیے تو ان کی کتاب کے موضوع کے لحاظ سے ان پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

۲۔۔۔ یہیں سے عشر کے بارے میں اکابر کی بے التفاتیوں کا راز بھی وا شگاف ہوتا ہے جن کو حضرت مفتی عزیز الرحمٰن نے بطور تائید پیش کیا ہے کہ ان حضرات کی بے توجہی اس کی دلیل تھی کہ ان کے نزدیک ہندوستان کی آراضی عشری نہیں تھیں، اس لیے عشر نکالنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ رہا خراج نکالنے کا معاملہ تو اس بارے میں حضرت مفتی صاحب نے سکوت کیا ہے مگر ایسا معلوم پڑتا ہے کہ وہ حضرات خراج بھی نہیں نکالا کرتے تھے ورنہ حضرت مفتی صاحب ضرور اس کا تذکرہ کرتے۔۔۔۔ خراج نہ نکالنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چوں کہ وہ حضرات امت اور دین کے کاموں میں مصروف تھے اس لیے وہ بجا طور پر خراج کے مصارف تھے، اس بنا پر ممکن ہے کہ وہ حضرات اپنے کو مصرف خراج سمجھ کر اس رقم کو خود ہی استعمال کر لیتے ہوں۔

اور اس کا بھی امکان ہے جو حضرت مفتی صاحب کا خیال ہے کہ ہندوستان کو دار الحرب سمجھتے ہوں اس لیے یہاں کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی اس بنا پر اکابر عشر و خراج کسی کے لیے کوئی اہتمام نہیں کرتے تھے ہوں۔

۳۔۔۔ شامی کی عبارت سے حضرت کا استدلال درست ہے، بلا شبہ علامہ شامی نے دار الحرب کی زمینوں کو غیر عشری و غیر خراجی قرار دیا ہے اور اس میں کوئی قید نہیں ہے کہ وہ دار الحرب ایسا ہو جو اصلی ہو یعنی شروع سے اب تک دار الحرب ہو، کبھی اسلامی حکومت وہاں نہ آئی ہوں۔ علامہ شامی نے مطلق دار الحرب لکھا ہے خواہ وہ دار الحرب اصل سے ہو یا ایک زمانے میں دار الاسلام تھا اور بعد میں دار الحرب بن گیا ہو، اس لیے شامی کی عبارت کا صاف مطلب یہی ہے کہ ہر قسم کے دار الحرب کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی۔

ہمارے اکابر میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور مفتی رشید صاحب پاکستانی دونوں بزرگوں نے حضرت مفتی عزیز الرحمان صاحب کے استدلال پر تنقید کی ہے، ان حضرات کا کہنا ہے کہ شامی کی باب الرکاز والی عبارت میں دار الحرب سے مراد مطلق دار الحرب نہیں ہے بلکہ صرف وہ ہے جو ابتدا سے آج تک دار الحرب ہو، دار الحرب میں چوں کہ کسی مسلمان کے زمین خریدنے یا کسی زمین کا مالک ہونے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا ہے اس لیے عشر کا سوال بھی

نہیں پیدا ہوتا ہے کافر تو وہ احکام عشر کے مخاطب نہیں بن سکتے ہیں۔

اس کی تائید کے لیے انھوں نے شمس الائمہ سرخسی کی کتاب شرح سیر کبیر کی عبارت پیش کی ہے اور اس پر غور کرنے کی دعوت دی ہے۔ عبارت یہ ہے:

"لان العشر والخراج انما یجب فی ارض المسلمین وھذہ اراضی اھل الحرب لیست بعشریة ولا خراجیة۔"[1]

اس لیے کہ عشر و خراج صرف مسلمانوں کی زمین میں واجب ہوتے ہیں اور یہ اہل حرب کی زمینیں ہیں جو نہ عشری ہیں اور نہ خراجی۔

میں نے اس عبارت پر بہت غور کیا مگر میرے ذہن نے اس نقطۂ نظر کو قبول نہیں کیا جو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قبول کرانا چاہتے ہیں، اس عبارت میں مسلمین کے مقابلے میں اہل الحرب لایا گیا ہے جس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اہل حرب سے مراد ایسا مقام ہے جہاں مسلمان نہ ہوں، ورنہ مسلمین سے مقابلہ بے معنی ہو جاتے گا، جب کہ ہندوستان کا معاملہ ایسا نہیں ہے، یہاں صدیوں تک مسلمانوں کی حکومت رہی ہے اور آج بھی کروڑوں مسلمان یہاں رہ رہے ہیں اس لیے یہ اصلی دار الحرب نہیں ہے اور یہ شامی کی عبارت منطبق نہیں ہے، مگر یہی مفہوم کوئی یقینی نہیں ہے۔[2]

بلکہ زیادہ واضح طور پر تو یہ مفہوم ذہن میں آتا ہے کہ یہاں اہل حرب اور مسلمین کا تقابل، دراصل دار الحرب اور دار الاسلام کے معنیٰ میں ہے اور عبارت کا حاصل یہ ہے کہ عشر و خراج دار الاسلام میں واجب ہوتے ہیں، دار الحرب میں نہیں۔ اتنا واضح مطلب چھوڑ کر کوئی پیچیدہ مفہوم مراد لینے کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن اکابرین میں سے کسی نے شامی کی عبارت کا وہ مفہوم نہیں سمجھا جو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے سمجھانا چاہا ہے ——— خود حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اول دار العلوم دیوبند اس درجہ کے فقیہ تھے کہ ان کے فہم پر ہم کو اعتماد کرنا چاہیے، انھوں نے نہ معلوم کتنی بار اس عبارت کو اس کے سیاق و سباق کے ساتھ دیکھا اور پڑھا ہوگا، مگر ان کے ذہن میں دار الحرب کا وہ خاص مفہوم نہ آسکا جو حضرت مفتی شفیع صاحب کے ذہن میں آیا ——— ان کے علاوہ علامہ کشمیری کے ذہن میں بھی دار الحرب کا کوئی مقید مفہوم نہ آیا بلکہ انھوں نے بھی وہ عام مفہوم سمجھا جو حضرت مفتی صاحب سمجھ رہے تھے۔

---

(۱) شرح سیر کبیر ۴/۳۰۳

(۲) جواھر الفقه ۲/۲۶۲ و ۲۶۳

خود حضرت تھانوی رحؒ جو اپنے وقت کے مجدد الفقہ تھے انھوں نے بھی اس عبارت کا یہی مطلب سمجھا حضرت تھانوی رحؒ کا ایک فتویٰ سابق میں نقل کیا جا چکا ہے۔ (۱)

ایک دوسرے فتویٰ میں لکھتے ہیں :

" البتہ درمختار کی باب الرکاز والی عبارت مشیر ہے عدم وجوب عشر وخراج کو مگر یہ موقوف ہے دار الحرب ہونے پر اور اس میں گنجائش کلام ہے۔ (۲)

اسی طرح کی ایک عبارت امداد الفتاویٰ ۲/۶۰ پر بھی ہے۔

ان عبارات سے صاف جھلکتا ہے کہ عبارت کا مفہوم حضرت کے ذہن میں وہی ہے جو اس کے ظاہر سے سمجھ میں آتا ہے اور جو دوسرے اکابر نے سمجھا ہے، البتہ ہندوستان کو دار الحرب مانا جائے یا نہیں اس میں حضرت کو خود تردد ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی جنھوں نے ہندوستان سے عشر کی نفی کی ہے ممکن ہے کہ شامی کی اسی عبارت کی بنا پر کی ہو جیسا کہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کا خیال ہے تو گویا ان کے ذہن میں بھی شامی کی اسی عبارت کا مفہوم وہی ہے جو مفتی صاحب نے سمجھا ہے۔

ان اسباب کے پیش نظر شامی کی اس عبارت سے حضرت مفتی اول دار العلوم دیوبند کے استدلال کو ہم درست سمجھتے ہیں کہ ہندوستان اگر دار الحرب ہے تو اس کی اراضی نہ عشری ہیں نہ خراجی جیسا کہ اس دور کے بہت سے اکابر کا فتویٰ تھا۔

<u>پس چہ باید کرد</u> مگر حضرت مفتی صاحب کا فتویٰ زمانہ کے بدلنے سے بدل چکا ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی رحؒ کے عہد سے ۱۸۰۳ء تک کے بارے میں یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس دوران ہندوستان دار الحرب رہا اور اس دوران جن اکابر نے بھی اس کے دار الحرب ہونے یا اس کے اراضی کے عشری یا خراجی ہونے کا فتویٰ دیا بالکل بجا دیا، شرعی طور پر اس وقت یہی حکم تھا اس لیے کہ اس دوران ہندوستان پر قانونی و عملی دونوں طور پر انگریزوں کا تسلط اور غلبہ ہو گیا اور برطانیہ کی نوآبادیات میں شامل ہو گیا تو یہ بلاشبہ دار الحرب بن گیا لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد

(۱) امداد الفتاویٰ ۲/۷۱ - ۳۲ھ (۲) امداد الفتاویٰ ۲/۱، ۳۰ھ

جب ہندوستان انگریزوں کے پنجے سے آزاد ہوا اور یہاں ایک جمہوری انداز کی حکومت قائم ہوئی جس میں تمام قوموں برابر طور پر حقوق حکومت وشہریت دیے گئے اور قانونی طور پر مسلمانوں کو ہندوستان کا سب سے بڑا عہدۂ صدارت جمہوریہ پیش کیا گیا اور مسلمان صدر جمہوریہ یہاں رہا اور آج بھی مرکزی وزارتوں میں مسلمانوں کو حصہ دیا جاتا ہے مختلف رِیاستوں کے مسلمان گورنر اور وزرائے اعلیٰ ہوتے ہیں اس لیے قانونی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہاں خالص ہندؤں کی حکومت ہے اور مسلمان یہاں کی حکومت میں شامل نہیں ہیں، قانونی طور پر تو مسلمان ہندوستان کا وزیر اعظم بھی بن سکتا ہے، فسادات کا مسئلہ کوئی قانونی مسئلہ نہیں ہے وہ لاقانونیت کی پیداوار ہے اس لیے لاقانونیت سے پیدا ہونے والے حالات کی بنا پر ہندوستان کی قانونی پوزیشن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے، جب قانون کی زبان میں گفتگو ہوگی تو ہندوستان کو دارالحرب کہنا مشکل ہو جائے گا۔

اس لیے آج کے دور میں ہندوستان کا دارالحرب ہونا قطعی نہیں، اس بنا پر عشر و خراج کے احکام محض شبہ کی وجہ سے ساقط نہیں کیے جا سکتے ہیں۔ ہماری تحقیق کے مطابق چوں کہ ہندوستان کا بیشتر حصہ خراجی ہے اس لیے احتیاطاً مسلمانوں پر خراج عائد رہے گا اور مسلمانوں کو اپنے طور پر خراج نکالنا چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) مجہول الحال آراضی کا حکم

جن آراضی کا عشری یا خراجی ہونا متعین نہ ہو وہ اگر مسلمانوں کے قبضے میں نسلاً بعد نسل چلی آرہی ہیں اور درمیان میں کسی غیر مسلم کی ملکیت کا ثبوت یا علم نہ ہو تو ان کو استصحاب حال کی دلیل کی بنا پر عشری ہی قرار دیا جائے گا جیسا کہ گذشتہ صفحات میں اکابر کے حوالے سے ذکر کیا جا چکا ہے۔

اور یوں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ فقہاء کا مزاج یہ ہے کہ جس زمین کے بارے میں شبہ پیدا ہو جاتا ہے اور عشری وخراجی دونوں طرح کے امکانات سامنے آجاتے ہیں تو اگر وہ زمین مسلمان کی ملکیت میں ہوتی ہے تو اس کو عشری ہی قرار دیتے ہیں ——— مثلاً امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مسلک پیچھے ہم نقل کر چکے ہیں کہ اگر کسی مسلمان نے حکومت کی اجازت سے کوئی غیر آباد زمین آباد کی تو امام ابو یوسف رح کے نزدیک قرب وجوار کی زمینوں کے لحاظ سے حکم لگایا جائے گا، اگر آس پاس کی زمینیں عشری ہیں تو اس زمین کو بھی عشری قرار دیا جائے گا، اور اگر خراجی ہیں تو اس کو بھی خراجی قرار دیا جائے گا اور اگر عشری وخراجی دونوں قسم کی زمینیں ہوں تو عشری کا حکم لگایا جائے گا۔ علامہ شامیؒ کے نزدیک امام ابو یوسف رح کے قول پر فتویٰ ہے۔ (رد المحتار ۲۶۴/۳)

یہاں کی صورت حال یہی ہے کہ جب نوآباد زمین کے آس پاس عشری و خراجی دونوں قسم کی زمینیں ہیں تو عشری و خراجی دونوں ہونے کا شبہ پیدا ہوگیا، ایسے موقع پر مسلمان کے شایان شان اس کو عشری قرار دینا زیادہ بہتر ہے۔ اس جزئیے سے فقہاء کے مزاج کا اندازہ ہوتا ہے، اس کو دیکھتے ہوئے ایسی زمین جس کے بارے میں عشری و خراجی ہونا متعین نہ ہو اس کو عشری کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ سرکاری محصول سے عشر و خراج ساقط نہیں ہوتے

سرکار کو دی جانے والی مال گذاری عشر تو بہرحال نہیں، اس پر تمام علماء کا تقریبًا اتفاق ہے، اس لیے کہ حکومت عشر کہہ کر لیتی ہے اور نہ کوئی اس نیت سے دیتا ہے۔ اس کے علاوہ عشر عبادت ہے جس طرح انکم ٹیکس دینے سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی اسی طرح عشر بھی ساقط نہ ہوگا، البتہ اگر حکومتِ اسلامیہ ہو اور عشر کہہ کر لیتی ہو اور مصارف عشر پر اس کو خرچ کرتی ہو تو عشر ادا ہو جائے گا۔ (۱)

لیکن اگر خراجی زمین سے سرکار مال گذاری لیتی ہے تو اس کو خراج قرار دیا جائے گا یا نہیں اس میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتیِ اول دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ یہ ہے کہ خراج ساقط ہو جائے گا اور حکومت کے لیے ہوئے محصول ہی کو خراج قرار دیا جائے گا جیسا کہ ان کی اس عبارت سے سمجھ میں آتا ہے۔

الجواب: عشری زمین سے محصول لینا مسقطِ عشر ہے۔ ھذا ھو الاحتیاط، ہاں اگر زمین عشری ہی نہ ہو بلکہ خراجی ہو تو محصول دے دینا کافی ہے۔ یعنی عشر اس میں واجب نہیں ہے۔ (۲)

ان کے علاوہ اکثر علماء کرام کا خیال یہ ہے کہ خراج اگر حکومت اسلامیہ وصول کرتی ہو تو چوں کہ وہ عمومًا امور خیر میں خرچ کرتی ہے اس لیے خراج ادا ہو جائے گا لیکن حکومتِ غیر مسلم (مثلاً ہندوستان کی حکومت) اگر زمین کی مالگذاری یا محصول لیتی ہے تو اس کو خراج نہیں کہا جائے گا بلکہ مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ ذاتی طور پر خراج ادا کریں، اور امور خیر میں خرچ کریں، محقق ہمایونی نے اپنی کتاب سراج الہند فی خراج السندھ میں اس مسئلہ کو بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے اور اس سلسلہ میں پیش آنے والے شبہات کے تشفی بخش جوابات دیتے ہیں۔ اس کے بعد فیصلہ کن انداز میں لکھا ہے:

---

(۱) شامی ۲/۳۲، امداد الفتاوی ۲/۹۱، فتاوی دارالعلوم ۶/۱۸۳، جواہر الفقہ ۲/۲۶۷، احسن الفتاوی ۴/۳۳۶ (۲) فتاویٰ دارالعلوم ۶/۱۸۲

"پس بداں کہ بر ہر کسے کہ خراج لازم آید ادا لازم است کہ در مصارف خراج کہ در کتب فقہ مبین ہست صرف نماید تا عند اللہ از عہدہ آں بیروں آید و در قیامت ماخوذ نہ گردد، اما آنچہ حکام نصاری می گیرند پس در ادائے خراج محسوب نمی گردد۔"

لان الکافرین لیس لهم ولاية اخذ الخراج من المسلمين وايضا ليسوا بمصارف الخراج كما في جامع الفصولين ۔ (۱)

ہمایونی کی عبارت سے سمجھ میں آتا ہے کہ اگر حکومت غیر اسلامیہ خراج کہہ کر بھی وصول کرے تو بھی خراج ادا نہیں ہوتا جبکہ ہندوستان میں خراج کے نام سے وصول بھی نہیں کرتے ہیں اس لیے اس کو خراج کہنا بدرجہ اولیٰ مشکل ہے۔ امداد الفتاویٰ میں حضرت تھانوی کے ایک فتویٰ کے الفاظ یہ ہیں :

" عشر و خراج از حقوق شرعیہ است پس چناں کہ انکم ٹیکس مسقط زکوۃ نیست ہم چنیں محصول سرکاری مسقط ایں حقوق نباشد " (۲)

۴ـــ خراج کی شرعی حیثیت

گذشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ آچکا ہے کہ ہندوستان کا اکثر علاقہ خراجی ہے اور چند مقامات کو چھوڑ کر اکثر زمینوں پر خراج موظف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مقرر کردہ شرح سے ادا کیا جائے گا۔
عشر کی ادائے گی بلاشبہ عبادت ہے مگر خراج اپنی اصل کے لحاظ سے عبادت نہیں ہے لیکن چوں کہ اس کے مصارف امور خیر ہیں اس لیے فقہاء لکھتے ہیں کہ مسلمانوں پر خراج اپنے تئیں نکالنا واجب ہے، گویا مسلمان پر عائد ہونے کے بعد خراج ثانوی درجہ میں عبادت بن جائے گا اور اس کی نیت کے مطابق اس کو ثواب ملے گا، البتہ اگر صاحبِ خراج خود مصارف میں سے کوئی مصرف ہے مثلاً عالم دین ہے تو وہ خراج اپنے مصرف میں لاسکتا ہے، اس کو خراج الگ سے نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔

امداد الفتاویٰ کے ایک سوال و جواب سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے

سوال :ـ آج کل خراج ادا کرنا واجب ہے یا نہیں، اگر ادا کیا جائے تو اس کا مصرف و مقدار کیا ہے؟

---

(۱) احسن الفتاویٰ ۴/۳۲۸ (۲) امداد الفتاویٰ ۲/۵۷

الجواب:۔ فی الدر المختار یجوز ترک الخراج للمالک لا العشر وفی رد المحتار ترک السلطان اونائبہ الخراج لرب الارض او وھبہ ولو بشفاعۃ جاز عند الثانی وحل لہ لو مصرفا والا تصدق بہ، بہ یفتی وما فی الحاوی من ترجیح حلہ لغیر المصرف خلاف المشہور۔ (۱)

وفی الدر المختار ومثالثہا خراج الی قولہ ومالثہا حواہ مقاتلون وفی رد المحتار الذی فی الہدایہ وعامۃ الکتب المعتبرۃ انہ یصرف فی مصالحنا کالثغور وبناء القناطر والجسور وکفایۃ العلماء والقضاۃ والعمال ورزق المقاتلۃ وذراریہم۔ (۲)

اس عبارت سے یہ امور مستفاد ہوتے ہیں:

۱۔۔۔ اگر یہ شخص خراج کا مصرف ہو تو اپنے صرف میں خراج لا سکتا ہے۔

۲۔۔۔ اگر مصرف نہ ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

۳۔۔۔ مصارف خراج میں سے علما بھی ہیں۔ (۳)

امداد الفتاوی[۴] میں حضرت تھانوی نے خراج کو حق شرعی قرار دیا ہے۔

۵۔۔۔ اخراجات کی منہائی کا مسئلہ

آج جدید طریق زراعت میں ہونے والے غیر معمولی اخراجات (کھاد، دوا، وغیرہ) کی وجہ سے عشر کی مقدار میں نہ کمی کی جاسکتی ہے اور نہ اصل پیداوار سے ان اخراجات کو منہا کر کے عشر ادا کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

فقہاء کی عبارتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے وہ صرف سینچائی میں آنے والے اخراجات کا اعتبار کرتے ہیں اور اس کی بنا پر عشر کو نصف عشر میں تبدیل کر دیتے ہیں مگر اس کے سوا دوسرے اخراجات جن کا تعلق پانی کے بجائے بذات خود کھیت سے ہے ان کا لحاظ نہیں کرتے، ان کی بنا پر نہ وہ وظیفہ عشر میں کوئی تبدیلی کرتے ہیں اور نہ اخراجات کو منہا کرنے کی اجازت دیتے ہیں جیسا کہ شامی کی اس عبارت سے سمجھ میں آتا ہے۔

وتجب فی سقی سماء وسیح بلا شرط نصاب وبقاء وحولان حول الخ یجب العشر ویجب نصفہ فی سقی غرب ودالیۃ لکثرۃ المؤنۃ الخ بلا رفع مؤن الزرع وبلا اخراج البذر

---

(۱) ۹۱/۲ (۲) ۹۲-۹۳/۲ (۳) ۴۰/۲

لتصريحهم بالعشر في كل الخارج ۔(۱)

مزارعت کی صورت میں عشر و خراج کس پر ہے

جن آراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے ان میں عشر و خراج کس پر واجب ہے اس کی تعیین کے لیے ہمیں مزارعت کی مختلف صورتوں کو سامنے رکھنا ہوگا۔ فقہاء نے مجموعی طور پر مزارعت کی سات صورتیں لکھی ہیں:

(۱) ارض و بذر ایک کے ہوں اور بقر و عمل دوسرے کے۔

(۲) ارض ایک کی باقی سب دوسرے کا۔

(۳) عمل ایک کا باقی سب دوسرے کا۔

(۴) ارض و بقر ایک کے بذر و عمل دوسرے کے۔

(۵) بقر و بذر ایک کے ارض و عمل دوسرے کے۔

(۶) بقر ایک کے باقی سب دوسرے کا۔

(۷) بذر ایک کا باقی سب دوسرے کا۔

ان سات صورتوں میں سے پہلی تین صورتیں مزارعت صحیحہ کی ہیں اور آخری مزارعہ فاسدہ کی۔

اس وضاحت کے بعد عشر و خراج کے احکام اس طرح عائد ہوں گے خراج موظف تو ہر صورت میں زمیندار پر ہوگا، خواہ مزارعہ فاسدہ ہو یا مزارعہ صحیحہ، جیسا کہ شامی کی اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے۔

ثم اعلم ان هذا كله في العشر اما الخراج فعلى رب الارض اجماعًا۔(۲)

یہاں خراج سے مراد علماء کے بیان کے مطابق خراج مؤظف ہے اس لیے کہ فقہی تصریحات سے ثابت ہے کہ خراج مقاسمہ اور عشر دونوں کے احکام ماخذ میں ایک ہی جیسے ہیں۔(۳)

اور عشر و خراج مقاسمہ میں یہ تفصیل ہے کہ مزارعت صحیحہ میں مفتی بہ قول کے مطابق زمین دار اور بٹائی دار دونوں اپنے اپنے حصے کا عشر و خراج نکالیں گے۔(۴)

---

(۱) رد المحتار ۱۹۵/۵ (۲) رد المحتار ۷۶/۲ (۳) رد المحتار ۲۵۹/۳

(۴) رد المحتار ۷۶/۲

اور مزارعت فاسدہ میں اگر بیج زمیندار کی طرف سے ہے تو عشر و خراج مقاسمہ دونوں زمیندار پر واجب ہیں اور اگر بیج بٹائی دار کی طرف سے ہے تو یہ اجارۃ الارض کے حکم میں ہے یعنی اگر زمیندار اجرت بہت زیادہ لیتا ہے اور مستاجر کے پاس بہت کم بچتا ہے تو عشر اور خراج مقاسمہ زمیندار پر ہے اور اگر اجرت کم لیتا ہے، مستاجر کو بچت زیادہ ہوتی ہے تو عشر اور خراج مقاسمہ مستاجر پر ہے، ہمارے زمانے میں عموماً اجرت کم لی جاتی ہے، مستاجر کی آمدنی زیادہ ہوتی ہے اس لیے عشر و خراج مقاسمہ مستاجر پر ہوگا۔ (۱)

انہی تفصیلات کے ساتھ ہمارے اکابر نے بھی فتویٰ دیا ہے، ہمارے اکابر کی کتب فتاویٰ میں اس قسم کے متعدد فتاویٰ موجود ہیں۔

اگر زمیندار اور بٹائی دار میں ایک غیر مسلم ہو تو غیر مسلم پر عشر واجب نہ ہوگا اور موجودہ ہندوستان میں خراج بھی واجب نہ ہوگا، اس لیے کہ خراج غیر مسلموں سے حکومت اسلامیہ وصول کرتی ہے اور وہ ہندوستان میں مفقود ہے اور جو مسلمان ہے اس پر عشر واجب ہے تو وہ اپنے حصے کا عشر ادا کرے، غیر مسلم پر کچھ واجب نہیں ہے۔

(محور پنجم)

۱۔ عشر کے لیے کوئی نصاب نہیں

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہے بشرطیکہ وہ ایک صاع (۳٫۵۳۸ کلوگرام) سے زیادہ ہو، اس کے لیے کوئی نصاب مقرر نہیں ہے اس لیے کہ قرآن کے الفاظ عام ہیں۔

مما اخرجنا لکم من الارض۔

وآتوا حقہ یوم حصادہ۔

صاحبین رحمہ کے نزدیک اشیاء کے لحاظ سے مختلف نصاب ہیں، مگر فقہاء نے امام ابوحنیفہ رحمہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور یہی ہمارے علمائے دیوبند کا پسندیدہ مسلک بھی۔ شامی کی عبارت ہے:

---

(۱) ردالمحتار ۲/۵۷

قال فی شرح التنویر ویجب العشر فی عسل وان قل (الیٰ ان قال) بلاشرط نصاب وبقاء وحولان حول وفی ردالمحتار (وقوله بلاشرط نصاب وبقاء) فیجب فیما دون النصاب بشرط ان یبلغ صاعاوقیل نصفه۔ (۱)

۲۔۔۔ عشر کس قسم کی پیداوار پر واجب ہے

عشر ہر ایسی پیداوار میں واجب ہے جس کو اگانے اور پیدا کرنے کا رواج ہو اور عادۃً اس کی کاشت کرکے نفع اٹھایا جاتا ہو، خودرو گھاس یا بیکار قسم کے درخت اگر باغ یا ملکیت میں ہو جائیں تو ان پر عشر نہیں، گھاس اور بانس اور جانوروں کے لیے اگایا جانے والا چارہ اگر آمدنی کی غرض سے لگائے گئے ہوں تو ان میں عشر واجب ہے ورنہ نہیں مثلاً صرف اپنے جانوروں کو کھلانے کے لیے گھاس یا چارہ اگایا گیا ہو اس سے کوئی آمدنی مقصود نہ ہو تو عشر واجب نہیں ہے، یہی حکم پانی میں کاشت کی جانے والی چیزوں مثلاً مکھانہ، سنگھارا وغیرہ کا بھی ہوگا۔

یجب العشر فی سقی سماء ای مطر وسیح کنهر بلاشرط نصاب الی قوله الافیما لایقصد به استغلال الارض نحو حطب وقصب فارسی وحشیش وتین وسعف وقطران وخطمی واشنان وشجر قطن وباذنجان وبذر بطیخ وقثاء وادویة کحلبة حتی لو اشغل ارضه بها یجب العشر۔ (۲)

اذا اتخذ ارضه مقصبة اومشجرة اومنبتا للحشیش وساق الیه الماء ومنع منه الناس یجب فیه العشر۔ (۳)

۳۔۔۔ مچھلی کی کاشت پر عشر نہیں

قواعد فقہیہ اور عشر کی تفصیلات پر نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مچھلی کی کاشت پر عشر واجب نہیں ہے، اس طرح دیگر اموال وعروض کی طرح زکوٰۃ واجب ہوگی، اس لیے کہ عشر وخراج کا تعلق بالواسطہ یا بلا واسطہ زمین کی پیداوار سے ہے جیساکہ قرآن کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔

---

(۱) ردالمحتار ۲/۲۸ (۲) شامی ۲/۶۸ (۳) هدایه ۱/۲۰۱، الجوهره ۱/۱۴۶، بحوالہ فتاویٰ دارالعلوم ۶/۱۸۹

(۱) انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض - الآیۃ

(۲) وآتوا حقہ یوم حصادہ - الآیۃ -

جب کہ مچھلی کی کاشت کا زمین سے کوئی تعلق نہیں ——— اسی بنا پر فقہا نے پانی، پٹرول یا تیل کے چشموں میں عشر کو واجب نہیں کہا ہے، ان چشموں کے آس پاس جو قابل زراعت یا آباد زمینیں ہیں ان میں عشر و خراج واجب ہوں گے، مگر خود ان چشموں کی پیداوار پر عشر نہیں ہے اس لیے کہ یہ زمینی پیداوار نہیں ہیں -

ولا فی عین قیر او نفط و نفط دھن یعلو الماء مطلقا ای فی ارض عشر او خراج ولکن فی حریمھا الصالح للزراعۃ من ارض الخراج خراج لانیھا لتعلق الخراج بالتمکن من الزراعۃ و اما العشر فیجب فی حریمھا العشری ان زرعہ والالا لتعلقہ بالخارج - (درمختار)

(قولہ ولا فی عین قیر) لانہ لیس من انزال الارض انما ھو عین فوارۃ کعین الماء فلا عشر فیھا ولا خراج - (۱)

اس سلسلے میں ہمیں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اس مکتوب سے بھی روشنی ملتی ہے جو انھوں نے اپنے ایک گورنر کے پاس لکھا تھا -

ان لا یاخذ من السمک شیئا حتی یبلغ مائتی درھم فاذا بلغ مائتی درھم تاخذ منہ الزکاۃ - (۲)

کہ مچھلی کی پیداوار سے کچھ اس وقت تک نہ لیا جائے جب تک کہ وہ نصاب زکوٰۃ تک نہ پہونچ جائے پس جب نصاب تک پہونچ جائے تو اس میں سے زکوٰۃ وصول کرو۔

معلوم ہوا کہ مچھلی کی کاشت میں زکوٰۃ واجب ہے نہ کہ عشر -

۴ ——— شہتوت کے باغات کا حکم

فقہا، کی عبارتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ریشم میں عشر واجب نہیں ہے جیسا کہ شامی کی اس عبارت سے مجھ

(۱) رد المحتار ۲/۵۶ (۲) کتاب الاموال لابی عبید ۳۳۶

میں آتا ہے:

يجب العشر في عسل وان قل (در مختار) وصرح بالعسل اشارة الى خلاف مالك والشافعي حيث قالا ليس فيه شئ لانه متولد من حيوان فاشبه الابريسم ودليلنا مبسوط في الفتح - (۱)

اور ہدایہ میں ہے:

وفي العسل العشر اذا اخذ من ارض العشر وقال الشافعي لا يجب لانه متولد من الحيوان فاشبه الابريسم ولنا قوله عليه الصلاة والسلام في العسل العشر ولان النحل يتناول الانوار والثمار وفيها العشر فكذا فيما يتولد منها بخلاف دود القز لانه يتناول الاوراق ولا عشر فيها - (۲)

لیکن یہ شکل کہ ریشم کے کیڑوں کی پرورش و پرداخت کے لیے شہتوت کے درخت لگائے جاتے ہیں، ان درختوں سے تو کوئی معتد بہ منفعت حاصل نہیں ہوتی مگر ریشم کی اس کاشت سے کاشت کاروں کو کافی نفع ہوتا ہے ایسی صورت میں چوں کہ ان آمدنیوں کا تعلق براہ راست زمین سے ہوگیا اور زمین کا ایک حصہ باقاعدہ طور پر اس کے لیے مشغول کر دیا گیا تو اس صورت میں ریشم کی اس کاشت پر عشر واجب ہونا چاہیے اس کی دو دلیلیں سمجھ میں آتی ہیں۔

۱۔ اس لیے کہ اس صورت میں معاملہ صرف ریشم یا اس کے کیڑے کا نہیں رہا بلکہ زمین کے اس حصے کا بھی ہے جس میں توت کے درخت لگائے گئے ہیں اور اسی مقصد کے لیے لگائے گئے ہیں اس لیے مما اخرجنا لکم من الارض کا یہ مصداق بن سکتا ہے اور عشر ان کی پیداوار پر واجب ہوگی۔

۲۔ دوسرے جب اس طور پر ہم غور کرتے ہیں کہ ایک طرف فقہاء نے شہد میں عشر کو واجب قرار دیا ہے، دوسری طرف سائمہ جانوروں کے دودھ میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے جب کہ دودھ اور شہد دونوں جانوروں ہی سے پیدا ہوتے ہیں اس فرق کی یہ وجہ بتائی جاتی ہے کہ دودھ میں زکوٰۃ اس لیے واجب نہیں کہ اس کی اصل یعنی حیوانات سائمہ میں زکوٰۃ واجب ہے اور شہد میں عشر اس لیے واجب ہے کہ اس کی اصل یعنی مکھیوں میں عشر یا زکوٰۃ واجب نہیں ہے، گویا فرق کی بنیاد یہ ہے کہ جس کی اصل میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اس کی پیداوار میں زکوٰۃ واجب

---

(۱) ردالمحتار ۲/۵۳ (۲) هدايه على فتح القدير ۲/۱۹۲

ہوگی اور جس کی اصل میں زکوٰۃ واجب ہوگی اس کی پیداوار میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، مثلاً زمین میں زکوٰۃ نہیں ہے تو اس کی پیداوار میں عشر واجب ہے۔

اس کی روشنی میں ریشم کے کیڑوں کو سمجھا جاسکتا ہے کہ کیڑوں میں عشر یا زکوٰۃ واجب نہیں ہے تو اس کی پیداوار میں شہد کی طرح عشر واجب ہونا چاہیے، زکوٰۃ اس لیے نہیں کہ جس طرح شہد کی مکھی مختلف درختوں سے مواد چوس کر شہد نکالتی ہے اسی کی طرح ریشم کے کیڑے توت کے درختوں سے مواد لے کر ریشم تیار کرتے ہیں، اس طرح دونوں کا تعلق درختوں ہی سے ہے اس لیے شہد کی طرح ریشم کی کاشت پر بھی عشر واجب ہونا چاہیے۔

۵۔۔۔ ثمر دار اور بے ثمر باغات کا مسئلہ

ایسے باغات جن کے درختوں سے پھل مقصود ہوتے ہیں ان میں تو بلا شبہ عشر واجب ہے، اسی طرح وہ باغات جن سے پھل تو مقصود نہ ہو مگر اس کے درخت عمارت، فرنیچر وغیرہ میں کام آتے ہوں، قاعدہ کے مطابق ان میں بھی عشر واجب ہونا چاہیے، اس لیے کہ ما سقته السماء اور مما اخرجنا لكم من الارض کے عموم میں وہ بھی داخل ہیں ——— البتہ وہ باغات جن کے درخت محض جلانے کے کام آتے ہیں ان میں عشر واجب نہیں ہے۔

ہدایہ میں ہے:

قال ابو حنيفة فى قليل ما اخرجته الارض وكثيره العشر سواء سقى سيحًا او سقته السماء الا القصب والحطب والحشيش۔ (۱)

فتاویٰ دارالعلوم میں اس قسم کا ایک فتویٰ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"باغ کے ثمر میں عشر واجب ہے، سوختہ میں نہیں۔ (۲)

البتہ اگر باغ اسی مقصد کے لیے لگایا گیا ہو کہ اس سے جلانے کے کام آنے والی لکڑیوں کو فروخت کرنا ہے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

نحو حطب و قصب فارسی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حتیٰ لو اشغل ارضه بها يجب العشر۔ (۳)

---

(۱) هدایه ۱/۱۸۳ (۲) فتاویٰ دارالعلوم ۶/۱۹۳

(۳) شامی ۲/۶۸

۶۔ سبزیوں میں عشر واجب ہے

سبزیاں جو زیادہ دیر تک نہیں ٹھہرتیں، اگر ان کا مقصود تجارت ہے تو ان کو مال تجارت قرار دے کر زکوٰۃ واجب ہوگی، عشر واجب نہ ہوگا، اور اگر مقصود تجارت نہیں ہے بلکہ محض اپنے استعمال کے لیے ان کو اگایا گیا ہو تو اس صورت میں بھی مفتی بہ قول کے مطابق عشر واجب ہے حول قلیل ہو یا کثیر۔

یجب العشر فی عسل وان قل .... بلاشرط نصاب وبقاء (درمختار) وفی الخضراوات التی لاتبقی وهذا قول الامام وهو الصحیح کما فی التحفة۔ (۱)

۷۔ اراضی وقف کی پیداوار پر عشر واجب ہے

اراضی اوقاف کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہے، اس لیے کہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ وجوب عشر کے لیے ملکیت ارض شرط نہیں ہے۔

ویجب مع الدین وفی ارض صغیر ومجنون .... ووقف (درمختار) افادان ملك الارض لیس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج لانه یجب فی الخارج لافی الارض فکان ملکہ لها وعدمه سواء۔ (۲)

واللّٰه اعلم بالصواب

---

(۱) رد المحتار ۲/۶۸ وکذلك فی الهدایة ۱/۲۰۱

(۲) بدائع۔ ردالمحتار ۲/۵۲

خلاصۂ جوابات

محور اول

عشری اور خراجی زمینوں کے درمیان کئی لحاظ سے فرق ہے، تفصیل اپنے مقام پر دیکھی جائے۔

محور چہارم

(۱) سندھ کا کچھ علاقہ عشری ہے اور ایک بڑا علاقہ خراجی، جس کا خراج خراج مقاسمہ (یعنی خمس) ہے پاکستان کی وہ زمینیں جو حکومت نے مسلمانوں کو دیں یا مسلمانوں کے پاس نسلاً بعد نسل چلی آرہی ہیں عشری ہیں ـــــ ہندوستان کا اکثر علاقہ خراجی ہے جس کا خراج خراجِ موظف ہے، سوائے گجرات پنجاب اور راجپوتانہ کے کہ ان علاقوں کا خراج خمس پیداوار ہے، اگر یہ کہ ہندوستان کی کسی زمین کے بارے میں یہ ثبوت مل جائے کہ یہ فتح اول سے آج تک مسلمانوں کے پاس چلی آرہی ہے تو وہ عشری ہوگی، ورنہ نہیں۔

(۲) جن اراضی کا عشری یا خراجی ہونا متعین نہ ہو سکے وہ عشری ہے۔

(۳) سرکار کو دی جانے والی مال گذاری خراج کے حکم میں نہیں ہے۔

(۴) ہندوستانی زمینوں کا خراج خراج موظف ہے جو توظیف عمری کے مطابق نکالا جائے گا، خراج مسلمانوں پر عائد ہونے کی بنا پر موضوعی طور پر عبادت نہیں بنتا، البتہ ثانوی مرحلہ میں نتیجہ کے طور پر بن سکتا ہے۔

(۵) زراعت میں پانی کے علاوہ دوسرے ہونے والے اخراجات کی بنا پر عشر نصف عشر میں تبدیل نہ ہوگا اور نہ ان اخراجات کو پیداوار سے منہا کیا جائے گا، بلکہ کل پیداوار میں عشر واجب ہوگا۔

(۶) جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے ان میں عشر زمیندار اور بٹائی دار دونوں پر (اگر دونوں مسلمان ہوں) اپنے اپنے حصہ کے بقدر واجب ہے اور اگر کوئی غیر مسلم ہو تو غیر مسلم پر کچھ واجب نہیں صرف مسلمان اپنے حصے کا عشر نکالے گا۔

محور پنجم

(۱) عشر پیداوار کی ہر مقدار پر واجب ہے اس کے لیے کوئی نصاب نہیں ہے۔

(۲) زمین سے ہونے والی صرف اس پیداوار پر عشر واجب ہے جس سے آمدنی مقصود ہو، خواہ وہ کوئی بھی چیز ہو، ورنہ عشر واجب نہیں۔

(۳) مچھلی کی کاشت پر عشر نہیں ہے بلکہ زکوٰۃ واجب ہے، اگر شرائط زکوٰۃ پائی جائیں۔

(۴) ایسی زمینیں جو صرف ریشم کی پیداوار کے لیے خاص کر لی جائیں، قاعدہ کے مطابق ان میں عشر واجب ہونا چاہیے۔

(۵) پھل دار اور غیر پھل دار تمام ان باغات میں عشر واجب ہے جن سے آمدنی مقصود ہو اور شرائط عشر پائی جاتی ہوں، البتہ سوختہ لکڑیوں پر عشر نہیں ہے۔

(۶) ہر قسم کی سبزیوں پر عشر واجب ہے اس کے لیے کوئی نصاب نہیں ہے۔

(۷) وقف کی زمینوں کی پیداوار پر بھی عشر واجب ہے۔

واللہ اعلم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

عشر و خراج کی حقیقت

مفتی عزیز الرحمٰن چمپارنی ________ دار الافتاء مئوناتھ بھنجن

محور اول

سوال ۱۔ شریعت کی اصطلاح میں عشر و خراج دو شرعی اصطلاحات ہیں۔

عشر: عشر کے اصلی معنی دسواں حصہ کے ہے۔ مگر اس کی تفصیل واجبات شرعیہ کے اعتبار سے دو صورتوں پر مشتمل ہے، دسواں، بیسواں، لیکن فقہاء کی اصطلاح میں ان دونوں قسموں کی زمینوں پر عائد ہونے والی زکوۃ کو عشر ہی کہتے ہیں۔

خراج: خراج زمین کے اس ٹیکس کو کہتے ہیں جو امام کی طرف سے ایسی زمین پر لگائی جائے جس ملک کو مسلمانوں نے فتح کیا ہو، اور وہاں کے باشندوں سے صلح ہو گئی ہو۔

یحیٰی ابن آدم نے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"انما أرض الخراج ما كان صلحا على خراج يؤدونه الى المسلمين" [1]

علامہ ابن رجب حنبلی نے خراج کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

---

[1] الخراج یحیٰی ابن آدم ص۲۳

"هوالمال الذي يجيئ ويؤتى به لاوقات محدودة ذكره ابن عطية نقد وقال الاسمى الخراج الجعل مرة واحدة والخراج ماود لاوقات ما" [1]

ابوعبید کہتے ہیں کہ الخراج کلام عرب میں غلہ کو کہتے ہیں۔

"إنما هو الغلة الاترى هم يسمون غلة الأرض والدار والمملوك خراجا" [2]

اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خراج کا فیصلہ کیا ضمان کی جگہ پر مسند امام احمد میں ہے "انه قضى بالخراج بالضمان" اور ذوالقرنین کے قصہ میں "فهل نجعل لك خرجا" [3] جس کو "خراجا" بھی پڑھا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: "خراجا" کا معنی اجراً ہے۔ ازہری کہتے ہیں کہ:

"الخراج إسم لما يخرج من الفرائض فى الأموال ويقع على الضريبة وعلى مال الفئ ويقع على الجزية (الخراج لابي يوسف)

اسی طرح قرآن میں ہے: "ام تسئلهم خرجا فخراج ربك خيرا" اس کو حمزہ اور کسائی کی قرأت میں "ام تسئلهم خراجا فخراج ربك خيرا" پڑھا گیا ہے [4]

فرضیت عشر

عشر کی فرضیت نص قرآنی اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ قرآن میں ہے:

"كلوا من ثمره اذا اثمر وأتوا حقه يوم حصاده"

اور دوسری جگہ ہے:

"يا أيها الذين امنوا انفقوا من طيبات ماكسبتم ومما اخرجنا لكم من الارض" [5]

عشر و خراج کی اجمالی تعریف کے بعد یہ معلوم ہونا چاہئے کہ عشر و خراج میں قدر مشترک حکومت اسلامیہ کی طرف سے زمین پر عائد کردہ ٹیکس ہے۔ مگر ان دونوں میں نمایاں فرق ہے۔

[1-3] الاستخراج فی احکام الخراج ص۵

[4] المومنون [5] بقرہ

عشر و خراج میں فرق

پہلا فرق یہ ہے کہ عشر کی فرضیت کا سبب اسلام ہے اور خراج کفر کی وجہ سے ہے جیساکہ احکام القرآن میں ابوبکر جصاص رحؒ نے تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے[1]

دوسرا فرق حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جواہر الفقہ میں تحریر فرمایا ہے کہ عشر میں حیثیت عبادت ہے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے اور صاحب بدائع نے وجوب عشر کے شرائط میں اسلام کو شرط قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں :

أحدهما الاسلام وانه شرط ابتداء هذا الحق فلا يبتدأ بهذا الحق الا على المسلم بلاخلاف لأن فيه معنى العبادة والكافر ليس من اهل وجوبها ابتداء فلا يبتدأ به عليه»[2]

غرضیکہ عشر کے وجوب کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ایک قسم تو اہلیت ہے دوسرے محلیت کے اعتبار سے تو جس طرح اہلیت میں عشر کے لئے اسلام شرط ہے۔ غیر مسلم اہلیت اسلام کے فقدان کے سبب اس حکم کا مکلف نہیں۔ اسی طرح محلیت کے اندر بھی فرق ہے۔ جیساکہ بدائع الصنائع میں ہے :

" واما سبب فرضيته أى العشر فالأرض النامية بالخارج حقيقة وسبب وجوب الخراج النامية بالخارج حقيقة او تقديرا حتى لو أصاب الخارج آفة فهلك لايجب منه العشر فى ارض العشرية ولا الخراج فى الأرض الخراجية يفوت النماء حقيقة وتقديرا ولو كانت الارض عشرية فتمكن من زراعتها فلم يزرع لايجب العشر لعدم الخارج ولو كانت خراجية يجب الخراج لوجود الخارج تقديرا۔"[3]

یعنی عشر کی فرضیت کا سبب زمین کا پیداوار کے ساتھ حقیقت میں قابل کاشت ہونا ہے۔ مگر خراج کا سبب زمین کا حقیقتاً یا تقدیراً (یعنی قابل) کاشت ہونا ہے، اسی لئے اگر پیداوار نہ ہو خواہ زمین کے مالک کی غفلت

---

[1] احکام القرآن للجصاص ۱۰۰ [2] بدائع الصنائع ۲/۵۲ [3] ایضاً

ہی کی وجہ سے ہو وہ قابل کاشت زمین رہ گئی ہو تو مسلمان پر عشر لازم نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ عشر پیداوار کا ایک جزء ہے مگر ایسی قابل کاشت زمین غفلت سے رہ گئی ہو تو بھی خراج لازم آئے گا۔ بشرطیکہ یہ خراج مؤظف (نقدی) ہو۔

البتہ خراج وعشر دونوں میں زمین کا قابل کاشت ہونا شرط ہے۔ اگر زمین بنجر ہو یا ایسی زمین کہ اس میں پانی بھرا رہنے کی وجہ سے کھیتی نہ ہو سکی تو اس صورت میں خراج نہیں لگے گا۔

عشر اور زکوۃ

عشر اور خراج میں جو بنیادی فرق ہے اس کے ساتھ ہی عشر زکوۃ ہی کی طرح عبادت ہونے کے سبب زکوۃ اور عشر میں بھی اس طرح فرق ہے کہ زکوۃ اموال خالص عبادت ہے مگر عشر میں عبادت کے ساتھ ٹیکس کی بھی حیثیت ہے۔

تیسرا فرق

عشر وخراج میں تیسرا فرق یہ ہے کہ عشر کے لئے وہی مصارف مخصوص ہیں جو زکوۃ کے منصوص ہیں مگر خراج مصالح مملکت اور مسلمان فوج کے اخراجات میں صرف ہوتا ہے۔ عشر مسلم معاشرہ کے اہل حاجت کی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ اور خراج مشاہرۂ فوج اور امت کے مصالح عامہ پر۔

چوتھا فرق

عشر کی مقدار۔ عشر یا نصف عشر متعین ہے مگر خراج میں حاکم اسلام اور جن سے صلح ہوئی ہے ان کے درمیان جو مقرر ہو وہی خراج ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں پیداوار پر اور کہیں کپڑوں پر معاہدہ فرمایا۔ غرضیکہ امام اور خراج ادا کرنے والوں کے درمیان جو چیز معاہدے کی رو سے طے ہو جائے۔

منشا خراج

ابو عبید نے الاموال اور یوسف قرضاوی نے "فقہ الزکاۃ" میں خراج کی مصلحتوں کو تفصیلاً

بیان کیا ہے۔ ان کی تحریروں کا مختصراً حاصل یہ ہے کہ خراج کے اندر منشا شریعت کو آیت فئی میں اشارۃً بیان کیا ہے کہ زمینوں کی ملکیت یا اس کا فائدہ افراد سے منتقل کر کے پوری ملت کو منتقل کر دی جائے۔ تاکہ اس کا فائدہ نسلاً بعد نسل ملت کو حاصل ہوتی رہے۔ اس کی مصلحتوں میں یہ بھی مصلحت ہے کہ چوں کہ زمانۂ جاہلیت میں تقسیم اراضی بہ طریق ظالمانہ ہوتی تھی۔ حکمرانوں اور ان کے زیر سایہ لوگوں میں جاگیروں کی شکل میں تقسیم ہوتی رہی۔ اور چند ہاتھوں میں اس کی منفعت سمٹ سمٹا کر رہ گئی تھی اس سے عامۃ الناس محروم ہو گئے تھے اسی بناء پر بعض ائمۂ مسلک کے یہاں خراجی زمین وقف مسلمین کے حکم میں اس طرح ہے کہ جس زمین پر ایک مرتبہ خراج عائد ہو گیا یہ زمین اسی وقت تک ارباب زمین کے قبضہ میں رہے گی جب تک وہ خراج ادا کرتے رہیں گے۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی یا اس کو مسلمانوں کی طرف منتقل کر دینے کے بعد بھی وہ خراجی ہی رہے گی[1]

اسی لئے شام و عراق کے فتح ہونے کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ نے زمین فاتحین میں تقسیم نہیں کیا؛ حالانکہ حضرت بلال اور ان کے ساتھی اس کا مطالبہ کرتے رہے۔ تو حضرت خلیفۂ دوم نے استدلالاً سورۂ حشر کی یہ آیت پیش کی:

"ما افاء اللّٰہ علی رسولہ من اھل القری فللّٰہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل کی لایکون دولۃ بین الاغنیاء منکم"[2]

"للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم و اموالھم"۔

"والذین جاؤا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان"[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان آیات سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ اس فیٔ میں اللہ تعالیٰ نے بعد والوں کو شریک کیا۔ اگر میں اسے تقسیم کر دوں تو بعد والے کے لئے کچھ نہیں رہ جائے گا اگر میں اسے باقی رکھتا ہوں تو اس میں سے صنعاء کے ایک چرواہے کو بھی اس کا کچھ حصہ مل جائے گا[4]

خراج کی حکمت میں "دولۃ بین الاغنیاء منکم" بھی ہے کہ دولت اور سرمایہ صرف چند میں محدود ہو کر نہ رہ جائے

---

[1] المغنی ۲/۱۰۷ [2] سورۃ الحشر [3] الممتحنہ [4] الخراج ابی یوسف

بعض حضرات کو اشکال ہے کہ خراج منصوص بالسنۃ نہیں حالاں کہ الخراج میں ابن آدم نے حدیث ذکر کی ہے جس کی اسناد حسن ہے" أنه قضى بالخراج بالضمان[1]" اور اسی طرح دوسری حدیث ہے :

"ان النبیؐ لما مجمة ابوطيبه كلم اهله فوضعوا عن من خراجه"

اور مسند امام احمد میں ہے :

"كتب النبیؐ الى قيصر كتابا مع دحية يخيره بين احدى ثلث منها ان يقر له بخراج يجرى عليه"[2]

عشری و خراجی زمین کی تحقیق

عشری زمینیں

۱۔ عشری ہر وہ زمین ہے جس کے مالکوں نے اسلام قبول کیا ہو اور وہ اس زمین کے قطعات کے مالک ہوں، جیسے مدینہ، طائف، یمن اور بحرین کی زمینیں، اسی طرح آراضی مکہ گو کہ عنوۃً اور قہراً فتح ہوا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احساناً یا حرم محترم کے احترام میں مکہ والوں کی جان ومال سے تعرض نہیں فرمایا۔

۲۔ دوسری قسم وہ زمینیں ہیں جو عنوۃً حاصل ہوئیں اور بعد میں امام نے ان کو مال غنیمت قرار دے کر خمس ⅕ نکال کر مجاہدین وفاتحین میں تقسیم کر دیا۔

۳۔ مفتوحہ علاقوں کی سرحدی زمینوں میں سے خمس نکال کر فاتحین میں تقسیم کردی گئیں تو اس کے بقیہ حصّوں میں بھی عشر ادا ہوگا۔

۴۔ آراضی عادیہ یعنی وہ قدیم زمینیں جو آباد ہوا اور اس کا کوئی وارث یا مالک نہ ہو۔ اگر امام مسلمین نے کسی مسلمان کو عطاءً دے دی تو وہ بھی عشری ہوگی۔ جیسا کہ عہد رسالت کے بعد خلفاء راشدین کے دور میں یمن، یمامہ، بصرہ وغیرہ کی زمینیں بطور جاگیر اشخاص کو دی گئیں۔

۵۔ آراضی موات (ناقابل زراعت) وہ بنجر زمینیں جس کو کسی مسلمان نے عشری پانی سے محنت کر کے

---

[1] الخراج یحییٰ ابن آدم ص۔ [2] الخراج ص

قابل کاشت بنالی ہو[1]

حدیث میں ہے :" من أحيا أرضا فهي له "[2]

ایسی زمین تو ارثاً اس کے ورثاء میں منتقل ہوتی رہے گی۔ اس لئے کہ یہ اس کی مملوکہ اراضی ہوگی اس کو بیچنا چاہے تو بیچ سکتا ہے۔

۶ ـــــ ملک کے فتح ہونے کے بعد وہاں کی آبادی کے کسی مکان یا افتادہ زمین باجازت امیر کسی مسلمان نے اس کو مزروعہ بنالیا تو امام ابویوسف کے قول کی بنیاد پر ایسی زمین کے قرب وجوار میں عشری زمینیں ہیں تو وہ عشری ہوگی۔ اور اگر ارد گرد میں خراجی زمین ہے تو خراجی ـــــ امام محمدؒ کے نزدیک اس کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار پانی پر ہے۔ اگر اس کو عشری پانی سے قابل زراعت بنائی گئی تو عشری اور اگر خراجی پانی سے سیراب کیا گیا تو خراجی ہوگی[3]

۷ ـــــ لیکن اگر ایسی بنجر زمین میں کوئی پتھر وغیرہ اعلاناً گاڑ دے تو اس کی ملکیت ہوگی۔ مگر اس نے اس کو تین سال تک معطل رکھا یعنی قابل زراعت نہیں بنایا تو اس کے بعد اس کو قابل زراعت بنانے اس کی ہوجائے گی۔ اور اس کے عشر یا خراجی ہونے میں وہی اختلاف وامام ابویوسف اور امام محمدؒ کے قول مختلف کی بنیاد پر ہوسکتا ہے، ہوگا۔

" والتحجير في غير احياء الأرض قال ابن مبارك : التحجير ان يضرب على الارض الاعلام والمنار فهذا الذى قيل فيه إن عطلها ثلاث سنين فهي لمن احيا بعد "[4]

خراجی زمینیں

اگر کوئی ملک صلحاً فتح ہوا تو اس کی زمینوں کے تمام معاملات معاہدۂ صلح کے مطابق طے ہوں گے

۱ ـــــ اگر اس صلحنامہ میں یہ شرط ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر رہیں گے اور اراضی بدستور انھیں کی ملک میں رہیں گی جن کی ملکیت میں تھیں تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج لگادیا جائیگا۔ یہ خراجی ہوں گی

---

[1] الاموال ص۵۱۰-۵۱۳ [2] الخراج یحیی [3] شامی کتاب السیر باب العشر والخراج [4] الخراج لیحیی

۲ــــــ اسی طرح اگر کوئی ملک قہراً فتح ہوا اور فتح کے بعد امام مسلمین نے اس مفتوحہ ملک کی زمینوں کو فاتحین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت میں بدستور قائم رکھی، تو یہ سب زمینیں بھی خراجی ہوں گی۔ جیسے عراق، شام اور مصر کی اکثر زمینوں کے ساتھ حضرت فاروق اعظم نے یہی معاملہ فرمایا، سوائے چند خاص حصوں کے جو مسلمانوں کو دیے گئے، یا بیت المال میں رکھا رشا می

کتاب العشر والخراج :

امام ابویوسفؒ نے مختصر اور جامع الفاظ میں خراجی زمین کی اس طرح تعریف کی ہے :

" وأیمادار من دورالاعاجم قد ظهر علیه الامام وترکها فی ایدی اهلها فهی أرض خراج وإن قسمها بین الذی غنموها فهی أرض عشر الاتری ان عمر بن الخطاب ظهر علی أرض الاعاجم وترکها فی أیدیهم فهی أرض خراج وکل أرض من أراضی الاعاجم صالح علیها أهلها ویصار واذمة فهی أرض خراج "۔[1]

اور دوسری جگہ رقمطراز ہیں :

" وایما قوم من اهل الشرك صالحهم الامام علی ان ینزلوا علی الحکم والقسم وان یودوا الخراج فهی أهل ذمة وأرضهم أرض خراج ویؤخذ منهم ماصالحوا علیه ووفی لهم ولایزاد علیهم "۔[2]

اور دوسری قسم خراجی زمین کے سلسلہ میں امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں :

" وایما أرض افتتحها الامام عنوة...... ولم یرى قسمتها ورأی الصلاح فی اقرارها فی أیدی اهلها کما فعل عمر بن الخطاب فی السواد فله ذالك وهی أرض خراج ولیس له ان یاخذها بعد ذالك منهم وهی ملك لهم یتوارثونها ویتبایعونها ویضع علیهم الخراج ولایکلفوا من ذالك مالایطیقون "۔[3]

۱؎ الخراج لابی یوسف ص ۶۹ ، ۲؎ ۳؎ ص ۶۳

حنبلی مسلک

حضرت یحییٰ ابن آدم نے خراج کن پر عائد ہوتا ہے اور کن پر عائد نہیں ہوتا، اس کو تفصیلاً بیان کیا ہے:

"فیما یوضع علیه الخراج من الارضین ومالا یوضع الارض إمام أن تکون للمسلمین او للکفار. فاما أرض المسلمین فهی قسمان: احدهما أرض لها مالك معین من المسلمین وهی ما احیاها المسلمون من غیر أرض العنوة أوما أسلم علیها. لم یکن علیهم خراج قبل الاسلام فهذه لاخراج علیها وکذالك ماملکها بعض المسلمین من الکفار ابتداء کأرض قاتلوا علیها الکفار وقسمها الامام بین الغانمین فکل هذه من أراضی المسلمین مملوکة لمن فی یده ولاخراج علی المسلم فی خالص ملکه الذی لاحق لاحد وهذا لایعلم فیه خلاف ونص علیه الامام احمد فی احیاء الموات وفیمن أسلم علی أرض بیده" [1]

(یہ بحث اس سلسلہ میں ہے کہ "کس زمین پر خراج عائد ہو گا اور کس زمین پر عائد نہیں ہو گا۔ فرماتے ہیں کہ زمین یا تو وہ مسلمان کی ہو گی یا کافر کی۔ اگر مسلمان کی ہے تو پھر اس کی دو قسمیں ہوں گی، ان میں سے ایک ایسی زمین ہو گی کہ جس کا مالک متعین ہو گا، اور وہ وہ زمین ہے کہ جس کو مسلمانوں نے لائق زراعت بنایا، اور اس ملک کی نہیں ہے جس کو عنوۃ فتح کیا گیا ہو یا وہ ایسی نہیں ہے کہ اس پر اسلام قبول کیا اور ان پر اسلام سے پہلے خراج نہیں تھا تو اس پر خراج نہیں ہو گا اور اسی طرح وہ زمین کہ ابتداءً ہی بعض مسلمان بعض زمینوں کے مالک ہو گئے تو وہ زمین کس طرح کی ہو گی جس پر مسلمانوں نے کافروں سے قتال کیا اور

---

[1] الاستخراج فی احکام الخراج ص۱۱۔

اس کو مسلمانوں میں امام نے تقسیم کر دیا، تو یہ سب زمین مسلمانوں میں جن کے ہاتھ میں ہوں گی وہ ان مسلمانوں کی مملوکہ آراضی سمجھی جائیں گی، اور مسلمانوں کی اپنی خاص ملک میں خراج عائد نہیں ہوتا جس زمین پر کسی دوسرے کا حق نہ ہو۔ یہ وہ رائے ہے جس میں کسی امام کا ائمۂ مسلک میں اختلاف نہیں جاتا۔ اور امام احمدؒ نے احیاء اموات اور مسلمانوں کے قبضہ میں جو زمین ہو اور اس پر اسلام لے نئے اس میں متعینہ رائے بیان کی ہے کہ وہ شخص جس نے کسی زمین پر اسلام قبول کیا تو یہ اس کی ملک ہو گی اور اس سے خراج لیا جائے گا۔"

مگر قاضی عیاض نے اس کی توجیہ یوں کی ہے کہ یہ اس زمین کے سلسلہ میں ہے جو اس کے اسلام لانے سے پہلے سے خراجی ہو تو اس کی اسلام قبول کرنے سے خراج ساقط نہیں ہو گا۔[۱]

امام احمد نے ارض صلح کو ارض خراجی قرار دیا ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیسے تو انھوں نے کہا:

" الرجل يكون في يده الارض فيسلم ويصالح على أرضه فهذا هو خراج "[۲]

حرب کہتے ہیں کہ یہ میرے نزدیک ہے اور رہ گئے دوسرے لوگ تو میں نہیں جانتا کہ یہ کیسے ہے۔ اس لئے کہ آدمی جب مسلمان نہیں ہوتا ہے اور اپنی زمین پر مصالحت کرتا ہے تو اس سے وہ لی جاتی ہے جس پر مصالحت ہوئی ہو۔ پھر جب وہ اسلام قبول کر لیتا ہے صلح کے بعد تو اس کی زمین عشری ہونی چاہیے اس لئے کہ خراج تو قہراً ہوتا ہے ـــــ حرب کہتے ہیں کہ اسی طرح ایک مرتبہ امام احمد نے کہا کہ صلحی زمین عشری ہے اس میں خراج کیسے عائد ہو سکتا ہے ـــــ اسی طرح امام احمدؒ نے ایک قول میں فرمایا:

" اذا فتح المسلمون الارض عنوة فصارت فيئاً لهم فهو خراج. قال وأرض العشر الرجل يسلم بنفسه من غير قتال وفي يده الأرض فهو عشر۔"[۳]

"کہ جب کسی زمین کو مسلمان عنوۃً فتح کریں تو وہ زمین ان کے لئے فئی ہو جاتی ہے اور خراج ہے، اور کہا کہ ارض عشر وہ ہے کہ آدمی خود اپنے کو سپرد کر دے (یا اسلام لے آتے) بغیر قتال کے اور اس کے ہاتھ میں زمین ہو تو وہ عشری ہے۔"

---

[۱] الاستخراج ابن رجب ص۱۱، [۲][۳] الاستخراج ص۱۱

امام احمد سے اس ذمی کے سلسلہ میں جو اسلام لے آئے اور ان کی زمینیں ہوں تو ان پر خراج عائد ہوگا۔ غرضیکہ حضرت امام احمد ابن حنبلؒ کی ان بقیہ صورتوں میں مختلف اقوال ہیں [1]

احناف کی رائے

بنجر زمین کے حکم کے سلسلہ میں احناف کی رائے یہ ہے کہ:

" من أحيا نا مواتا فى أرض الإسلام وسقاه من أرض الخراج ان عليه الخراج وهذا بنوه على اهلهم فى ان الاعتبار فى وجوب الخراج بالماء المسقى به لا بالأرض" [2]

"یعنی جس نے کسی بنجر زمین کو لائق زراعت بنایا اور اس کو خراجی زمین سے سیراب کیا تو اس پر خراج ہوگا۔ مگر یہ مذہب ہے حضرت امام ابو یوسف کا جس پر اکثر احناف نے اعتبار کیا ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک ارد گرد کی زمینوں کا اعتبار کرتے ہوئے اس پر عشری یا خراجی ہونے کا حکم لگایا جائے گا"

علامہ شامی نے "کتاب العشر والخراج" میں ان زمینوں کے بارے میں جو فتح کے وقت کسی کی ملک میں نہیں تھی اور نہ قابل زراعت تھیں بعد میں امیر اسلامی کی اجازت سے اگر قابل کاشت کر لی گئی تو پھر دیکھا جائے گا کہ محنت کر کے قابل زراعت بنانے والے غیر مسلم ہیں تو یہ ان کی ملک ہو جائے گی اور ان پر خراج عائد ہو جائے گا۔ اور اگر مسلمان ہیں تو اس کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار امام محمدؒ کے نزدیک قرب وجوار کی زمینوں پر ہوگا۔ اگر وہ پیش کی اراضی عشری ہے تو وہ عشری ہوگی۔ اور اگر خراجی ہے تو خراجی ہوگی ——— حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک احیاء اموات میں مدار پانی ہے اگر عشری زمین کے پانی سے سیراب کیا گیا تو عشری اور خراجی پانی سے سیراب کیا گیا تو خراجی۔ اور اگر عشری اور خراجی دونوں پانی سے سیراب ہوئی تو اکثر کا اعتبار کر کے اس پر حکم لگایا جائے گا۔

فئی کا حکم: فئی قرار پانے والی زمین صلحاً زمین نجران۔ ایلہ۔ اذرح۔ دومۃ الجندل۔ فدک وغیرہ کو شمار کیا ہے

---

[1] الاستخراج ...

جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح فرمایا تھا۔ آپ کے بعد ائمہ نے بلاد جزیرہ، آرمینیا، خراسان وغیرہ والوں سے صلح کیا۔[1]

چوں کہ فقہ احناف میں پانی کے عشری یا خراجی ہونے کا اثر زمین کی بعض صورتوں پر بھی پڑتا ہے اور پانی کے عشری اور خراجی ہونے کی تحقیق سے دوسرے مسائل بھی واضح ہوں گے۔

عشری اور خراجی پانی کی تحقیق

زمینوں کی طرح پانی میں بھی عشری اور خراجی ہونے کا ضابطہ ہے۔ عشری پانی، بارش کا پانی، قدرتی چشمے، بڑے دریا اور ندیاں جو قدرتی طور پر جاری ہیں اور جس کے بنانے میں حکومت یا کسی قوم کا عمل دخل نہیں، وہ نہ عادتاً کسی کی ملک ہیں اور نہ اس میں عمل دخل ہے۔ جیسے عراق میں دجلہ و فرات، مصر میں نیل، خراسان میں سیحون جیحون اور گنگا، جمنا، پنجاب کے بڑے دریا، عام فقہاء کے نزدیک عشری ہیں۔ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ بھی خراجی ہیں اور جو نہریں کسی حکومت یا جماعت نے اپنی محنت اور خرچہ سے نکالا وہ خراجی ہوں گی۔ (اگر اس طرح نہیں کہ دوسری ساری زمینیں خراجی ہو جائیں۔[2]) چوں کہ نہر گنگ و جمن فتح اسلامی سے پہلے غیر مسلموں کی ملک تھیں، اس لئے ان کا پانی خراجی ہے۔[3]

پانی کے سلسلہ میں تحقیق کرنے والوں کے ذہن میں فقہاء کرام کے ان ضابطوں کے علاوہ یہ بھی رہنا چاہئے کہ ہندوستان میں جو نظام نہر ہے ان نہروں میں سے زیادہ تر انگریزوں کے دور حکومت میں آبپاشی کے لئے تیار کئے گئے، اور حکومت کی طرف سے اس پر محصول مال گذاری کے علاوہ محصول پٹوتی مقرر کیا گیا۔ بہار کے اندر تو سرکاری معاملہ یہی ہے۔ بقیہ صوبوں میں بھی غالباً یہی ہوگا۔ "موسوعۃ الفقہ الاسلامی" میں جامع صغیر کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے:

"في الجامع الصغير: كل أرض فتحت عنوة فوصل إليها ماء الأنهار فهي أرض خراج، وما لم يصل إليها ماء الأنهار واستخرج منها عين فهي أرض عشر، لأن العشر يتعلق بالأرض النامية ونماؤها بمائها"

---

[1] الاموال ۱۶۳ [2] جواہر الفقہ [illegible] [3] [illegible] العشر [illegible] بحر الرائق [illegible] عالمگیری

فیعتبر السقی بماء العشر أو بماء الخراج ومن احیا ارضا مواتا فهی عند
ابی یوسف معتبرة - وقال وان احیاها ببئر حفرها او بعین استخرجها او ماء
دجلة او الفرات او الانهار العظام التی لا یملکها احد فهی عشریة
وکذا اذا أحیاها بماء السماء وان احیاها بماء الانهار التی احتفرها
الاعاجم فهی خراجیة کما ذکر من اعتبار الماء إذ هو السبب النماء"[1]

عشری اور خراجی ہونے کا ضابطہ

زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کے لئے اصل میں یہی ضابطہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپؐ کے بعد صحابۂ کرامؓ نے اپنایا "کتاب الاموال" میں ابو عبید نے ان روایات و فیصلوں کو تفصیلاً ذکر کیا ہے۔

اس اصل ضابطہ سے ہٹ کر بعض مواقع میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مختلف رویہ اختیار فرمایا ہے یہ صورتیں استثنائی ہیں، مثلاً مکہ مکرمہ قہراً فتح ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی زمینوں کو مجاہدین پر تقسیم نہیں فرمایا بلکہ سابقہ مالکان کو بدستور ان کی ملکیت پر قائم رکھا، مذکورہ ضابطہ کا تقاضا یہ تھا کہ آراضی مکہ مکرمہ پر خراج عائد کیا جائے مگر خراجی نہیں قرار دی گئیں۔ اس کی دو وجہیں فقہاء نے بیان کی ہیں مکہ کی آراضی غیر خراجی قرار دینے میں ایک تو احسان تھا، دوسرے حرم پاک کا احترام ملحوظ تھا۔

دور فاروقی میں شہر بصرہ آباد کیا گیا اور اس کی زمینوں کو جو غیر آباد تھیں مسلمانوں نے قابل کاشت بنایا اور یہ زمینیں عراق کی خراجی زمین کے متصل تھیں۔ اس لئے ضابطہ کا تقاضا تھا کہ وہ بھی خراجی ہوتیں اعتبار امام ابو یوسف کی رائے کے ــــــ مگر باجماع صحابۂ کرام اس کی زمینوں پر عشر عائد کیا گیا۔

زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے میں عہد رسالت اور خلفاء راشدین کے فیصلے

علامہ شامی نے "تقویم البلدان" کے حوالہ جزیرة العرب میں پانچ خطے کو شامل کیا ہے۔ تہامہ،

---

[1] موسوعة [illegible] الاسلامی [illegible]

نجد، حجاز، عروض، یمن، حجاز کی جنوبی جانب کا نام تہامہ ہے، حجاز و عراق کے درمیانی حصہ کا نام نجد ہے؛ حجاز وہ پہاڑی سلسلہ ہے جو یمن سے شروع ہو کر حدود شام تک پہنچا ہے، اسی میں مدینہ طیبہ اور شام کا ساحل عمان شامل ہے، اور عروض یمامہ سے بحرین تک ہے، یمن میں عدن بھی داخل ہے بعض حضرات نے جزیرۃ العرب کا طول عدن سے عراق تک اور عروض ساحل جدہ سے ملک شام تک بیان کیا ہے[1]

اسی طرح عراق عرب کی تمام زمینیں خراجی ہیں، فاروق اعظم نے تمام صحابۂ کرام کے سامنے فتح کرنے کے بعد عراق عرب پر خراج کا حکم عائد کیا۔

عراق عرب کے حدود طولاً عذیب علاقہ کوفہ سے عقبۂ حلوان قریب بغداد تک اور عرضاً علث شرق دجلہ سے ساحل عبادان تک ہے[2]

آراضی مصر و شام میں جن مالکان آراضی کو ان کی زمینوں پر بدستور ملکیت قائم رکھی گئی وہ خراجی ہیں۔

نصاری بنی نجران سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ہزار جوڑے کپڑے سالانہ خراج پر صلح فرمائی، جس کا نصف رجب میں اور نصف (ایک ہزار) ماہ محرم میں ادائیگی خراج کا فیصلہ فرمایا۔

نصاری بنی تغلب سے فاروق اعظم نے دوگنا عشر کے خراج پر صلح فرمائی[3]

اس زمین کا حکم جو آبادی سے باہر ہو اور اس کا کوئی مالک نہ ہو۔ البدائع الصنائع میں ہے:

" فی أرض خارج البلد لم تکن ملکا لأحد ولا حقاله خاصًا فلا تکون داخل البلد موات اصلاً وکذا ما کان خارج البلدة من موافقها محتطبا لأهلها أومرعیٰ لهم لایکون مواتا لأن ماکان من مرافق أهل البلدة فهو حق أهل البلدة کفناء دارهم وفی ظاهر الروایة لیس بشرط أن یکون بعیدا عن العمران حتی ان بحر الوجزر الماء انحصر ماؤه او أجمة عظیمه لم تکن ملکا

---

[1] رد المحتار باب العشر والخراج ۲۵۰/۲ [2] بدائع الصنائع، شامی
[3] بدائع القول الماضی فی احکام الأراضی۔

لاجل تكون أرض موات في ظاهر الرواية[1]

"شہر کے باہر اس زمین کے سلسلہ میں جو کسی کی ملکیت نہ ہو اور نہ اس کا کوئی خاص حق ہو، وہ شہر کے اندر اصل میں مردہ رہی ہو اور ایسے ہی جو شہر کے باہر - اس کے موافقت میں اس شہر والوں کے محتطب یا ان کے چوپایوں کے لئے چراگاہ نہ ہو، اس لئے کہ شہر والوں کے مرافق میں جو موجودہ اہل شہر کا حق ہوتا ہے ان کے گھر کے صحن کی طرح - اور ظاہر روایت میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ آبادی سے اتنی دور ہو کہ اگر دریا میں طغیانی آجائے تو اس کا پانی اس میں بھر جائے یا ائمہ عظیم ہو تو اس پر کسی کی ملکیت ثابت نہ ہو گی۔ وہ مردہ زمین قرار دی جائے گی۔ ظاہر روایت میں!"

—— * ——

آراضی ہند کا تاریخی جائزہ

محور دوم

۱ ــــــ محمد ابن قاسم سے لے کر ہندوستان پر برطانوی تسلط سے پہلے ہندوستان کی مفتوحہ آراضی کے ساتھ مسلم فاتحین کا کیا معاملہ رہا اس کا ایک تاریخی جائزہ۔

ان آراضی پر عشر لازم کیا گیا یا خراج؟

مفتوحہ آراضی مسلمانوں پر تقسیم کر دی گئیں یا ان پر حسب سابق غیر مسلموں کا قبضہ باقی رکھ کر کسی خاص قسم کا ٹیکس عائد کیا گیا؟

۲ ــــــ انگریزوں کی عمل داری کے آغاز سے ۱۹۴۷ء تک آراضی ہند کی کیا نوعیت رہی؟ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں اگر اس سلسلہ میں مختلف رویہ اپنایا گیا تو اس کی وضاحت بھی مطلوب ہے۔

محمد بن قاسم سے عہد برطانیہ سے پہلے تک: محور دوم: سوال (۱) چوں کہ ہندوستان کے علاقہ سندھ

---

[1] موسوعة الفقه الإسلامي ۱۱۳/۲

میں سب سے پہلے مسلم مجاہدین دوراموی کے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانۂ خلافت میں آئے، محمد بن قاسم پہلی صدی ہجری کے اواخر میں چھ ہزار فوج کے ساتھ دریائے سندھ کے راستے سندھ میں داخل ہوئے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ سندھ کا چوں کہ علاقہ وسیع تھا، پنجاب، کشمیر، گجرات سندھ ہی اجزا تھے، اس وسیع خطہ میں جیسا کہ گذشتہ دور میں (طوائف الملوکی) چھوٹے چھوٹے علاقوں کا کوئی نہ کوئی راجہ ہوا کرتا تھا۔ اس لئے ان خطوں کے بہت سے راجاؤں نے محمد بن قاسم سے مقابلہ کیا، اور شکست کھا گئے۔ اور بعض راجاؤں نے جزیہ پر صلح کرلیا۔ مگر تقریبًا ان ہر دو قسم کے علاقوں میں محمد ابن قاسم نے وہاں کی زمینوں پر سابقہ ملکیت برقرار رکھتے ہوئے انھیں کے قبضہ میں چھوڑ دی۔

کتب تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بعض شہروں اور علاقوں کے لوگ صلح یا جنگ سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے۔ بہرصورت اجمالی طور پر یہ بات قدر مشترک نظر آتی ہے کہ ان کی زمینوں کو ان کی ملکیت میں بدستور رکھا گیا۔ اور شرعی ضابطے سے جو ملک عنوۃً فتح ہوا اور اس کی آراضی وہاں کے باشندوں ہی کے ملک میں بدستور رہیں تو ان آراضی پر خراج عائد ہوگا، ــــ یا وہ ملک صلحاً فتح ہو تو پھر صلح معاہدہ کے تحت ان کی آراضی پر امام مسلمین جو خراج عائد کرے وہ اپنے اختیار سے کرے گا۔

اب دیکھنا چاہئے کہ سندھ اور پھر بعد کے فتوحات جو محمود غزنوی اور غوری عہد حکومت سے علاءالدین خلجی تک ختم ہو جاتا ہے، ان فتوحات کے بعد زمینوں کے ساتھ حکمرانوں کا کیا رویہ رہا ــــ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رح نے "القول الماضی فی احکام الاراضی" میں سندھ کی زمینوں کے حالات اور ان کے حکم کے سلسلہ میں تفصیلی بحث کرتے ہوتے سندھ کے بعض خطوں کو عشری اور بعض کو خراجی قرار دیا ہے۔ سندھ کے حالات پر اور علماء سندھ کے فتاوٰوں پر نظر کرنے سے بہت حد تک یہ مسئلہ آسان نظر آتا ہے کہ اس کے تناظر میں کسی صحیح فیصلہ پر پہنچا جا سکے، مفتی صاحب مولانا ہمایونی رح کے قلمی نسخہ کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کہ مولانا ہمایونی رح نے اپنے رسالہ "سراج الهند فی تحقیق خراج الهند" میں شیخ ابوالحسن سندھی کی کتاب رفع القریۃ کی یہ عبارت نقل کی ہے:

"قد ثبت فی کتب التاریخ ان فتح السند کان فی سنۃ ثلاث وتسعین وکان عنوۃ الاحرام چینه الخلفاء فی سنۃ ثلاث وتسعین ایام خلافة ولید بن عبدالملك فتحت دیبل ولاشك ان دیبل هو

اکثر قصبات السندھ ومدار دیارھا" لے

مولانا ہمایونی رفع القریہ کی اس عبارت کو نقل کرتے ہوئے حضرت مخدوم ہاشم ٹھٹھوی کی کتاب "اتحاف الاکابر" اور مخدوم عبدالواحد سیوستانی کی کتاب" بیاض واحدی" کا حوالہ دیتے ہوئے ان حضرات کا اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے کہ علاقہ سندھ کی ساری زمینیں خراجی ہیں اور ان حضرات نے استدلال کیا ہے کہ سندھ کے بعض علاقے محمد بن قاسم نے عنوۃ فتح کئے اور بعض علاقے صلحاً۔ اور ان ہر دو صورت میں مالکان زمین کی ملکیت برقرار رکھی، اور ان پر خراج مقرر کیا ــــــ مگر اس کے ساتھ ہی تاریخی شواہد اور خود شیخ ابوالحسن سندھی وغیرہم اور راجہ داہر کے بیٹے جے سیہ کا دور عمر بن عبدالعزیز میں مسلمان ہوجانا اور محمد بن قاسم کے پاس دوسرے راجاؤں کی عوام کا اکثر بنفسہٖ مسلمان ہونا یہ امور اس بات پر ذہن کو مطمئن نہیں ہونے دیتے کہ مندرجہ بالا رائے تسلیم کرلی جائے اور پورے سندھ کے بارے میں خراجی زمین کا حکم لگا دیا جائے۔ اور جس طرح یہ ناقابل تسلیم ہے اسی طرح شیخ ابوالحسن سندھی نے جامع الفتاوی الناصری کا قول نقل کیا ہے کہ سندھ کی اراضی عشری ہیں ــــــ اس لئے کہ جملہ آراضی سندھ کے بارے میں یہ حکم لگانا بھی از روئے شرع تاریخ کے تناظر میں صحیح نہیں ہوسکتا۔ اس لئے محمد بن قاسم نے راجہ داہر کے پایۂ سلطنت برہمن آباد کو عنوۃً فتح کیا اس کے بعد سندھ میں آباد بدھوں نے حجاج ابن یوسف کے پاس اپنے سفیروں کو بھیج کر امان طلب کرلی۔ اور محمد ابن قاسم کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا، مسلمان فوج کی رسد کا انتظام کیا اور صلح کرلی، اس میں بھی احتمال ہے کہ بہت سے لوگ قبل از صلح مسلمان ہوگئے ہوں، اسی طرح میوستان کے میمی لوگ اپنے راجہ بجے رائے کو چھوڑ کر مسلمان کے ساتھ ہوگئے۔ سندھ کا مشہور سیاست داں اپنے لوگوں کو چھوڑ کر محمد بن قاسم سے جاملا، اس نے یہ پیشن گوئی کی کہ اس ملک کو مسلمان فتح کریں گے۔

محمد بن قاسم نے یہاں کے لوگوں کو تبدیلی مذہب پر بزور حکومت مجبور نہیں کیا، اور نہ ان کی آراضی ان کے قبضے سے لی، بلکہ ان کو ان پر قائم رکھا، اور فرمان خلیفہ کے بموجب وہی محصول ان پر مقرر کیا، جو اس سے پہلے وہ اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے۔ نتیجۃً اس سے ہم کم از کم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ نہ تو سندھ کی ساری آراضی عشری ہے نہ خراجی۔

لے الجواھر الفقہ صلا۲۵۶

محمد بن قاسم کے سندھ سے واپس جانے کے بعد تبدیلی حالات

ولید بن عبدالملک کے بعد سلمان بن عبدالملک کے دور میں محمد بن قاسم کو واپس بلالیا گیا، علماء اس تفصیل میں گئے کہ اس کے کیا محرکات تھے محمد بن قاسم کی واپسی کے نتیجہ میں بغداد کی مرکزی خلافت کی گرفت سندھ پر کمزور پڑ جانے کے سبب راجہ داہر کے لڑکے جیسیہ نے بغاوت کر کے سندھ کے پایہ تخت برہمن آباد پر قبضہ کرلیا، اور اس کے قریب پاس کے علاقوں کو بھی قبضہ میں کرلیا، اور اپنی خود مختاری کا اعلان کردیا۔ مورخین کی تحقیق ہے کہ اسی دور میں دوسرے چند عرب امرائے بھی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر کے خود مختار ہو گئے۔ اور صرف دو ریاستوں ملتان اور سندھ کے مشہور شہر منصورہ پر مسلم ولایت برقرار رہی۔

چوتھی صدی کے آخر میں محمود غزنوی تک سندھ اور اطراف سندھ میں چھوٹی چھوٹی مسلم ریاستوں کا پتہ چلتا ہے، جن میں دیبل یا ٹھٹھہ، غیغان یا سیوان، تنبل، بوقان قصدار یا قزدار، دیہند یا دیہانند، مکران، جنگلی، کشمیر۔

عرب کے مشہور سیاح مسعودی کا ورود ہندوستان میں ۳۰۲ھ میں ہوا اس کا بیان ہے کہ ولبھ رائے کی حکومت میں صرف "صیمو" شہر میں دس ہزار مسلمانوں کی آبادی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے راجہ داہر کے لڑکے جیسیہ کو خط لکھا جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی وہ اس غائبانہ خط سے متاثر ہوا اور اس نے اسلام قبول کرلیا۔

ان تاریخی حقائق کی روشنی میں مجموعی طور پر یہ بات بھی نہیں کہی جاسکتی کہ سندھ کے سارے علاقے عنوۃ ہی فتح ہوتے اس لئے کہ ان میں کچھ وہ لوگ بھی ہیں جو خود مسلمان کے ساتھ مل گئے۔ اس میں اس کا قوی احتمال ہے کہ انھوں نے صلح سے پہلے اسلام قبول کرلیا ہو جیسے میمی لوگوں کا حال ابھی گذرا۔ اسی طرح ولبھ رائے کی حکومت میں صیمو کے مسلمان جو کافی تعداد میں تھے۔ اسی طرح راجہ داہر کے لڑکے کا عمر بن عبدالعزیز کے خط پر اسلام قبول کرلینے سے ظاہر خود مختاری اور استیلاء کے بعد اس کا اسلام قبول کرلینا اس کی اور اس کے ساتھ دوسرے مسلمان ہونے والوں کی زمین کو عشری قرار دے گا۔ اسی طرح وہ بنجر زمینیں جن کو مسلمان نے آباد کی ہوں گی اگر عشری پانی سے آباد کیا ہوگا تو وہ بھی عشری ہی قرار پائیں گی۔

۔ اس کے علاوہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس وقت سندھ میں جو زمینیں مسلمانوں کے پاس ہیں ہوسکتا ہے کہ محمد بن قاسم کے ان مفتوحہ علاقوں میں ہوں جو عنوۃ فتح ہوئی ہوں، اور اس کے ہندو مالکان کے

قبضہ میں رہی ہوں، اوران پراس وقت خراج ہی عائد کیا گیا ہو مگر بعد میں غیر آباد لاوارث ہو کر پھر بیت المال کے قبضہ میں آگئی ہوں۔ اور متولی بیت المال نے اپنی صواب دید سے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا ہو تو اس طرح اس زمین پر مسلمانوں کی یہ ملکیت اگرچہ فتح اول کے وقت تو نہیں تھی مگر انقلابات کے سبب مسلمانوں کی ملکیت میں داخل ہو گئی۔

غرضیکہ مسلمانوں کی جو مملوکہ آراضی خواہ ہندوستان کے کسی خطہ کی ہو نسلاً بعد نسل متوارثاً چلی آرہی ہیں اور کسی غیر مسلم کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا تو استصحاب حال کی بنیاد پر پہلا مالک مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ اگرچہ سندھ کی زمینوں کے اکثر مالکان کا غیر مسلم ہونا مشہور ہے مگر جیسا کہ تاریخی اعتبار سے بہت سے لوگوں کا اسلام قبول کرنا بھی ثابت ہے۔ اس لئے محض اس وجہ سے کہ اس علاقہ کی زمینوں کے اکثر مالک ہندو تھے ساری زمینوں کے سلسلہ میں خراجی یا یہ کہ بہت سے مسلمان ہوئے اس بناء پر سب کو عشری قرار دے دینا خلاف حقیقت ہو گا۔

جیسا کہ شیخ ابوالحسن سندھی نے بہت سے نام اور پتے ایسے بھی دیئے ہیں کہ جن کے بارے میں ان کو تحقیق ہے کہ یہ لوگ صلح سے پہلے یا اول فتح کے وقت ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ اسی لئے حضرت شاہ جلال تھانیسری نے احکام الاراضی میں لکھا ہے کہ جو زمینیں مسلمان زمینداروں کے پاس جس خطہ میں بھی نسلاً بعد نسل چلی آرہی ہے اس کو محض اس بنیاد پر مشتبہ نہیں کیا جاسکتا کہ اس علاقہ کی زمینوں پر ابتدائے فتح کے وقت غیر مسلموں کا مالکانہ قبضہ قائم رکھا گیا تھا۔

ان تحقیقات کے باوجود ہم یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ سندھ کے کن کن علاقوں میں محمد بن قاسم کے دور میں خراجی زمینیں تھیں اور کن علاقوں کی عشری۔ البتہ آئینۂ حقیقت نما کے مصنف نے حجاج بن یوسف کے فرمان کا ایک جملہ نقل کیا ہے :

"جو لوگ اپنے مذہب پر قائم ہیں ان سے وہی مال گذاری وصول کرو جو وہ اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے۔"[۱]

اس سے غیر مسلموں سے خراج لینے کا ثبوت جہاں ملتا ہے وہیں اس کا احتمال بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ محاصل غیر مسلموں کے ساتھ تھیں۔ اور جو لوگ اسلام قبول کر چکے تھے یا تو وہ وہ لوگ تھے جنھوں نے

---

[۱] آئینۂ حقیقت نما صفحہ

اول فتح کے وقت ہی مسلمان ہو گئے ہوں یا سندھ میں محمد بن قاسم کے آنے کے بعد دوسرے خطہ کے لوگوں کو جب محمد بن قاسم کی آمد اور فتح کی خبر ہوئی ہو تو ان سے صلح و معاہدہ کے پہلے اسلام قبول کر چکے ہوں، تو ظاہر ہے کہ اس فرمان سے ان کو مستثنیٰ کرنا مقصود تھا اور یہ خراج انھیں لوگوں کے لئے تھا جو اپنے مذہب پر قائم تھے۔ پھر یہ کہ محاصل کی کوئی نئی شرح کے بجائے سابقہ ہی مال گذاری کو قائم رکھا۔

حاصل یہ کہ سندھ کی نہ تو تمام آراضی خراجی کہی جا سکتی ہے اور نہ کل کی کل عشری! ـــــ مگر چونکہ انفرادی طور پر ہر ایک کی زمینوں کے بارے میں اس وقت کی صحیح حیثیت معلوم کرنا جب کہ فتوحات کو تقریباً ۱۲، ۱۳ سو سال گذر چکے، کسی علاقہ میں سات آٹھ سو سال گذرے اور اس زمانہ میں صدہا انقلابات پیش آئے کتنی بستیاں بسیں اور اجڑیں، ان زمینوں پر کتنے زمانے تک کون قابض رہا اور کس کس کی ملکیت میں آتی رہیں اور کتنے زمانہ لاوارث پڑی رہیں وغیرہ ـــــ اس لئے متعینہ طور پر ہر ایک زمیندار کی زمینوں کے متعلق یقینی فیصلہ عشری یا خراجی ہونے کا نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے فقہاء کرام نے استصحاب حال کو بنیاد بنا کر فیصلہ کیا ہے۔

کہ جو زمینیں بھی جس زمیندار کی ملکیت میں ہیں اور نسلاً بعد نسلٍ قرناً بعد قرنٍ اس کی ملکیت میں چلی ہیں اور اس کی ملکیت کسی غیر مسلم کے لئے ثابت نہیں تو اس کو محمول کیا جائے گا کہ اول فتح سے ہی اس کے پاس ہے، یا یہ کہ غیر مسلم کی ملکیت میں تھی مگر وہ بعد میں لاوارث ہو کر بیت المال کے قبضہ میں آ گئی اور متولی بیت المال نے عطائے جاگیر کے طور پر یا قیمتاً فروخت کر کے اس کا اول مسلمان مالک ہو گیا، اسی طرح برہمن آباد اور اس کے قریب کا علاقہ عشری قرار دیا جائے گا، چوں کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے دور میں راجہ داہر کا لڑکا مسلمان ہو گیا تھا، اور مسلمان ہونے سے پہلے برہمن آباد اور اس کے علاقے پر اس کا استیلاء ثابت ہو گیا تھا۔

دوسرے مسلمان بادشاہوں کے دور کا حال

محمد بن قاسم کے بعد ہندوستان کے دوسرے مفتوحہ علاقے محمود غزنوی اور غوری حکومت سے شروع ہو کر علاءالدین خلجی تک تمام ہوتی ہیں ـــــ ان بادشاہوں کے دور میں اہل تاریخ کی کتابوں سے عشر و خراج کی وصولی کا نظام معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ بعض نے لکھا ہے کہ عشری زمینوں سے عشر کی وصولی کا بہت

چاق وچوبند نظام رہا۔

چنانچہ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی نے لکھا ہے کہ :

"نومسلموں کو ان کی زمینوں اور جائدادوں پر بدستور قابض رکھا گیا، اور ان سے عشر وصول کیا جاتا تھا"۔[1]

سلاطین دہلی کے دور میں بھی عشر کی وصولی کا ثبوت ملتا ہے۔ سید محمد صغریٰ بلگرامی کی استدعا پر سلطان التمش نے بلگرام میں عشر کی وصولی کے لئے فرمان جاری کیا۔ علامہ آزاد نے "ماثر الکرام" میں تحریر فرمایا ہے کہ :

"ازاں عہد تا زمان سلطان ابراہیم سکندر لودی دہ یکے پرگنہ بلگرام معمول بود"۔[2]

سلطان شمس الدین کے عہد سے لے کر سلطان ابراہیم بن سکندر لودی تک پرگنہ بلگرام میں عشر کی وصولی کا برابر نظام رہا۔ اسی طرح سلطان التمش کے بعد خاندان غلامان کے تمام بادشاہوں کے دور میں اور بادشاہان غلامان کے بعد خاندان خلجی کے تمام بادشاہوں کے دور میں ــــــ اور خلجی بادشاہوں کے بعد خاندان تغلق کے تمام بادشاہوں کے دور میں تغلقیوں کے خاندان سادات کے تمام بادشاہوں کے دور میں، اور ان کے بعد لودی خاندان کے تمام بادشاہوں کے زمانے میں وصولی کا نظام بدستور قائم رہا۔ ــــــ محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد ہندوستان کے دوسرے علاقے جو محمود غزنوی کے عہد سے علاء الدین خلجی تک فتح ہوئے، ان میں یہ بات مسلم ہے کہ ان علاقوں کی زمینیں جو غیر مسلموں کی ملک میں تھیں، وہ بدستور انہیں کی ملک میں رہیں اور ان پر خراج عائد کیا گیا ــــــ ۔ مگر علاء الدین خلجی نے جو اصلاحات و تغیرات کئے اس سلسلہ میں کتب تاریخ "نزھۃ الخواطر" اور آئینہ حقیقت نما سے پتہ چلتا ہے کہ گذشتہ بادشاہوں کے زمانے میں فوج کو تنخواہ بصورت جاگیر دینے کا دستور تھا مگر علاء الدین خلجی نے اس کو نقد تنخواہوں کی صورت میں کر دیا۔ ــــــ اسی طرح مالکان آراضی پر نقد خراج مقرر تھا مگر اس نے اس کی جگہ پر بٹائی کا وصول مقرر کر دیا۔

اس کے بعد فیروز تغلق نے بھی مالکان آراضی کے سلسلہ میں نقد خراج ہی کو جاری رکھا۔ مگر فوج کی جو نقد تنخواہ کا اصول علاء الدین خلجی نے مقرر کیا تھا اس کو پھر جاگیروں کی شکل میں یعنی گذشتہ علاء الدین خلجی سے پہلے والا دستور مقرر کیا۔

---

[1] آئینہ حقیقت نما ۱/۱۰۰ [2] ماثر الکرام صـ۴۲

دیکھنا چاہئے کہ ان تغیرات کے ذیل میں زمینوں کے احکام میں کیا تبدیلیاں ہوئیں اوران تغیرات کے کیا اثرات باب احکام میں پڑتے ہیں۔

۱۔ جو جاگیریں فوج کو بعوض تنخواہ دی گئیں اگر وہ مسلمان فوج کے پاس آئی تو یہ قرائن کے درجہ میں ہوں گی (خواہ بطور صلۂ خدمت ہے) اس لئے مسلمان امیر کی طرف سے جو زمین کسی مسلمان کے ملک میں آئی وہ عشری ہو گی۔

۲۔ جو زمین غیر مسلم فوج کو حکومت نے بہ صلۂ خدمت عطا کی وہ خراجی ہو گی۔ اس لئے کہ وہ مسلمان امیر کی عطائی ہے وہ ابتداءً اس کی ملکیت میں نہیں تھی۔

اسی لئے یہ کہنا درست ہو گا کہ بعض زمینیں ایسی تھیں جن پر خراج مقرر تھا اور بعض پر عشر اور یہ دونوں چیزیں حکومت کی طرف سے وصول کرنے کے لئے مستقل نظام تھا۔

علامہ آزاد بلگرامی نے عشر کی وصولی کے سلسلہ میں سلطان محمود ابن محمد شاہ بن سلطان فیروز شاہ کے ایک فرمان کا ذکر کیا ہے جس کو سلطان محمود نے عشر کی وصولی کے سلسلہ میں جاری کیا تھا۔ اس میں ہے:

"چنانچہ در عہد سلطان ماضیہ عشر معین غلہ دادہ اند میراں جملہ بدہند" [1]

علامہ آزاد نے لکھا ہے کہ اس فرمان کو انھوں نے خود دیکھا ہے اور اسی اصل فرمان سے مندرجہ بالا الفاظ نقل کئے ہیں اس فرمان سے دو باتیں بخوبی معلوم ہوتی ہیں کہ فیروز شاہ کے علاوہ گذشتہ بادشاہوں کے دور میں بھی عشر کی وصولی کا نظام تھا اور دوسری بات یہ کہ زمین پر نقدی لگان نہیں تھا بلکہ غلہ ہی پیداوار سے دیا جاتا تھا

علامہ آزاد کی تحریر کے مطابق عشر کی وصولی کا نظام بابر کے دور میں درہم برہم ہو گیا، اور ایک زمانہ تک یہی حال رہا لیکن حضرت عالمگیرؒ نے اپنے دور میں جب اصلاحات کی طرف توجہ دی تو تمام ممالک محروسہ میں فرمان جاری فرمائے کہ تمام محاصل (عشر و خراج) احکام شرع کے مطابق وصول کئے جائیں [2] حضرت عالمگیر کا ایک فرمان عشری زمینوں سے متعلق بعض احکام پر مشتمل من و عن برلن کی شاہی لائبریری میں موجود ہے۔ نیز تاریخ مرأت احمدی میں بھی اس فرمان کی نقل محفوظ ہے [3]

علامہ سید سلیمان ندوی نے مقدمہ کتاب العشر والخراج میں تحریر فرمایا ہے:

---

[1] مآثر الکرام [2] منقول از رسالہ "معارف" اعظم گڑھ بابت ماہ جون ۱۹۳۸ء [3] حاشیہ کتاب العشر والخراج ص۱۵۱

''ہندوستان میں جب اسلامی حکومتیں قائم تھیں تو چند بادشاہوں کو چھوڑ کر اکثر فرمانوں میں اسلامی محاصل اسلامی آئین کے مطابق لئے جاتے تھے۔ اکبر کے بعد حضرت عالمگیرؒ نے [illegible] میں اسلامی نظام بیت المال قائم کیا اور اسلامی نظام کے مطابق اسلامی طریق محاصل کو رواج دیا۔ تو جس طرح ہندوؤں پر جزیہ اور خراج قائم کر کے محصلین جزیہ وخراج کو مقرر کیا۔ اسی طرح مسلمان سے زکوۃ وعشر وصول کرنے کے لئے محصل مقرر کئے''۔[1]

مقدمہ ''نزہۃ الخواطر'' سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا عبدالحئی صاحبؒ کی کتاب ''جنۃ المشرق'' میں ہندوستان کی زمینوں کا حال کسی حد تک تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ افسوس کہ وہ کتاب نہ مل سکی۔ غالباً دارالعلوم ندوہ کے کتب خانہ میں ہوگی۔

بہر صورت ان تاریخی شواہد سے مسلمان بادشاہوں کے دور میں دونوں قسم کے محاصل عشر وخراج کا پتہ اجمالاً تو ہوتا ہی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم ہی کے دور سے ہندوستان میں ایسے مسلمان رہے ہیں جن کی آراضی اپنی مملوکہ تھیں جن پر عشر واجب تھا۔ اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً فتوحات کے بعد مختلف طریقوں سے خدمات دینیہ یا دنیویہ کے صلہ میں مسلمان بادشاہوں کی طرف سے مختلف شعبوں یا منصبوں پر فائز لوگوں کو جاگیریں دی جاتی رہیں۔ جو ان کی ملک میں آنے کے بعد عشری زمینیں ہوتی جاری ہیں اس کے علاوہ بہت سی ایسی زمینیں جو ناقابل زراعت اور بنجر کی شکل میں پڑی ہوئی تھیں مسلمان ان کو قابل کاشت بناتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ہندو مالکان کی بھی بہت سی آراضیاں امتداد زمانہ کے سبب لاوارث ہو کر بیت المال میں آتی رہیں، اور بیت المال سے باجازت امیر مسلمانوں کو ملتی رہیں اس طرح اس کا قوی امکان ہو گیا کہ موجودہ مسلمانوں کی مملوکہ آراضی ان کی ملک میں ابتداء ہی سے عشری تھیں۔

ہندوستان کے مختلف صوبے اور ان کی زمینوں کا حکم

سندھ، پنجاب، گجرات اور کشمیر کے متعلق گذشتہ تحقیق کی روشنی میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ان صوبوں کی کچھ زمینیں عشری اور کچھ زمینیں خراجی ہیں گو کہ تعیین اور تشخیص کے دشوار ہونے کی وجہ سے استصحاب

---

[1] کتاب العشر والخراج

حال کی بنیاد پر مسلمانوں کی موجودہ مملوکہ آراضی عشری کہلائیں گی، اسی طرح تقسیم ہند کے بعد پاکستان نے پنجاب میں تھل کا علاقہ، سندھ میں کوٹری بیراج کا علاقہ، اور اندرون سندھ و پنجاب کے وہ نئے علاقے جن کو حکومت پاکستان نے آباد کرائے یہ سب مسلمانوں میں قیمتاً یا بلاقیمت تقسیم کر دیئے گئے۔ ان سب کے بارے میں عشری ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ ـــــ مگر ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں گجرات و کشمیر اور قنوج وغیرہ جو بعض سندھ ہی محمد بن قاسم کے فتوحات میں شامل ہیں۔ اس لئے کہ یہ صوبے سندھ ہی کے جزء تھے تو ان صوبوں کے بارے میں بھی عشری اور خراجی ہونے کا احتمال ہے۔

اسی طرح دکن کے سلسلہ میں آئینۂ دکن کے ان فیصلوں کے مطالعہ سے جو دور مغل حکومت کے ہیں یہی پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کی ملک میں بڑی بڑی جاگیریں تھیں، جن کو وہ دوسروں سے اور اکثر غیر مسلموں سے بٹائی یا اجارہ پر یا سالانہ محصول پر کھیتی کراتے تھے، اور یہ کھیتی کرانے والوں کے پاس نسلاً بعد نسل رہتی تھیں جس کی وجہ سے بعد میں اس کو موروثین زمین کی وجہ اپنی ملکیت سمجھ بیٹھتے تھے اور دوسروں سے فروخت بھی کرنا چاہتے تھے جس پر مالک آراضی عدالت میں مقدمات دعوی ملکیت دائر کر کے اپنی ملکیت کی واپسی کا مطالبہ کرتا تھا۔ اور ان کے ان دعووں میں ثبوت و شہادت کے بعد اس دور کی عدالتوں نے حق موروثیت کا اعتبار نہ کرتے ہوئے مالکان آراضی کے حق میں فیصلے بھی دیئے ہیں اس کی ایک نظیر پیش خدمت ہے:

:- دکن :-

مقدمہ: سید احمد بادشاہ قادری ولد سید محی الدین شاہ۔ مدعا علیہ مرافع

بنام

شیخ حسین ولد غلام محی الدین۔ مدعی مرافعہ علیہ

سند آراضی جو جاگیر میں واقع۔ سند منجانب جاگیردار بابت آراضی

جاگیردار کے حقوق مالکانہ،

عطاء جاگیردار نسبت آراضی واقع جاگیر،

جاگیردار کے اختیارات۔ عطاء قبضہ۔ امتداد قبضہ

مدعی نے جو ایک سند نوشتۂ جاگیردار کی بنیاد پر ایک قطعہ آراضی و درختان متعلقہ مقبوضہ مورث کا دعوی

بوجہ بے دخلی دائر کیا۔ عدالت ابتدائی واپیل صدر نے دعوی ڈگری فرمایا۔ بربنا مرافعہ ثانیہ تجویز ہوئی کہ چوں کہ جاگیر دار کو جاگیر کی نسبت وہ حقوق مالکانہ حاصل نہیں ہوتے جو کسی مالک کو اپنی ملک کی نسبت حاصل ہوتے ہیں۔ اس لئے عطاء جاگیر دار بالکل ناجائز ہے اس سے کوئی ــــــ حقیقت توریث پیدا نہیں ہوتی اور نہ امتداد قبضہ سے اثر ملکیت پیدا ہو سکتا ہے۔

مرافعہ علیہ کی جانب سے مولوی فدا حسین خاں صاحب وکلاء حاضر مولوی میر افضل حسین صاحب میر مجلس و مولوی مفتی سید نور الضیاء الدین متفق الرائے مدعی بربنائے سند مورخہ ۱۱ رجب ۱۲۱۱ھ زمین درخشان مندرجہ مصدر کا دعویدار ہے۔ اور ہر دو عدالت پائے ماتحت نے اس کے حق میں ڈگری صادر کردی ہے جس کا رافعہ ہے، ہماری رائے ہے کہ کاتب سند خود ایک جاگیر دار ہے جاگیر دار کو نسبت جاگیر کے وہ حقوق مالکانہ حاصل نہیں ہیں جو کسی مالک کو اپنی ملک میں حاصل ہوتے ہیں۔ اس لئے عطاء جاگیر دار مذکور کی بحق مورث مدعی بالکل ناجائز ہے اور اس سے کوئی حقیقت بربناء توریث مدعی کو حاصل نہیں ہوتی ــــــ وکیل مرافعہ علیہ یہ بحث کرتے ہیں کہ مورثان مدعی کا قبضہ بربناء سند مذکور بہت ہے۔

ہماری رائے ہے کہ محض امتداد بلحاظ واقعات مذکور الصدر مدعی کے حقوق میں اثر ملکیت نہیں پیدا کرتا خصوصاً ایسی حالت میں کہ مدعی اس وقت بے دخل ہے اور قبضہ دہانی کا دعویٰ کرتا ہے[1]

اس نظیر کے یہاں تحریر کرنے کا منشاء صرف یہ ہے کہ ہم غور کریں کہ اس دور میں جو زمینیں مسلمانوں کی کسی کو بطور کاشت دے دی جاتی تھیں اس پر مسلمان کی ملکیت قائم رہتی تھی خواہ وہ اس کاشت کرانے والے جاگیردار کے ہی مدتوں رہتی ہوں اور توریثاً وہ اس میں کاشت کراتے رہتے تھے۔ باوجود سند جاگیرداری کے جو کسی جاگیردار نے دی ہو اول مالک کی ملکیت سے اس کی ملکیت ختم نہ ہوتی تھی۔ اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ مسلمانوں کی [illegible] میں ذاتی زمینیں ایسی بہت سی تھیں جن کو انھوں نے دوسروں کو دے رکھی تھی۔ اور اس طرح کی جاگیریں اتفاق سے اگر کسی غیر مسلم کے قبضہ میں چلی جائیں تب بھی وہ عشری رہے گی۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ دکن میں [illegible] مسلمانوں اور نوابوں کی بہت زیادہ آراضیاں تھیں جو ایک مسلمان کی ملک ہونے کے سبب عشری ہونے پر دال ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا

---

[1] [illegible] ۳۰۰

کہ ایسی بھی بہت سی آراضیاں ہوں گی جن پر خراج مقرر کیا گیا ہوگا۔

مزید دکن کے حالات پر تاریخ کے اوراق سے سراغ لگایا جا سکتا ہے کہ وہاں کی آراضی کن کن خطوں کی عشری ہیں اور کن کن علاقوں کی خراجی:

صوبہ بہار

صوبہ بہار میں بہت سے علاقے مختلف راج کے نام سے مشہور رہے ہیں، مثلاً ہتھواں راج جو گوپال گنج کے قریب ہے۔ دربھنگہ راج، بیتیا راج جو ضلع چمپارن میں ہے اور اس طرح یہ مختلف راج میں بڑی بڑی آراضیاں تھیں۔ ان راجوں میں جو زمینیں جاگیرداروں کو دی جاتی تھیں ان جاگیرداروں کے گھروں کو بہار میں اکثر جگہوں پر دربار کہا جاتا تھا۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ راجا اور حکمراں تھے بلکہ یہ جاگیردار تھے۔ اور ان بڑے بڑے جاگیرداروں نے جن لوگوں کو اپنی جاگیرداروں کے حصے دے رکھے تھے وہ سب ان جاگیرداروں کے اصل میں کارندے تھے جو ان کھیتوں کو کاشت کاروں کو بٹائی پر دیا کرتے تھے۔ انگریزوں کے دور تک یہ طریقہ رائج رہا۔ اور مسلمانوں کے دور میں مسلمانوں کی عشری زمینوں پر جو عشر کے وصول کرنے کا اصول تھا اسی اصول پر حکومت برطانیہ کے انگریز کاشتکاروں سے دسواں وصول کرتے تھے ـــــ چنانچہ حضرت العلام مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نے زکوۃ و عشر میں تحریر فرمایا ہے کہ:

"ہمارے صوبۂ بہار میں تو اس عہد انگریزی میں بھی سروے سے پہلے عشر کا رواج تھا۔ اگرچہ ناواقفیت سے لوگ اس کو عشر نہیں سمجھتے تھے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم نے دیکھا ہے کہ زمیندار کاشتکاروں سے بٹائی کی کھیت پر ایک مقدار "دھیک" کے نام سے وصول کرتے تھے، مگر وہ لوگ نادانی سے اس کو زمینداری کا حق سمجھتے تھے اور اپنے مصرف میں لاتے تھے، حالانکہ دھیک ٹھیک لفظی ترجمہ عشر کا ہے چونکہ ہندوستان کے سلاطین مغلیہ نے تمام مصطلحات کو فارسی میں رکھا تھا، اس لئے عشر کا ترجمہ فارسی میں دھیک کر دیا گیا۔ اور وہ زمیندار کی معرفت وصول ہوتا رہا۔ اسلامی حکومت کے بعد لوگ اصل حقیقت سے غافل ہو گئے۔ اور اس کو غلط طور پر استعمال کرنے لگے۔ سروے کے زمانہ میں اس کو ناجائز ابواب سمجھ کر رعایا نے ساقط کر دیا۔ اور بہت ممکن ہے کہ اکثر علاقوں میں سروے سے بہت پہلے یہ چیز ختم ہو گئی ہو۔ بہر حال عشری زمین کے وجود اور تحقیق میں کوئی شک نہیں جو لوگ عشری کے وجود

کے منکر ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں "۔[1]

مَحورِ پنجم

سوال (۱) کیا عشر کا وجوب پیداوار کی ہر مقدار پر ہے یا اس کے لئے کسی نصاب کا اعتبار ہوگا۔ اگر نصاب کا اعتبار ہوگا تو وہ نصاب کیا ہے ؟

جواب : آیت کریمہ کے الفاظ " وآتوا حقه یوم حصاده " (فصل کی کٹائی اور پھل کے توڑنے کے دن ان کا معین حصہ ادا کیا کرو) اس کی تفسیر حضرت ابن عباس، حسن، انس بن مالک، جابر بن زید، سعید ابن مسیب، قتادہ، طاؤس، محمد بن حنفیہ، ضحاک اور زید بن اسلم سے یہ نقل کی گئی ہے :

" هذا أمر من الله بإيتاء الصدقة المفروضة من الثمر والحب "۔[2]

علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں اس آیت کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے کہ " وآتوا حقه يوم حصاده " میں حق سے مراد وہ حق تھا جو مسکینوں کو کٹائی کے وقت دیا جاتا تھا، ـــــ ابتداء میں یہ صدقہ واجب تھا مگر عشر اور نصف عشر کی فرضیت کے بعد یہ منسوخ ہوگیا۔

ابن العربی نے احکام القرآن میں اس آیت کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے :

" وقد أفادت هذه الآية وجوب الزكوة فيما سمى الله سبحانه وأفادت بيان ما يجب فيه من مخرجات الارض التى أجملها فى قوله " ومما اخرجنا لكم من الارض " ففسرها ههنا فكانت أية البقرة عامة فى الخراج كله مجملة فى القدر وهذه الأية خاصة فى مخرجات الأرض مجملة فى القدر فبينه رسول الله صلى الله عليه وسلم الذى امر بان يبين للناس ما نزل عليهم فقال فيما سقت السماء العشر وما سقى بنضح أو دالية نصف العشر "۔[3]

حاصل یہ ہے کہ آیت " مما أخرجنا لكم من الأرض " سے ہر نکلنے والی چیز پر صدقہ کے حکم کا عموم ثابت

---

[1] عشر و زکوٰۃ ص۲۶ [2] تفسیر طبری ۱۰/۱۵۰ طبع مصر [3] احکام القرآن لابن العربی ص ۲/۱۳–۲۱۳ طبع مصر

ہوتا تھا۔ مگر "وآتوا حقہ یوم حصادہ" سے خاص کر زمین سے نکلنے والی چیزوں کی قدر اجمال کے ساتھ تعیین ہو گئی۔ اور اس قدر مجمل کی تشریح و تبیین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول "فیما سقت السماء العشر وما سقی بنضح او دالیۃ نصف العشر" کے ذریعہ فرمائی۔

ان کے علاوہ علامہ محمود آلوسی نے تفسیر روح المعانی ۸/ ۲۸ مطبوعہ بیروت اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری ۳/ ۲۹۴ مطبوعہ دہلی ۱۹۶۷ء امام قرطبی نے تفسیر الجامع الاحکام القرآن ۷/ ۹۹ مطبوعہ مصر ۱۹۶۷ء وغیرہ حضرات مفسرین نے اس آیت کا مورد عشر اور نصف عشر کو قرار دیا۔

اس آیت کے اطلاق و اجمال میں اختلاف کے سبب ائمہ کے درمیان مقدار نصاب میں اختلاف ہو گیا۔ علاوہ ازیں احادیث د کا اختلاف اس کا سبب ہے۔

حضرت امام اعظمؒ اور صاحبین کے درمیان دو بنیادی اختلاف ہے۔ عشر کے وجوب میں نصاب اور بقاء، امام اعظم بلا شرط قلیل و کثیر اور بقاء کے عشر کو ہر چیز میں خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ باقی رہنے والی ہو یا نہیں۔ ہر حال میں عشر کو واجب قرار دیتے ہیں ـــــ مگر صاحبین اور دوسرے ائمہ مسالک امام مالکؒ امام شافعی وغیرہ کے نزدیک وجوب عشر میں نصاب شرط ہے ـــــ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

"قال أبوحنيفة فى قليل ما أخرجته الأرض وكثيره العشر سواء سقى سيحًا أو سقته السماء الا الحطب و القصب والحشيش"[1]

اور صاحبین فرماتے ہیں:

"وقالا لايجب العشر الا فيما له ثمرة باقية إذا بلغ خمسة اوسق"[2]

صاحب بحر رقم طراز ہیں کہ اختلاف دو جگہوں پر ہے۔ اشتراط نصاب اور اشتراط بقاء ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کے مستدل ہیں۔ حضرت امام اعظمؒ کے قول کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث جس کو بخاری نے ذکر کیا ہے:

"ما أخرجته الأرض ففيه العشر"

اور اسی طرح: "فيما سقت السماء والعيون أوكان عثريا العشر"

---

[1] بحر الرائق ۲/ ۲۳۲ [2] فتح القدير ۲/ ۲۳۲۔

وہ فرماتے ہیں کہ اس میں آپؐ نے بلا تفصیل کے جو کچھ زمین سے پیداوار ہو اس میں عشر کا حکم فرمایا ہے۔ اور مسلم شریف میں ہے :

" فیما سقت الانہار والغیم العشر وفیما سقی بالسانیہ نصف العشر "

اس کے علاوہ عبدالرزاق نے اس سند کے ساتھ کہ :

" اخبرنا معمر عن سماک بن الفضل عن عمر بن عبد العزیز قال فیما انبتت من قلیل وکثیر العشر "

اور اسی کے مثل مجاہد و ابراہیم نخعی سے بھی اور ابن ابی شیبہ نے عمر بن عبدالعزیز، مجاہد اور نخعی سے ذکر کیا ہے ان دلائل کی بنا پر احناف نے امام صاحب کی رائے کو اقوی اور ارجح قرار دیتے ہوئے اختیار کیا ہے۔ صاحبین کے نزدیک پانچ وسق سے کم میں عشر واجب نہیں۔ انھوں نے بھی آیت کو مجمل قرار دیا ہے اور اس کی تفصیل حدیث " لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة " قرار دیا ہے۔ جب کہ یہ روایت بھی بخاری کی ہی ہے۔ اور مسلم کے الفاظ " لیس فی حب ولا تمر صدقة حتی تبلغ خمسة اوسق " بھی مستدل ہے۔

اصل یہ کہ اس میں عام اور خاص کا تعارض ہے جو لوگ خاص کو مطلق پیش کرتے ہیں وہ اوساق کی حدیث کو موجب قرار دیتے ہیں۔ اور جو عام کو پیش کرتے ہیں یا وہ متعارض سمجھتے ہوئے تاریخ کے عدم علم کی صورت میں ترجیح دیتے ہیں یا اگر ان دونوں حدیثوں کی تاریخ معلوم ہو تو متاخر کو منسوخ قرار دیتے ہیں بحث کرتے ہوئے صاحب بحر نے لکھا ہے کہ وجوب عشر میں عموم تسلیم کر لیا جائے تو بھی " فیما دون خمسة اوسق صدقة " والی روایت متعارض نہیں ہوگی، اس لئے کہ عموم وجوب میں احتیاط ہے۔ اصل مقدار جس میں اختلاف ہو اگر وہ پوری ہو جائے تو اور اگر نہ پوری ہو تو غرض مقصود سے نکلنا لازم نہ آئے گا۔

دوسری توجیہ یہ بھی ہے کہ " فیما انبتت من قلیل اوکثیر العشر " اور " لیس فیما دون خمسة اوسق " دونوں کو جمع کر سکتے ہیں۔ اور جمع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ " لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة " میں صدقے سمجھا جاتا ہے کہ یہ حکم نصاب زکوٰۃ کی مقدار کو بتانے کے لئے ہے۔ اس لئے کہ پیداوار پر جو چیز واجب ہوتی ہے شریعت نے اس کے لئے لفظ عشر متعین کر دیا۔ صاحب فتح القدیر نے یہ توجیہ ذکر کی ہے :

" وما ذکرہ المصنف من حمل مرویھما علی زکوۃ التجارۃ طریقة الجمع

بین الحدیثین قبل لفظ الصدقة یشعر بہ نزلی المعروف فی الواجب فیما اخرجت اسماء العشر لا الصدقة بخلاف الزکوٰۃ [1]

اور ایک تاویل لیس فیما دون خمسة اوسق کی فقہائے یہ بھی کی ہے کہ اس میں زکوٰۃ تجارت کا حکم بیان کیا گیا ہے، اس لئے کہ وہ اوساق فروخت کرتے تھے اور ایک وسق کی قیمت چالیس درہم ہوتا تھا۔ صاحب عنایہ تحریر فرماتے ہیں:

" وتاویل ما رویاہ زکوٰۃ التجارۃ لانہم کانوا یتبایعون بالأوساق وقیمة الوسق أربعون درھمًا فتکون قیمة خمسة أوسق مائتی درھم وھو نصاب الزکوٰۃ " [2]

اور جن لوگوں نے وجوب عشر کے لئے غنی کو مشروط قرار دیا ہے اس لئے درست نہیں کہ جب عشر کے وجوب کے لئے مالک ہونا ہی مشروط نہیں تو غنی تو مالک کی صفت ہے اور ذات کو عارض ہے، جب ذات مشروط نہیں تو عارض کو مشروط قرار دینا کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔

صاحب عنایہ تحریر فرماتے ہیں:

" ولا معتبر بالمالك فیه أی فی العشر جواب عن قوله فیشترط النصاب یعنی ان الغنی صفة المالك والمالك فی باب العشر غیر معتبر حتی یجب فی آراضی المکاتب والصبی والمجنون والأراضی الموقوفة علی الرباطات والمساجد فکیف بصفته وھو الغنی " [3]

غرضیکہ نصاب کے لئے غنی کی صفت وجوب عشر کے لئے مشروط نہیں ورنہ مکاتب اور آراضی موقوفہ میں عشر کیسے واجب ہو سکتا ہے اور اسی لئے عشر میں حولان حول بھی مشروط نہیں "لانہ للنماء وھو کله نماء"

الحاصل

عشر میں مقدار نصاب کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے اور حضرت امام اعظم کی رائے کو اکثر احناف نے راجح قرار دیا ہے، حتی کہ علامہ یوسف القرضاوی نے بھی فقہ الزکوٰۃ میں اسی کو راجح اور قابل عمل قرار دیا ہے۔

---

[1] فتح القدیر ۲۳۲ [2] العنایہ بھامش فتح القدیر ۲/۲۳۳ [3] فتح القدیر ۲/۲۳۳

ازالۃ الخلفاء میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ میں نے بعض ایسے اصحاب کو جو پانچ اوساق کے قائل نہیں یہ کہتے سنا ہے کہ نبی کریمؐ کے بعد ابوبکر و عمر، عثمان و علی کے دور میں عام طور پر اور زمانۂ مابعد میں طویل عرصہ تک صدقات وصول کئے جاتے رہے، لیکن کسی روایت میں یہ نہیں ہے کہ کسی نے یہ کہا ہو کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں، بجز ابوسعید خدری [1]

اس روایت کے سلسلہ میں امام شافعیؒ نے صحت کا قول ضرور کیا ہے اور عمرو بن حزم کی کتاب میں حضرت جابرؓ سے یہ مروی بھی ہے مگر عجیب بات ہے کہ ائمہ میں سے کسی سے یہ منقول نہیں کہ ان کے زمانہ میں یہ روایت ظاہر ہوئی ہو اور انھوں نے اس میں کلام کیا ہو۔

سوال (۲) کیا زمین سے ہر پیدا ہونے والی چیز پر عشر واجب ہے؟ جیسے گھاس، بانس، درخت، جانوروں کے لئے لگایا جانے والا چارہ وغیرہ یا زمین سے پیدا ہونے والی کچھ چیزیں وجوب عشر سے مستثنیٰ ہیں۔ پانی میں کاشت کی جانے والی چیزوں مثلاً سنگھاڑا، مکھانہ وغیرہ میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

جواب : گھاس، بانس جو خودرو ہوں ان میں فقہاء جمہور کی رائے ہے کہ عشر نہیں ہے۔ امام ابو یوسفؒ "الخراج" میں رقم طراز ہیں :

"قال ابویوسف ولیس فی القصب ولافی الحطب ولافی الحشیش ولافی التبن ولافی السعف عشر ولاخمس ولاخراج" [2]

مگر فقہاء کرام کی دوسری عبارتوں سے قصب الزریرہ (مکئی) اور گنے وغیرہ پر عشر کے وجوب کا قول ملتا ہے :

"وأما قصب الزريرة فاذا كان فی أرض العشر عشر وإذا كان فی أرض الخراج ففيه الخراج۔ وأما قصب السكر ففيه العشر إذا كان فی أرض العشر وإذا كان فی أرض الخراج ففيه الخراج لأنه مما يؤكل وأما قصب الذريرة وإن لم يؤكل فله ثمن ومنفعة" [3]

---

[1] ازالۃ الخلفاء مترجم ج ۳ ص ۲۰۹ مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب کراچی

[2] الخراج لابی یوسف ص ۵۸ [3] ایضاً

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رح نے الاموال کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ:

"وجوب عشر کے لئے چوتھی شرط یہ ہے کہ پیداوار کوئی ایسی چیز ہو جس کو اگانے اور پیدا کرنے کا رواج اور عادتاً اس کی کاشت کرکے نفع اٹھایا جاتا ہو، خودرو گھاس اور بیکار قسم کی خودرو جھاڑ جھنکار اگر کسی زمین پر اگ آئیں تو ان پر عشر نہیں، گھاس اور بانس کو آمدنی کے لئے اگایا گیا تو ان میں عشر واجب ہوگا" [1]

اور فتاوی عالمگیری نے لکڑی، گھاس بانس وغیرہ میں عدم منفعت کی صورت میں عدم وجوب عشر کا قول کیا ہے، فرماتے ہیں:

" فلاعشر فی الحطب والحشیش والقصب والطرفاء والسعف- لأن الارض لاتستنمی بهذه الاشیاء بل تفسدها حتی لو تستنمی بقوائم الخلاف والحشیش والقصب وغصون النخل اوفیها دلب أوصنوبر ونحوها وکان یقطعه ویبیعه یجب فیه العشر کذا فی محیط السرخسی" [2]

متذکرہ بالافقہاء کی عبارات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ زمین سے جو چیزیں عادتاً کاشت کرنے کا رواج نہیں ہے۔ اگر وہ خودرو بیکار ہیں تو ان پر عشر واجب نہ ہوگا، مگر انھیں فروخت کرنے اور نفع کی غرض سے یا وہ نفع بخش ہیں تو ان پر عشر واجب ہوگا، اس لئے کہ علت عشر منفعت ہے اور منفعت پائی جائے گی تو عشر کا بھی وجوب ہوگا،

حضرت امام اعظم رح کے نزدیک زمین سے پیدا کی جانے والی ہر چیز میں عشر ہے خواہ وہ کم ہو یا زیادہ اور نفع بخش پیداوار مستثنیٰ نہیں ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے:

" ویجب العشر عند أبی حنیفة فی کل مایخرجه الأرض من الحنطة والشعیر والدخن والأرز وأصناف الحبوب والبقول والریاض والأوراد والرطاب وقصب السکر والزریرة والبطیخ والقثاء والخیار والباذنجان والعصفر واشباه ذالك مماله ثمرة باقیه أو غیر باقیه قل اوکثر

---

[1] البدائع ے الجواهرالفقه ص۲۸۱ [2] فتاوی عالمگیری ۱/۹۵

هكذا فى فتاوى قاضى خان سواء يسقى بماء السماء او سيحا يقع فى الوسق ام لا يقع هكذا فى شرح الطحاوى"۔[1]

اسی طرح مکھانہ اور سنگھاڑا میں بھی نفع بخش ہونے کے سبب عشر واجب ہوگا۔

بعض فقہاء کی عبارت سے بعض چیزوں میں عدم وجوب عشر کا بھی قول ملتا ہے مثلاً صاحب بحر نے تحریر فرمایا ہے:

" وكذا كل حب لا يصلح للزراعة كبزر البطيخ والقثاء لكونها غير مقصودة فى نفسها وكذا لا عشر فيما هو تابع للارض كالنخل والاشجار"[2]

اس کا مطلب یہ ہے کہ بطیخ (خربوزہ) اور قثاء (ککڑی) کے بیج پر عشر نہیں، اس لئے کہ یہ دانے فی نفسہ مقصود نہیں اسی طرح کھجور کے درخت اور دوسرے درخت پر زمین کے تابع ہونے کے سبب اور ان سے حاصل پھلوں پر عشر واجب ہونے کی بناء پر عشر واجب نہ ہوگا۔

سوال (۳) آج کل عام طور پر زراعتی آراضی پر تالاب کھود دئے جاتے ہیں اور اس میں مچھلی کی کاشت کی جاتی ہے، مچھلی کی کاشت کو بہت نفع بخش تصور کیا جاتا ہے، کسان یہ سوچتا ہے کہ اگر ان آراضی پر گیہوں، دھان وغیرہ کی کاشت کرے تو اخراجات اور محنت زیادہ ہے، اور منفعت کم، اس لئے آراضی کو مچھلی کی کاشت کے لئے تالاب بنا کر استعمال کرتا ہے، کبھی اس تالاب میں قدرتی پانی جمع ہوتا ہے اور کبھی بورنگ یا دوسرے ذرائع سے اس میں پانی پہنچایا جاتا ہے ـــــ اب سوال یہ ہے کہ مچھلی کی اس کاشت کو زراعت میں داخل کرکے اس پر احکام عشر جاری و نافذ ہوں گے یا اس پر زکوۃ اموال کا حکم جاری ہوگا؟

جواب: فقہ کا مشہور اصول ہے "يتغير الحكم بتغير الشئ" شئی کے تغیر سے حکم میں تغیر واقع ہوتا ہے جیسے کوئی ذمی کافر اپنے گھر یا افتادہ زمین کو باغ یا کھیت بنالے تو اگر اس کی آبپاشی خراجی پانی سے کرے تو خراج۔ اور اگر عشری پانی سے کرے تو عشر واجب ہوگا۔ اور اگر دونوں قسم کے پانی سے کرے تو عشری ہوگی"۔[3]

---

[1] فتاوی عالمگیری ۹۶/۱ [2] فتاوی عالمگیری ۹۵/۲ نقلاً عن المبسوط للسرخسی [3] علم الفقہ ص ۲۲

اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ زمین کے اندر نمو کی وجہ سے حکم بدل گیا اور عشر یا زکوۃ کے لئے نمو شرط ہے اس لئے جس عشری زمین میں تالاب کھود دیا جائے اور اس کو مچھلی پالنے کا ایک ذریعہ بنایا جائے اس تالاب کی قوت نمو اس زمین سے کئی گنا بڑھ جاتی ہے، جس زمین پر اناج یا پھل پیدا کئے جائیں۔ اس لئے اب یہ زمین زراعتی نہیں رہی چونکہ مچھلیاں "مما أخرجنا لكم من الارض" میں سے نہیں ہیں بلکہ "مما كسبتم" ہیں اور اموال تجارت میں شمار کرتے ہوئے اس پر زکوٰۃ اموال واجب ہوگی۔

آثار سے مچھلیوں کے پکڑنے اور خرید و فروخت کا ثبوت ملتا ہے، چنانچہ امام ابو یوسف نے الخراج میں "فی بیع السمك فی الآجام" کے تحت بہت سے آثار جمع کئے ہیں، اور جب انھیں پکڑ کے فروخت کیا جانا ثابت ہے تو ان پر اموال تجارت ہونے کے سبب زکوۃ کا بھی ثبوت ہو جائے گا۔

چنانچہ الخراج میں ہے :

"عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه أنه قال لاتبايعوا السمك فی الماء ١
فإنه غرر" [1]

اور اسی کتاب میں دوسری روایت ہے :

"حدثنا ابو حنيفة عن حماد قال طلبت إلى عبد الحميد بن عبد الرحمٰن فكتب إلى عمر بن عبد العزيز يسأله عن بيع صيد الآجام فكتب إليه عمر ان لابأس به وسماه الحبس" [2]

ایک اور اثر اسی کے مطابق ہے :

"عن الحكم (بن عتيبة) عن إبراهيم قال إن اشتريته صيداً محصوراً ورأيت بعضه فلا بأس" [3]

الغرض بڑے دریاؤں سے پکڑی جانے والی مچھلیوں کی تجارت کے ثبوت میں کوئی کلام نہیں ہے تو مچھلیوں کے پالنے کے لئے جو تالاب کھودے جاتے ہیں اور کم زمین میں مچھلی پال کر اچھی آمدنی کی جاتی ہے مثل اس تجارتی انڈسٹری کے ہے جو تھوڑی زمین میں کوئی چیز تیار کر کے نفع حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتی

---

[1] الخراج لابی یوسف ص [2] ایضاً [3] ایضاً

ہے۔ اس لئے تالاب کی مچھلیوں کو مال تجارت پر محمول کرتے ہوئے اس کی آمدنی پر بشرط نصاب و مشروط زکوٰۃ کے زکوٰۃ واجب ہوگی ــــــ رہ گئیں وہ مچھلیاں جو سمندروں سے بڑی بڑی کمپنیاں پکڑنے کا اہتمام کرتی ہیں، ان کی ملکیت پر بھی مثل عنبر اور موتی کے علی حسب اختلاف زکوٰۃ واجب ہوگی۔ جیسا کہ عنبر کے بارے میں ابن عباس کی رائے میں خمس واجب ہوگا"[1]

اور حضرت عمرؓ نے صحابہ کے مشورہ سے یعلی بن منیہ کو خمس لینے کے لئے لکھا تھا"[2]

حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس میں زکوٰۃ منقول ہے[3]

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عمان کے اپنے عامل کو لکھا تھا کہ مچھلیوں کی زکوٰۃ نہ لی جائے جب تک کہ ان کی قیمت دوسو درہم نقدی نصاب کی قیمت نہ ہو جائے امام احمد سے بھی یہی رائے منقول ہے"[4]

الحاصل

جو تالاب مچھلیوں کو پالنے کے لئے کھودے جاتے ہیں اور ان میں مچھلیوں کو پالا جاتا ہے، وہ اموال تجارت میں شمار ہوں گے۔ اور ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی عشر واجب نہ ہوگا۔

—٭—

[1] الروض النظير ۲/۱۹م [2] المغنی ۳/۲۷ [3] المغنی ۳/۲۸

عشر کے بعض احکام

عشر سے متعلق محوز پنجم کے جوابات

از ———— مولانا مفتی جمیل احمد نذیری۔ جامعہ عربیہ عین الاسلام نوادہ، مبارکپور، اعظم گڈھ

وجوبِ عشر کے لیے نصاب شرط نہیں

وجوب عشر کے سلسلے میں جو آیات واحادیث وارد ہیں اُن کے عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ وجوبِ عشر کے لیے کوئی نصاب شرط نہیں ہے، پیداوار کم ہو یا زیادہ ہر ایک میں عشر ہوگا، مگر یہ بھی ضروری ہوگا کہ پیداوار کیل ووزن کے معیار شرعی "نصف صاع"[1] سے کم نہ ہو

لأنه لا تقدير في الشرع بما دونه۔[2]

اس سے کم کا مقدار کے سلسلے میں شرع میں کوئی معیار نہیں۔

چنانچہ صدقۂ فطر میں گندم نصف صاع دینے کا حکم ہے اس سے کم کا شریعت نے کوئی معیار مقرر نہیں کیا ہے، علامہ ابن عابدین رح فرماتے ہیں:

"قوله بلا شرط نصاب) وبقاء فيجب فيما دون النصاب بشرط ان يبلغ صاعًا وقيل نصفه وفي الخضراوات التي لا تبقى وهٰذا قول الامام وهو الصحيح كما في التحفة"۔[3]

---

[1] یعنی ایک کلو ۶۶۰ گرام بعض کے نزدیک ایک کلو ۶۳۳ گرام [2] ھدایہ ۱/۶۳

[3] ردالمحتار علی الدرالمختار ۲/۵۳

عشر میں نصاب اور بقا، شرط نہیں، لہٰذا نصاب سے کم میں بھی عشر واجب ہوگا، بشرطیکہ ایک صاع ہو اور کہا گیا ہے کہ نصف صاع ہو، اور خضراوات (ترکاریاں) جو باقی نہیں رہتیں ان میں بھی عشر ہوگا، یہی امام صاحب رح کا قول ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ تحفہ میں ہے۔

علامہ کاسانی رح لکھتے ہیں:

" وكذا النصاب ليس بشرط لوجوب العشر فيجب العشر في كثير الخارج وقليله ولا يشترط فيه النصاب عند ابى حنيفة وعند ابى يوسف ومحمد لا يجب فيما دون خمسة أوسق اذا كان مما يدخل تحت الكيل كالحنطة و الشعير والفارة والا رز ونحوها " (۱)

وجوب عشر کے لیے نصاب شرط نہیں، پس قلیل وکثیر ہر پیداوار میں عشر واجب ہوگا، نصاب کا شرط نہ ہونا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے، امام ابویوسف وامام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک پانچ وسق ہے، کم میں عشر واجب نہ ہوگا۔ ان چیزوں میں سے جو کیل کے تحت آتی ہوں، مثلاً گندم، جو، باجرہ، چاول وغیرہ

آیات واحادیث کے عموم سے پتہ چلتا ہے کہ وجوبِ عشر کے لیے کوئی نصاب مقرر نہیں ہے، سورۂ بقرہ میں ہے:

" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ " (بقرہ - ۳۶)

اے ایمان والو! خرچ کرو اُن پاکیزہ چیزوں میں سے جو تم نے کمایا اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے نکالا تمھارے لیے زمین سے۔

یہاں وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ (ان چیزوں میں سے جو ہم نے نکالا تمھارے لیے زمین سے) میں کم یا زیادہ کی کوئی تفصیل نہیں بیان کی گئی۔

سورہ انعام میں ہے:

" وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ________ دو اس کا حق اس کٹائی کے دن

لے ایک وسق ۶۰ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع ۳ کلو ۲۲۰ گرام کا۔ لے بدائع الصنائع ۲/۵۹

یہاں بھی عام ہے اور حق دینے کے سلسلے میں قلیل وکثیر کی تفصیل نہیں۔

" عن سالم بن عبد اللّٰه عن ابیه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر"[1]

سالم بن عبداللہ اپنے والد عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس زمین کو بارش یا چشمے سیراب کریں یا کنویں اور گڈھے اس میں عشر ہے اور جس کو پانی کھینچ کر سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے۔

ومن الآثار ما اخرج عبد الرزاق عن عمر بن عبد العزیز قال فیما انبتت من قلیل وکثیر العشر واخرج نحوه عن مجاهد وعن ابراهیم النخعی واخرجه ابن ابی شیبة ایضاً عن عمر بن عبد العزیز ومجاهد وعن النخعی حتی فی کل عشر دستجات دستجة کذا فی فتح القدیر والبرهان " (۲)

آثار میں سے وہ ہیں جن کی تخریج عبدالرزاق رحؒ نے عمر بن عبدالعزیز رحؒ سے کی ہے کہ قلیل وکثیر جو بھی پیداوار ہو اس میں عشر ہے، اسی کے مثل مجاہد رحؒ وابراہیم نخعی سے بھی تخریج کی ہے۔ ابن ابی شیبہؒ نے بھی عمر بن عبدالعزیزؒ، مجاہد اور نخعی سے اس کی تخریج کی ہے اور نخعی رحؒ نے مزید یہ بھی کہا ہے کہ یہاں تک کہ ہر دس مٹھا ترکاری میں ایک مٹھا عشر ہے ایسے ہی فتح القدیر اور برہان میں ہے۔

آیات اور احادیث وآثار کے عموم کے ساتھ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ وجوب عشر کا سبب کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ زمین کی پیداوار ہے اور یہ قلیل وکثیر میں فرق لازم نہیں کرتی۔ امام کاسانی رحؒ فرماتے ہیں:

" ولان سبب الوجوب وهی الارض النامیة بالخارج لا یوجب التفصیل بین القلیل والکثیر " (۳)

اس لیے کہ وجوب کا سبب ارض نامیہ کی پیداوار ہے اور یہ چیز قلیل وکثیر میں فرق کو واجب نہیں کرتی۔

عموم عشر کی روایات عبداللہ بن عباس رضؓ، عبداللہ بن عمرؓ، مجاہد رحؒ، حماد بن سلیمان رحؒ، عمر بن عبدالعزیز رحؒ، ابراہیم

---

(۱) بخاری ۱/۲۰۱، ترمذی ۱/۱۳۸، ابن ماجہ ۱/۱۳۱، ابوداؤد ۱/۲۲۵

(۲) العرف الشذی علی الترمذی ۱/۱۳۶ (۳) بدائع الصنائع ۲/۵۹

نخعی رحؒ، ابن شہاب زہری رحؒ، اور ابن ابی موسیٰ سے مروی ہیں۔ (۱)

جو ائمہ مجتہدین قلیل وکثیر میں فرق کرتے ہیں، ان کے نزدیک پانچ وسق سے کم پیداوار میں عشر نہیں ہے، ان کی مستدل یہ حدیث ہے:

"عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لیس فیما اقل من خمسة اوسق صدقة ولا فی اقل من خمس من الابل صدقة ولا فی اقل من خمس اواق من الورق صدقة" (۲)

ابو سعید خدری رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں، پانچ اونٹوں سے کم میں صدقہ نہیں، پانچ اوقیہ (دوسو درہم) چاندی سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔

امام کاسانی رحؒ نے اس حدیث کے مفہوم ومراد پر بڑی عمدہ بحث کی ہے، فرماتے ہیں:

"واما الحدیث فالجواب عن التعلق به من وجهین احدهما انه من الآحاد فلا یقبل من معارضة الکتاب والخبر المشهور فان قیل ما تلی تم من الکتاب ورویتم من السنة یقتضیان الوجوب من غیر التعرض لمقدار الموجب منه وما روینا یقتضی المقدار فکان بیانا لمقدار ما یجب فیه العشر والبیان بخبر الواحد جائز کبیان المجمل والمتشابه فالجواب انه لا یمکن حمله علی البیان لان ما تمسکنا به عام یتناول ما یدخل تحت الوسق وما یدخل وما رویتم من خبر المقدار خاص فیما یدخل تحت الوسق فلا یصلح بیانا للقدر الذی یجب فیه العشر لان من شان البیان ان یکون شاملا لجمیع ما یقتضی البیان وهذا لیس کذلک علی ما بینا نعلم انه لم یرد مورد البیان والثانی ان المراد من الصدقة الزکاة لان مطلق اسم الصدقة لا ینصرف الا الزکاة المعهودة ونحن به نقول ان ما دون خمسة اوسق من طعام او تمر للتجارة لا یجب فیه الزکاة ما لم یبلغ قیمتها مائتی درهم او یحتمل الزکاة فیحمل علیها عملا بالدلائل بقدر الامکان" (۳)

---

(۱) المحلی لابن حزم ۵/۲۱۲ و۲۱۳ (۲) بخاری ۱/۲۰۱ - ترمذی ۱/۱۳۶ (۳) بدائع الصنائع ۲/۵۹

حدیث کا جواب دو طرح سے ہے ایک یہ کہ وہ آحاد میں سے ہے لہٰذا کتاب اللہ اور خبر مشہور کے مقابلے میں قبول نہیں کی جائے گی، پس اگر کہا جائے کہ آپ نے جو آیت اور حدیث بیان کی ہے اس سے صرف وجوب ثابت ہوتا ہے مقدار واجب نہیں ثابت ہوتی اور ہم نے جو روایت نقل کی ہے اس میں مقدار واجب کا تذکرہ ہے ' لہٰذا یہ روایت جن چیزوں میں عشر واجب ہوتا ہے ان کی مقدارِ واجب کا بیان ہو گئی اور خبر واحد کے ذریعہ بیان جائز ہے جیسے مجمل وغیرہ کا بیان، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں خبر واحد کو بیان پر محمول کرنا ممکن نہیں اس لیے کہ ہم نے جس سے استدلال کیا ہے وہ عام ہے وہ ان چیزوں کو بھی شامل ہے جو وسق کے تحت ہوں اور ان کو بھی جو وسق کے تحت نہ ہوں، اور آپ کی روایت کردہ حدیث خاص ہے اس صورت کے لیے جو صرف وسق کے تحت ہو لہٰذا یہ حدیث ان چیزوں کا بیان نہیں ہو سکتی جن میں عشر واجب ہوتا ہے اس لیے کہ بیان کی شان سے ہے کہ وہ ان تمام صورتوں کو شامل ہو جو بیان کو چاہتی ہوں اور اس حدیث کا یہ معاملہ نہیں، لہٰذا معلوم ہو گیا کہ وہ موردِ بیان میں نہیں وارد ہوئی۔

دوسرا جواب حدیث کا یہ ہے کہ یہاں صدقہ سے مراد زکوٰۃ ہے اس لیے کہ مطلق صدقہ سے مراد زکوٰۃ ہے اس لیے کہ مطلق صدقہ سے زکوٰۃ ہی مراد ہوتی ہے اور ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ پانچ وسق غلہ یا کھجور جو تجارت کے لیے ہوں، سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں جب تک ان کی قیمت دو سو درہم کو نہ پہونچ جائے، یا یوں کہا جائے کہ اس میں زکوٰۃ کا بھی احتمال تھا لہٰذا زکوٰۃ پر ہی محمول کیا گیا تمام دلائل پر بقدر امکان عمل کرتے ہوئے۔

علامہ برہان الدین مرغینانی رح لکھتے ہیں:

"وتاويل ما روياه زكوة التجارة لانهم كان يتبايعون بالاوساق وقيمة الوسق اربعون درهمًا ولامعتبر بالمالك فيه فكيف بصفته وهو الغناء ولهذا لا يشترط الحول لانه للاستنماء وهو كله نماء" (۱)

صاحبین رح کی روایات کی تاویل یہ ہے کہ وہاں زکوٰۃ تجارت مراد ہو اس لیے وہ لوگ وسق سے ہی لین دین کرتے تھے اور وسق کی قیمت ۴۰ درہم ہوتی ہے اور عشر میں مالک کا اعتبار نہیں ہے لہٰذا اس کی صفت غنا یعنی صاحب نصاب ہونا کیسے معتبر ہو سکتا ہے اسی لیے حولان حول شرط نہیں کیوں کہ وہ افزائش کے لیے ہوتا ہے جب کہ عشری اراضی مکمل نما ہیں۔

---

(۱) هدایه ۱/۲۰۱ باب زکوٰۃ الزروع والثمار۔

حاشیہ پر ہے :

" ای لا اعتبار للمالك فی العشر ولهذا یجب العشر فی الاراضی الموقوفة وأراضی المکاتب فلما لم یعتبر المالك کیف یعتبر صفته وهو الغنی الحاصل بالنصاب"[1]

عشر میں مالک کا اعتبار نہیں اسی لیے اراضیٔ موقوفہ اور اراضیٔ مکاتب میں بھی عشر واجب ہوتا ہے، پس جب مالک کا اعتبار نہیں کیا گیا تو اس کی صفت غنا، کا اعتبار کیسے کیا جاسکتا جو کہ نصاب سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

عموم عشر کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ

۱۔ سورۂ بقرہ کی آیت وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ قلیل وکثیر میں تفریق نہیں کرتی۔

۲۔ سورۂ انعام کی آیت وَ آتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ نے بھی قلیل وکثیر میں کوئی فرق نہیں کیا۔

۳۔ بخاری وغیرہ کی روایت فیما سقت السماء الخ ہر مقدار میں عشر کو واجب کرتی ہے۔

۴۔ وجوب عشر کا سبب " ارض نامیہ" کی پیداوار ہے اور یہ سبب قلیل وکثیر ہر ایک میں پایا جاتا ہے، لہذا وجوب بھی ہر صورت میں ہوگا۔

۵۔ پانچ وسق والی روایت: آیت اور حدیث مشہور کا بیان نہیں بن سکتی، کیوں کہ بیان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس چیز کی ہر صورت کو شامل ہو جس کا وہ بیان ہو، یہاں آیت اور حدیث مشہور سے عشر پانچ وسق اور اس سے کم ہر ایک میں ثابت ہوتا ہے اور جس حیثیت کو ان کا بیان قرار دیا جارہا ہے وہ صرف ایک صورت پانچ وسق یا اس سے زائد کو شامل ہے۔

۶۔ پانچ وسق والی روایت میں صدقہ سے مراد عشر نہیں زکوٰۃ ہے اور اس حدیث میں اموال زکوٰۃ کا بیان ہے کہ کتنے اونٹوں میں زکوٰۃ ہے، کتنی چاندی میں زکوٰۃ ہے اسی طرح کھجور و غلّہ وغیرہ اگر تجارت کے لیے ہوں اور اس کی اپنی کھیتی یا باغبانی کے نہ ہوں تو ان کی کتنی مقدار پر زکوٰۃ واجب ہوگی، چنانچہ بتایا گیا کہ پانچ وسق قیمت ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، ایک وسق کی قیمت چالیس درہم ہوتی ہے اس طرح پانچ وسق کی قیمت دو سو درہم ہوگئی اور ظاہر ہے کہ دو سو درہم پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

احقر کا خیال ہے کہ قرآن و حدیث میں شاید ہی کسی جگہ لفظ صدقہ سے عشر مراد لیا گیا ہو، جب کہ زکوٰۃ مراد لیا جانا عام

---

(۱) ھدایہ ۱ / ۲۰۱ باب زکوٰۃ الزروع والثمار، حاشیہ ۵

ہے، اگر احقر کا خیال غلط فہمی پر مبنی ہو تو تصحیح کا خواہش مند ہے۔ پانچ وسق والی روایت میں جن تین چیزوں کا ذکر ہے ان میں سے ہر ایک میں لفظ صدقہ استعمال کیا گیا ہے، دو میں صدقہ سے زکوٰۃ مراد لیا جانا متفق علیہ ہے لہٰذا عین قرین قیاس ہے کہ تیسرے لفظ صدقہ سے بھی زکوٰۃ ہی مراد ہو نہ کہ عشر۔

۱ـــــ عشر اگرچہ زکوٰۃ ہی کی ایک نوع ہے مگر شرائط و تفصیلات میں فرق بھی ہے، انھیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عشر میں اس کھیت یا باغ کا مالک ہونا شرط نہیں جس کی پیداوار کا عشر ادا کرنا ہے، جبکہ زکوٰۃ میں ملکیت شرط ہے غور طلب بات یہ ہے کہ جب مالک ہونا ہی شرط نہیں تو اس کی صفت غنا یعنی صاحب نصاب ہونا کیسے شرط ہوگا۔ ذات (موصوف) کے وجود کے بغیر صفت غنا کا وجود کیسے ہوگا، جبکہ ذات جوہر ہے اور صفت عرض، عرض اپنے وجود میں جوہر (یعنی موصوف) کی محتاج ہے۔

کس پیداوار پر عشر ہے

زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز پر عشر ہے بشرطیکہ اس کی زراعت کی جاتی ہو یا کی گئی ہو، چنانچہ وہ چیزیں جو زراعتی کہلاتی ہیں ان میں عشر ہوگا ہی، اگر بانس، گھاس، چارہ اور درخت وغیرہ کو باقاعدہ بویا جاتا ہو تو اس میں بھی عشر ہوگا۔

"ومنها ان يكون الخارج من الارض مما يقصد بزراعته نماء الارض وتشغل الارض به عادة فلا عشر فى الحطب والحشيش والقصب الفارسى لان هذه الاشياء لاتستنمى بها الارض ولا تستغل بها عادة لان الارض لاتنمو بها بل تفسد فلم تكن نماء الارض حتى قالوا فى الارض اذا اتخذها مقصبة وفى شجرة الخلاف التى يقطع فى كل ثلاث سنين او اربع سنين انه يجب فيها العشر لان ذلك غلة وافرة ويجب فى قصب السكر وقصب الذريرة لان يطلب بهما نماء الارض فوجد شرط الوجوب فيجب فاما كون الخارج مما له ثمرة باقية فليس بشرط لوجوب العشر بل يجب سواء كان الخارج له ثمرة باقية اوليس له ثمرة

(۱) پانچ وسق کے قائلین پانچ وسق کو عشر کے وجوب کا نصاب قرار دیتے ہیں۔

باقیة وهی الخضراوات کالبقول والرطاب والخیار والقثاء والبصل والثوم ونحوه فی قول ابی حنیفة وعند ابی یوسف ومحمد لایجب الافی الحبوب ومالہ ثمرة باقیة واحتجا بما روی عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ قال لیس فی الخضراوات صدقة "(۱)

شرائط عشر میں سے یہ ہے کہ زمین سے نکلنے والی چیز ایسی ہو جس کی زراعت سے نمو ارض کا قصد کیا گیا ہو اور جس سے زمین عادةً حاصل لیتی ہے لہٰذا لکڑی، گھاس اور بانس میں عشر نہیں ہے کیوں کہ ان سے عادةً زمین کا بڑھاؤ اور حاصل لینا مقصود نہیں ہوتا اس لیے کہ زمین اس سے نمو نہیں پاتی بلکہ خراب ہو جاتی ہے، لہٰذا یہ نماء ارض نہ ہوئے البتہ فقہاء کہتے ہیں کہ اگر زمین میں بانس لگائے جائیں اور خلاف (بید کی ایک قسم) کا درخت لگایا جاتے جو ہر تین سال یا چار سال میں کاٹا جاتا ہے اس میں عشر ہوگا اس لیے کہ یہ وافر حاصل ہے اور گنا اور باجرہ کے درخت میں عشر ہوگا کیوں کہ ان سے نماء ارض مقصود ہے، لہٰذا وجوب کی شرط پائی گئی پس عشر واجب ہوگا، البتہ یہ شرط کی پیداوار کے لیے ثمرہ باقیہ ہو (یعنی پیداوار جلد خراب ہونے والی نہ ہو بلکہ کچھ دن رک سکے) وجوب عشر کے لیے یہ شرط نہیں ہے لہٰذا عشر واجب ہوگا، پیداوار ہونے والی چیز کے لیے ثمرہ باقیہ ہو یا نہ ہو، مثلاً خضراوات جیسے ترکاریاں، تازہ کھجوریں، ککڑی، کھیرا، پیاز، لہسن وغیرہ امام ابوحنیفہ رح کے قول میں اور امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح کے نزدیک عشر انھیں چیزوں میں واجب ہوگا جو کہ غلہ ہو یا جس کے لیے ثمرہ باقیہ ہو۔ دونوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خضراوات میں صدقہ نہیں ہے۔

لیکن یہ حدیث باتفاق محدثین ضعیف ہے اور جن جن سندوں سے مروی ہے سب میں ضعف ہے، جامع ترمذی میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"عن عیسیٰ بن طلحة عن معاذ انہ کتب الی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یسألہ عن الخضراوات وهی البقول فقال لیس فیها شیء "(۲)

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۵۸-۵۹

(۲) جامع الترمذی ۱/۳۹۸ باب ماجاء فی الخضراوات

عیسیٰ بن طلحہ حضرت معاذ رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سبزیوں اور ترکاریوں کے متعلق خط لکھ کر معلوم کیا، آپؐ نے ارشاد فرمایا: اس میں کچھ نہیں ہے۔

اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں:

" اسناد هذا الحديث ليس بصحيح وليس بصحيح فى هذا الباب من النبى صلى الله عليه وسلم شئ وانما يروى هذا عن موسىٰ بن طلحة عن النبى صلى الله عليه وسلم مرسلاً والعمل على هذا عند اهل العلم انه ليس فى الخضراوات صدقة قال ابوعيسىٰ والحسن هو ابن عمارة وهو ضعيف عند اهل الحديث ضعّفه شعبة وغيره وتركه عبد الله بن المبارك "(۱)

اس حدیث کی سند صحیح نہیں ہے اور اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث صحیح مروی نہیں، البتہ یہ روایت موسیٰ بن طلحہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً روایت کرتے ہیں اور عمل اس پر ہے، اہل علم کے نزدیک کہ سبزیوں میں صدقہ نہیں ہے۔ فرمایا امام ترمذی رحؒ نے کہ حسن جو ابن عمارہ ہیں وہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، شعبہؒ وغیرہ نے انھیں ضعیف کہا ہے اور عبداللہ بن مبارک نے (ان سے روایت کرنے کو) ترک کیا ہے۔

امام ترمذی رحؒ کی اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سلسلے کی ساری حدیثوں میں صرف وہ حدیث صحیح ہے جو موسیٰ بن طلحہ سے مرسلاً مروی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل بھی صحیح نہیں، صاحب الدرایہ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحؒ فرماتے ہیں:

" وطريق موسىٰ اخرجها الحاكم والطبرانى والدارقطنى لكن قالوا عن موسىٰ بن طلحة عن معاذ واخرجه الدارقطنى والبزار من طرق عن موسىٰ بن طلحة عن انس واسناده ضعيف قال والمشهور روايه الثورى عن عمر بن عثمان عن موسىٰ بن طلحة قال عندنا كتاب معاذ عن النبى فذكره وله طريق اخرىٰ فى الدارقطنى عن عطاء بن السائب عن موسىٰ بن طلحة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى ان يوخذ من الخضراوات صدقة وفى الباب عن على رضؓ وعائشة رضؓ ومحمد

---

(۱) حوالۂ مذکورہ

ابن جحش فی الدارقطنی کلہا واسانیدھا ضعیفۃ " (۱)

موسیٰ کی سند کو حاکم رح، طبرانی رح اور دارقطنی نے تخریج کیا ہے، لیکن محدثین (عیسیٰ بن طلحہ عن معاذ کے بجائے) موسیٰ بن طلحہ عن معاذ کہا ہے، دارقطنی اور بزار نے موسیٰ بن طلحہ عن انس رض کی تخریج کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے اور کہا کہ مشہور سفیان ثوری عن عمرو بن عثمان عن موسیٰ بن طلحہ ہے انھوں نے کہا کہ ہمارے پاس معاذ رض کی ایک تحریر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے پس حدیث مذکور کو ذکر کیا، اس حدیث کی دوسری سندیں بھی ہیں، دارقطنی میں عن عطاء بن السائب عن موسیٰ بن طلحہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضراوات میں صدقہ لینے سے منع فرمایا ہے اور باب میں حضرت علی رض، حضرت عائشہ رض اور محمد بن جحش رض سے دارقطنی میں روایتیں منقول ہیں، سب کی سندیں ضعیف ہیں۔

علامہ زیلعی رح نے بھی نصب الرایہ میں ان احادیث کے ضعف کی تصریح کی ہے، احکام القرآن لابن العربی ؒ، تحفۃ الاحوذی ؒ لعلامہ عبدالرحمٰن المبارکفوری میں بھی احادیث مذکورہ کے ضعف اور قابل استدلال نہ ہونے کی صراحت ہے، چنانچہ علامہ یوسف القرضاوی نے فقہ الزکوٰۃ جلد اول میں مفصل بحث کے بعد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے اور تسلیم کیا ہے کہ خضراوات کو شامل کرتے ہوئے عموم عشر کا قول ہی صحیح اور بہتر ہے۔

حدیث کے ضعیف ہونے کے باوجود حدیث کا صحیح محمل بھی تلاش کیا گیا ہے، امام کاسانی رح فرماتے ہیں:

" واما الحدیث نغریب فلایجوز تخصیص الکتاب والخبر المشہور بمثلہ او یحمل علی الزکاۃ او یحمل قولہ لیس فی الخضراوات صدقۃ علی انہ لیس فیہا صدقۃ تؤخذ بل اربابہا ھم الذین یؤدونہا بانفسہم فکان ھذا نفی ولایۃ الاخذ للامام وبہ نقول واللہ اعلم " (۳)

حدیث غریب ہے لہٰذا اس جیسی حدیث سے کتاب اللہ یا خبر مشہور کی تخصیص جائز نہیں یا وہ زکوٰۃ پر محمول کی جائے گی، یا یہ قول کہ ترکاریوں میں صدقہ نہیں اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ ان میں سے صدقہ وصول نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے مالکان خود ادا کریں گے، پس یہ امیر کے لینے کی ولایت کی نفی ہے اور اس کے ہم بھی قائل ہیں۔ واللہ اعلم۔

---

(۱) الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ علی ھامش الہدایۃ ۲/۲۰۱ باب زکوٰۃ الزروع والثمار۔

(۲) ۳/۳۹۰ (۳) ۳/۱۳۵ (۴) بدائع الصنائع ۲/۵۹

علامہ مرغینانی رح فرماتے ہیں:

" ومرویہما محمول علی صدقۃ یاخذ العاشر وبہ یاخذ ابوحنیفۃ رح "(۱)

صاحبین رح کی مرویات اس صدقہ پر محمول ہیں جو عاشر وصول کرتا ہے، امام ابوحنیفہ رح کا یہی مسلک ہے۔

ان مباحث اور مختلف توجیہات کا خلاصہ یہ ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والی ہر اس چیز میں عشر ہے جس سے نمو ارض مقصود ہو۔ خواہ وہ غلّہ اور پھل ہو یا سبزیاں و ترکاریاں یہاں تک کہ اگر کوئی شخص عشری زمین میں بانس لگاتا اور بیچتا ہو یا جانوروں کے لیے گھاس و چارہ بوتا ہو یا فرنیچر بنانے یا جلانے کی لکڑیاں (درخت) بوتا ہو، اس میں بھی عشر ہوگا، لیکن اگر یہ چیزیں بغیر بوئے اور لگائے خود پیدا ہوئی ہوں تو ان میں عشر نہ ہوگا۔

" اما الحطب والقصب والحشیش لا تستنبت فی الجنان عادۃ بل تنقی عنہا حتی لو اتخذ ہا مقصبۃ او مشجرۃ او منبتا للحشیش یجب فیہا العشر "(۲)

لکڑی، بانس اور گھاس عادۃً باغوں میں اُگائے نہیں جاتے بلکہ باغ اس سے صاف کیے جاتے ہیں لیکن اگر کوئی زمین بانس یا درخت لگانے اور گھاس اُگانے کے لیے بنادی گئی تو اس بانس وگھاس و درخت میں عشر ہوگا۔

وجہ یہ ہے کہ اب یہ چیزیں زمین کا ماحصل اور پیداوار بن گئی ہیں، پہلے زمین سے یہ صاف کی جاتی تھیں، اب زمین اس کے لیے صاف کی جائے گی اور اس کی پیداوار کے لائق بنائی جائے گی۔

پانی میں پیدا ہونے والی چیزیں

اگر عشری زمین میں تالاب بنادیا گیا ہو اور اس میں سنگھاڑا یا مکھانہ کاشت کیا جائے یا مچھلی پالی جائے تو ان میں عشر نہ ہوگا کیوں کہ وجوب عشر کے سلسلے میں یہ اصول متفق علیہ ہے کہ وہ چیز زمین کا ماحصل اور پیداوار یا اس سے ملحق ہو اور نمو ارض اس سے مقصود ہو اور یہ چیزیں (سنگھاڑا، مکھانہ اور مچھلی) نہ زمین کی پیداوار اور ماحصل ہیں نہ اس سے ملحق اور نہ ہی اس سے نمو ارض مقصود ہوتا ہے، لہٰذا ان میں عشر نہ ہوگا۔

درج ذیل فقہی قواعد وجزئیات سے یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۵۹ (۲) ھدایہ ۲/۲۰۱

(۳) حوالۂ مذکور و درمختار و ردالمحتار ۲/۵۵، البحرالرائق ۲/۱۰۵، الفتاویٰ الھندیہ ۱/۱۸۶

" ومنها ان يكون الخارج من الارض ممايقصد بزراعته نماء الارض وتستغل الارض به عادة "(۱)

وجوب عشر کے شرائط میں سے ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والی اشیا، ایسی ہوں جن کی زراعت سے نمو، ارض اور زمین کا ما حصل لینا عادۃً مقصود ہوتا ہو۔

" وان يكون الخارج منها ممايقصد بزراعته نماء الارض هكذا في البحر الرائق "(۲)

پیداوار ان چیزوں میں سے ہو جن کی زراعت سے عادۃً نما ارض مقصود ہو۔

" كل مايقصد بها استغلال الارض لايجب فيه العشر "(۳)

ہر وہ چیز جس سے زمین کا ما حصل لینا مقصود ہو اس میں عشر واجب ہوتا ہے۔

" كل ما تخرجه الارض من الحنطة والشعير والدخن والارز الخ "(۴)

ہر وہ چیز جسے زمین نکالے جیسے گیہوں، جو، باجرا اور چاول وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ سنگھاڑا، کھانا اور مچھلی ما تخرجہ الارض (جسے زمین نے نکالا ہو) میں سے نہیں ہیں، بعض صورتوں میں اسے انزال ارض سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

" وليس في عين القير والنفط في ارض العشر شيء لانه ليس من انزال الارض "(۵)

تارکول اور مٹی کا تیل و پٹرول کے چشمے جو عشری زمین میں ہوں ان میں عشر نہیں کہ وہ انزال ارض یعنی زمین کا ما حصل نہیں۔

حاشیہ ہدایہ میں ہے:

" اى ما يحصل من الارض كالحنطة ونحوها والنفط عين تنور كعين الماء "(۶)

اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو زمین سے حاصل ہوں جیسے گندم وغیرہ اور مٹی کا تیل و پٹرول کا چشمہ ہوتا ہے جو پانی کے چشمہ کی طرح ابلتا ہے۔

لہٰذا چونکہ یہ چیزیں زمین کا ما حصل نہیں اس لیے عشر واجب نہ ہوگا، البتہ دوسرے اموال میں شامل کر کے اگر نصاب پورا ہوتا ہو زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہوگا۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۵۷ (۲) الفتاوی الهندیه ۱/۱۸۵ (۳) البحر الرائق ۲/۲۳۶ (۴) فتاوی قاضی خان علی الفتاوی الهندیه ۱/۲۷۰ (۵) هدایه ۱/۲۰۳ (۶) حاشیه هدایه ۱/۲۰۳

امام نووی رح فرماتے ہیں :

" واعلم ان الائمة ضبطوا مایجب فیہ العشر بقیدین احدهما ان یکون قوتاً والثانی ان یکون فی جنس ما ینبتہ الآدمیون " (۱)

ائمہ نے وجوب عشر کے ضابطہ کو دو قیدوں کے ساتھ مقید کیا ہے ایک یہ کہ وہ خوراک ہو، دوسرے یہ کہ ان چیزوں کی جنس سے ہو جنھیں لوگ اُگاتے ہیں۔

احقر کا خیال ہے کہ نبت اور انبات زمین میں ہی اُگنے یا اُگانے والی چیزوں پر بولا جاتا ہے اور اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ سنگھاڑا، مکھانہ، مچھلی یا اسی قسم کی پانی میں پیدا ہونے والی چیزیں استغلالِ ارض اور نماء ارض میں سے نہیں ہیں۔

سید سابق لکھتے ہیں :

" واشترط (ای الامام ابوحنیفة رح) ان یقصد بزراعته استغلال الارض ونماءها عادةً " (۲)

امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک وجوب عشر کی شرط یہ ہے کہ اس کی زراعت سے زمین کا ماحصل اور نماء حاصل کرنا عادتاً مقصود ہو۔

ریشم میں عشر نہیں

ریشم اگرچہ عشری زمین پر لگے شہتوت کے درخت کے ریشم کے کیڑوں سے تیار ہوا ہو مگر اس میں عشر نہیں ہے کیوں کہ نہ زمین کی پیداوار اور زمین کا ماحصل ہے نہ زمین پر لگے درختوں کے پھل اور پھول کے رس سے بنتا ہے بلکہ پتوں کے رس سے بنتا ہے جن میں عشر نہیں ہے۔

علامہ ابن نجیم رح فرماتے ہیں :

" اما فی العسل فللحدیث فی العسل العشر ولان النحل یتناول من الانوار و الثمار وفیہما العشر فکذا فیما یتولد منہما بخلاف دود القز لانہ یتناول الاوراق ولا عشر فیہا " (۳)

---

(۱) روضة الطالبین وعمدة المفتین ۲/۲۳۲ (۲) فقہ السنة ۱/۳۴۹ للسید سابق (۳) البحرالرائق ۲/۲۳۶ و ھدایہ ۱/۲۰۳

سشہد میں اس حدیث کی وجہ سے عشر واجب ہوگا جس میں کہا گیا ہے کہ شہد میں عشر ہے، علاوہ ازیں شہد کی مکھی کلیوں اور پھلوں سے رس حاصل کرتی ہے اور ان دونوں میں عشر ہے لہٰذا جو ان دونوں سے پیدا ہو (یعنی شہد) اس میں بھی عشر ہوگا، لیکن ریشم کا کیڑا پتوں سے خوراک حاصل کرتا ہے اور پتوں میں عشر نہیں ہے۔

ہر پیداوار پر وجوبِ عشر

سبزیاں اور ترکاریاں جو زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتیں اور جن کی پیداوار میں بھی تسلسل رہتا ہے، کچھ پھل توڑے جاتے ہیں پھر دوسرے نکل آتے ہیں ان سب میں عشر واجب ہے، دیر تک باقی رہنے یا نہ رہنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا، اسی طرح جب جب پھل اور ترکاریاں نکلیں، ان میں عشر واجب ہوتا جائے گا، بشرطیکہ وزن و ناپ کے معیارِ شرعی نصف صاع کی مقدار ہو، سال گذرے یا نہ گذرے۔

(قوله بلا شرط نصاب) و بقاء فيجب فيما دون النصاب بشرط ان يبلغ صاعًا و قيل نصف صاع وفى الخضراوات التى لا تبقى و هذا قول الامام و هو الصحيح كما فى التحفة"[1]

عشر میں نصاب اور بقاء شرط نہیں، لہٰذا نصاب سے کم میں بھی عشر واجب ہوگا، بشرطیکہ ایک صاع ہو اور کہا گیا ہے کہ نصف صاع ہو، اور خضراوات (ترکاریاں) جو باقی نہیں رہتیں ان میں بھی عشر ہوگا، یہی امام ابوحنیفہ رح کا قول ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ تحفہ میں ہے۔

" حتى لو اخرجت الارض مرارًا وجب فى كل مرة لاطلاق النصوص عن قيد الحول و لان العشر فى الخارج حقيقة فيتكرر بتكرره" (۲)

اگر زمین کئی مرتبہ پیداوار نکالے تو ہر مرتبہ عشر واجب ہوگا کیوں کہ نصوص حولانِ حول (سال گذرنے) کی شرط سے مطلق ہیں اور اس لیے بھی کہ عشر حقیقی پیداوار میں ہوتا ہے (نہ کہ حکمی) لہٰذا جب جب پیداوار ہوگی عشر واجب ہوتا رہے گا۔

والحول ليس بشرط لوجوب العشر حتى لو اخرجت الارض فى السنة مرارًا يجب العشر فى كل مرة لان النصوص العشر مطلقة عن شرط الحول و لان العشر فى الخارج

---

(۱) رد المحتار على الدر المختار ۲/۳۵ (۲) حوالہ مذکور

حقیقۃ فیتکرر الوجوب بتکرر الخارج " (۱)

وجوب عشر کے لیے سال گزرنا شرط نہیں، لہٰذا اگر زمین سال میں کئی مرتبہ پیداوار نکالے تو ہر مرتبہ عشر واجب ہوگا اس لیے کہ عشر کی نصوص میں حولانِ حول کی قید نہیں ہے اور اس لیے بھی ہر مرتبہ عشر واجب ہوگا کہ عشر کا تعلق حقیقۃً پیداوار سے ہے لہٰذا مکرر پیداوار سے مکرر وجوب ہوگا۔

موقوفہ اراضی میں عشر کا حکم

اراضی موقوفہ کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا، خواہ مساجد و مدارس پر وقف ہوں یا فقراء و مساکین پر یا اولاد پر۔

" وکذا ملك الأرض لیس بشرط للوجوب لوجوبه فی الاراضی الموقوفة و یجب فی ارض الماذون و المکاتب " (۲)

زمین کی ملکیت وجوب عشر کے لیے شرط نہیں، لہٰذا اراضیٔ موقوفہ میں بھی عشر واجب ہوگا اور مکاتب اور ماذون فی التجارۃ غلام کی زمین میں بھی عشر واجب ہوگا۔

(قوله و وقف) أفاد ان ملك الارض لیس بشرط لوجوب العشر و انما الشرط ملك الخارج لانه یجب فی الخارج لا فی الأرض فکان ملکه لها و عدمه سواء۔ (۳)

علامہ حصکفی کا یہ کہنا کہ وقف میں بھی عشر واجب ہوتا ہے یہ قول فائدہ دیتا ہے کہ ملکیت زمین وجوب عشر کے لیے شرط نہیں ہے، ملکیتِ خارج (پیداوار) شرط ہے کیوں کہ عشر پیداوار میں واجب ہوتا ہے نہ کہ زمین میں، لہٰذا زمین کی ملکیت اور عدم ملکیت دونوں برابر ہے۔

"وکذا ملك الارض لیس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج فیجب فی الاراضی التی لامالك لها وهی الاراضی الموقوفة " (۴)

وجوب عشر کے لیے ملکیتِ زمین شرط نہیں ہے، پیداوار کی ملکیت شرط ہے، لہٰذا عشر اس زمین میں بھی واجب ہوگا،

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۶۲ (۲) الفتاویٰ الهندیه ۱/۱۸۵

(۳) رد المحتار علی الدر المختار ۲/۵۴ (۴) بدائع الصنائع ۲/۵۶

جس کا کوئی مالک نہیں اور وہ اراضی موقوفہ ہیں۔

امام کاسانی رح فرماتے ہیں کہ عشر کے سلسلے میں وارد آیات واحادیث کے عموم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہر اراضیٔ عشر پر عشر واجب رہے خواہ موقوفہ ہو یا غیر موقوفہ۔ (۱)

ایک سوال یہ ہے کہ اراضی موقوفہ کا عشر کون ادا کرے، ظاہر ہے کہ اگر ان زمینوں پر متولی نے کاشت کرائی ہے تو وہی اس کی پیداوار سے عشر ادا کرے گا اور اگر کسی کو کرایہ پر دے کر کاشت کرائی ہے تو مفتیٰ بہ قول کے مطابق جو اجارہ پر زمین لیے ہوتے ہے وہی عشر ادا کرے گا۔

علامہ ابن عابدین شامی رح فرماتے ہیں:

"قلت هذا ظاهر فيما اذا زرعها اهل الوقف اما اذا زرعها غيرهم بالاجرة فيجرى فيه الخلاف الأتي في الارض المستاجرة" (۲)

میں کہتا ہوں یہ اس صورت میں ظاہر ہے جب اہل وقف نے زراعت کی ہو لیکن اگر زراعت کرنے والا ان کے علاوہ ہو، اور اجرت پر زراعت کی ہو تو اس میں وہ اختلاف جاری ہوگا جو اجارہ والی زمین میں ہے۔

وہ یہ کہ:

"العشر على المؤجر كخراج مؤظف وقالا على المستاجر كمستعير مسلم وفي الحاوي بقولهما ناخذ" (۳)

امام صاحب رح کے نزدیک عشر اجارہ پر دینے والے کے ذمہ ہوگا خراج مؤظف کے مانند اور صاحبین رح کہتے ہیں کہ اجارہ پر لینے والے کے ذمہ ہوگا، جیسے عاریتاً لینے والے مسلمان کے ذمہ ہوتا ہے، حاوی میں ہے کہ ہم صاحبین رح کے قول کو ہی لیتے ہیں (یعنی یہی قول مفتیٰ بہ ہے)۔

علامہ شامی رح کا بھی رجحان اسی طرف ہے۔ (۴)

یہاں ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ اراضیٔ موقوفہ میں وجوبِ عشر کا تذکرہ تقریباً تمام کتبِ فقہ و فتاویٰ میں موجود ہے لیکن بزازیہ میں اس کے خلاف بھی لکھا ہوا ملتا ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۵۶ (۲) رد المحتار ۲/۵۳ (۳) درمختار ۲/۶۰

(۴) ردالمحتار على الدرالمختار صفحہ مذکورہ

وفی بعض الفتاویٰ لایجب علیھم العشر لانہ قربۃ کزکاۃ ویجب الخراج لانہ مؤنۃ فاشبہ صدقۃ الفطر" (۱)

بعض فتاویٰ میں ہے کہ اراضی موقوفہ میں عشر واجب نہ ہوگا اس لیے کہ وہ زکوٰۃ کی طرح عبادت ہے، البتہ خراج واجب ہوگا اس لیے کہ وہ زمین کا کرایہ ہے لہٰذا صدقۂ فطر کے مشابہ ہے۔

احقر کے خیال میں یہ قابلِ غور مسئلہ ہے اور زکوٰۃ پر قیاس کی گنجائش ہے، خاص طور سے اس صورت میں جب ورثہ (مثلاً وقف علی الاولاد) کے علاوہ دیگر وجوہِ خیر (مثلاً مسجد و مدرسہ، فقراء و مساکین، مسافرخانہ وغیرہ) پر وقف ہو۔

امام نووی رح کی یہ عبارت بھی دعوتِ فکر دیتی ہے:

"ثمار البستان وغلۃ القریۃ الموقوفین علی المساجد او الرباطات او القناطر او الفقراء او المساکین لازکاۃ فیھا اذ لیس لھا مالک یعنی ھذا ھو المذھب الصحیح المشھور الذی قطع بہ الجمھور ونقل ابن المنذر عن الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ وجوب الزکاۃ فیھا فاما الموقوف علی جماعۃ معین فتقدم بیانہ باب الخلط" (۲)

باغ کے پھل اور گاؤں کا غلّہ جو مساجد، مسافرخانوں، پُلوں یا فقراء و مساکین پر وقف ہوں ان میں زکوٰۃ[۳] نہیں ہے اس لیے کہ ان کا کوئی متعین مالک نہیں[۴]، یہی مذہب صحیح مشہور ہے جس کے قطعی طور پر جمہور قائل ہیں، اور ابن المنذر

---

(۱) بزازیہ علی الفتاویٰ الھندیہ ۶/۲۹۱ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ، پاکستان

(۲) خلط یعنی متعدد اشخاص کا مال بغیر کسی امتیاز کے مخلوط ہوجانا، بعض ائمہ کے نزدیک وجوب زکوٰۃ کے سلسلے میں مجموعی مال کا اعتبار ہوگا (روضۃ الطالبین للامام النووی ۲/۱۷، باب الخلط) لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مجموعی مال کا اعتبار نہیں کرتے۔ وقال ابوحنیفۃ الخلط لاتؤثر بحال و یزکیان زکاۃ الانفراد (حلیۃ العلماء فی معرفۃ مذاھب الفقہاء از سیف الدین ابوبکر محمد بن احمد الشاشی القفال متوفی ۵۰۷ھ، ۲/۵۳)۔ روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ۲/۲۳۶

(۳) زکوٰۃ سے مراد یہاں عشر ہے کیوں کہ پھلوں اور غلّہ جات کی زکوٰۃ عشر ہی کہلاتی ہے۔

(۴) احقر کے خیال میں بزازیہ کی عبارت لانہ قربۃ کزکاۃ، امام نووی رح کی عبارت اذ لیس لھا مالک معین کے مقابلے میں عدمِ وجوب کے سلسلے میں زیادہ لائقِ اعتناء ہے۔ جمیل۔

نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے وجوب زکوٰۃ کا قول نقل کیا ہے، رہی وہ زمین جو کسی متعین جماعت پر وقف کی گئی ہو تو اس کا بیان باب الخلط میں گذر چکا ہے۔

احقر کے خیال میں بزازیہ کی عبارت لانہ قربۃ کزکوٰۃ (عشر بھی زکوٰۃ کی طرح عبادت ہے) امام نووی کی عبارت اذ لیس لہا مالک معین (اراضی موقوفہ کا کوئی معین مالک نہیں) کے مقابلے میں عدم وجوب عشر کے سلسلے میں زیادہ لائق اعتنا، اور قابل توجہ ہے کیوں کہ ابتدائی مباحث میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ وجوب عشر کے لیے ملکیت شرط نہیں، جہاں تک عشر کے سلسلے میں وارد آیات واحادیث کے عموم کا تعلق ہے وہ زکوٰۃ میں بھی ہے۔

علاوہ ازیں جماعت معینہ کو وقف علی الاولاد کی صورت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

مکانوں کی افتادہ زمین میں درخت لگانے کا حکم

مکانوں کے گرد و پیش افتادہ زمین پر یا چھتوں پر ترکاریاں و سبزیاں بونے اور اگانے کا جو طریقہ ہے اس میں عشر واجب نہیں۔

"ولو کان فی دار رجل شجرۃ مثمرۃ لا عشر فیہا کذا فی شرح المجمع لابن الملک" (۱)

اگر کسی کے گھر میں پھل دار درخت ہو اس میں عشر نہیں ہے۔

"رجل فی دارہ شجرۃ مثمرۃ لاعشر فیہ وان کانت البلدۃ عشریۃ بخلاف ما اذا کانت فی الاراضی" (۲)

جس آدمی کے گھر میں پھل دار درخت ہو اس میں عشر نہیں ہے اگرچہ شہر عشری ہو، لیکن اگر یہ درخت عشری زمین میں ہو تو عشر ہوگا۔

"والشجرۃ المثمرۃ ان کانت فی الدار لاعشر فیہا بخلاف الکائنۃ فی الاراضی لان الساکن مع مایتبعہا عفو لا الاراضی" (۳)

---

(۱) الفتاوی الہندیۃ ۱/۱۸۶ (۲) فتاوی قاضی خان علی الہندیۃ ۱/۲۷۷ (۳) فتاوی بزازیہ علی الفتاوی الہندیۃ ۴/۹۱

پھل دار درخت اگر گھر میں ہو تو عشر نہیں ہے اور اراضی میں ہو تو عشر واجب ہوگا، اس لیے کہ مکان مسکونہ اپنے توابع کے ساتھ معاف ہے نہ کہ اراضی۔

رد المحتار کی درج ذیل عبارت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر گھر میں لگے ہوئے یہ درخت باغ کی شکل اختیار کر لیں اور باغ معلوم ہونے لگیں تو بھی عشر واجب نہ ہوگا۔

" وخرج ثمرة شجر فی دار رجل ولو بستاناً فی داره لانه تبع للدار كذا فی الخانية عن القهستانی " (۱)

مذکورہ حوالجات سے صاف ظاہر ہے کہ لوگ جو اپنے مکان کے گرد و پیش افتادہ اراضی میں یا اپنے مکانات کی چھتوں پر سبزی و ترکاری اگا لیتے ہیں ان میں عشر واجب نہ ہوگا، وہ مکان کے تابع ہوں گے، جس طرح مکان میں عشر وغیرہ واجب نہیں، اسی طرح ان سبزیوں اور ترکاریوں میں بھی نہیں۔

---

(۱) رد المحتار علی الدر المختار ۲/۵۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام کا نظام عشر و خراج

محمد عبدالقیوم ——— مدرس مدرسہ عربیہ اصلاح المسلمین جمداشاہی بستی

عشر: زکوٰۃ یا دوسرے لفظوں میں غریبوں کی چارہ گری، مسکینوں کی دستگیری، مسافروں کی امداد، یتیموں کی خبرگیری، بیواؤں کی نصرت، غلاموں اور قیدیوں کی اعانت، نماز کے بعد اسلام کی عبادت کا دوسرا رکن ہے جس کا دوسرا نام صدقہ بھی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"خذ من اموالہم صدقۃ تطہرہم وتزکیہم" (توبہ ۳)

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) صدقہ (زکوٰۃ) وصول کرو ان کے مال ہیں سے کہ اس کے ذریعہ سے تم ان کو پاک وصاف رکھ سکو۔

جب مسلمانوں کو فتوحات نصیب ہوئیں، زمینیں اور جاگیریں ہاتھ آئیں تجارت کی آمدنی شروع ہوئی تو حکم ہوا:

"یا ایہا الذین امنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض" (بقرہ ۳۷)

نیز فرمایا:

"واتو حقہ یوم حصادہ" اور دو اس کا حق جس دن کٹے۔

خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"فیما سقت السماء العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر"

جس کھیتی کو آسمان کا پانی سیراب کرے اس میں دسواں حصہ ہے اور جس کو کنوئیں کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں بیسواں حصہ ہے۔

عشر اسلام کے نظام زکوۃ کا ایک اہم جزو ہے۔ بیت المال کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح اموال تجارت سونا چاندی و مویشی وغیرہ کی زکوۃ فرض ہے اسی طرح زمین کے پیداوار کی زکوۃ نکالنی بھی فرض ہے۔

لفظ عشر کا اصلی معنی دسواں حصہ ہے مگر مذکورالصدر حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تفصیل واجبات شرعیہ کی بیان فرمائی ہے ان کے مطابق عشری زمینیں دو قسم کی ہوتی ہیں :

(۱) ایک وہ جس میں پیداوار کا دسواں حصہ ادا کرنا فرض ہوتا ہے۔ اور

(۲) دوسری قسم وہ جس میں نصف عشر یعنی پیداوار کا بیسواں حصہ ادا کرنا فرض ہوتا ہے۔ لیکن فقہاء کی اصطلاح میں ان دونوں قسم کی زمینوں کی پیداوار پر عائد ہونے والی زکوۃ کو عشر ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

عشر اور خراج میں بنیادی فرق یہ ہے کہ عشر مسلمانوں کی عشری زمینوں کی پیداوار پر عائد ہوتا ہے اور خراج غیر مسلموں کی خراجی زمینوں پر۔

عشر ٹیکس ہونے کے ساتھ ایک مالی عبادت ہے اور خراج محض اسلامی حکومت کا ٹیکس ہے۔ عشر کا مدار زمین کی پیداوار پر ہوتا ہے۔ اگر پیداوار نہ ہو، خواہ اس کا سبب مالک زمین کی غفلت ہی ہو کہ اس نے قابل کاشت زمین کو خالی چھوڑ دیا کاشت نہیں کی اس صورت میں بھی اس پر عشر لازم ہوگا۔

اس کے برخلاف خراج محض ٹیکس ہے جو قابل زراعت زمین پر عائد ہوتا ہے اگر مالک زمین غفلت برتے گا اور قابل کاشت ہونے کے باوجود اس میں کاشت نہیں کرے گا تو خراج اس حالت میں بھی اس پر لازم ہوگا۔

ضابطہ: ضابطہ یہ ہے کہ جو وظیفہ عشر یا خراج کا کسی زمین پر ابتداءً عائد کیا گیا ہو پھر وہ مالک کے بدلنے سے نہیں بدلے گا۔ اسی لئے اگر کسی غیر مسلم کی خراجی زمین کو کوئی مسلمان خریدے تو اس مسلمان پر خراج ہی واجب ہوگا۔ اسی طرح جن لوگوں پر خراج واجب ہے اگر ان میں سے کوئی مسلمان ہوگیا تو اس سے بدستور سابق خراج ہی لیا جائے گا۔

اس ضابطہ کا مقتضی تو یہ تھا کہ اگر مسلمان کی عشری زمین کو کوئی غیر مسلم خریدے تو اس پر عشر ہی واجب ہے، لیکن چونکہ عشر میں ایک حیثیت عبادت کی ہے اور کوئی غیر مسلم عبادت شرعیہ کا اہل نہیں ہے، اس لئے جمہور کے قول کے مطابق عشری زمین جب کسی غیر مسلم کی ملک میں منتقل ہو جائے تو اس کا فریضہ عشر نہیں بلکہ خراج ہو جائے گا۔

اب وہ زمین معلوم کرنی چاہیے جس پر عشر عائد ہوتا ہے اور جس پر خراج۔

واضح رہے کہ زمین کی دو قسمیں ہیں:

(۱) عشری (۲) خراجی

عشری زمین

جس زمین کے لوگ طوعاً مسلمان ہو گئے یا قہراً فتح کر کے مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی تو وہ زمین عشری ہے اس لئے مدینہ طیبہ کی زمینیں عشری ہیں اور خیبر کی زمینیں جو مجاہدین پر تقسیم ہوئیں وہ بھی عشری قرار پائیں۔ اسی طرح جو زمینیں ناقابل زراعت تھیں مسلمانوں نے اسے قابل زراعت بنالیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا موقع دیکھا جائے گا اگر وہ زمین کسی عشری زمین کے قریب ہو گی تو عشری قرار دی جائے گی۔ اور اگر کسی خراجی زمین کے قریب ہو گی تو خراجی سمجھی جائے گی۔

خراجی زمین

وہ ہے جسے مسلمانوں نے جنگ کے ذریعہ فتح کیا ہو مگر فتح کے بعد اسلامی امیر نے اسے مجاہدین کے درمیان تقسیم نہ کیا ہو بلکہ اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت بدستور قائم رکھی ہو جیسے شام، عراق و مصر کی زمینیں، بجز خاص حصوں کے جو مسلمان کو دیئے گئے یا بیت المال کے لئے رکھ لئے گئے۔ اسی طرح جن ناقابل زراعت زمینوں کو غیر مسلم اسلامی امیر کی اجازت سے قابل زراعت بنالیں گے وہ خراجی ہوں گی۔ اسی طرح اگر کوئی ملک مسلمانوں نے فتح کیا ہو تو اس کی زمینوں کے تمام معاملات ان شرائط صلح کے مطابق ہوں گے جن پر معاہدہ صلح ہوا ہے۔ اگر اس صلح نامہ میں یہ شرط ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر رہیں گے اور آراضی بدستور انھیں لوگوں کی ملکیت رہیں گی جن کی ملکیت میں اب تک تھیں تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج لگا دیا جائے گا۔ اور یہ زمینیں ہمیشہ کے لئے خراجی ہو جائیں گی، کیونکہ ان کے مالک غیر مسلم ہیں ان کی زمینوں کے لئے حکم خراج متعین ہے۔

اور جامع صغیر میں ہے کہ جو زمین قہر سے فتح کی گئی ہو پھر اس زمین میں نہروں کا پانی پہنچا تو وہ زمین خراجی ہے اور جس میں نہروں کا پانی نہیں پہنچا بلکہ وہیں کوئی چشمہ یا کنواں نکالا گیا تو وہ زمین عشری ہے۔ کیونکہ عشر کا تعلق پیداوار زمین ... ساتھ ہے اور اس کی پیداوار پانی سے ہوتی ہے تو عشری پانی یا خراجی پانی سے سینچنے کا اعتبار ہوگا یعنی جیسا پانی ہوگا وہی حکم ہوگا۔ (عین الہدایہ)

عشری پانی

بارش کا پانی اور کنوں اور قدرتی چشموں کا پانی عشری پانی ہے۔ اسی طرح بڑے بڑے دریا اور ندیاں جو قدرتی طور سے جاری ہیں نہ ان کے جاری کرنے میں کسی کے عمل کو دخل ہے اور نہ عادتاً کسی کی ملک ہوتے ہیں جیسے عراق میں دجلہ فرات، مصر میں نیل، خراسان میں سیحون وجیحون اور ہندوستان میں گنگا وجمنا اور پنجاب کے بڑے دریا ان کا پانی عشری پانی ہے مگر امام ابو یوسف رح کے نزدیک بڑے دریاؤں کا پانی بھی خراجی ہے۔

خراجی پانی

وہ نہریں جو حکومت یا کسی جماعت نے اپنی محنت اور طاقت کے ذریعہ نکالی ہیں اور عادتاً وہ نکالنے والوں کی ملک ہوتی ہیں اس لئے ان کا پانی خراجی پانی ہے۔ مثلاً ہندوستان میں گنگا وجمنا جیسے بڑے دریاؤں سے نکلنے والی نہریں، نہر گنگ و نہر جمن وغیرہ چونکہ فتح اسلامی سے پہلے وہ غیر مسلموں کی ملک تھیں۔

زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا اصل ضابطہ یہی ہے جو عشری وخراجی زمینوں اور عشری وخراجی پانیوں کی تفصیل میں لکھا گیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رض کا تعامل اس پر شاہد ہے۔

چند استثنائی صورتیں

لیکن بعض مواقع میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل یا صحابہ کرام رض کے اجماع کی بنا پر مذکورہ بالا ضابطہ سے کسی قدر مختلف صورتیں بھی عمل میں آئی ہیں۔ لہٰذا ان کا ہمیشہ اسی طرح قائم رکھنا لازم ہے مثلاً:

ا ــــ مکہ مکرمہ فتح ہوا اور قہراً فتح ہوا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زمینوں کو احترام حرم کی وجہ سے یا کسی نامعلوم مصلحت کی وجہ سے مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ سابق مالکان کو ان پر برقرار ... رکھا اور ان ...

خراج مقرر نہیں فرمایا اس لئے مکہ مکرمہ کی زمینیں عشری ہیں۔

۲ ـــــ پورے جزیرۃ العرب کی زمینوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشری قرار دیا ہے اور خلفاء راشدین اور بعد کے ملوک اسلام نے بھی اسی طرح جاری رکھا ہے۔

۳ ـــــ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاری بنی نجران سے ایک خاص طرح کے خراج پر صلح فرمائی وہ یہ کہ دو ہزار جوڑے کپڑے سالانہ ادا کیا کریں۔ نصف ماہ رجب میں اور نصف ماہ محرم میں اور یہی طریقہ بعد تک جاری رہا (بدائع الصنائع ۲/۵۶)

۴ ـــــ شہر بصرہ جو حضرت فاروق اعظم رضؓ کے زمانہ میں بسایا گیا یہ غیر آباد زمین تھی مسلمانوں نے اس کا احیاء کیا اور قابل زراعت بنایا، مگر باجماع صحابہ کرامؓ اس کی زمینوں پر عشر عائد کیا گیا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رحؒ کے قول پر ضابطہ مذکورہ کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اس کی زمینیں بھی خراجی قرار دی جائیں۔

۵ ـــــ نصاری بنی تغلب سے حضرت فاروق اعظم رضؓ نے اس پر مصالحت فرمائی کہ ان سے خراج کے بجائے دوگنا عشر وصول کیا جائے، مگر شرعی حیثیت سے یہ دوگنا عشر بھی بحکم خراج تھا اور خراج ہی کے مصارف میں صرف ہوتا تھا۔ (بدائع)

قرآن وسنت کی نصوص کے عموم واطلاق اور عشری وخراجی زمینوں کی تفصیلات سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اصل وظیفہ مسلمان کی زمین کا عشر ہے۔ اس لئے جو زمینیں نسلاً بعد نسل مسلمانوں کی ملکیت میں چلی آتی ہیں اور کسی دور میں ان پر کسی کافر کی ملکیت ثابت نہیں وہ بطور استصحاب حال کے ابتداء ہی سے مسلمانوں کی ملکیت قرار دے کر عشری سمجھی جائیں اور جن پر کسی وقت غیر مسلموں کا مالکانہ قبضہ تھا پھر ان سے خرید کر یا پھر کسی دوسرے جائز ذریعہ سے مسلمانوں کی ملکیت میں آگئیں وہ خراجی سمجھی جائیں۔

بعض فقہاء نے جو یہ لکھا ہے کہ دار الحرب کی زمینیں نہ عشری ہوتی ہیں نہ خراجی۔ اس سے بعض اہل علم کو یہ اشتباہ ہو جاتا ہے کہ کوئی ملک مسلمانوں کی بداعمالیوں کے نتیجہ میں اسلامی اقتدار سے نکل کر دار الحرب بن گیا ہو تو مسلم مالکان اراضی بالکلیہ عشر وخراج سے سبکدوش ہو جائیں گے۔ اور ایسے دار الحرب میں اپنی زمینوں پر قبضہ وتصرف کا حق رکھنے کے باوجود ان پر نہ عشر واجب ہوگا اور نہ خراج۔ تاہم اگر کوئی شخص عشر یا نصف عشر ادا کرے گا تو موجب خیر وبرکت ہوگا جس قدر بھی زیادہ غرباء کو دے گا اجر وثواب پائے گا۔ جوں کہ ان کے نزدیک وجوب عشر کا مدار حقوق پر نہیں بلکہ ملک ہے یعنی ان کے نزدیک وجوب عشر کے لئے یہ شرط ہے کہ زمین مسلمانوں کی ملک ہو اور جب اس کو

مسلمانوں نے فتح کیا ہو اور اس کی زمین غانمین میں تقسیم ہوئی ہو، اس وقت سے آج تک برابر مسلمان ہی کی ملک چلی آرہی ہو ارشاد شراءً وغیرہ ذالک اور ان کا استدلال انھیں پر ختم نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ دارالمنتقیٰ کے حوالے سے زمینوں کی ایک تیسری قسم بھی بتلاتے ہیں جو غیر عشری اور غیر خراجی ہوتی ہے جس کا نام آراضی مملکت ہے۔ اور کہتے ہیں کہ جب سرکار مسلم ہو، اس وقت سرکاری زمین میں نہ عشر واجب ہوتا ہے نہ خراج، تو جب سرکار غیر مسلم ہو تو اس وقت یہ حکم بطریق اولیٰ ہوگا۔ اور اس استدلال کے وقت شاید یہ بات ان کے ذہن سے نکل جاتی ہے کہ آراضی مملکت کا حکم غیر عشری اور غیر خراجی ہونے کا اس لئے ہے کہ وہ بیت المال یا عامۂ مسلمین کی ہیں۔ نیز یہ کہ یہ حکم بھی متکلم فیہ ہے چونکہ صاحبین کے قول پر عشر مالک پیداوار پر ہوتا ہے مالک زمین پر نہیں۔

اس لئے یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ آراضی دارالحرب کے عشری اور خراجی دونوں سے خارج ہونے کا مطلب کیا ہے۔ غور کرنے پر حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے وہ یہ کہ دارالحرب سے اس جگہ وہ دارالحرب مراد ہے جو اصل سے دارالحرب ہے، اس پر کسی وقت مسلمانوں کی حکومت رہی۔ نہ وہاں مسلمانوں کے باقاعدہ بسنے اور زمینیں خریدنے کا کوئی تصور ہے۔ ایسے دارالحرب کی زمینیں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ملک نہیں ہوں گی، بلکہ اہل حرب کفار کی ملکیت ہوں گی جو احکام شرعیہ فرعیہ کے مخاطب نہیں، اس لئے ایسے دارالحرب کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی:

"لان العشر والخراج انما یجب فی اراضی المسلمین وھذہ اراضی اھل الحرب"

کیوں کہ عشر و خراج مسلمانوں کی زمینوں پر واجب ہوتا ہے اور یہ زمینیں اہل حرب کی ملکیت ہیں۔

لیکن ایسا ملک جو تقریباً آٹھ سو برس دارالاسلام رہ چکا ہو جہاں لاکھوں مسلمان اپنی اپنی زمینوں کے آج تک مالک چلے آئے ہوں اگر اسلامی اقتدار سے نکل کر دارالحرب بن گیا ہو تو وہ دارالحرب اصلی سے مختلف ہوگا، اور شرح سیر اور شامی باب الرکاز کی روایات اس پر منطبق نہیں ہوں گی بلکہ ایسے ملک میں جہاں مسلمانوں کی ملکیت میں زمینیں موجود ہیں ان پر عشر و خراج کے احکام عائد ہوں گے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ:

۱۔ عشر زمین کی زکوۃ ہے جیسے سونے چاندی، مال تجارت، مویشی وغیرہ پر فرض ہے جس طرح سونے چاندی اور مال تجارت پر چالیسواں حصہ بطور زکوۃ نکالنا فرض ہے اور مویشی کا جداگانہ قانون ہے اسی طرح زکوۃ الارض کا قانون ان سب سے مختلف ہے بعض صورتوں میں پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہوتا ہے بعض میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ، مگر ان دونوں کو عرف فقہاء میں بغرض سہولت عشر

ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وجوب عشر کی شرطیں

پہلی شرط

پہلی شرط مسلمان ہونا ہے۔ چوں کہ عشر میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کی عشری زمین کو کوئی کافر خرید ے تو اس زمین پر بجائے عشر کے خراج عائد کر دیا جاتا ہے کیونکہ عشر ایک اسلامی عبادت ہے کافر اس کا اہل نہیں اس لئے بمجبوری اس زمین کا وظیفہ بدلا گیا ورنہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ:

> "وظیفہ زمین کا جو ابتداء میں مقرر ہو جائے خواہ عشر ہو یا خراج وہ ہمیشہ کے لئے ناقابل تبدیل ہوتا ہے۔ اسی لئے اگر کسی مسلمان نے کسی کافر کی خراجی زمین کو خرید لیا تو مسلمان مالک ہو جانے کے باوجود وظیفہ اس زمین کا خراج ہی رہے گا۔" (بدائع)

دوسری شرط

زمین کا عشری ہونا ہے۔ خراجی زمین پر عشر واجب نہیں ہوتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے" لایجتمع علی مسلم خراج وعشر "یعنی مسلمان پر خراج اور عشر دونوں جمع نہیں ہوسکتے۔
(رواہ ابن عدی فی الکامل از فتح القدیر ج-۲)

تیسری شرط

زمین سے پیداوار کا حاصل ہونا ہے۔ اگر کسی وجہ سے پیداوار نہ ہو خواہ کسی تقدیری سبب سے یا اس کی کوتاہی اور غفلت سے زراعت ہی نہیں کی یا اس کی خبرگیری یا حفاظت ہی نہیں کی بہر صورت عشر ساقط ہو جائیگا (بدائع وغیرہ)

چوتھی شرط یہ ہے کہ پیداوار کوئی ایسی چیز ہو جس کا اگانے اور پیدا کرنے کا عادۃً رواج ہو عقل اور بلوغ شرط نہیں۔ عام احکام شرعیہ میں عاقل اور بالغ ہونا بھی شرط ہے مگر زمین پر عشر کے وجوب میں دونوں شرطیں نہیں

زمین کا مالک اگر بچہ یا مجنون ہو مگر زمین سے پیداوار حاصل ہوتی ہے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔ ان دونوں کے اولیاء پر اس کا ادا کرنا فرض ہوگا بخلاف زکوٰۃ کے کہ وہ بچہ اور مجنون کے مال میں واجب نہیں ہوتی (بدائع)

اسی طرح ملکیت زمین بھی وجوب عشر کے لئے شرط نہیں اس لئے آراضی وقف جن کا کوئی مالک نہیں ہوتا ان پر بھی عشر لازم ہے۔ نیز جس شخص کی زمین اپنی نہیں کسی سے بطور عاریت کے لے لی ہے یا اجارہ اور کرایہ پر لے لی ہے اور اس میں زراعت کرتا ہے تو پیداوار کا عشر اسی شخص کے ذمہ ہے جو پیداوار حاصل کرتا ہے مالک زمین کے ذمہ نہیں۔ (علی خلاف فی المستاجر بین الامام وصاحبیہ وفی الحاوی وبقولهما ناخذ (درمختار)

عشر کے لئے کوئی نصاب نہیں۔ عشر کا ضابطہ شرعی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ ہے کہ پیداوار کم ہو یا زیادہ ہر حال میں اس کا عشر نکالنا واجب ہے۔ اس کے لئے زکوٰۃ کی طرح کوئی خاص نصاب نہیں جس سے کم ہونے پر عشر ساقط ہو جائے گا۔ (بدائع وغیرہ)

مقدارِ واجب

لفظ عشر کے معنی ہیں دسواں حصہ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدار واجب میں یہ تفصیل بیان فرمائی ہے:

"ماسقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب اودالية ففيه نصف العشر"

جو زمین آسمانی پانی سے سیراب ہو اس میں عشر ہے اور جس کو بڑے ڈول یا ہرٹ وغیرہ کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ زمین کی آب پاشی پر کچھ محنت یا خرچ کرنا پڑتا ہے تو ان میں پیداوار کا بیسواں حصہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔

مسئلہ: زمین میں پیداوار ہو گی تو عشر لازم ہوگا۔ پیداوار نہ ہوئی تو کچھ واجب نہیں۔ (بدائع)

مسئلہ: عشر یا نصف عشر پوری پیداوار میں نکالا جائے، بونے کاٹنے اور حفاظت کرنے کے اور بیلوں اور مزدوروں وغیرہ کے جو اخراجات ہیں وہ اداء عشر کے بعد نکالے جائیں۔

عشر کے مصارف

عشر کے مصارف وہی ہیں جو زکوۃ کے ہیں۔ اور جس طرح ادا زکوۃ کے لئے یہ ضروری ہے کہ مستحق زکوۃ کو بغیر کسی معاوضہ خدمت وغیرہ کے مالکانہ طور پر دے کر قبضہ کرادیا جائے اسی طرح عشر کی ادائیگی کا بھی یہی طریقہ ہے۔

خراج

یہ اسلامی حکومت کا خراجی زمینوں کے مالکین پر عائد کردہ ٹیکس ہے۔ یہ محض ٹیکس ہے اس میں عبادت کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ چوں کہ یہ ابتداءً کافروں پر عائد ہوتا ہے اور کافر کسی شرعی عبادت کا اہل نہیں۔ یہ قابل کاشت زمین پر عائد ہوتا ہے۔ اگر مالک غفلت برتتا ہے اور قابل کاشت ہونے کے باوجود اس میں کاشت نہیں کرتا ہے تو اس حالت میں بھی جو خراج موظف مقرر ہے لازم ہوتا ہے یعنی جس زمین پر کچھ نقد رقم بطور خراج کے عائد کردی گئی ہو وہ اس صورت میں معاف نہیں ہوتی ہے جب کہ اپنی غفلت اور کوتاہی سے زمین کو خالی چھوڑ رکھتا ہے لیکن اگر زمین پر خراج مقاسمہ مقرر ہے جس کو بٹائی کہا جاتا ہے وہ اس صورت میں معاف ہوجاتا ہے۔ کیونکہ بٹائی پیداوار کا حصہ ہے۔ پیداوار نہیں تو بٹائی بھی نہیں۔ (شامی ۲/۳۰۲)

البتہ زمین کا قابل کاشت ہونا اس میں بھی شرط ہے۔ بنجر زمین جس میں کاشت کی صلاحیت نہ ہو یا پانی سے اتنی دور ہو کہ پانی زمین تک نہیں پہنچ سکتا اور بارش اتنی ہوتی نہیں جس سے کوئی چیز زمین سے پیدا ہوسکے تو ایسی زمین میں خراج نہیں۔ (بدائع)

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ :

خراجی زمینوں کا خراج عشر کی طرح زکوۃ یا عبادت تو نہیں لیکن زمینوں پر ایک شرعی حق ہے جس کا ادا کرنا عشر کے ادا کرنے کی طرح واجب ہے۔

خراج کی قسمیں

خراج کی دو قسمیں ہیں :

(۱) خراج مقاسمہ (۲) خراج موظف

خراج مقاسمہ

اس کے معنی بٹائی کے ہیں کہ پیداوار کا کوئی حصہ نصف یا ثلث مقرر کر دیا جائے۔

خراج موظف

اس کے معنی ہیں کہ نقد رقم مقرر کر دی جائے۔ فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ اول فتح کے وقت جن خراجی زمینوں پر جس طرح کا خراج لگا دیا جائے پھر اس کو بدلنا جائز نہیں۔ مثلاً خراج مقاسمہ کو خراج موظف سے بدل دینا یا اس کا برعکس کرنا جائز نہیں۔ (شامی)

مقدار خراج موظف

جب عراق فتح ہوا تو حضرت فاروق اعظم رضؓ نے حضرت عثمان بن حنیف کو اس کی زمین کی پیمائش (سروے) کا حکم دیا اور حضرت حذیفہ رضؓ کو اس کام کا نگراں مقرر فرمایا۔ پوری مفتوحہ زمین عراق کی پیمائش کی گئی تو تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب نکلی۔ (ھدایہ باب العشر والخراج من السیر وکتاب الاموال ابو عبید ص ۶۹)

جریب ساٹھ مربع گز کو جریب کہا جاتا ہے جو ہمارے ملک کے مروجہ بیگہ کے قریب ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضؓ نے عراق کی ان سب زمینوں پر جن میں پانی پہنچتا ہے اور قابل کاشت ہیں خراج موظف اس تفصیل کے ساتھ مقرر فرمایا کہ عام زمینوں پر فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع یعنی ساڑھے سیر گندم یا جو جیز اس میں بوئی جائے اور ترکاری کی جریب پر پانچ درہم اور انگور یا کھجور کے باغ جو ایسے گنجان درختوں پر مشتمل ہوں کہ ان میں زراعت نہ ہو سکے تو فی جریب دس درہم۔ (ہدایہ ۱/۵۹۲)

ایک درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضؓ اس زمانہ کی عام پیداوار کا جائزہ لے کر مذکور الصدر چیزوں کا خراج متعین فرما دیا۔ ان کے سوا دوسرے پھلوں کے باغات اور دوسری مختلف قابل کاشت چیزیں جن کا خراج حضرت فاروق اعظم رضؓ نے متعین نہیں فرمایا ان کے متعلق فقہاء نے فرمایا کہ زمین کی پیداوار کی برداشت کے مطابق خراج لگایا جائے جو

خمس پیداوار کی مقدار سے کم نہ ہو اور نصف سے زائد نہ ہو۔ اگر اندازہ لگانے کے بعد تجربہ سے ثابت ہو کہ پیداوار اتنی نہیں تو اس کے مناسب کمی کردی جائے۔ (ھدایہ باب العشر والخراج کتاب السیر)

مسئلہ: اگر خراجی زمین پر پانی چڑھ جائے یا اور کوئی آفت پہنچ جائے جس سے وہ قابل کاشت نہ رہے تو خراج معاف ہو جائے گا۔ (ہدایہ)

مسئلہ: مسلمان کے لئے جائز ہے کہ کسی کافر سے خراجی زمین خریدے مگر مسلمان کے مالک ہو جانے کے بعد بھی وظیفہ زمین کا نہ بدلے گا بدستور خراج ہی رہے گا بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خراجی زمینوں کا خریدنا اور ان کا خرچ ادا کرتے رہنا ثابت ہے۔ (ہدایہ)

مسئلہ: خراج موظف ایک ہی رہے گا خواہ زمین سے کئی مرتبہ فصل پیدا کی جائے۔

خراج کے مصارف

خراجی زمینوں سے جو خراج کی رقم یا غلہ وغیرہ وصول ہو اس کا مصرف عام مصالح ملک اور اہل اسلام ہیں جس ملک میں اسلامی حکومت و اقتدار نہیں ہے وہاں کے مسلمانوں کو اپنی زمینوں کا خراج بطور خود نکال کے اہل اسلام پر خرچ کرنا چاہئے۔ مدارس اسلامیہ اور علماء اور طلباء اس کے بہترین مصرف ہو سکتے ہیں۔

غیر اسلامی ملک میں عشر اور خراج سے سرکاری مال گذاری ادا کرنا صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کا نظام عشر و خراج

از: مفتی محمد اسماعیل صاحب بھڈکودردی ـــــــــــ دارالعلوم عربیہ کنتھاریہ

محور اول: عشر وخراج کی حقیقت

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ) اراضی عشر وخراج کی تعریف اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

اراضی خراج

"اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ فتح ہوا تو اس کی زمینوں کے تمام معاملات ان شرائط صلح کے مطابق ہوں گے جن پر معاہدہ صلح ہوا ہے۔ اگر اس صلح نامہ میں شرط ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر رہیں گے اور اراضی بدستور انھیں لوگوں کی ملکیت رہیں گی جن کی ملکیت میں اب تک تھیں تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج لگا دیا جائے گا اور یہ زمین ہمیشہ کے لئے خراجی ہو جائیں گی۔ کیوں کہ ان کے مالک غیر مسلم ہیں ان کی زمینوں کے لئے حکم خراج متعین ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا اگر فتح کے بعد امام المسلمین نے اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت بدستور قائم رکھی تو یہ زمینیں بھی سب خراجی زمینیں ہوں گی۔ اور ایسی زمینیں جو ملک فتح ہونے کے وقت نہ کسی کی ملکیت تھیں نہ قابل زراعت بعد میں اسکو اسلامی امیر کی اجازت سے کسی غیر مسلم نے قابل زراعت بنالیا یا اس نے کسی مکان کو باغ یا مزروعہ زمین بنالیا تو یہ زمین بھی خراجی ہو گی۔ اسی طریقہ سے اگر مذکورہ زمین کو امام ابویوسفؒ کے نزدیک کسی مسلمان نے خراجی زمینوں

کے قرب وجوار میں قابل زراعت بنالیا اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کو اگر خراجی پانی سے قابل زراعت بنایا تو وہ بھی خراجی زمین ہے۔ علامہ شامیؒ نے قول امام ابویوسفؒ کو معتمد قرار دیا ہے (اسلام کا نظام اراضی بتغیر)

اراضی عشر

کسی ملک کے صلح کے ذریعہ فتح ہونے کے ساتھ وہاں کے مالکان اراضی مسلمان ہو گئے تو وہ زمینیں بدستور سابق مالکوں کی ملک میں رہیں گی اور عشری کہلائیں گی اور اس پر عشر واجب ہوگا۔ اگر کوئی ملک جنگ کے ذریعہ فتح ہوا اور مفتوحہ اراضی کو خمس نکالنے کے بعد مسلمان مجاہدین میں بطور غنیمت تقسیم کر دیا گیا ہو تو وہ اراضی بھی عشری ہوں گی اور ان پر عشر واجب ہوگا۔ اسی طریقہ سے صلح سے یا جنگ سے کسی ملک کے فتح ہونے کے وقت جو غیر مملوکہ ناقابل کاشت زمینیں تھیں اور وہ عشری اراضی کے قرب وجوار میں تھیں اور اس کو کسی مسلمان نے امیر مسلم کی اجازت سے قابل کاشت بنایا تو وہ زمین بھی عشری ہو گی۔

مذکورہ بالا تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اراضی عشر وخراج میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اراضی عشر مسلمان کی مملوکہ ہوتی ہیں اور اراضی خراج عموماً غیر مسلمین کی مملوکہ ہوتی ہیں باستثناء بعض صور۔

محور دوم : اراضی ہند کا تاریخی جائزہ

۱۔۲۔ محمد بن قاسمؒ سے لے کر برطانوی تسلط تک ہندوستانی اراضی مختلف قسم کی رہی بعض عشری رہی اور بعض خراجی اور انگریزی دور اقتدار میں اراضی ہند کی نوعیت مختلف رہی۔ اس تاریخی جائزہ کی تفصیل حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنی کتاب "اسلام کا نظام اراضی" میں تحریر فرمائی ہے۔

محور سوم : ہندوستان کی اراضی کا قانونی جائزہ

۱۔۲۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان قوانین کا تفصیلی جائزہ تحریر فرمایا ہے جو مذکورہ عہد کے سلاطین نے اپنے اپنے دائرۂ اقتدار کی اراضی کے خراج ولگان سے متعلق جاری کئے تھے، مگر اس جزوی تبدیل کے باوجود باشندگان ملک کی ملکیت اراضی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اراضی بدستور اپنے مالکان کی ملکیت ہی میں عشری یا خراجی حیثیت کے ساتھ باقی رہیں اور قانون تنسیخ زمینداری کی وجہ

سے کاشتکاروں کو دوسروں کی مملوکہ اراضی غصب کرلینے کا اور سرکاری قانون کے سہارے اس کے قانونی مالک ہونے کا راستہ کھل گیا۔ جس کی وجہ سے بہت سے مالکانِ اراضی کو جبراً اپنی مملوکہ اراضی سے محروم کردیا گیا۔ (اسلام کا نظام اراضی / جواھر الفقہ دوم)

محورِ چہارم: اراضی ہند کی شرعی حیثیت

۱-۲۔ قانون تنسیخ زمینداری جو انگریز کے دورِ حکومت میں جاری ہوا اور آزادی کے بعد بھی اس پر عمل جاری ہے۔ اس قانون کے بعد ہندوستان کی آراضی کے عشری وخراجی ہونے نہ ہونے میں مفتیان کرام اور علماء کرام کا اختلاف رہا ہے۔ بعض حضرات اس قانون کے بعد اراضی کے ملک سرکار ہونے کی بنیاد پر نہ اس کو عشری کہتے ہیں نہ خراجی، اور بعض حضرات دار الحرب ہونے کی بنیاد پر اس کو عشری وخراجی نہیں کہتے، جبکہ محقق علماء کرام اس قانون کے بعد اور دار الحرب کی تقدیر پر بھی ہندی اراضی کو عشری یا خراجی ہی فرماتے ہیں۔ قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (رحمۃ اللہ علیہم رحمۃ واسعۃ) ان میں سے بہت سوں نے ہندی اراضی کو بعض کو عشری اور بعض کو خراجی قرار دیا ہے یا اس کو احوط فرمایا ہے اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی دامت برکاتہم نے قانون تنسیخ زمینداری کے بعد بھی دلائل کے اعتبار سے اقرب واظہر اسی کو فرمایا کہ ملک مالکان ثابت ہے۔ البتہ اس قانون کے مطابق سرکار نے جو زمینیں زمینداروں سے لے کر کاشتکاروں کو دی ہیں وہ خراجی کہی جائیں گی۔ یہ سب تفصیل اسلام کا نظام اراضی / فتاوی محمودیہ ج-۱۲ / احسن الفتاوی ج ۴ میں موجود ہے۔ اراضی ہند نہ سب عشری ہیں نہ سب خراجی ہیں بلکہ بعض عشری ہیں بعض خراجی ہیں۔ جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک میں ہیں اور ان کے پاس مسلمانوں ہی سے پہنچی ہیں ارثاً وشراءً ولم جرا وہ زمینیں عشری ہیں اور جن اراضی کا درمیان میں کوئی کافر مالک ہوا ہے وہ خراجی ہیں چاہے وہ کافر انفرادی ملکیت سے مالک ہوا ہو یا سرکاری، حکومتی اقتدار کی شکل میں مالک ہوا ہو۔ اور جن زمینوں کے ماضی کے مالکان کی کچھ خبر نہ ہوسکے ان اراضی کو بدلیلِ استصحابِ حال عشری ہی کہا جائے گا۔ (اسلام کا نظام اراضی)

۳۔ سرکاری محصولِ اراضی کے خراج میں محسوب ہونے نہ ہونے میں بھی اختلاف علماء کرام ہے۔ حضرت مولانا مفتی

محمد شفیع صاحبؒ اور علامہ عبدالغفور ہمایونی سندھی وغیرہما اس کو خراجی اراضی کے خراج میں محسوب ہونے کی نفی فرماتے ہیں اور حضرت قطب الارشاد مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ زمین محصول سرکاری کو خراجی زمین کے خراج میں محسوب فرماتے ہیں، اور اس قول کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ سرکار بہت سے ایسے مصارف پر رقم کثیر خرچ کرتی ہے کہ جو مصارف خراج ہیں اور ان کا نفع مسلمانوں کو بھی برابر پہنچتا ہے۔ (اسلام کا نظام اراضی / فتاوی رشیدیہ / احسن الفتاوی جہارم)

۴ــــــ خراج کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) خراج مقاسمہ کہ خراجی اراضی کی پیداوار کا کم سے کم پانچواں حصہ ادا کیا جائے۔ (۲) خراج مؤظف، کہ غلہ اور کپاس جیسی عام پیداوار کی خراجی زمینوں میں فی جریب (بیگہ) ایک درہم نقد (یعنی ۳ماشہ چاندی یا اس کی قیمت) اور ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر گندم یا جو یا جو چیز بھی اس زمین میں بوئی جائے اور سبزیوں کی زمین میں فی جریب (بیگہ) پانچ درہم اور انگور یا کھجور کے متصل درختوں والے باغ پر فی جریب دس درہم چاندی ہوگی۔

رہی یہ بات کہ کون سی خراجی اراضی پر خراج مقاسمہ ہوگا اور کس پر خراج مؤظف تو اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے تجزیہ و تفصیل (تاریخی) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صوبۂ گجرات اور راجپوتانہ کی اراضی خراج پر خراج مقاسمہ پیداوار کا خمس ادا کرنا ہوگا اور دیگر عام صوبہ جات میں خراج مؤظف ادا کیا جائے گا۔

اور ہندوستانی مسلمان سرکاری مال گذاری کو مقدار خراج میں سے منہا کرنے کے بعد اپنے ذمہ عائد بقیہ خراج کو مصارف خراج یعنی مدارس عربیہ کی تعمیر و تنخواہ میں، مساجد کے ائمہ و مؤذنین کی تنخواہ میں مساجد و مسافر خانہ کی تعمیر میں اسلامی عدالتوں کے مصارف میں دے سکتے ہیں۔ (رسائل محاسن سوم / اسلام کا نظام اراضی)

مسلمان پر عائد ہونے والا خراج مؤنۃ الارض اور زمینی ٹیکس ہی کہا جائیگا، اس میں عبادت کا پہلو نہ ہوگا۔ فقہاء کرام کی عبارات سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

۵ــــــ جدید طریق زراعت کے غیر معمولی اخراجات کھاد، دوا وغیرہ کی وجہ سے عشر کی مقدار میں کمی کرنا یا ان اخراجات عشر نکالنے سے پہلے کل پیداوار میں سے منہا کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ عشر و نصف عشر کی تفریق پانی پر مبنی ہے نیز ان اخراجات کی صورت میں عموماً پیداوار میں ہونے والی زیادتی سے اس کی تلافی بھی ہوتی ہے۔

۶ــــــ اگر مالک اور مزارع دونوں مسلمان ہوں اور مزارعت صحیحہ ہو تو دونوں میں سے ہر ایک پر اس کے متعین

شدہ حصہ پیداوار کے مطابق عشر عائد ہوگا، اور غیر مسلم پر عشر واجب نہ ہوگا۔ (فتاوی رشیدیہ)
معیر مسلم و مستعیر ذمی کے مسئلہ سے یہی معلوم ہوتا ہے:

فان کان ذمیا فهو علی رب الارض بالاتفاق (فتح ۲/۱۹۴) (رفی الرد ۲/۵۵) لکونه لیس اهلا للعشر (رفی التحریر المختار (من السندی منقول عن السراج) لان ایجاب العشر علی الذی غیر ممکن (التحریر المختار ۱/۱۳۸)

محور پنجم

۱۔۔۔۔ اگر پیداوار نصف صاع سے زائد ہو تو اس پر عشر واجب ہے، نصف صاع سے چاہے جتنی زائد ہو اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق نصوص کے اطلاق کی وجہ سے کوئی نصاب شرط نہیں ہے (شامی دوم)

۲۔۔۔۔ زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز میں عشر واجب نہیں ہے بلکہ جس پیداوار سے زمین کے ذریعہ آمدنی حاصل کرنا مقصود ہو۔ لہذا خودرو گھاس اور بیکار قسم کے درختوں میں عشر واجب نہیں ہے، البتہ اگر کوئی شخص گھاس، بانس یا خودرو قسم کے درختوں کو آمدنی کی نیت سے قصداً اگائے تو اس پر عشر واجب ہوگا۔ (شامی ۲/۵۰)

مکھانہ اور سنگھارا جیسی چیزیں زمین ہی کی پیداوار ہیں چاہے اس قسم کی کاشت کے لئے پانی کی کثرت ضروری ہے مگر اس کی جڑیں تو زمین ہی میں رہتی ہیں۔ اور زمین کی مقصود بالاستغلال میں عشر واجب ہوتا ہے، لہذا مکھانہ اور سنگھاڑا جیسی پیداوار میں بھی عشر واجب ہوگا جب کہ بالقصد اس کی کاشت کی گئی ہو۔ (شامی دوم)

۳۔۔۔۔ مچھلی کی کاشت میں عشر واجب نہ ہوگا۔ کیوں کہ مچھلی یہ (انزال الارض) زمین کی پیداوار میں سے نہیں ہے اور زمین کی پیداوار سے پرورش پانے والی چیز بھی نہیں ہے۔ لہذا اگر کوئی آدمی آر سی سی کے پختہ حوض میں اگر مچھلیاں پالنا چاہے تو بھی پال سکتا ہے۔ اور عشر کے وجوب میں اصل یہ ہے کہ وہ بلاواسطہ یا بالواسطہ زمین کی پیداوار ہو۔ (شامی ۲/۵۲)

البتہ اس قسم کے تالاب میں مچھلیاں یا ان کے بچے اگر تجارت کی نیت سے خرید کر تالاب میں ڈالے گئے ہوں تو ان کی مالیت پر تجارتی مال کی زکوۃ فرض ہوگی۔ (احسن الفتاوی ۴/۳۱۰)

۴ــــــ جو چیز عادۃً مقصود بالزرع نہ ہو اور اس کو مقصود بنا کر کے اس کی کاشت بھی نہ کی گئی ہو تو اس میں تو عشر واجب نہیں ہوتا۔ اور ایسی غیر مقصود بالزرع چیز سے پرورش پانے والی چیز میں بھی عشر واجب نہیں ہوتا جیسا کہ عام کتب فقہ حنفی میں مصرح ہے۔ مگر جب ایسی عادۃً غیر مقصود بالزرع کسی چیز ہی کو مقصود بنا کر اس کی کاشت کی جائے تو پھر اس میں عشر واجب ہوتا ہے جیسا کہ کوئی غیر پھل دار درختوں کا اور بانس ہی کا کھیت بنائے تاکہ اس سے جلانے یا عمارت کے لکڑے حاصل کرے تو اس میں عشر واجب ہو جاتا ہے اسی طرح اگر کوئی آدمی ریشم کی پیداوار حاصل کرنے کے لئے شہتوت کے پتوں ہی کو مقصود بنا کر شہتوت کے درختوں کا پورا کھیت بنائے اور اس میں ان درختوں کے علاوہ دوسری چیز کی کھیتی نہ ہو تو ان پتوں میں بھی عشر واجب ہو جائے گا جیسا کہ "تنقیح الفتاوی الحامدیۃ" میں ہے کہ :

"(سئل) فی أوراق التوت هل یجب فیها العشر أم لا (الجواب) قال فی صور المسائل نقلاً من الزاهدی ما صورته قلت ممکن ان یلحق به أغصان التوت عندنا و اوراقها لانه یقصد بها الاستغلال بخوارزم وخراسان وقد نص علیه فی درر الفقه فقال یجب العشر فی أوراق التوت و اغصان الخلاف التی تقطع فی اوان تقلیم الکروم ونحو ذالك اه (العقود الدریة من تنقیح الفتاوی الحامدیة ۱/۱۱)

اور جب شہتوت کے اوراق کو مقصود بالزرع بنا کر اس سے ریشم کے کیڑوں کی پرورش اور ریشم کی پیداوار حاصل کرنا مقصود ہو تو پھر اس ریشم میں عشر واجب ہوگا جیسا کہ عشری زمین کے شہد میں احناف کے نزدیک عشر واجب ہوتا ہے۔ (ہدایۃ / فتح القدیر ج ۲)

۵ــــــ پھلدار درختوں کے باغ میں تو زمین کی نوعیت کے مطابق پھلوں میں عشر یا خراج واجب ہوتا ہے، اور جو غیر پھلدار یا پھلدار درخت جلانے کے لئے یا عمارت و فرنیچر کا لکڑی حاصل کرنے کے لئے لگائے جائیں اور صرف ایسے درختوں ہی کا کھیت بنایا جائے اور اس میں ان درختوں کے درمیان اور کسی قسم کی کھیتی نہ ہو تو اس میں بھی عشری زمین ہو تو عشر واجب ہے۔ (ردالمحتار ج ۲، ص ۲۹۱ العقود الدریۃ ۱/۹)

۶ــــــ عشری زمین کی سبزیوں کی پیداوار میں پانی کی نوعیت کے اعتبار سے عشر یا نصف العشر واجب ہوگا اور مکان کے گرد و پیش کی افتادہ زمین میں یا چھتوں پر اگائی جانے والی سبزیوں میں

کچھ واجب نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ زمین عشری نہیں ہے۔ (رد المحتار ص۴۹، ص۵۳ ج-۲۔

الخانیہ مع الہندیۃ ۱/۲۷۷)

۷ـــــ اراضی اوقاف اگر عشری ہیں تو اس کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہے۔

(رد المحتار ۲/۴۹، ۲/۲۵۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم

عشر و خراج کا شرعی ضابطہ

از ——— مولانا محمد شعیب اللہ مفتاحی مدرسہ شیخ العلوم بنگلور

عشر و خراج نظام اراضی سے متعلق اسلامی احکامات میں سے ہیں، شرعی قانون کے مطابق بعض زمینوں پر عشر لاگو ہوتا ہے اور بعض پر خراج عائد ہوتا ہے۔ کن زمینوں پر عشر آتا ہے اور کن پر خراج لاگو ہوتا ہے؟ اسی سوال کے جواب کی تفصیل و توضیح پیش کرنا اس موقعہ پر مقصود ہے۔

عشری زمینیں کون سی ہیں؟

شریعت نے جن زمینوں کو عشری قرار دیا ہے علماء نے ان کی تفصیل کرتے ہوئے ان کو چار قسموں پر منقسم کیا ہے:

(۱) وہ زمین جس کے رہنے والے سب کے سب مسلمان ہو گئے ان کی زمینیں ان ہی کے قبضہ میں رہیں گی اور ان لوگوں کی زمینوں پر عشر آئے گا۔

قال الموفق قال ابن المنذر اجمع کل من نحفظ عنہ من اهل العلم علی ان کل ارض اسلم اهلها علیها قبل قهرهم علیها انها لهم وان احکامهم احکام المسلمین وان علیهم فیما زرعوا فیها الزکوٰۃ۔ (۱)

(۲) وہ زمین جس کو قتال کے بعد فتح کیا گیا اور اس کو مال غنیمت کے قاعدہ کے موافق پانچ حصے بنا کر چار حصے مجاہدین کو دے گئے اور ایک حصہ بیت المال میں داخل کیا گیا تو یہ زمینیں جو مجاہدین کے قبضہ میں آئیں عشری قرار پائیں گی۔

---

(۱) المغنی ۳/۵۹

امام ابوعبید نے "الاموال" میں اس صورت کا ذکر یوں کیا ہے :

کل ارض اخذت عنوۃ ثم ان الامام لم یر ان یجعلھا فیئا موقوفاً ولکنہ رای ان یجعلھا غنیمۃ فخمسھا وقسم اربعۃ اخماسھا بین الذین افتتحوھا خاصۃ فھذہ ایضا ملک ایمانھم لیس فیھا غیر العشر۔ (۱)

(۳) جو زمین کسی کی ملکیت میں نہ تھی اور نہ زراعت کے قابل تھی ملک کے فتح ہونے کے بعد اسلامی حکومت کا سربراہ اس کو کسی کے لیے دے دیا تو وہ زمین بھی عشری ہوگی۔

قال ابو عبید : کل ارض عادیۃ لارب لھا ولا عامر اقطعھا الامام رجلاً اقطاعا من جزیرۃ العرب او غیرھا (ذکرہ فی النوع الثالث من الانواع الاربعۃ من الاراضی العشریۃ)(۲)

(۴) جو زمین غیر آباد پڑی ہو اس کو اگر مسلمان نے قابل زراعت بنالیا تو وہ زمین بھی عشری ہے (اس میں کچھ تفصیلات ہیں جو آگے چل کر پیش کی جائیں گی)۔ (۳)

یہ چار قسم کی زمینیں ہیں جن پر عشر آتا ہے اور سنت نبوی و آثار صحابہ سے ان اقسام پر عشر کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔

پہلی قسم کے عشری ہونے کی دلیل

پہلی قسم کی زمین کے عشری ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مدینہ منورہ اور یمن کے لوگوں نے جب اسلام قبول کرلیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عشر کو لازم کیا، امام ابو یوسف رح کتاب الخراج میں فرماتے ہیں :

فکل ارض اسلم اھلھا علیھا وھی من ارض العرب او ارض العجم فھی لھم وھی ارض عشر بمنزلۃ المدینۃ حین اسلم علیھا اھلھا وبمنزلۃ الیمن۔ (۴)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں :۔

وھی ارض عشر بمنزلۃ المدینۃ حیث اسلم اھلھا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت ارضھم ارض عشر وکذا لک الطائف والبحران۔ (۵)

---

(۱) کتاب الاموال لابی عبید / ۵۱۲ (۲) ایضاً (۳) ایضاً

(۴) الخراج / ۵۷ (۵) الخراج / ۶۸

اس سے معلوم ہوا کہ مدینہ، طائف، یمن وغیرہ کی زمینوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشری قرار دیا تھا اور یہاں کے لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔

امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت علاء ابن الحضرمی رضؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بحرین یا ہجر کی طرف بھیجا، وہ فرماتے ہیں کہ وہاں مسلمان سے عشر اور مشرک سے خراج وصول کرتا تھا۔ (۱)

یہ بحرین یا ہجر کے مقامات بغیر قتال کے مفتوح ہوئے تھے اور وہاں کے لوگ بخوشی مسلمان ہو گئے تھے ان سے حضرت علاء عشر وصول کرتے تھے اور جو مشرک ہی باقی رہے ان سے خراج وصول کیا جاتا تھا۔

دوسری قسم کے عشری ہونے کی دلیل

اور دوسری قسم کی زمین یعنی جو قتال کے ذریعہ مفتوح ہوئی اور مال غنیمت کے اصول کے مطابق پانچ حصوں میں تقسیم کر کے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیے گئے تو ان چار حصوں پر جو مجاہدین کی ملک ہیں عشر آتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو اسی طرح تقسیم فرمایا اور مجاہدین کی اراضی پر عشر لازم قرار دیا تھا۔ (۲)

تیسری قسم کے عشری ہونے کی دلیل

اور جس زمین کو امیر المومنین نے کسی کو عطیہ دے دیا جب کہ وہ زمین کسی کی ملک نہیں تھی تو اس پر عشر لاگو ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مسلمانوں نے جب حمص کو فتح کیا تو وہ نہر ار بد پر جمع ہوئے اور دہاں کی زمین کو قابل بنالیا اور اس کو حضرت عمرؓ و عثمان رضؓ نے نافذ فرمایا اور اس پر خراج نہیں لیا جاتا تھا بلکہ عشر لاگو کیا گیا تھا، اسی طرح حمص کے بعض اور حصے بھی لشکریوں کو ان کی درخواست پر دے دیے گئے اور ان پر عشر ادا کیا جاتا تھا۔ (۳)

چوتھی قسم کے عشری ہونے کی دلیل و تفصیل

چوتھی قسم کی زمین یعنی جو زمین آبادی میں ہو اور اس کو کسی مسلمان نے قابل زراعت بنالیا تو اس میں کچھ تفصیل ہے۔

---

(۱) ابن ماجہ / ۱۳۳ (۲) الاموال / ۵۱۴

(۳) رواہ ابن ماجہ فی کتابہ باسنادہ قالہ الموفق فی المغنی۔ المغنی ص ۵۸۹ بحوالہ اعلاء السنن ۱۲/ ۳۸۶

وہ یہ کہ امام ابو یوسف رح کے نزدیک مذکورہ زمینیں عشری ہوں گی۔ اگر اس کے قرب و جوار کی زمینیں عشری ہوں اور اگر قرب و جوار کی زمینیں خراجی ہیں تو یہ بھی خراجی قرار دی جائیں گی، اور اگر قرب و جوار میں دونوں قسم کی زمینیں ہیں تو اس زمین کو عشری قرار دیا جائے گا۔(۱)

اور امام محمد رح کے نزدیک مذکورہ بالا زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار اس کو دیے جانے والے پانی پر ہے اگر عشری پانی سے اس زمین کو سیراب کیا جاتا ہے تو وہ عشری ہے اور اگر خراجی پانی دیا جاتا ہے تو وہ بھی خراجی ہوگی۔(۲)

علماء احناف نے ان دونوں قولوں میں سے امام ابو یوسف رح کے قول پر فتویٰ دیا ہے جیسا کہ اسی طرح شامی نے تصریح کی ہے۔

امام محمد رح کے قول کے مطابق ایسی زمین کے عشری ہونے کی دلیل یہ ہے کہ بصرہ کو صحابہ نے عشری زمین قرار دیا، حالاں کہ اس کے قرب و جوار میں عراق کی خراجی زمینیں تھیں وجہ یہ ہے کہ یہ عشری پانی سے سیراب کی جاتی تھیں۔ یحیٰی بن آدم نے کہا کہ:

و قد قال بعض اصحابنا فی ارض البصرة ارضها ارض عشر لانها استخرجت من انهار الخراج لان البطائح تقطع ما بينهما و بين دجلة وشربها من البطائح ومن البحر والبحر ليسا من انهار الخراج ۔ (۳)

اور امام ابو یوسف رح کے قول کے مطابق بصرہ کو اگرچہ خراجی زمین قرار دینا چاہیے تاہم اجماع صحابہ کے پیش نظر وہ بھی اس کو خلاف قیاس عشری ہی قرار دیتے ہیں۔

خراجی زمین کا ضابطہ

اوپر عشری زمینوں کا اصول وضابطہ پیش کیا گیا تھا اب خراجی زمینوں کا اصول وضابطہ بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) جس ملک کو مسلمان صلح کے ساتھ فتح کریں اس کی شرائط صلح میں اگر یہ بات ہو کہ اس کی زمینیں بدستور انہی غیر مسلم لوگوں کی ملکیت میں رہیں گی تو اس شرط کے مطابق یہ زمینیں وہاں کے غیر مسلم باشندوں کی ملک ہوں گی اور ان پر خراج عائد ہوگا۔

(۱-۲) شامی علی الدر ۳/۱۹۴ (۳) الخراج یحیٰی بن آدم بحوالہ اعلاء السنن ۱۲/۳۰۸

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں:

ایما قوم من اهل الشرك صالحهم الامام على ان ينزلوا على الحكم والقسم وان يؤدوا الخراج فهم اهل ذمة وارضهم ارض خراج - (۱)

(۲) جس ملک کو بعد قتال فتح کیا گیا اگر اس کی زمینیں مجاہدین میں تقسیم نہیں کی گئیں اور امیر المومنین نے اسی کو مصلحت خیال کیا کہ یہاں کی زمینیں بدستور انہی کفار کی ملکیت میں رہیں تو یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی۔

امام ابو یوسف رح فرماتے ہیں:

ايما ارض افتتحها الامام عنوة ——— وان لم يرقسمتها و رأى الصلاح فى اقرارها فى ايدى اهلها كما فعل عمر بن الخطاب رضى الله عنه فى السواد فله ذلك وهى ارض خراج وليس له ان يأخذها بعد ذلك منهم الخ - (۲)

(۳) جس غیر آباد زمین کو باذن امام غیر مسلم آباد کرلیں اور قابل کاشت بنالیں وہ زمین بھی خراجی ہوگی۔ (۳)

(۴) وہ زمین جو مسلمان آباد کرلیں امام ابو یوسف رح کے مطابق اگر وہ خراجی زمینوں کے قرب میں ہو تو وہ خراجی ہوگی اور امام محمد رح کے مطابق وہ اگر خراجی پانی سے سیراب ہوتی ہے تو خراجی ہوگی۔ (۴)

دلائل کی طرف

خراجی زمینوں کی پہلی قسم پر دلیل یہ ہے کہ خراج کا وظیفہ کفار کے ساتھ مخصوص ہے لہٰذا جب امیر نے شرط کے مطابق ان کی زمین ان کی ملکیت میں رہنے دی تو اس کے لائق یہی ہے کہ خراج عائد کیا جائے۔

فى الهداية: وكذا اذا صالحهم لان الحاجة الى ابتداء التوظيف على الكافر والخراج اليق به۔[۵]

ع تلت ودليله ما اخرجه يحيى بن آدم فى الخراج له بسنده عن ابن ابى ليلى قال، قد رد اليهم عمر ابن الخطاب رض اراضيهم وصالحهم على الخراج (اعلاء السنن ۱۲/۳۸۱) فيه دلالة واضحة على ان الامام اذا رد اليهم اراضيهم وصالحهم على عليه فهى ارض خراج -

(۱) الخراج لابى يوسف ص ۶۸ (۲) ايضاً (۳) شامى ۳/۱۸۳ (۴) ايضاً

(۵) ہدایہ ۲/۵۷۱

اور بعد قتال کے فتح ہو تو کفار کے قبضہ میں جو زمینیں دی گئیں وہ خراجی ہوتی ہیں کیوں کہ حضرت عمرؓ نے عراق مصر شام کی زمینوں پر خراج ہی عائد کیا تھا۔ (۱)

اور جس زمین کو غیر مسلم آباد کرلیں وہ بھی خراجی ہوگی کیوں کہ غیر مسلم پر عشر نہیں ہوتا۔

اور چوتھی قسم کی زمین کے خراجی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اہل بصرہ میں سے ایک ثقفی ابو عبداللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ ہمارے قریب ایک زمین بصرہ میں ہے جو خراجی نہیں اگر آپ کی رائے ہو تو یہ مجھے عنایت فرمادیں تاکہ میں اپنے گھوڑوں کے لیے چراگاہ بنالوں، آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اگر یہ شخص جس طرح کہتا ہے وہ صحیح ہے تو اس زمین کا حصہ اس کو دے دیں اور اس خط کے جملے یہ تھے:

فان لم تكن ارض جزية ولا ارضا يجرى اليها ماء جزية فاعطها اياه۔ (۲)

اس میں حضرت عمرؓ کے یہ جملے بتاتے ہیں کہ پانی کے عشری یا خراجی ہونے کا ہی اثر و اعتبار ہے ورنہ "ولا ارضا يجرى اليها ماء جزية" کہنے کی کوئی وجہ نہ ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی زمین کو خراجی پانی دیا جاتا ہے تو وہ زمین خراجی ہوگی۔ یہ دلیل امام محمدؒ کے مطابق ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم)

امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک ایک اختلاف کی تفصیل

یہاں یہ بھی واضح ہونا چاہیے کہ اس چوتھی صورت میں امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ میں جو اختلاف ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ یہ آباد کردہ زمین خراجی یا عشری زمینوں کے حیز و قرب میں ہو، اس صورت میں امام ابو یوسفؒ قرب کا اعتبار کرتے ہوئے آباد کردہ زمین پر عشری ہونے کا (جب کہ وہ عشری زمین کے قرب میں ہو) اور خراجی ہونے کا (جب کہ خراجی زمینوں کے پاس ہو) حکم لگاتے ہیں اور امام محمدؒ عشری یا خراجی پانی کا اعتبار کرتے ہوئے حکم لگاتے ہیں۔

لیکن اگر یہ نئی آباد کردہ زمین عشری یا خراجی زمینوں کے قرب میں نہ ہو تو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ دونوں کا مسلک ایک ہے وہ یہ کہ پانی کے عشری یا خراجی ہونے پر اس زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار ہوگا۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے بھی کتاب الخراج میں پانی کے عشری یا خراجی ہونے پر مدار رکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

---

(۱) الخراج لابی یوسف، الاموال لابی عبید وغیرہ۔

(۲) ابو عبید الاموال / ۲۰۷

ایما رجل احیا ارضا فی ارض الموات من ارض الحجاز او ارض العرب التی اسلم اھلھا علیھا وھی ارض عشر فھی لہ وان کانت من الارضین التی افتتحھا المسلمون مما فی ایدی اھل الشرك فان احیاھا وساق الیھا الماء من المیاہ التی کانت فی ایدی اھل الشرك فھی ارض خراج وان احیاھا بغیر ذلك الماء ببئر احتفرھا فیھا او عین استخرجھا منھا فھی ارض عشر وان کان یستطیع ان یسوق الماء الیھا من الانھار التی کانت فی ایدی الاعاجم فھی ارض خراج ساقہ او لم یسقہ۔ (۱)

علامہ ظفر احمد التھانوی رح اعلاء السنن میں مذکورہ بالا عبارت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وبہ تبین ان ابایوسف لایخالف محمداً فی اعتبار الماء بل یوافقہ اذا لم تکن الارض التی احیاھا المحیی فی حیز ارض الخراج او العشر۔ (۲)

غرض یہ کہ امام محمد رح و امام یوسف رح میں اختلاف صرف اس وقت میں ہے جب کہ یہ آباد کردہ زمین عشری یا خراجی زمینوں کے قریب میں ہو، ورنہ دونوں حضرات کے نزدیک پانی کا اعتبار ہے۔

خلاصۂ کلام

اوپر کی پیش کردہ تفصیلات سے معلوم ہوا کہ:

(۱) عشری زمین وہ ہے جو اول وہلہ میں مسلمان لوگوں کو ملی یا دی گئی خواہ جنگ و قتال کے بعد وہ زمین مسلمانوں کے قبضہ میں آئی ہو یا صلح کے ذریعہ حاصل ہوئی ہو، لہٰذا ہر وہ زمین جو صلح یا جنگ کے بعد کسی مسلمان کو حاصل ہوئی وہ عشری کہلائے گی۔

(۲) خراجی زمین یا تو وہ ہے جو جنگ یا صلح کے بعد امام المسلمین نے کسی کافر کو دی خواہ وہ شرائط صلح کی بنا پر ہو یا از راہ تبرع و احسان ہو۔

یا خراجی زمین وہ بھی ہے جو غیر آباد تھی اور اس کا کوئی مالک نہ تھا اور کسی مسلمان نے اس کو آباد کرلیا تو اگر خراجی پانی سے سیراب کی جاتی ہے تو خراجی ہوگی اسی طرح ابو یوسف رح کے نزدیک یہ زمین خراجی زمین کے قرب میں ہے تو خراجی ہوگی۔

---

(۱) کتاب الخراج لأبي یوسف ص۶۴ (۲) اعلاء السنن ج۱۲ ص۳۹

استثناء یہ تو اصل قاعدہ وضابطہ ہے جس سے خراجی وعشری زمینوں کا تعین کیا جاسکتا ہے، مگر اس قاعدہ سے ہٹ کر بھی بعض فیصلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ سے منقول ہیں اور یہ بعض خصوصیات کی بنا پر ایک استثنائی صورت ہے اور اس کو اسی طرح قائم وباقی رکھنا ضروری ولازمی ہے ان استثنائی صورتوں کی تفصیل یہ ہے:

(۱) اوپر معلوم ہوا کہ جس ملک کو جنگ وقتال کے بعد فتح کیا جائے اور اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہ کیا جائے بلکہ بدستور کفار ہی کی ملکیت میں رہنے دیا جائے تو ایسی زمینیں خراجی ہوں گی مگر مکہ مکرمہ کی زمینوں کو (جس کو بعد قتال فتح کر کے کفار ہی کو دے دیا گیا تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خراجی قرار نہیں دیا بلکہ اصل ضابطہ سے ہٹ کر ان پر عشر عائد کیا۔

امام ابویوسف رح اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وارض العرب مخالفة لارض العجم من قبل ان العرب انما یقاتلون على الاسلام لا تقبل منهم الجزیة ولا یقبل عنهم الا الاسلام فان عفی لهم عن بلادهم فهی ارض عشر وان قسمها الامام ولم ید عها لهم فهی ارض عشر ولیس یشبه الحکم فی العرب الحکم فی العجم لان العجم یقاتلون على الاسلام وعلى اعطاء الجزیة والعرب لا یقاتلون الا على الاسلام فاما ان یسلموا واما ان یقتلوا ولا نعلم ان رسول الله صلی الله علیه وسلم ولا احدا من اصحابه ولا احدا من الخلفاء من بعده اخذوا من عبدة الاوثان من العرب جزیة انما هو الاسلام او القتل۔ (۱)

(۲) اسی طرح عرب کی کل زمین عشری قرار دی گئی خواہ وہ عنوۃً مفتوح ہوئی ہو یا صلحاً یہ عرب کی زمین کی خصوصیت ہے امام ابویوسف فرماتے ہیں:

وقد بلغنا ان رسول الله صلی الله علیه وسلم افتتح فتوحا من الارض العربیة فوضع علیها العشر ولم یجعل على شیئ منها خراجا وکذالک قول اصحابنا فی تلك الارضین۔ (۲)

---

(۱) الخراج لابی یوسف ص ۶۹/ (۲) ایضاً ۶۳/

(۳) اسی طرح بصرہ قہراً وعنوۃً فتح ہوا، اس کا مقتضی تو یہ تھا کہ وہاں کی ان زمینوں کو جو کفار کو دی گئیں، خراجی قرار دیا جاتا مگر باجماع صحابہ بصرہ کی کل زمین کو عشری قرار دیا گیا۔

علامہ ابن نجیم مصری رح بنایہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

فان القیاس وضع الخراج علیها (ای علی البصرۃ) لکونها فتحت عنوۃً ومع ذلك لم یوظف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیها الخراج تعظیما لها ولاهلها نکما لارق علی العرب لاخراج علی اراضیهم - (۱)

الغرض بعض علاقوں کی خصوصیت کی وجہ سے اصل ضابطہ سے ان کو مستثنیٰ رکھا گیا اور ان کو ہمیشہ اسی طرح باقی رکھنا لازم ہے۔

---

(۱) بحرالرائق ۵/۱۰۶

عشر و خراج سے متعلق سوالات کے جوابات

از: ــــــ مولانا عبدالرحمٰن قاسمی۔ دارالافتاء دارالعلوم چھاپی

محور اوّل

عشری و خراجی زمینیں

کتاب و سنت، تعامل عہد صحابہ و تابعین اور فقہائے امت کے اجتہادات کے مطالعہ سے عشری و خراجی زمینوں کے متعلق بطور خلاصہ کے یہ روشنی ملتی ہے کہ

جزیرۃ العرب (جس میں تہامہ، حجاز، مکہ، یمن، طائف، عمان، بحرین شامل ہیں) کی تمام زمینیں عشری ہیں:

فارض العرب کلها عشرية وهي ارض تهامه وحجاز ومكة واليمن وطائف وعمان والبحرين ـ (۱)

ہر وہ شہر یا ملک جو صلح کے ساتھ اس طرح فتح ہوا کہ اس کے باشندے بھی مسلمان ہو گئے تو ان کی زمینیں بدستور ان کی ملکیت میں ہی رہیں گی اور شرعاً یہ زمینیں عشری ہوں گی، جیسے مدینہ طیبہ کی زمینیں۔

كل ارض اسلم عليها اهلها تكون عشرية ـ (۲)

ہر وہ شہر یا ملک جو جنگ کے ساتھ فتح ہوا اور امام المسلمین نے ان کی زمینیں مال غنیمت کے قانون سے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے تو زمینیں تقسیم ہو کر مجاہدین کی ملکیت میں آئیں گی وہ سب عشری ہوں گی۔

---

(۱) الفتاویٰ الهندية ۲/۲۳۷ (۲) ایضاً

كل بلدة فتحت عنوة وقسمها الامام بين الغانمين تكون عشرية - (۱)

ہروہ بنجر زمین جو ملک فتح ہونے کے وقت نہ کسی ملک تھی نہ قابل زراعت بعد میں اس کو اسلامی امیر کی اجازت سے قابل زراعت بنایا گیا یا آبادی ہیں کوئی مکان تھا اس کو باغ یا مزروعہ زمین بنایا گیا تو ایسا کرنے والے غیر مسلم ہیں تو ان کی یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی اور اگر مسلمانوں نے اس زمین کو قابل بنایا ہے تو ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار امام ابویوسف رح کے نزدیک قرب وجوار کی زمینوں پر ہوگا، اگر قریب کی زمینیں عشری ہیں تو یہ زمینیں بھی عشری ہوں گی۔ اور امام محمد رح کے نزدیک نوآباد زمینوں کے عشری و خراجی ہونے کا مدار اس پانی پر ہے جس سے نوآباد زمینوں کو سیراب کیا جاتا ہے اگر وہ پانی عشری ہے تو یہ زمینیں عشری ہوں گی اور اگر وہ پانی خراجی ہے تو یہ زمینیں خراجی ہوں گی۔ امام ابویوسف علیہ الرحمۃ کا قول مفتیٰ بہ ہے اور علامہ شامی نے اس کو معتمد قرار دیا ہے۔

موات احياه ذمي باذن الامام او رضخ له كما مر خراجي ولو احياه مسلم اعتبر قربه ما قارب الشئ يعطى حكمه - (۲)

(قوله اعتبر قربه) أى قرب ما احياه إن كان إلى ارض الخراج اقرب كانت خراجية وان كان إلى العشر أقرب فعشرية - (۳) ـــــ وان كانت بينهما فعشرية مراعاة لجانب المسلم وعند أبي يوسف و اعتبر محمد الماء فان احياها بماء الخراج فخراجية وإلا فعشرية بحر وبالاول يفتى درمنتقى - (۴)

نیز علامہ شامی قوله وكل منهما کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

ان الماء يعتبر فيما لو احيا مسلم ارضا اوجعل داره بستانا بخلاف المنصوص على انه عشرى أو خراجي وقدمناه على الدر المنتقى ان المفتى به قول ابى يوسف إنه يعتبر القرب وهو مامشى عليه المصنف اولا كالكنز وغيره وقدمه فى متن الملتقى فأفاد ترجيحه على قول محمد وقال ح، وهو المختار كما فى الحموى على الكنز عن شرح قراحصارى وعليه المتون واعتبار الماء قول محمد - (۵)

---

(۱) هندیه ۲/۲۳۶ (۲) الدر المختار على هامش رد المحتار ۴/۱۸۳ (۳) نهر

(۴) شامى مصرى ۴/۱۸۴ (۵) شامى مصرى ۴/۱۸۵

نیــز فتاوی ہندیہ میں ہے :

مـن احیا ارضا مواتا فان کانت مـن حـیز ارض الخراج فهی خراجیـة وان کانت مـن حیز ارض العشـر فهی عشـریـة وهذا اذا کان المحی لها مـسلما اما اذا کان ذمیا فعلیـه الخراج وان کانت من حـیز ارض العشـر۔ (۱)

ہر وہ شہر یا ملک جو صلح سے فتح ہوا اور صلح نامہ میں یہ شرط ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر رہیں گے اور اراضی بدستور انہی لوگوں کی ملکیت میں رہیں گی جن کی ملکیت میں اب تک تھیں تو اس صورت میں یہ زمینیں ہمیشہ کے لیے خراجی ہو جائیں گی کیوں کہ ان کے مالک غیر مسلم ہیں ان کی زمینوں کے لیے خراج کا حکم متعین ہے۔

کل بلـدة فتحت صلحًا وقبلوا الجزیـة فهی ارض خراج۔ (۲)

ہر وہ شہر یا ملک جو جنگ کے ساتھ فتح ہوا اگر فتح کے بعد امام المسلمین نے ان کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت میں بدستور رکھی تو یہ زمینیں بھی سب خراجی ہوں گی، جیسے شام اور عراق اور مصر کی زمینوں کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہی معاملہ فرمایا بجز خاص حصّوں کے جو مسلمانوں کو دیے گئے یا بیت المال کے لیے رکھے گئے۔

وما فتح عنوة واقر اهله علیه اوفتح صلحًا خراجیة۔ (۳)

اگر کسی غیر مسلم کی زمین کو کوئی مسلمان خرید لے تو یہ زمین خراجی ہی رہے گی۔

أواشـتری مـسلم مـن ذمی ارض خـراج یجب الخراج ۔(۴)

محورِ چہارم

اراضی ہند سے متعلق شرعی حیثیت کے سوالات

(۱) ۱۹۴۷ء کی آزادی اور قانون تنسیخ زمینداری کے بعد ہندوستان کی زمینیں بعض عشری بعض خراجی اور

---

(۱) فتاوی هـنـدیه ۲/۲۳۰ (۲) الفتاوی الهـنـدیه ۲/۲۳۶

(۳) تنـویـر ۴/۱۷۷ (۴) الدر المختار علی هامش رد المحتار ۴/۱۹۱

بعض نہ عشری نہ خراجی ہیں۔

خاتمہ زمینداری میں جن اراضی کو حکومت نے اپنی ملکیت میں لے لیا اور مالکوں کی ملک ختم کر دی وہ تمام زمینیں خراجی ہوں گی۔ پھر ان زمینوں میں سے جن اراضی کو حکومت نے اپنے قاعدہ وضابطہ سے کچھ عوض لے کر یا بغیر عوض کے قابضین کی ملک میں دے دیا تو قابضین اس کے مالک ہو گئے پھر بھی یہ زمینیں خراجی رہیں گی۔

اور ان میں سے جن اراضی پر حکومت نے قابضین یا دوسروں کی ملکیت کا حق نہیں دیا ہے وہ اب تک حکومت کی ملک میں باقی ہیں اور یہ اراضی نہ عشری ہیں نہ خراجی ہیں بلکہ اراضی محوزہ سلطانیہ کے درجہ میں ہیں۔

اور جو اراضی قانون تنسیخ زمینداری سے مستثنیٰ رہی ہیں اور حکومت نے ان کو اپنی ملکیت میں نہیں لیا بلکہ وہ اب تک مالکوں کی ملک میں ہیں تو ان اراضی کا حکم یہ ہے (بشرطیکہ وہ اراضی مملوکۂ مسلمین ہوں)۔

ان اراضی میں سے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ اسلامی دور سے اب تک کسی غیر مسلم کی ملک میں نہیں گئی ہے وہ زمین عشری ہے .... اسی طرح جن زمینوں کے متعلق علم ہی نہ ہو کہ کبھی کسی غیر مسلم کی ملک میں گئی ہیں یا نہیں؟ تو یہ زمینیں بدلیل استصحاب عشری ہی سمجھی جائیں گی۔ (۱)

اور ان میں سے جن اراضی کے متعلق یقینی علم ہے کہ اسلامی دور کے بعد کسی بھی وقت غیر مسلم کی ملکیت میں گئی ہیں وہ زمینیں خراجی ہیں .... اسی طرح ہندوستان چھوڑ کر پاکستان چلے جانے والے مسلمانوں کی اراضی جن پر حکومت ہند نے قبضہ کر کے دوسروں کو دے دی ہیں وہ بھی بوجہ استیلاء کافر خراجی ہو گئیں۔ (۲)

(۲) جن اراضی کا عشری و خراجی ہونا متعین نہ ہو سکے اور وہ مملوکۂ مسلمین ہیں اور ان کو حکومت نے اپنی ملک میں نہیں لیا تو ان زمینوں کو بدلیل استصحاب عشری قرار دی جائے گی۔ (۳)

(۳) سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہائے عصر قریب کی رائیں مختلف ہیں لہٰذا احتیاطاً سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں داخل نہ سمجھی جائے۔

(۴) محمد بن قاسم ثقفی رح کی فتوحات میں ہندوستان کے جو علاقے اور صوبے داخل تھے ان میں عموماً خراج مقاسمہ خمس پیداوار واجب ہے اور اس کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں خراج مؤظف کا حکم جاری ہے

---

(۱) المستفاد من نظام الفتاوی ۱/۳۵۶-۳۵۷ (۲) جواھر الفقہ ۲/۲۶۲

(۳) المستفاد من اسلام کا نظام اراضی عشر و خراج کے احکام اور فتوح الہند تالیف حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور خراج موظف کی تفصیل یہ ہے کہ عام قابل کاشت زمینوں میں ایک جریب (ساٹھ مربع گز) پر ایک درہم (۳ ½ ماشہ چاندی) اور ایک صاع گندم یا جو کا واجب ہوگا۔ ترکاری کی ایک جریب پر پانچ دراہم اور گنجان باغات پر ۱۰ دراہم واجب ہوں گے اور باقی اشیاء کا خراج اس انداز سے لگایا جائے گا کہ پیداوار کے خمس سے گھٹے نہیں اور نصف سے بڑھے نہیں۔ (۱)

خراجی زمینوں کا خراج عشر کی طرح زکوٰۃ یا عبادت تو نہیں لیکن زمینوں پر ایک شرعی حق ہے جس کا ادا کرنا عشر کے ادا کرنے کی طرح واجب ہے۔ (۲)

(۵) جدید طریق زراعت میں غیر معمولی ہونے والے اخراجات کی وجہ سے عشر کی مقدار میں کمی کرنا جائز نہیں ہے نیز اصل پیداوار سے ان اخراجات کو منہا کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے بلکہ اصل پیداوار سے عشر ادا کرنا واجب ہے۔

یجب العشر .... ونصفه .... بلا دفع مؤن۔ (۳)

(قوله بلا دفع مؤن) ای یجب العشر فی الاول ونصفه فی الثانی بلا دفع اجرة العمال ونفقة البقر وکری الانهار واجرة الحافظ ونحو ذلك دود قال فی الفتح یعنی لا یقال بعدم وجوب العشر فی قدر الخارج الذی بمقابلة المؤنة بل یجب العشر فی الکل لانه علیه الصلوٰة والسلام حکم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة ولو دفعت المؤنة کان الواجب واحدًا وهو العشر دائمًا فی الباقی لانه لم ینزل الی نصفه الا للمؤنة والباقی بعد دفع المؤنة لا مؤنة فیه فکان الواجب دائما العشر لکن الواجب قد تفاوت شرعًا فعلمنا انه لم یعتبر شرعًا عدم عشر بعض الخارج وهو القدر المساوی للمؤنة اصلا اه تمامه فیه۔ (۴)

(۶) جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے ان میں عشر مالک زمین اور بٹائی دار دونوں پر واجب ہے:

ولو دفعها مزارعة فاما علی مذهبهما فالمزارعة جائزة والعشر یجب فی الخارج والخارج بینهما فیجب العشر علیهما۔ (۵)

---

(۱) المستفاد من اسلام کا نظام اراضی/۹۵ (۲) ایضاً /۹۴ (۳) الدر المختار ۲/ ۳۲۸

(۴) شامی مصری ۲/ ۳۲۸ (۵) البدائع ۲/ ۵۶

اور یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ مالکِ زمین اور بٹائی دار دونوں مسلم ہوں۔

اور اگر ایک مسلم اور ایک غیر مسلم ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) مالکِ زمین مسلم ہو اور بٹائی دار غیر مسلم ہو تو اس صورت میں عشر نکال کر تقسیم کیا جائے۔

(۲) مالکِ زمین غیر مسلم ہے اور بٹائی دار مسلم ہے تو عشر کا سوال ہی نہیں اس خراج واجب ہوگا، اور خراج کی دو قسمیں ہیں، ۱۔ مقاسمہ ۲۔ موظف۔ اگر مقاسمہ ہے تو دونوں پر بقدر حصص خراج واجب ہے اور اگر موظف ہے تو مالکِ زمین پر خراج واجب ہے۔

محور پنجم

۱۔ عشر کا وجوب پیداوار کی ہر مقدار پر ہے اس کے لیے امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک کسی نصاب کا اعتبار نہیں ہے البتہ ایک صاع سے کم پر عشر نہ ہوگا۔

یجب العشر...... بلا شرط نصاب[1] ——— (قوله بلا شرط نصاب) وبقاء فيجب فيما دون النصاب بشرط ان يبلغ صاعا۔ (۲)

۲۔ زمین سے پیدا ہونے والی ہر اس چیز میں جس کو مقصود بنا کر اگایا گیا ہو اس میں عشر واجب ہے مگر بھوسہ اور سوکھی چری وغیرہ جس سے اناج حاصل کر لیا گیا ہو اور وہ مقصود نہ ہو تو اس میں عشر واجب نہیں ہے، لہٰذا جو گھاس، بانس، درخت وغیرہ مقصود بنا کر اگائے گئے ہوں یا جانوروں کے لیے اگایا ہوا چارہ جو دانہ پڑنے سے پہلے کاٹ لیا جاتا ہے ان سب میں عشر واجب ہے۔

ويجب العشر...... الا بما لا يقصد به استغلال الارض نحو حطب وقصب فارسي وحشيش وتبن وسعف...... حتى لو اشغل ارضه بها يجب العشر۔ (۳)

(قوله الا بما لا يقصد) اشار الى ان ما اقتصر عليه المصنف كالكنز وغيره ليس المراد به ذاته بل لكونه من جنس ما لا يقصد به استغلال الارض غالبا وان المدار على القصد حتى لو قصد به ذلك وجب العشر۔ (۴)

---

(۱) تنویر الأبصار علی هامش رد المحتار ۲/۳۲۵-۳۲۰ (۲) شامی مصری ۲/۳۲۵ (۳) الدر المختار ۲/۳۲۶ (۴) شامی ۲/۳۲۶

پانی میں کاشت ہونے والی چیزیں اگر ان کی جڑیں زمین سے لگتی ہیں تو عشر کا سبب الارض النامیہ پائے جانے کی وجہ سے اس میں عشر واجب ہوگا۔

(۳) مچھلی کی اس طرح کی کاشت پر عشر واجب نہیں ہے بلکہ تالاب میں مچھلیاں یا ان کے بچے خرید کر ڈالے ہوں تو ان کی مالیت پر زکوٰۃ فرض ہے ورنہ نہیں۔

(۴) ریشم کی کاشت پر عشر واجب نہیں ہے۔

(بخلاف دود القز) ای الذی یتولد منہ الابریسم ...... (لانہ یتناول الاوراق ولاعشر فیہا) ای فی الاوراق وکذا فی مایتولد منہا وھو الابریسم۔ (۱)

(۵) باغات کے وہ درخت جن میں پھل اور درخت دونوں مقصود ہوں تو ان میں عشر واجب ہوگا۔

ان المدار علی القصد حتی لو تصد بہ ذلک وجب العشر۔ (۲)

(۶) اگر عشری و خراجی زمین میں خضراوات (سبزیاں) کی کاشت کی گئی تو اس میں عشر یا خراج واجب ہے چاہے وہ خضراوات زیادہ دیر تک باقی نہ رہتے ہوں اور چاہے ان کی پیداوار میں تسلسل رہتا ہو۔

(قولہ بلاشرط نصاب) وبقاء فیجب ...... وفی الخضراوات التی لاتبقی وھذا قول الامام وھو الصحیح کما فی التحفۃ۔ (۳)

اور جو پھل یا سبزیاں اپنے گھر کے آنگن یا اپنے مکان کے گرد و پیش افتادہ اراضی یا اپنی چھتوں پر اگائے گئے ہوں ان میں عشر و خراج واجب نہیں ہے۔

(قولہ جعلت بستانا) قید بجعلہا بستانا لانہ لولم یجعلہا بستانا وفیہا نخل تغل اکرارا لاشیئ فیہا (بحر) وکذلک ثمر بستان الدار لانہ تابع لہا کما فی قاضی خان قہستانی۔ (۴)

(۷) اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر واجب ہے اور وقف علی الاولاد کی اراضی کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہے۔

(قولہ وقف) افاد ان ملک الارض لیس بشرط لوجوب العشر وانما شرط ملک الخارج لانہ یجب فی الخارج لا فی الارض فکان ملکہ لہا وعدمہ سواء۔ (۵)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب وعلمہ اتم واکمل۔

---

(۱) البنایۃ ۳/۵۰۵ (۲) شامی ۲/۳۲۶ (۳) ایضاً ۲/۳۲۶ (۳) ایضاً ۲/۳۳۰ (۵) ایضاً ۲/۳۲۶

اسلام کا نظامِ عشر وخراج

و

اراضیٔ ھند کی شرعی حیثیت

از: ـــــــــــ مفتی حبیب اللہ قاسمی۔ دارالعلوم، اعظم گڈھ، (یوپی)

محورِ چہارم

عشر وخراج کا نظام اسلام کے نظامِ معیشت کی اہم کڑی ہے، داخلی، خارجی، دفاعی، اقدامی بہت سے نظام ان سے قائم ودائم تھے، لیکن سلطنتِ اسلامیہ کے زوال کے بعد یہ دونوں نظام اس قدر متأثر ہوئے کہ آج ان کی صحیح تصویر دھندلی ہوگئی، اللہ پاک جزائے خیر عطا فرمائے حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی زید مجدہ کو کہ انھوں نے اس موضوع کو اٹھا کر وقت کے ایک اہم تقاضے کو پورا کیا ہے۔ اللہ پاک ان کی اس سعی کو قبول فرمائے اور نظامِ عشر وخراج پر امتِ مسلمہ کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اسلام نے یقیناً ایسی بنیادیں فراہم کی ہیں کہ ان کی روشنی میں اراضی کے عشری وخراجی ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ حضرات فقہاء کرام نے اس بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

(الف): جن ممالک کے باشندوں نے اسلام قبول کرلیا اس طرح وہ ممالک فتح ہوگئے تو وہاں کی زمینیں عشری قرار دی جائیں گی۔

(ب): اور وہ ممالک جو عنوۃً فتح ہوئے اور امیر المؤمنین نے اراضی تقسیم کرکے کچھ حصہ مسلمانوں کو دے دیا وہ زمینیں بھی عشری ہوں گی۔

(ج) اور اگر از قبیل موات تھیں اور مسلمانوں نے باذن امیر قابل کاشت بنالیا تو اس کا مدار قریب کی اراضی پر ہوگا،

اگر قریب کی زمینیں عشری ہیں تو یہ بھی عشری ہوں گی اور اگر خراجی ہیں تو یہ بھی خراجی ہوں گی۔ (۱)

(د) : اور اگر کوئی ملک صلحاً فتح ہوا اور یہ طے پایا کہ یہاں کے باشندے اپنے سابق مذہب پر رہتے ہوئے اپنی اراضی پر قابض و دخیل رہیں گے تو ایسی زمینیں خراجی ہوں گی۔

(ھ) : اور اگر جنگ کے ذریعہ ملک فتح ہوا لیکن امیر المؤمنین نے سابق قبضہ بحال رکھا تب بھی یہ زمینیں خراجی ہوں گی۔ (۲)

الحاصل اساسی طور پر اسلام و کفر کا فرق عشر و خراج کے سلسلہ میں ملتا ہے، اسی کے ساتھ یہ ضابطہ بھی ملتا ہے کہ وظیفۂ عشر و خراج ملک کے تبدّل سے مبدّل نہیں ہوتا یعنی اگر خراجی زمین مسلمان نے خریدی تو اس پر خراج ہی واجب ہوگا، لیکن اگر عشری زمین کسی کافر نے خریدی تو اس پر خراج واجب ہوگا عشر نہیں چونکہ عشر فی الجملہ عبادت بھی ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں۔ (۳)

لیکن ہندوستان کی اراضی کا اب حکم کیا ہے؟ مذکورہ بالا اصول کی روشنی میں اکابر کے نزدیک ارفق بالناس والیسر حضرت تھانویؒ کا فتویٰ معلوم ہوتا ہے۔

(الف) وہ یہ کہ جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک ہیں ہیں اور ان کو مسلمانوں ہی سے ملی ہیں خواہ وراثۃً ملی ہوں یا ہبۃً وصیۃً ملی ہوں یا شراءً وہ زمینیں عشری ہیں۔

(ب) اور اگر کافر یا حکومت کا قبضہ رہا ہو اور پھر کسی طرح مسلمان نے وہ زمین حاصل کر لی تو وہ زمین خراجی ہو گی چونکہ کفر یا استیلا کفر مانع وجوب عشر ہے اور یہ بات اوپر آچکی ہے کہ تبدّل ملک سے وظیفۂ عشر و خراج مبدّل نہ ہوگا، لہٰذا خراج ہی واجب ہوگا۔

(ج) اور جن اراضی کا حال معلوم نہ ہو کہ درمیان میں کسی کافر کا قبضہ رہا ہے یا نہیں لیکن فی الحال مسلمان کے قبضہ و ملک میں ہو تو وہ زمین عشری کہلائے گی اور استصحاب حال کے تحت یہ سمجھا جائے گا کہ یہ کسی مسلمان ہی سے حاصل ہوتی ہے، لہٰذا عشر واجب ہوگا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ دو صورت میں ہند کی زمینیں عشری ہیں اور صرف ایک صورت میں خراجی ہیں جس کی تفصیل اوپر آچکی ہے۔

---

(۱) رد المحتار باب العشر والخراج (۲) شامی (۳) بدائع الصنائع۔

۲ــــ ۱ کے تحت ذکرکردہ تفصیلات کی روشنی میں یہ فیصلہ مشکل نہیں رہا کہ کون سی زمین عشری ہے اور کون سی خراجی اس لیے کہ اگر مسلمان کا قبضہ ہے تو استصحاب حال کی دلیل سے عشری ہے اور اگر کافر یا حکومت کا قبضہ ہے تو استیلاء کفر کی وجہ سے خراجی ہے۔

۳ــــ سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں داخل نہیں چوں کہ کافر کو مسلمانوں سے خراج وصول کرنے کا حق نہیں اور نہ ہی کافر حکومت کی فوج وغیرہ مصرف خراج ہے، اس لیے اگر مسلمانوں کے پاس خراجی زمین ہو تو اس کا خراج نکال کر اپنے تئیں مصارف خراج پر خرچ کرنا ضروری ہے، مصارفِ خراج میں علماء، طلباء مفتیانِ کرام، قضاۃ، مدارس اسلامیہ بھی داخل ہیں۔

لان الکافر لیس لهم ولایة اخذ الخراج من المسلمین و المؤمنین و ایضاً لیسوا بمصارف الخراج حتی اذا اذی المسلمون الیهم مالاً بنیة الخراج لایخرجون عن عهدته الخ - (۱)

۴ــــ خراجی زمینوں کا خراج عشر وزکوٰۃ کی طرح عبادت تو نہیں ہے لیکن ایک شرعی و اسلامی حق ضرور ہے جس کا ادا کرنا عشر کی طرح واجب ہے، البتہ یہاں ایک اہم سوال ضرور ہے کہ ہندی مسلمان خراج کی ادائے گی کس طرح سے کرے۔ یہاں پہونچ کر امیر المؤمنین کی ضرورت محسوس ہوتی ہے چوں کہ خراج مؤظف امیر المومنین ہی مقرر کرتا ہے چنانچہ حضرت عمر فاروق نے اراضی عراق کی پیمائش کے بعد خراج مؤظف کے بارے میں احکامات جاری فرمائے تھے۔ یا پھر فقہاء امت اپنا کوئی اجماعی فیصلہ امت کے لیے صادر کریں اور اپنے فیصلہ کی نظیر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو بنائیں۔

۵ــــ عشر یا نصف عشر پوری پیداوار سے نکالنا ضروری ہے زراعت میں غیر معمولی اخراجات ہوں یا معمولی یہ اخراجات عشر نکالنے سے منہا نہیں کیے جا سکتے بلکہ پہلے پوری پیداوار سے عشر نکالا جانے گا اس کے بعد اخراجات منہا کیے جا سکتے ہیں۔

ولا یحتسب لصاحب الارض ما انفق علی الغلة من سقی او عمارة او اجر الحافظ او اجر العمال او نفقة البقر لقوله علیه السلام ما سقته السماء ففیه العشر۔ (۲)

---

(۱) سراج الهند (۲) بدائع وشامی

۶۔ جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے ان میں عشر دونوں پر واجب ہے، یعنی مالک اور بٹائی دار دونوں اپنے اپنے حصۂ پیداوار کے مطابق عشر ادا کریں لیکن یہ اس صورت میں ہے جب دونوں مسلمان ہوں اور اگر اگر ایک مسلمان دوسرا غیر مسلم ہے تو مسلمان اپنے حصۂ پیداوار کا عشر ادا کرے لیکن غیر مسلم پر عشر واجب نہیں چونکہ وجوب عشر کے شرائط میں سے پہلی شرط اسلام ہے اور دوسرے یہ کہ عشر فی الجملہ عبادت ہے اور کافر اس کا اہل نہیں۔ (بدائع)

محور پنجم

۱۔ حضرت امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک عشر پیداوار کی ہر مقدار پر واجب ہے خواہ کم ہو یا زیادہ، زکوٰۃ کی طرح اس کے لیے کوئی نصاب مقرر نہیں اس کی وجہ قرآن کریم اور احادیث پاک کے الفاظ کا عموم ہے مثلاً ممّا اخرجنا لکم الارض — وما سقته السماء ففیه العشر۔

۲۔ وجوب عشر کے شرائط میں علامہ کاسانی رح نے ایک شرط یہ بھی لکھی ہے کہ پیداوار ایسی چیز ہو جس کو اگانے اور پیدا کرنے کا رواج ہو اور عادۃً اس کی کاشت کر کے نفع اٹھایا جاتا ہو لہٰذا بانس، درخت، جانوروں کے لیے گھاس اگر لگائی گئی ہو تب تو اس پر عشر واجب ہے اور اگر خودرو ہو تو اس پر عشر واجب نہیں، سنگھاڑا وغیرہ اگر خودرو ہو تو اس پر عشر واجب نہیں اور اگر اس کی کاشت کی گئی ہو تو اس پر عشر واجب ہے۔(۱)

۳۔ مچھلی کی کاشت پر ناکارہ کے نزدیک زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہونا چاہیے چوں کہ زمین کی پیداوار میں مچھلی کو داخل کرنا ناکارہ کے نزدیک واضح نہیں۔

۴۔ شہد کے چھتے پر قیاس کرتے ہوتے ریشم کے کیڑوں پر بھی وجوب عشر راجح معلوم ہوتا ہے۔

ویجب فی العصفر والکتان وبذرة لان کل واحد منها مقصود فیه حتی لو اشغل ارضه بها یجب العشر الخ۔ (۲)

۵۔ درخت مثمر و بار آور ہوں یا غیر مثمر اگر اس کو مالک ارض نے لگایا ہے خودرَو نہیں اور عادۃً اس کی کاشت کر کے نفع اٹھایا جاتا ہے چاہے بشکل جلاون یا بشکل فرنیچر اس پر عشر واجب ہے۔ (۳)

---

(۱) بدائع (۲) رد المحتار ۲/۶۹ (۳) بدائع و شامی

ٹ۔۔۔ سبزیاں چاہے تجارت کی نیت سے لگائی گئی ہوں یا ذاتی استعمال کے لیے بہرصورت خضراوات پر عشر واجب ہے۔ (۱)

ے۔۔۔ وجوبِ عشر کے شرائط میں ملکیت زمین نہیں لہٰذا اراضیٔ وقف جس کا کوئی مالک نہیں ہوتا ان پر بھی عشر لازم ہے اور وقف علی الاولاد کی اراضی پر بھی عشر واجب ہے۔

و یجب الی ان قال و وقف وفی الشامی افاد ان ملک الارض لیس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملک الخارج لانه یجب فی الخارج لا فی الارض فکان ملکه لها و عدمه سواء۔ (۲)

---

(۱) احسن الفتاوی

(۲) بدائع الصنائع ۔ ردالمحتار ۲/۵۴

فقہی سوالات کے جوابات

مفتی عبدالواحد ______ شیخ الحدیث مدرسہ دارالعلوم ، مغربی بنگال

محورِ اوّل

جواب وھو ملیھم بالصواب ، درمختار کی عبارت "ما اسلم اھلہ طوعًا او فتح عنوۃ وقسم بین فھو عشریہ"، یعنی جو زمین مسلم افواج نے فتح کیا اور بین المجاہدین تقسیم کردی گئی۔ اور ہمیشہ مسلمانوں کے ملکیت میں رہی۔ یا وہ زمین تقسیم تو نہیں کی گئی بلکہ وہاں کے رہنے والے برغبت مسلمان ہو گئے اور انہی کے پاس وہ زمین رہی ہمیشہ اور درمیان میں غیر مسلم کی ملکیت نہ آئی ایسی زمین عشری ہے، ورنہ خراجی۔

محورِ چہارم

اصل اسی میں اختلاف ہے کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں اکثر اکابر مشائخ جیسے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب، حضرت گنگوہی، حضرت نانوتوی، حضرت مدنی نوراللہ مرقدہم دارالحرب ہونے کے قائل ہیں۔ اس کے برخلاف بہت سے اکابر دارالامن ہونے کے قائل ہیں۔ اگر دارالحرب مانا جائے تو پھر اس کی زمین بقول علامہ شامی نہ عشری ہے نہ خراجی۔

"ویحتمل ان یکون احترازًا عما وجد فی دار الحرب فان ارضھا لیست ارض خراج

او عشر"[1]

---

[1] باب الرکاز ۲/۱۲

اگرچہ اکثر حضرات علی سبیل الاحتیاط نیز فقراء و مدارس کا خیال کرتے ہوئے اور ہر اختلاف سے بچنے کے لئے فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو عشر نکالنا اولیٰ ہے، اور اگر اس کو دارالامن تسلیم کریں تب بھی مسئلہ عشر ایک ہی رہے گا کیونکہ دارالامن دارالسلام نہیں کہ عشر واجب ہو بلکہ دارالکفر کا شبہ ہے اس لئے اس کی زمین کو عشری یا وجوب عشر کو نہیں کہا جا سکتا۔ لہٰذا ہندوستان دارالحرب ہو کہ دارالامن کوئی فرق نہیں پڑتا۔ عشر کے واجب نہ ہونے میں اگرچہ احقر کے نزدیک راجح یہی ہے کہ ہندوستان دارالامن ہے۔ اسی کو پچھلے سمینار نے ثابت کیا ہے بلفظ دیگر، کیونکہ انشورنش وغیرہ کو ضرورتاً جائز کیا ہے۔ اگر دارالحرب ہو تو پھر تو بلا دریغ جائز ہونا چاہئے بقول امام ابی حنیفہؒ و امام محمدؒ ضرورتاً مباح قرار دینے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

۴-۵ —— اگر احتیاطاً عشر نکالا جائے تو کل پیداوار سے عشر نکالنا ہوگا۔ سرکاری مال گذاری و مؤنۃ زرع اور جدید غیر معمولی اخراجات وغیرہ کا منہا نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے کہ حدیث میں ہے "کل ما اخرجت الارض ففیہ العشر" اس میں کسی کا استثناء نہیں کیا گیا جس کا کیا گیا وہ صرف ایک چیز "و ما سقی بدلو ففیہ نصف العشر" صرف اسی کا استثناء لہٰذا اس تصریح کی وجہ سے کسی اور کا اعتبار نہیں اسی لئے فقہاء لکھتے ہیں:

"یجب العشر ای بلا رفع مئون الزرع و بلا اخراج البذر لتصریحهم بالعشر فی کل الخارج . . . . و بلا رفع اجرة العمال ونفقة البقر وکری الانهار و اجرة الحافظ و نحو ذلک"[1]

۶ —— اور چوں کہ عشر کا تعلق پیداوار سے ہے غلہ جات و ثمار سے ہے لہٰذا مالک و مزارع کاشتکار میں سے جس کے پاس جتنا غلہ پہنچے گا وہ اسی کے بقدر عشر نکال کر دے گا یعنی بقول صاحبین رحمہما اللہ دونوں پر عشر ہے:

"وعلیہ الفتوی والعشر یجب فی الخارج والخارج بینهما فیجب العشر علیهما"[2]

اور اسی لئے اجارہ پر دینے کی صورت میں صاحبین کے نزدیک مستاجر اور کاشتکار پر ہے کیونکہ عشر کا تعلق غلہ جات و پیداوار سے ہے نہ کہ ملکیت سے، اسی پر فتویٰ بھی ہے۔

۷ —— اور چوں کہ عشر مثل صوم و صلوٰۃ کے ایک عبادت ہے اس لیے مسلمان جہاں کہیں رہے دارالحرب دارالسلام دارالامن۔ عشر کو ادا کر سکتا ہے دارالحرب ہونا مانع عشر نہ ہوگا مسلمانوں کا اصل وظیفہ عشر ہے نہ کہ خراج۔ عبادت کے پہلو ہونے کی وجہ سے اسی لئے نیز مدارس و فقراء کا خیال کرتے ہوئے اکابر عشر نکالنے کو اولیٰ کہتے ہیں نہ کہ واجب، یہی احقر کی بھی رائے ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

---

[1] شامی ۲/۶۹۔ [2] شامی ۲/۸۵۔

اَلجَواب

عبدالوھاب ــــــــــــــــــ مدرسہ باقیات الصالحات، ویلور

ھو الموفق للصواب۔ عشری زمین عرب کی ساری زمین عشری ہے جس ملک کے لوگ مسلمان بخوشی ہوگئے وہ بھی عشری زمین ہے جن مسلمان فوجوں نے جس ملک کو فتح کیا اور امیر الجیش نے وہاں کی زمین کو فوجوں پر تقسیم کردی وہ سب عشری ہے اور جن مسلم بادشاہوں نے بجائے عشر لینے کے روپئے رقم لینے لگے وہ خراجی ہے ذمی سے جو دوگنا لیتے ہیں وہ جزیہ ہے۔

لیکن انگریزوں کے تسلط کے بعد مسلمان اور ہندوؤں سے روپے ٹیکس لینے لگے۔ موضوع بحث عشری نہ رہا سب کے سب خراجی ہوگئے۔ تمام سے ٹیکس ہندو مسلمان تمام سے خراجی ہوگئے۔ عشری ختم ہوگئی۔ عشری بحث کو اٹھانا فضول ہے ہند میں۔

مسئلہ فقہیہ عشر اور خراج جمع نہیں ہوتے" لایوخذ العشر من ارض الخراج لانہما لایجتمعان" (درمختار) اناج بیچ کر روپئے بنالیا ٹیکس خراج دے کر بچت روپئے نصاب کو پہنچے تو چالیسواں حصہ زکوۃ ادا کرنا ہوگا نصاب سے کم ہو تو زکوٰۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں یوں ہی درمختار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



احکام عشر وخراج

از: ـــــــ مولانا محمد محی الدین القاسمی شعبہ افتاء دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر، سورت۔ گجرات

الحمد لله الذی اخرج من قلوب بنی آدم ینابیع العلوم واخرج لهم من الارض انهرا ومن کل الثمرات لعلهم یشکرون وارسل الیهم رسوله النبی الامی محمدا صاحب الجود وقاسم الخیرات لعلهم یهتدون وصلی الله علیه وعلی آله وصحبه الذین بذلوا جهدهم فی سبیل الله وانفقوا من طیبات کسبهم متمسکین بامر الله لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون ه اما بعد فاعوذ بالله من الشیطن الرجیم. بسم الله الرحمٰن الرحیم یا ایها الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض. وقال الله تعالیٰ کلوا من ثمره اذا اثمر وآتوا حقه یوم حصاده ولا تسرفوا انه لا یحب المسرفین (القرآن) [1]

معزز قارئین عظام! ـــــــ اللہ عز وجل کے بنی آدم پر بے شمار انعام واحسان کا تقاضا

---

[1] القرآن الکریم سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۷۔ سورہ الانعام آیت ۱۴۲۔

ہے کہ بندہ کریم آقا کا شکر بجالائے اور بے نیاز مولی کی حاجتمند مخلوق کی حاجت روائی اور نظام عالم کی استواری کے لیے اپنا جان و مال صرف کردے اور رب العالمین کی خلافت کا حق ادا کردے۔ اپنی جسمانی اور مالی قوتوں کو اللہ عزوجل کے لیے وقف کردے اور پھر اس کا صلہ بھی وصول کرے۔

حج و قربانی۔ زکوٰۃ و صدقات اور عشر و خراج کی صورت میں بارگاہ رب اعلیٰ سے عظیم و نافع سودا کرے۔ اسی لیے آج ہم عشر و خراج کے متعلق مباحث پر غور و فکر کے لیے مجتمع ہیں۔

بزرگان ملت! جس طرح اللہ عزوجل نے اموال تجارت اور اموال نامیہ میں زکوٰۃ کے نام سے ہم پر ایک فریضہ عائد کیا ہے اسی طرح زمین اور زمین کی پیداوار میں بھی ایک فریضہ عائد کیا ہے جس کو زکوٰۃ الارض اور خراج سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ غنائم میں اسی کو خمس کہا گیا ہے۔

عشر و خراج کی حقیقت

عشر: ـــــــ عشر کا لغوی معنی ہے کسی بھی چیز کا دسواں حصہ۔

عشر کا اصطلاحی اور شرعی معنی جو مشہور ہے وہ یہ ہے "العشر مؤنة الأرض النامية" ارض نامی پر عائد شدہ بار یا اجرت [1] اور "زكاة الزروع والثمار" زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ۔ [2]

عشر میں دو پہلو ہیں۔ عشر عبادت بھی ہے اور اجرت بھی۔ عشر کا وجوب زمین کے نمار حقیقی سے متعلق ہے، اگر زمین میں کاشت ہوئی ہے تو پیداوار میں عشر واجب ہے۔ اگر کاشت نہیں ہوئی تو عشر واجب نہیں ہے اگرچہ قصداً استطاعت کے باوجود زمین میں کاشت نہ کی ہو تب بھی عشر واجب نہیں ہوتا۔

عشر کا سبب وجوب ارض نامی ہے۔ پیداوار سبب وجوب نہیں ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک پیداوار عشر کا سبب وجوب ہے [3] ـــــ عشر کی حیثیت امام شافعیؒ کے نزدیک صرف عبادت ہے اور زکوٰۃ اموال ہی پر اس کو قیاس کرتے ہیں۔ [4]

خراج: ـــــ عشر کے مقابلہ میں ارض نامی پر آنے والا دوسرا بوجھ (مؤنۃ) خراج ہے۔ خراج کا وجوب زمین کے مطلق نمار سے متعلق ہے۔ زمین میں کاشت ہوئی ہو تب بھی اور کاشت نہ ہوئی ہو تب بھی

---

[1] مبسوط سرخسی ۳/۴ [2] ردالمحتار [3] بدائع الصنائع [4] مبسوط سرخسی ۳/۴

خراج واجب ہوتا ہے جبکہ فی نفسہا زمین قابل کاشت ہو۔ خراج کا سبب وجوب ارض نامی ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بھی خراج کا سبب وجوب ارض نامی ہے[۱]

لہٰذا اصطلاح شرع میں خراج (مؤنۃ الارض النامیہ) کو کہتے ہیں فقط اس میں عبادت کا پہلو بالکل نہیں ہے "فان الخراج مؤنة الارض النامية فيتفاوت بتفاوت الريع"[۲]

جزیہ کو بھی خراج کہتے ہیں کیونکہ وہ خراج الرؤس ہے۔

خراج کی ایک اور قسم ہے جس کو اصطلاح میں عشر سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن درحقیقت وہ خراج میں داخل ہے۔ جو مال ذمی اور حربی سے بطور مجازاۃ (بدلہ) کے اموال تجارت میں سے وصول کیا کیا جاتا ہے حربی جب دارالاسلام میں تجارت کے لیے آتا ہے تو اس سے عشر (دسواں) حصہ وصول کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مسلمین جب ان کے ملک میں تجارت کے لیے جاتے ہیں تو وہ مسلمین سے وصول کرتے ہیں۔ اگر وہ مسلمین سے کچھ نہ لیتے ہوں تب بھی حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ دسواں حصہ تو لیا جائے گا۔ اور ہمارے ملک کے ذمی تاجروں سے بیسواں حصہ وصول کیا جائے گا۔ اس کو بھی عشر کہتے ہیں جو دراصل خراج میں داخل ہے۔ ہاں جن تاجروں نے زکوٰۃ تجارت ادا نہ کی ہو ان سے گذرگاہ پر چالیسواں حصہ لیا جائے گا جو زکوٰۃ میں داخل ہے[۳]

انتقال بلد کی زکوٰۃ

آج کل ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ میں مال لیجانے کا جو ٹیکس ہے جس کو زکوٰۃ اور چنگی کہا جاتا ہے اس کو خراج اور عشر سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ ہماری شریعت میں یہ مال حرام ہے۔ علامہ ماوردی فرماتے ہیں:

> واما اعشار الاموال المنتقلة فی دارالاسلام من بلد الی بلد فمحرمة لا يبيحها شرع ولا يسوغها اجتهاد ولاهی من سياسات العدل ولاقضايا[۴]

---

[۱] البدائع الصنائع ۲/۵۷ [۲] مبسوط للسرخسی ۱۰/۹

[۳] شرح السیر الکبیر ۵/۲۱۳۵ [۴] الاحکام السلطانیہ ص ۱۹۵ الخراج۔ دکتور ضیاء۔ قاہرہ۔

خراج کا لغوی معنی

اجرت۔ ٹیکس۔ آمدنی۔ جو مال پیداوار سے نکال لیا گیا۔ مال کا ایک معین حصہ جو سال میں ایک بار لوگ نکالتے ہیں۔[1]

عشر و خراج میں بنیادی فرق

عشر و خراج کی تعریفات سے معلوم ہوا کہ دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ عشر زمین کی پیداوار سے متعلق ایک فریضہ ہے جس میں عبادت کا پہلو غالب ہے۔ جس کا اصل مکلف مسلم ہے۔ کافر پر عشر عائد نہیں ہوسکتا۔ اور عشر کے مستحق فقراء ہیں۔ اور خراج زمین نامی سے متعلق ایک الٰہی ٹیکس ہے۔ جس کا اصل ذمہ دار کافر ہے۔ مسلم پر ابتداءً یہ ٹیکس عائد نہیں ہوسکتا اور اس کے مصارف مجاہدین فی سبیل اللہ اور مصالح مسلمین ہیں۔

عشر و خراج جمع نہیں ہوتے

جب عشر و خراج کا سبب وجوب ارض نامی ہے تو عشر و خراج ایک شخص پر ایک ہی زمین میں جمع نہیں ہوسکتے۔ ایک زمین پر بطور فریضہ بیک وقت دونوں عائد نہیں ہوسکتے یہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ایک شخص پر بیک وقت عشر و خراج واجب ہوسکتے ہیں ارض خراجی میں خراج کے ساتھ عشر واجب ہوگا۔ وہ کہتے ہیں دونوں اپنی ذات میں بھی جدا ہیں ایک خالص عبادت۔ دوسرا خالص مؤنت۔ سبب بھی دونوں کا جدا ہے۔ عشر کا سبب پیداوار ہے اور خراج کا سبب ارض نامی ہے۔ محل بھی دونوں کا جدا ہے۔ خراج، خراجی زمین کے مالک کے ذمہ میں واجب ہوتا ہے اور عشر پیداوار پر آتا ہے۔ جب حیثیات مختلف ہیں تو ایک کا وجوب دوسرے کے وجوب سے مانع نہیں ہے۔[1]

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۵۷۔

ولنا ما روی عن بن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنہ قال لا یجتمع عشر وخراج فی أرض مسلم ولأن احداً من الأئمۃ العدل وولاۃ الجور لم یاخذ من ارض السواد عشرا الی یومنا ھذا فالقول بوجوب العشر فیہا یخالف الاجماع فیکون باطلا ولأن سبب وجوبہما واحد وھو الارض النامیۃ فلا یجتمعان کما لا یجتمع زکاتان فی مال واحد وھی زکوٰۃ السائمۃ والتجارۃ والدلیل علی أن سبب وجوبہما الأرض النامیۃ إنہما یضافان إلی الأرض یقال خراج الأرض وعشر الأرض والاضافۃ تدل علی السببیۃ تثبت أن سبب الوجوب فیہما ھو الأرض النامیۃ إلا أنہ لم یزرعہا وعطلہا یجب الخراج لأن إنعدام النماء کان لتقصیر من قبلہ فیجعل موجوداً تقدیراً حتی لو کان الفوات لا بتقصیرہ بأن ھلک لا یجب. وإنما لا یجب العشر بدون الخارج حقیقۃ لأنہ متعین ببعض الخارج فلا یمکن إیجابہ بدون الخارج [1]

(علامہ کاسانی فرماتے ہیں) ہماری حجت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ عشر وخراج کسی مسلم کی زمین میں مجتمع نہیں ہوسکتے اور اس وجہ سے بھی کہ ائمہ عدول اور والیان جور میں سے کسی نے بھی ارض سواد (عراق واطراف) سے عشر نہیں لیا۔ پس ارض سواد میں عشر کے وجوب کا قول اجماع کے خلاف ہے۔ اس لیے یہ قول باطل ہے۔ اور اس لیے بھی کہ عشر وخراج کے وجوب کا سبب ایک ہی ہے اور وہ ارض نامی ہے۔ اس لیے ایک ہی زمین پر عشر وخراج جمع نہیں ہوسکتے۔ جس طرح ایک مال میں دو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی یعنی جانوروں میں زکوٰۃ سائمہ اور زکوٰۃ تجارت مجتمع نہیں ہوسکتی اور اس بات کی دلیل کہ دونوں کا سبب وجوب ارض نامی ہے۔ یہ ہے کہ دونوں کی اضافت ارض کی طرف ہورہی ہے اور اضافت سببیت پر دال ہے۔ لیکن جب زمین میں کاشت نہ کی جائے بیکار چھوڑ دیا جائے تب بھی خراج واجب ہوتا ہے۔ اس لیے کہ نماء کا فقدان کاشت کار کی اپنی

[1] بدائع الصنائع ۲/۵۷۔

کوتاہی ہے اس لیے ثمار کو تقدیراً موجود قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر کاشت کے ترک میں کاشتکار کی کوتاہی نہ ہو بایں طور کہ کاشت ہلاک ہو جائے تو خراج واجب نہیں ہوتا ہے۔ البتہ عشر بلا پیداوار کے واجب نہیں ہوتا اس لیے کہ عشر کا تعین پیداوار ہی کے ایک حصہ میں ہوتا ہے اس لیے عشر کا وجوب حقیقی پیداوار کے بغیر نہیں ہوتا ہے (واللہ اعلم)

عشری اور خراجی زمین میں بنیادی فرق

عشری اور خراجی زمین میں بنیادی فرق یہ ہے کہ وہ زمینیں جس کے ساتھ مجاہدین کا کسی درجہ میں حق متعلق ہوگیا اور پھر ان کو نہ ملی تو ایسی زمینوں پر خراج عائد ہوتا ہے۔ ایسے ہی وہ زمینیں جو صلحاً حاصل ہوئیں لیکن اس کے غیر مسلم باشندوں کو کچھ عوض لے کر زمینوں پر برقرار رکھا گیا تو یہ عوض خراج ہے اور زمین خراجی ہے۔ کیونکہ کافر خراج کے لائق ہے۔

اور عشری زمینیں وہ کہلاتی ہیں جس سے مجاہدین کا کوئی حق متعلق نہ رہا اور مسلمین کی ملک یا قبضہ میں ہیں تو ان پر عشر عائد ہوتا ہے۔ یہ تو بنیادی فرق ہے۔ اس کے علاوہ بعض زمینوں میں عشری پانی یا خراجی پانی کی بناء پر عشر و خراج عائد ہوتا ہے۔ یا بعض پر عشری یا خراجی زمینوں سے ملحق ہونے کی بناء پر عشر و خراج عارض ہوتا ہے تو وہ بھی عشری یا خراجی کہلاتی ہیں۔

حضرت امام محمد رحمہ نے کتاب السیر الکبیر میں تحریر فرمایا ہے:

إذا بعث الخليفة أميرا على جند من الجنود فدعا قوما من المشركين إلى الإسلام فأسلموا فهم أحرار لا سبيل عليهم وأموالهم وأرضهم ورقيقهم لهم وتكون أرضهم أرض عشر كأرض المهاجرين والأنصار

جب خلیفہ کسی لشکر پر کسی شخص کو امیر بنا کر بھیجے اور امیر مشرکین کو دعوت اسلام پیش کرے مشرکین اسلام قبول کر لیں تو یہ لوگ آزاد ہوں گے۔ ان کے جان و اموال، زمین اور غلام سب ان کے ہی رہیں گے۔ امیر کو ان اشیاء پر تصرف کا حق نہیں رہے گا اور ایسے لوگوں کی زمین عشری رہے گی جس طرح مہاجرین و انصار کی زمینیں عشری رہیں۔

آگے شرح السیر الکبیر میں تحریر ہے:

لأن التأمير يقتضى أن يكون فعل الأمير كفعل المامور (المؤمر) والمؤمر هو الخليفة إذا دعاهم فأسلموا فهم أحرار وأرضهم أرض عشر فكذلك ههنا والمعنى فى ذالك وهو أن الأرض إنما تصير خراجية إذا فتحت عنوة وثبت فيها حق المقاتلة ثم لم تقسم بينهم وتركت على أربابها و قطع حق المقاتلة عنها فتجعل خراجية ليكون الخراج للمقاتلة ولمصالح المسلمين وهذا المعنى معدوم فيما إذا أسلم أهلها طوعا فإنه لم يثبت فيها حق المقاتلة فلا يثبت لهم حق فى أرضها (بدلها) فجعلت عشرية غير خراجية ۔[1]

(علامہ سرخسی فرماتے ہیں) اس لیے کہ کسی کو امیر بنانے کا تقاضا یہ ہے کہ امیر کا فعل ما مورد موئمر مراد کتابت کی غلطی ہے) کا شمار ہو (موئمر کے فعل کے حکم میں ہو) اور موئمر (خلیفہ) جب کسی قوم مشرکین کو دعوت پیش کرے اور وہ اسلام قبول کرلیں تو آزاد رہتے ہیں اور ان کی زمینیں عشری ہوتی ہیں۔ اسی طرح امیر کی دعوت پر اسلام لانے والوں کا بھی یہی حکم ہے۔ وجہ یہ ہے کہ زمین تب خراجی بنتی ہے جب بزور طاقت فتح ہوا در مجاہدین کا حق اس سے متعلق ہو جانے کے بعد ان کے درمیان میں تقسیم نہ ہو۔ مالکین کے قبضہ میں رہنے دی جائیں اور مجاہدین کا حق ان زمینوں سے قطع ہوا ہو تو ایسی زمینوں کو خراجی قرار دیا جاتا ہے تاکہ خراج مجاہدین اور مصلح مسلمین پر صرف ہو۔ اور یہ وجہ بخوشی اسلام قبول کرنے کی صورت میں مفقود ہے۔ کیوں کہ مجاہدین کا حق ان زمینوں سے متعلق ہوا ہی نہیں ہے۔ اس لیے ان زمینوں کے بدل میں مجاہدین کا حق نہیں لگتا۔ اس لیے ایسی زمینوں کو عشری غیر خراجی قرار دیا جاتا ہے۔

عشر و خراج کا مصرف

خراج مجاہدین کے حق کا ایک بدلہ ہے جزاء ہے جس کا مصرف مجاہدین اور مصلح مسلمین ہے

---

[1] شرح السیر الکبیر للسرخسی ۵/۲۱۶۹۔

اور عشر فقراء کا حق ہے جو ایسی زمینوں پر عائد ہوتا ہے جس سے کسی درجہ میں بھی مجاہدین کا حق متعلق نہ رہا ہو۔ چنانچہ جن اموال میں سے خمس نکال کر مجاہدین میں تقسیم کئے گئے ایسے اموال سے مجاہدین کو ان کا حق پہونچ گیا ہے تو ایسی زمینوں سے حق فقراء متعلق ہو کر ان پر عشر عائد ہو گا اور یوم قیامت تک وہ زمین عشری رہے گی۔ کیوں کہ عشر فقراء کا حق ہے۔ اور خراج مقاتلین اور مصالح مسلمین کے لیے قیامت تک رہے گا۔

جب عشر و خراج جماعت مسلمین کا حق ہے تو خلیفہ اور امام کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ عنوۃً فتح شدہ زمینوں کو خواہ مجاہدین میں تقسیم کر دے۔ خواہ مالکین کے قبضہ میں رہنے دے۔ مجاہدین میں تقسیم کی صورت میں عشری ہو جائیں گی۔ مالکین کے قبضہ میں رہنے دینے کی صورت میں خراجی ہو جائیں گی۔

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:۔

لأن الامیر له ولایة علی جنده ولیس له ولایة علی جماعة المسلمین دفی الغنیمة أو المن حق لجماعة المسلمین لأنه إن قسمها بینهم صارت الارض عشریة والعشر حق الفقراء إلی قیام الساعة وإن من علیهم صارت الارض خراجیة والخراج للمقاتلة ولمصالح المسلمین إلی یوم القیامة فثبت أن القسمة او المن تصرف علی جماعة المسلمین فکان الذی یلی ذالك هو الخلیفة دون الامیر[1]

عنوۃً مفتوحہ زمین کی ملکیت و استحقاق میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف

جو زمین مجاہدین نے بزور طاقت فتح کی اس زمین پر مجاہدین کا استحقاق ہے یا نہیں ہے اگر ہے تو کس درجہ میں۔ اس بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف رونما ہوا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کا مسلک ہے کہ ایسی زمین پر مجاہدین کا حق ثابت ہو جاتا ہے۔ امام پر لازم ہے کہ ایسی عنوۃً مفتوحہ زمین کو مجاہدین میں تقسیم کر دے اور خمس وصول کر لے[2]

حضرت امام مالکؒ کا مسلک ہے کہ ایسی مفتوحہ زمینیں فتح ہوتے ہی وقف ہو جاتی ہیں۔ اور عامۃ المسلمین کے مصالح اس سے متعلق ہو جاتے ہیں۔ مجاہدین میں تقسیم نہیں ہوں گی اور مجاہدین کا

---

[1] شرح السیر الکبیر ۵/۲۱۰۲ [2] کتاب الام للشافعی۔

اس پر کوئی حق نہیں ہے۔ بعض صورتوں میں امام مناسب سمجھے تو مجاہدین کو زمین دے سکتا ہے۔[1]

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک جیسے کہ معلوم ہوا یہ ہے کہ وہ کلیتہً مجاہدین کے حق کی نفی بھی نہیں کرتے۔ مگر مستقلاً وابتداءً مجاہدین کے حق کے لیے زمین کو مخصوص نہیں سمجھتے۔ بلکہ وہ مجاہدین کا کسی درجہ میں حق متعلق سمجھتے ہوئے غیر مجاہدین اور آئندہ نسلوں کے مصالح کو بھی ان زمینوں سے متعلق سمجھتے ہیں۔[2]

اس لیے امام کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ حالات ومصالح کے پیش نظر اگر تقسیم مناسب سمجھتا ہے تو تقسیم کر دے۔ ورنہ عامۃ المسلمین کے لیے چھوڑ دے اور ملاک پر خراج عائد کر دے۔ (واللہ اعلم)

حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے۔ علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں اختیار والی روایت کو راجح قرار دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ امام کو یہ اختیار اختیار تشہی (من مانی) کے طور پر نہیں بلکہ یہ اختیار مصلحت ہے۔ اور مصلحت کے بموجب عمل کرنا امام پر لازم ہے۔[3]

سوادِ عراق کا حکم

اس سلسلہ میں سب ائمہ اس پر متفق ہیں کہ سوادِ عراق عنوۃً مفتوحہ علاقہ ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے مجاہدین میں تقسیم نہیں فرمایا اور یہ علاقہ خراجی ہے۔ البتہ طریق استخراج میں مختلف ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"سوادِ عراق مجاہدین کا حق تھا۔ لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے مجاہدین کو آئندہ نسلوں کے حق میں اپنے حق سے دستبرداری پر راضی کر لیا اور مجاہدین بطیب خاطر اس کو منظور فرمالیا جس طرح حنین کے بعد قبیلہ ہوازن کے قیدیوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم کے بعد صحابہ مجاہدین کو قیدیوں کی رہائی پر راضی کر لیا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت جریر بن عبداللہ کو عوض دیا۔ سوادِ عراق کے موقع پر اسی طرح ایک عورت کو بھی بیت المال سے کچھ دے کر خوش کیا۔"[4]

---

[1] بدایۃ المجتہد لابن رشد [2] شرح السیر الکبیر۔ بدائع الصنائع [3] المغنی لابن قدامہ [4] الخراج للدکتور ضیاء الدین۔ القاہرہ

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ:

"زمین عامۃ المسلمین کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وقف سمجھتے تھے۔ اس لیے تقسیم نہیں کیا کیونکہ مجاہدین کا کوئی حق حضرت عمرؓ نے نہیں سمجھا۔" [1]

حضرت امام ابوحنیفہ رح فرماتے ہیں کہ:

"حضرت عمرؓ نے اس لیے سوادِ عراق کو تقسیم نہیں کیا کہ وہ اپنا اختیار ثابت مانتے تھے اور ایسی زمینوں پر مجاہدین کا حق مخصوص نہیں سمجھتے تھے۔ [2]

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔

دلائل ائمہ کا تفصیلی جائزہ

اختلاف کی بنیاد دراصل قرآن کریم کی آیات کریمہ ہیں۔ سورۂ انفال کی آیت۔

واعلموا انما غنمتم من شیئٍ فان للّٰه خمسه وللرسول ولذی القربٰی والیتامٰی والمساکین وابن السبیل الخ [3]

اور جان لو کہ جو شیئ بھی غنیمت کے طور پر تم کو ملے تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے اور ذوی القربٰی یتیموں، مسکینوں اور مسافرین کے لئے رہے گا۔" ——— دوسری آیت کریمہ سورۂ حشر کی ہے:

ما افاء اللّٰه علٰی رسوله من اهل القرٰی فللّٰه وللرسول ولذی القربٰی والیتٰمٰی والمساکین وابن السبیل کی لایکون دولة بین الاغنیاء منکم وما اتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا واتقوا اللّٰه ان اللّٰه شدید العقابؕ للفقراء المهاجرین الذین اخرجوا من دیارهم واموالهم یبتغون فضلاً من اللّٰه ورضوانا وینصرون اللّٰه ورسوله اولٰئك هم الصادقون. والذین تبوؤا الدار والایمان من قبلهم یحبون من هاجر الیهم ولا یجدون

[1-2] الخراج [3] القرآن سورۃ الانفال

بارے میں ہے اور سورۂ حشر کی آیت فیٔ کے بارے میں ہے۔ اور غنیمت و فیٔ کے مفہوم میں فرق ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایسے اموال جن کا نظم ولاۃ مسلمین کرتے ہیں تین قسم کے ہیں۔ ایک تو صدقات واجبہ اور زکوٰۃ وغیرہ کے اموال جو مسلمین سے وصول کیے جاتے ہیں۔ دوسری و تیسری قسم وہ اموال ہیں جو مشرکین سے وصول کیے جاتے ہیں۔ اور وہ دو قسم پر ہیں، غنیمت اور فیٔ۔ غنیمت پر تو سورۂ انفال والی آیت دلالت کرتی ہے اور فیٔ پر سورۂ حشر کی آیات رؤف رحیم تک دلالت کرتی ہیں۔

(قال الشافعی رحمہ) فالغنيمة والفیٔ يجتمعان فی أن فيهما معا الخمس من جميعهما لمن سماه الله تعالىٰ له ومن سماه الله عز وجل له فی الآيتين معاسواء مجتمعين غير مفترقين قال ثم يتعرف الحكم فی الاربعة الاخماس بما بين الله عزوجل على لسان نبيه صلی الله عليه وسلم وفی فعله فانه قسم اربعة اخماس الغنيمة

والغنيمة هی الموجف عليها بالخيل والركاب لمن حضر من غنی او فقير والفیٔ وهو مالم يوجف عليه بخيل ولا ركاب فكانت سنة النبی صلی الله عليه وسلم فی قری عرينة التی أفاءها الله عليه إن أربعة أخماسها لرسول الله صلی الله عليه وسلم خاصة دون المسلمين يضعه رسول الله صلی الله عليه وسلم حيث أراد الله عز وجل۔الخ[1]

(کتاب الام کے اندر، حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ پس غنیمت اور فیٔ دونوں اس بات میں مشترک ہیں کہ دونوں کے مجموعہ سے خمس نکالا جائے گا جو ان کا حق ہے۔ جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا اور دونوں آیتوں میں اللہ عزوجل نے جن کا نام لیا ہے وہ جدا نہیں ہیں سب یکساں مجتمع ہیں (یعنی دونوں آیات میں مصرف متحد ہے) فرمایا۔ پھر چار خمس (بقیہ) کا حکم اللہ تعالیٰ نے ہی نبی ﷺ کی زبان اور آپ کے فعل سے ظاہر فرمایا کہ نبی ﷺ نے چار خمس غنیمت کے حاضرین جہاد کو دیدیئے تقسیم کر دیئے (اور غنیمت وہ مال ہے کہ لشکر کشی کر کے قتال کے ذریعہ حاصل کیا گیا ہو)

---

[1] کتاب الام للشافعی ۴/۶۴۔

فی صدورهم حاجة مما اُوتوا ویؤثرون علیٰ انفسهم ولو کان بهم خصاصة. ومن یوق شح نفسه فاولٰئک هم المفلحون ہ والذین جاؤا من بعدهم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولاتجعل فی قلوبنا غلاً للذین اٰمنوا ربنا انک رؤف رحیم[1] اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پران بستی والوں سے جو کچھ لوٹایا ہے (عنایت کیا) وہ مال اللہ کا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ اور رسول کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافرین کے لیے ہے۔ تاکہ یہ مال تمہارے مالداروں میں سمٹ کر نہ رہ جائے۔ رسول تمہیں جو دیدیں وہ لے لو (حکم مانو) اور جس سے تم کو روک دیں اس سے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ کی گرفت (مؤاخذہ) بڑی سخت ہوتی ہے (اولین مصرف اس مال کا) وہ حاجتمند مہاجرین ہیں جن کو اپنے گھروں اور اموال سے بے دخل کر دیا گیا جو اللہ کی رضا اور فضل کے طالب ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کے حامی و مددگار ہیں یہی تو وہ ہیں سچے مخلص۔ اور ان انصار کے لیے ہے جو دارالہجرۃ (مدینہ) میں پہلے سے مقیم ہیں۔ مہاجرین سے محبت رکھتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملا اس پر تنگ دل نہیں ہوتے (مہاجرین پر اللہ کے فضل سے جلتے نہیں ہیں) (دل کھول کر مہاجرین پر خرچ کرتے ہیں) اور مہاجرین کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ خود ان کو سخت ضرورت در پیش ہو۔ اور جو آدمی اپنے نفس کے بخل سے بچ رہا (محفوظ) تو یہی وہ ہیں جو فلاح پائیں گے۔ اور یہ مال فئ ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو انصار و مہاجرین کے بعد پیدا ہونے والے ہیں (قیامت تک) جو اپنے سابقین اولین کے لیے یوں دعائیں کریں گے کہ اے مولا! ہماری بھی بخشش فرما اور ہمارے ایمانی بھائیوں کی بھی جو ایمان میں ہم سے سابق ہیں اور ہمارے دلوں میں مؤمنین کی طرف سے کینہ نہ رکھیے۔ اے پروردگار! بلاشبہ آپ نہایت شفیق اور مہربان ہیں۔

آیت انفال وحشر اور حضرت امام شافعیؒ

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں ان دونوں آیات کا مصداق جدا ہے۔ سورۃ انفال کی آیت غنیمت کے

[1] القرآن سورۃ الحشر

(اور فیٔ وہ مال ہے جو بہ زور جنگ حاصل نہ کیا گیا ہو) تو اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ عرینہ کی بستیوں میں جو بطور فیٔ ملی تھیں۔ یہ رہا کہ اس کے چار خمس رسول اللہ صلی کے لیے مخصوص رہے (مسلمین کے لیے نہیں) کہ آپؐ اس کو جہاں چاہیں صرف کریں اللہ عزوجل کی عطا کردہ سوجھ کے مطابق الخ

آگے حضرت امام شافعیؒ نے حضرت علی وعباسؓ کی مخاصمت والی اس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں اموال بنی نضیر (جو بطور فیٔ حاصل ہوئے تھے اور اس کی زمینیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور آپ کے نفقہ کے لیے مخصوص رکھی گئی تھیں) کی نبی کریمؐ کے وصال کے بعد تولیت کا ذکر ہے۔ جس کی تولیت حضرت امیر المؤمنین ابوبکر الصدیق رضؓ نے فرمائی اور پھر حضرت امیر المؤمنین عمر فاروقؓ نے فرمائی اور ازواج مطہرات کے نفقات اس میں سے ادا فرماتے رہے۔ پھر حضرت علی اور حضرت عباسؓ کو سپرد فرمائی۔ لیکن حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے تقسیم فی التولیت کے مطالبہ کو حضرت عمرؓ نے رد فرمادیا[1]

اس حدیث سے استدلال فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"یہ مال فیٔ جو آپؐ کے لیے مخصوص تھا۔ لیکن اس میں سے جو بچ رہتا تو نبی کریمؐ اس کو جہاد کی تیاری کے اسباب میں صرف فرماتے تھے۔ تو ازواج مطہرات وغیرہ جن لوگوں کے نفقات ان اراضی میں سے ادا ہوتے تھے ان لوگوں کے نہ رہنے کی صورت میں یہ چار خمس فیٔ کے پورے اہل اسلام اور صلاح اسلام کے کاموں میں صرف ہوں گے۔ البتہ فیٔ میں سے خمس ضرور نکالا جائے گا اور خمس فیٔ کا مصرف وہی پانچ اصناف ہیں جن کا ذکر آیت کریمہ میں آیا ہے"۔ [2]

خلاصۂ کلام یہ کہ غنیمت اور فیٔ کا مفہوم اور مصرف جدا ہیں۔ دونوں کے خمس کا مصرف ایک ہے۔ غنیمت کے چار خمس کا غانمین کے درمیان تقسیم کر دینا واجب ہے اور اس کے بارے میں امام کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ اور فیٔ کے چار خمس اہل اسلام پر ان کے نزدیک مخصوص طریقہ پر تقسیم کیے جائیں گے۔[3]

---

[1] بخاری ومسلم شریف [2] کتاب الام للشافعیؒ ۴/۶۵ [3] کتاب الام الشافعی ۴/۷۸۔

(قال الشافعی رح) وھکذا کل ما ظھر علیہ من قلیل اموال المشرکین او کثیرہ ارض اودارا وغیرہ لا یختلف لانہ غنیمۃ وحکم اللہ عزوجل فی الغنیمۃ أن تخمس وقد بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أن الاربعۃ الأخماس لمن أوجف علیھا بالخیل والرکاب وإن ظھر المسلمون علی طرف من اطراف المشرکین حتی یکون بھذہ قوۃ علی منعہ من المشرکین وإن لم ینالوا المشرکین فھو بلد عنوۃ یجب علیہ قسمہ وقسم أربعۃ أخماسہ بین من أوجف علیہ بخیل ورکاب إن کان فیہ عمارۃ او کانت لأرضہ قیمۃ (قال الشافعی رح) وکل ما وصفت أنہ یجب قسمہ فان ترکہ الامام ولم یقسمہ فوقفہ المسلمون أو ترکہ لاھلہ رد حکم الامام فیہ لأنہ مخالف للکتاب ثم السنۃ معا الخ[1]

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں: اور اسی طرح مشرکین کا ہر وہ مال خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ جس پر غانمین کا غلبہ ہوجائے، زمین ہوں یا گھر ہوں یا اس کے سوا کوئی بھی مال ہو اس کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ غنیمت ہے، اور اللہ عز وجل کا حکم غنیمت کے بارے میں یہ ہے کہ خمس نکالا جائے گا۔ اور نبی کریمؐ نے واضح فرمادیا ہے کہ غنیمت کے چار خمس ان غانمین کیلئے ہیں جنھوں نے اپنی قوت بازو سے اس کو حاصل کیا ہے۔ اور اگر مسلمین کا غلبہ مشرکین کے اطراف میں سے کسی حصہ زمین پر ہوجائے اور مسلمین اس حصہ زمین کی حفاظت کی قوت رکھتے ہوں، مشرکین سے بچا سکتے ہوں اگرچہ مشرکین پر کلی فتح حاصل نہ کرسکتے ہوں تو یہ حصہ زمین عنوۃ مفتوحہ شمار ہوگی۔ امام پر اس کو تقسیم کرنا لازم ہوگا (خمس لیا جائے گا) اور چار خمس غانمین میں تقسیم کرنے ہوں گے۔ اگر اس حصہ زمین میں کوئی عمارت ہو یا زمین کچھ قیمت رکھتی ہو۔ اور شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ مال جسکا وصف میں نے بیان کیا ہے اس کی تقسیم لازم ہے تو اگر امام اس کو تقسیم نہ کرے ایسے ہی چھوڑ دے اور مسلمین اس کو وقف کردیں یا اہل زمین کیلئے اس کو چھوڑ دیا جائے (مالکین زمین کو برقرار رکھا جائے) تو امام کا حکم مردود ہوگا اس لیے کہ وہ کتاب اللہ کے مخالف ہے اور سنت کے بھی مخالف ہے۔

---

[1] کتاب الام ۴/۱۰۳۔

سواد کے بارے میں رقمطراز ہیں:

أخبرنا الثقة عن ابن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم عن جریر بن عبد اللّٰه قال کانت بجیلة ربع الناس فقسم لهم ربع السواد فاستغلوه ثلاث أو أربع سنین أنا شککت ثم قدمت علی عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه ومعی فلانة ابنة فلان امرأة منهم لا یحضرنی ذکر اسمها فقال عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه لولا إنی قاسم مسئول لترکتکم علی ما قسم لکم ولکنی أری أن تردوا علی الناس[1]

حضرت جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ قبیلہ بجیلہ چوتھائی (غانمین کا) تھا۔ ان کے حصہ میں سواد کا چوتھائی حصہ آیا اور تین یا چار سال وہ اس کی آمدنی لیتے رہے (راوی کہتے ہیں مجھے شک ہے) پھر میں حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور میرے ساتھ فلاں بنت فلاں تھی بجیلہ میں سے ایک عورت مجھے یاد نہیں کہ جریر نے اس کا نام لیا تھا یا نہیں تو حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا کہ اگر میں قاسم اور ذمہ دار نہ ہوتا تو میں تمہیں اپنے حصہ پر باقی رکھتا لیکن میرا خیال ہے کہ تم لوگ یہ حصہ لوگوں کو واپس دیدو۔

اس حدیث کی بنیاد پر حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت جریر بجلی کو ان کے حصہ کا عوض اور اس بجلی عورت کو جس کا باپ قادسیہ میں شریک تھا اس کے باپ کے حصہ کا عوض دیا۔ اس لیے یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجاہدین کو اپنے حق سے دستبرداری پر راضی کرلیا تھا اور انھوں نے بخوشی اپنے حقوق چھوڑ دیئے، اور عامۃ المسلمین کے لیے وقف کر دیئے تھے جسطرح کہ ہوازن کے قیدیوں کے چار خمس غانمین میں تقسیم کر دیئے جانے کے بعد وفد ہوازن پہونچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غانمین سے درخواست کی کہ قیدیوں یا اموال میں سے کسی ایک نوع سے دستبردار ہوجائیں تو انہوں نے اپنے احباب کی رعایت کو مقدم رکھ کر قیدیوں کو چھوڑ دیا۔

تو اگر یہ تقسیم ضروری نہ ہوتی تو حضرت عمرؓ سواد کو تقسیم نہ فرماتے یا تقسیم ہوچکا تھا تو تین سال تک تقسیم کو باقی نہ رکھا جاتا اور ظاہر بات ہے کہ یہ تقسیم حضرت عمرؓ کے امر سے ہی ہوسکتی ہے۔ ورنہ تین سال حضرت عمرؓ

---

[1] کتاب الام ۴/۱۹۳۔

سے تقسیم کا معاملہ مخفی رہے یہ بعید ہے۔ اور اگر زمین کی واپسی ان لوگوں سے ہوئی جو حقدار نہیں تھے تو پھر ان کو عوض کیوں دیا جاتا۔ بلکہ تین سال کی آمدنی ان سے وصول کی جاتی (واللہ سبحانہ تعالیٰ واعلم) اور

اور احادیث میں تعارض ہے لہٰذا حضرت عمرؓ کی شان کے لائق یہی صورت ہے جو میں نے بیان کی۔ چنانچہ ہر عنوۃ مفتوحہ ملک کا یہی حکم ہوگا۔ اس کی زمینوں، مکانوں اور دراہم و دنانیر کا یہی حکم ہے جس طرح رسول اللہ علیہ وسلم نے خیبر اور بنی قریظہ کے اموال کو تقسیم کیا جو عنوۃ فتح ہوتے تھے۔[1]

وأيما أرض فتحت صلحا على أن أرضها لأهلها ويؤدون عنها خراجا فليس لأحد أخذها من أيدي أهلها وعليهم فيها الخراج (كتاب الام)

جو زمین صلحاً فتح ہو اور یہ طے پائے کہ زمین مالکین کی رہے گی۔ اور مالکین خراج ادا کرتے رہیں گے تو ایسی زمینوں کو مالکین کے قبضہ سے لے لینا کسی کے لیے جائز نہیں ہے اور مالکین پر ان زمینوں کا خراج لازم ہوگا۔ اھ

ابن رشدؒ کی رائے

بدایۃ المجتہد میں علامہ محمد بن رشدؒ اس اختلاف پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

واختلفوا فيما افتتح المسلمون من الأرض عنوة فقال مالك لا تقسم الأرض وتكون وقفا يصرف خراجها في مصالح المسلمين من أرزاق المقاتلة وبناء القناطر والمساجد وغير ذلك من سبيل الخير إلا أن يرى الإمام في وقت من الأوقات أن المصلحة تقتضي القسمة۔[2]

جو زمینیں عنوۃ فتح ہوئی ہیں ان کے بارے میں اختلاف ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ عنوۃ مفتوحہ زمین کی تقسیم نہیں ہوگی وہ زمین وقف ہو جائے گی جس کا خراج مصالح مسلمین پر صرف ہوگا۔ مجاہدین کے روزینے، پلوں کی تعمیر، مساجد کی تعمیر وغیرہ خیر کے راستوں میں (رفاہ عام) میں صرف ہوگا لیکن امام کسی وقت یہ سمجھے کہ مصلحت کا تقاضا تقسیم ہے تو تقسیم کر دی جائے گی۔

---

[1] کتاب الام ۴/۱۹۳ [2] بدایہ المجتہد ۱/۳۰۱۔

اس کے بعد اختلاف کی بنیاد کو تبلاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آیت انفال کا تقاضا ہے کہ ہر غنیمت میں سے خمس لیا جائے گا اور سورۂ حشر کی آیات میں والذین جاؤامن بعدھم کا عطف (الفقراء المہاجرین) اوران لوگوں پر ہو جن کے لیے مال فئ کو ثابت کیا گیا ہے۔ تو سورۂ حشر کی آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سب ہی مسلمین قتال میں شریک، عدم شریک اور آئندہ نسلیں سب ہی فئ کا مصرف ہیں جیسے کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "والذین جاؤا" کے بارے میں فرمایا کہ میں یہی سمجھتا ہوں کہ یہ آیت جملہ مخلوق پر عام اور شامل ہے۔ یہاں تک کہ کدار کا چرواہا بھی (یا اسی جیسی بات کہی جس کا مفہوم وہی ہے جو بیان ہو) فرماتے ہیں اسی لئے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جو ممالک عنوۃً مفتوح ہوئے۔ ان کی تقسیم نہیں ہوئی۔ یعنی مصر اور عراق کی۔

فرماتے ہیں جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دونوں آیات کا مصداق و معنی ایک ہے۔ (احناف) اور سورۂ حشر کی آیات سورۂ انفال کی آیت کے لیے مخصص ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ سورۂ انفال کے خمس کے عمومی حکم سے زمین جائداد (اموال غیر منقول) مستثنیٰ ہیں۔ اس کی تخمیس و تقسیم ضروری نہیں ہے۔

اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آیت انفال غنیمت کے حق میں ہے اور آیت حشر فئ کے بارے میں ہے دونوں کا مصداق و مفہوم ایک نہیں بلکہ غنیمت و فئ کے معنی میں فرق ہے۔ جیسے کہ ظاہر یہی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ کسی بھی مفتوحہ زمین کا خمس ضروری ہے اور تقسیم ضروری ہے خصوصاً جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم کر دیا۔ اس لیے یہ لوگ کہتے ہیں کہ تقسیم ارض واجب ہے۔ عموم کتاب کی وجہ سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل غزوۂ خیبر میں مجمل کے بیان کے قائم مقام ہو گیا ہے۔ جو عام کے عموم سے ایک زائد چیز ہے۔

علامہ ابن رشدؒ فرماتے ہیں:

"البتہ امام ابو حنیفہؒ نے تخییر کو پسند فرمایا کہ امام مفتوحہ زمین کو غانمین میں تقسیم کر دے یا کفار کو خراج کے عوض اپنی زمینوں پر برقرار رکھے۔ کیونکہ ابو حنیفہؒ کا دعویٰ ہے کہ یہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر نصف حصہ پر دیا۔ پھر ابن رواحہ کو بھیجا کہ بقیہ کو تقسیم کردیں۔ تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو پورا تقسیم نہیں فرمایا۔ ایک حصہ کو تقسیم کیا دوسرے حصہ کو بلا تقسیم چھوڑ دیا۔ اس لیے احناف کہتے ہیں کہ امام کو اختیار ہے تقسیم کا بھی اور کفار کے قبضہ میں برقرار رکھنے کا بھی اور حضرت عمرؓ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔"

اور اگر غلبہ کے بعد اہل ملک اسلام لے آئیں تو امام کو اختیار رہے گا کہ ان پر احسان کرکے معاف کر دیا جائے، یا زمین کو تقسیم کر دیا جائے۔ مکہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی عمل ہوا۔ مکہ کے بارے میں اختیار کا ثبوت ان کے نزدیک ہوگا جو مکہ کو عنوۃ مفتوح مانتے ہیں کیونکہ مکہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ اگرچہ اصح یہ ہے کہ عنوۃ ہی فتح ہوا ہے۔ اس لیے کہ مسلم نے عنوۃ مفتوح ہونے کی روایت کی تخریج کی ہے"۔

ابن رشد کا اعتراض

پھر ابن رشد بطور اعتراض فرماتے ہیں کہ یہ جان لینا ضروری ہے کہ جو لوگ تخییر کے قائل ہیں اور آیت فیٔ کو آیت غنیمت کے ناسخ مانتے ہیں یا مخصص مانتے ہیں تو یہ قول نہایت ضعیف ہے۔ لیکن غنیمت اور فیٔ کو ایک ہی معنی میں لیا جائے تو بات بنے گی۔ مگر اس صورت میں دونوں آیتیں متعارض ہو جائیں گی۔ کیونکہ آیت غنیمت تو ہر مال میں خمس کا تقاضا کرتی ہے۔ اور آیت حشر بلا خمس تقسیم کو ثابت کرتی ہے۔ تو رفع تعارض کے لیے ضروری ہوگا کہ ایک آیت کو دوسری آیت کے لیے ناسخ تسلیم کیا جائے یا امام کو تخمیس اور عدم تخمیس میں مختار مانا جائے لیکن اس صورت میں امام کو یہ اختیار جملہ انواع اموال میں (منقولہ اور غیر منقولہ) میں ملنا چاہیے بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ بعض لوگوں کا یہ مذہب ہے۔

علامہ فرماتے ہیں:

مگر جو لوگ (احناف) دونوں آیات کو اس طرح جمع فرماتے ہیں کہ اموال منقولہ سے خمس لیا جائے گا یعنی آیت انفال اموال منقولہ پر محمول ہے اور اموال غیر منقولہ مفتوحہ عنوۃ میں امام کو تقسیم و عدم تقسیم کا اختیار ہے۔ تو ان کے لیے ضروری ہوگا کہ دونوں آیتوں میں سے ہر ایک آیت کو دوسری آیت کے بعض حصہ کے لیے ناسخ یا مخصص مانیں۔ چنانچہ یہ ماننا ہوگا کہ آیت حشر نے آیت انفال کے عموم سے غیر منقول کو خمس کے حکم سے مستثنیٰ کر لیا۔ اور آیت انفال نے آیت حشر کے عموم (تقسیم بلا خمس) کے حکم سے اموال منقولہ کو خاص کر اس میں خمس کو واجب کر دیا۔

فرماتے ہیں:

یہ نسخ و تخصیص کا دعویٰ بے دلیل درست نہیں ہو سکتا بلکہ آیت حشر سے تو صاف علت

ظاہر ہو رہی ہے کہ "فما أوجفتم علیہ من خیل ولارکاب" مال فئی لشکر کا حق مخصوص اس لیے نہیں ہے کہ لشکر نے اپنی قوت کے بل پر اس کو فتح نہیں کیا ہے۔ اس لیے سب اس میں مشترک ہیں اور آیت انفال ایجاف خیل ورکاب سے حاصل شدہ مال کی تقسیم بین الغانمین اور تخمیس کو بتلا رہی ہے۔ جب دونوں آیات جدا جدا نوع مال کا حکم بتلا رہی ہیں تو ایک کو دوسرے کے لیے کیسے مخصص مانا جا سکتا ہے؟[1]

اعتراض کا جواب

علامہ ابن رشدؒ کے اشکال کا جواب واضح ہے کہ یہ اختیار و تنسیخ و تخصیص بے دلیل نہیں ہے حضرت عمرؓ کے پیش نظر یہ دونوں آیات اور غزوۂ بنی قریظہ کے اموال کی تقسیم اور خیبر کے بعض اموال کو بٹائی پر دینا سب کچھ ہے۔ پھر بھی سواد عراق میں اموال منقولہ کی تقسیم فرماتے ہیں اور زمینوں میں آئندہ نسلوں اور غانمین و غیر غانمین کا خیال فرما کر عدم تخصیص پر عمل کرتے ہیں اور یہ جلیل القدر صحابہؓ کے مشورہ اور تائید سے ہوتا ہے تو ان حضرات کا یہ عمل اور بعد کے خلفاء راشدین کا بھی مفتوحہ علاقوں میں اس معمول کو باقی رکھنا ہی دلیل ہے کہ دونوں آیات ایک دوسرے کی مخصص ہیں۔ یا آیت انفال خیبر کے ایک حصہ کی عدم تقسیم و تخمیس والی روایت کی بنا پر اموال منقولہ کے حکم پر محمول ہے اور آیت حشر اموال غیر منقولہ کے حکم پر محمول ہے تو تعارض رہتا ہی نہیں ہے۔

رہی بات یہ کہ فئی و غنیمت کا مصداق متحد اور معنیٰ کا ایک ہونا بعید ہے۔ تو احناف یہی کہتے ہیں کہ غنیمت وفئی دونوں باہم متقابل نہیں ہیں بلکہ فئی کا لفظ عام ہے جس کا اطلاق کبھی مال غنیمت ایجاف خیل سے حاصل شدہ مال پر بھی ہوتا ہے اور کبھی بے ایجاف خیل حاصل شدہ اموال پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے اموال بنی نضیر۔ ہاں غنیمت کا لفظ جب بھی بولا جاتا ہے تو ایسا مال مراد ہوتا ہے جس میں خمس لازم ہوتا ہے۔

چنانچہ ابن رشدؒ کے اشکال کا جواب علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ اور علامہ ابو بکر جصاص رازیؒ کے بیان سے مل جاتا ہے۔ ان دونوں حضرات کا بیان نقل کرنے سے قبل

غنیمت اور فئی متضاد نہیں ہیں

قاہرہ یونیورسٹی کے صدر شعبۂ تاریخ ڈاکٹر ضیاء الدین کی کتاب "الخراج" سے کچھ اقتباسات پیش کیے

جاتے ہیں جس سے غنیمت و فیٔ کا مفہوم واضح ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

"قال الشافعیؒ والغنیمۃ ھی الموجف علیہا بالخیل والرکاب ـــــ والفیٔ ھی ما لم یوجف علیہ بخیل ولارکاب"

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ غنیمت وہ اموال ہیں جو لشکر کشی سے حاصل شدہ ہوں۔ اور فیٔ وہ مال ہے جو بلا لشکر کشی کے حاصل ہوا ہو۔ (المزاج)

وقال یحیی بن آدم والغنیمۃ ما غلب علیہ المسلمون بالقتال حتی یاخذوہ عنوۃ والفیٔ ما صولحوا علیہ من الخراج والجزیۃ۔

یحیٰی بن آدم کہتے ہیں کہ غنیمت وہ مال ہے جس پر مسلمین کا غلبہ بذریعۂ قتال ہوا ہو ـــ اور فیٔ وہ مال ہے جو دشمن سے بلا قتال مصالحت سے حاصل کیا گیا ہو جیسے جزیہ اور خراج۔

وقال الماوردی والغنیمۃ والفیٔ یفترقان فی ان مال الفیٔ ماخوذ عفوًا ـــــ ومال الغنیمۃ ماخوذ قہرًا ثم قال إن مال الفیٔ: ھو کل مال وصل من المشرکین عفوًا من غیر قتال ولا ایجاف بخیل ولارکاب فھو کمال الھدیۃ والجزیۃ واعشار متاجرھم اؤکان واصلا بسبب من جھتہم کمال الخراج (الخراج)

علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں: غنیمت و فیٔ میں ما بہ الافتراق یہ ہے کہ مال فیٔ بطور عفو حاصل شدہ مال کو کہتے ہیں اور مال غنیمت بزور غلبہ حاصل کردہ مال کو کہتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں۔ مال فیٔ ہر اس مال کو کہا جاتا ہے جو مشرکین سے بلا قتال اور فوج کشی کے بغیر مل جاتا ہے۔ پس اس کی مثال مال ہدیہ، جزیہ اور ان کی تجارت کے اعشار (ٹیکس) ہیں۔ یا مشرکین کی جانب سے کسی اور وجہ سے ملتا ہے جیسے کہ مال خراج۔

ڈاکٹر ضیاء الدین کی رائے۔

ڈاکٹر ضیاء الدین فرماتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ غنیمت و فیٔ کی یہ تعریفات بنی نضیر کی شان میں نازل شدہ آیات فیٔ سے مشتق ہیں۔

لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ لفظ افاء کا اطلاق اس مال پر بھی ہوتا ہے جو قتال اور طاقت

حاصل کیا گیا ہو، چنانچہ غانمین اور صحابہؓ نے حضرت عمرؓ سے سواد کی تقسیم کے مطالبہ میں بطور اعتراض یوں فرمایا

"أتقف ما أفاء الله علينا بأسيافنا"[1] اللہ تعالیٰ نے ہماری تلواروں کے بل پر جو مال ہمیں دیا ہے آپ اس کو وقف کریں گے،

اسی طرح اُشتر نے سعید بن العاص کے سامنے کہا:

أتزعم أن السواد الذي أفاءه الله علينا بأسيافنا بستان لك ولقومك[2]

کیا تم یوں سمجھتے ہو کہ وہ سواد جو ہماری تلواروں سے حاصل ہوا ہے تمہارا اور تمہاری قوم کا باغ ہے؟

اور حدیث شریف میں آیا ہے:

ليس لي من فيئكم ولا هذه الوبرة إلا الخمس[3] وهو مردود عليكم[3]

یہ ارشاد غزوۂ حنین کے بعد حاصل شدہ غنائم کی تقسیم کے موقعہ پر صادر ہوا[4]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فئی کا اطلاق غنیمت پر ہوتا ہے۔ اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ غنیمت کی جو بھی تعریف ہو اس قدر مسلّم ہے کہ غنیمت میں خمس واجب ہوتا ہے اور غنیمت کو تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور ارض سواد بزور طاقت اور فوج کشی سے فتح کے باوجود نہ اس کی تقسیم ہوئی نہ خمس نکالا گیا۔ اور اس پر فئی کا اطلاق بھی ہوا۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کی تشریح

اس لیے غنیمت و فئی کی تعریف میں ایجاف خیل و رکاب اور عدم ایجاف سے فرق کرنا بجا نہیں ہے چنانچہ حضرت امام ابو یوسفؒ نے غنیمت اور فئی کی تعریف میں مذکورہ تعریف سے گریز کیا ہے۔ انھوں نے "واعلموا أنما غنمتم" الآیۃ کے بعد فرمایا، اس کا مصداق واللہ اعلم وہ منقول مال و اسباب، اسلحہ اور جانور ہیں جو مشرکین کے لشکروں سے مسلمین نے حاصل کئے۔ ایسے اموال میں خمس ہے اور چار خمس مجاہدین میں تقسیم ہوں گے ——— اور فئی کے بارے میں فرمایا کہ اے امیر المومنین زمین کی پیداوار کے موقعہ پر جو خراج

---

[1] کتاب الخراج لابی یوسف [2] ابن الاثیر الکامل ۲/۵۳۔

[3] ابن الاثیر الکامل ۲/۱۰۳ [4] الخراج للضیاء ص ۱۲۱

حاصل ہوتا ہے وہ فئ ہے۔ اس کے بعد حضرت امام ابویوسفؒ نے اسی آیت کو پیش فرمایا جو سورۂ حشر میں فئ کے بارے میں آئی ہے۔ ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری الآیۃ

دوسری جگہ حضرت امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں

ألخراج ما افتتح عنوۃ مثل السواد وغیرہ

تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ فئ کا اطلاق خراج پر بھی ہوتا ہے۔ اور خراج وہ ہے جو عنوۃً حاصل کیا گیا ہو جو غنیمت کا مفہوم ہے تو فئ اور غنیمت کا مفہوم ایک ہو جاتا ہے۔

چنانچہ قدامہ بن جعفر نے فئ کی تعریف اس طرح فرمائی۔

الفیٔ إسم لما غلب المسلمون علیہ من بلاد العدو قسرًا بالقتل وجعل موقوفا علیھم۔

حضرت امام ابویوسفؒ نے فئ و غنیمت کی جو تعریف فرمائی وہ حضرت عمر فاروقؓ کی اس تعبیر کے بالکل مطابق ہے جو انھوں نے حضرت سعدرضؓ کو اپنے خط میں ارسال فرمائی۔ فرماتے ہیں:۔

إذا اتاك کتابی فانظر ما اجلبوا بہ علیك فی العسکر من کراع او مال فاقسمہ من حضر واترك الارضین والأنہار لعمالہا۔ (۱)

اس سے یہی خلاصہ نکلتا ہے کہ غنیمت کی حقیقی تعریف یہ ہے کہ جو اموال منقولہ مشرکین سے بذریعۂ قتال حاصل ہوں وہ غنیمت ہیں۔ اور فئ کا اطلاق جائداد اور زمینوں پر ہوتا ہے (اموال غیر منقولہ) خواہ عنوۃً لئے گئے ہوں یا بغیر قتال مصالحت سے حاصل ہوئے ہوں۔ ہر فئ کا اطلاق اسی طرح ہوتا ہے۔ یا کم از کم فئ سے مقصود غالب اموال غیر منقولہ ہوتے ہیں یعنی فئ عام ہے۔ عنوۃً وصلحاً حاصل شدہ غیر منقول اموال کو فئ کہا جاتا ہے۔

علامہ رازیؒ کا ارشاد

حضرت علامہ ابوبکر الجصاص رازیؒ نے احکام القرآن میں جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تین آیات میں سورۂ انفال کی آیت "واعلموا أنما غنمتم" الخ یہ اموال غنیمت کے بارے میں ہے جس سے خمس لیا جائے گا۔

۱؎ الخراج لابی یوسف ص ۳۴

اور سورۂ حشر کی آیت "ما افاء اللّٰہ علیٰ رسولہ فما أوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب الآیۃ" یہ اموال بنی نضیر کے بارے میں ہے۔ جو صلحاً حاصل ہوئے اور ہر وہ مال کا حکم اس آیت سے ملے گا جو مشرکین سے بلا جنگ حاصل ہوا ہو۔ تیسری آیت سورۂ حشر کی "ما افاء اللّٰہ سے یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم تک ہے۔ یہ آیت عنوۃً مفتوحہ اموال کے بارے میں ہے جو غیر منقول ہو۔ امام رازی رح فرماتے ہیں کہ اموال بنی نضیر کے بارے مالک بن اوس بن الحدثان کی روایت حضرت عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے:

قال کانت اموال بنی النضیر مما افاء اللّٰہ علی رسولہ مما لم یوجف المسلمون علیہ بخیل ولا رکاب فکانت لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خاصۃ وکان ینفق منہا علی اہلہ نفقۃ سنۃ وما بقی جعلہ فی الکراع والسلاح عدۃ فی سبیل اللّٰہ ــــ قال ابوبکر (جصاص) فہذا من الفئ الذی جعل الأمر فیہ الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولم یکن لاحد فیہ حق الامر الا من جعل لہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فکان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ینفق منہا علی اہلہ ویجعل الباقی فی الکراع والسلاح وذالک لما بیّنہ اللّٰہ فی کتابہ وھو أن المسلمین لم یوجفوا علیہ بخیل ولا رکاب ولم یاخذوہ عنوۃ وانما أخذوہ صلحًا وکذلک کان حکم فدک وقری عرینۃ فیما ذکرہ الزہری وقد کان للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من الغنیمۃ الصفی وھو ما کان یصطفیہ من جملۃ الغنیمۃ قبل أن یقسم المال وکان لہ ایضا سہم من الخمس فکان للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من الفئ ہذہ الحقوق یصرفہا فی نفقۃ عیالہ والباقی فی نوائب المسلمین ولم یکن لاحد فیہا حق الا من یختارہ ھو صلی اللّٰہ علیہ وسلم أن یعطیہ وفی ہذہ الآیۃ دلالۃ علی أن کل مال من اموال اھل الشرک لم یغلب علیہ المسلمون عنوۃً وانما أخذ صلحا أنہ لا یوضع فی بیت مال المسلمین ویصرف علی الوجوہ الذی یصرف فیہا الخراج والجزیۃ لأنہ بمنزلۃ ما صار للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من اموال بنی النضیر حین لم یوجف المسلمون علیہ (۱)

فرماتے ہیں۔ مالک بن اوس بن الحدثان کی روایت حضرت عمر بن الخطابؓ سے آئی ہے کہ اموال بنی نضیر جو

---

(۱) احکام القرآن للجصاص۔ ۳/ ۵۲۸۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بطورِ فیٔ عنایت کئے جس پر مسلمین نے فوج کشی نہیں کی اور جنگ سے قبضہ میں نہیں آئے ایسے اموال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص کر دیئے گئے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عیال کا ایک سال کا نفقہ دا کرتے تھے اور جو کچھ بچ رہتا تھا اس کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کے سامانِ جنگ میں صرف کرتے تھے۔

وہ اموال جو نبی ؐ کے لئے مخصوص تھے

ابو بکر (جصاص) کہتا ہے۔ یہ وہ فیٔ ہے جس پر پورا اختیار رسول اللہ ؐ کا تھا اور کسی کا اس میں کوئی حق نہیں تھا۔ مگر نبی کریم ؐ جس کے لئے اس مال کو تجویز فرماتے۔ پس نبی کریم ؐ ان اموال میں سے اپنے عیال پر خرچ فرماتے اور بقیہ کو جہاد کی تیاری میں صرف فرماتے۔ اور اس کی وجہ یہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادی کہ مسلمین نے اس کو اپنے زور بازو سے حاصل نہیں کیا تھا اور جنگ کرکے نہیں لیا تھا بلکہ مصالحت سے حاصل ہوا تھا۔

یہی حکم زہری کے بیان کے مطابق فدک اور قری عرینہ کا تھا۔ اور نبی کریم ؐ کے لئے مخصوص اموال میں سے غنیمت کا منتخب مال بھی تھا۔ جس کو الصفی کہا جاتا تھا۔ یہ وہ مال تھا جس کو نبی ؐ غنیمت کی تقسیم سے قبل اپنے لئے منتخب فرمالیں یہ آپ کا اختیار مخصوص تھا۔ اسی طرح نبی کریم ؐ کا خمس میں بھی حق تھا۔ پس نبی کریم ؐ کے فیٔ میں سے یہ حقوق تھے جس کو اپنی ازواج مطہرات اور عیال پر خرچ فرماتے تھے اور بقیہ کو مسلمین کی ہنگامی ضرورتوں میں صرف فرماتے تھے۔ اور ان اموال میں نبی کریم ؐ کے سوا دوسرے کسی کا حق نہیں تھا۔ ہاں حضور ؐ جس کو دینا چاہتے تھے دیدیتے تھے۔

سورۂ حشر کی دو آیات میں فرق ہے

تو یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ مشرکین سے جو بھی اموال اس طرح حاصل ہوں کہ جس پر مسلمین نے قہراً قبضہ نہ کیا ہو مصالحت سے حاصل ہوئے ہوں تو ایسے اموال بیت المال میں نہیں رکھے جائیں گے بلکہ ان مصارف میں صرف ہوں گے جہاں خراج وجزیہ صرف ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس قسم کے اموال، اموال بنی نضیر کی طرح نبی کریم ؐ

کے ساتھ مخصوص ہونے کے درجہ میں آجاتے ہیں۔ تو یہ وہ اموال صلح ہیں جن پر خـراج آتا ہے۔

اور تیسری آیت " ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القریٰ" کے بارے میں حضرت امام رازی رح فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ اس مال کے بارے میں وارد ہوئی ہے جو غانمین کے زور بازو سے حاصل ہوا ہو کیونکہ اس کا معرف بعینہ وہ پانچ اصناف ہیں جس کا ذکر سورۂ انفال والی آیت میں ہوا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ انفال کی آیت میں خمس کا تذکرہ ہے۔ اور مذکورہ آیت میں خمس کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن مال بہرحال قہراً حاصل کردہ اور تقسیم کے لائق ہے۔ اور تقسیم کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ مالداروں میں دولت سمٹ کر نہ رہ جائے۔

اور آیت "والذین جاؤا من بعدھم" یہ بھی بتلا رہی ہے کہ یہ مال اگرچہ قہراً حاصل کردہ ہے مگر اس کا معرف آئندہ نسلیں بھی ہیں جو قیامت تک آنے والی ہیں۔ اس کے مصارف مذکورہ پانچ اصناف بھی ہیں۔ اس لئے اس آیت میں مال کی اس نوع کا ذکر ہے جو ایجاف خیل سے حاصل ہوا۔ اور آیت "ما افاء اللہ علی رسولہ منھم فما اوجفتم" میں اس نوع کا ذکر ہے جو بلا ایجاف کے حاصل ہوا اور نبی کریمؐ کی حیات طیبہ میں آپ کے ساتھ مخصوص تھا اور آپ کے بعد نوائب مسلمین میں صرف ہوگا۔

حضرت عمرؓ کا فیصلہ

چنانچہ حضرت عمر فاروق رضؓ نے جب سواد عراق فتح ہوا تو تقسیم سے انکار فرمایا اور یہی وجہ بیان کی کہ آئندہ نسلوں اور غیر مجاہدین کا کیا ہوگا؟ حضرت بلال اور حضرت زبیرؓ کا اصرار تھا کہ سواد کو غانمین میں تقسیم کر دیا جائے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے جلیل القدر صحابہؓ سے مشورہ لیا جس میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے اور حضرت علی رضؓ نے حضرت عمر رضؓ کی رائے کی تائید کی۔ اور جملہ صحابہؓ نے اس فیصلہ کو تسلیم کیا۔ بعد میں آنے والے خلفاء نے بھی اس معمول کو جاری رکھا۔ اس موقعہ پر حضرت عمر فاروق رضؓ نے فرمایا کہ میں جہاں تک سمجھا ہوں کہ مال فئے کے مصارف میں مہاجرین و انصار اور آئندہ آنے والی نسلیں بھی شامل ہیں جو "والذین جاؤا من بعدھم الآیۃ" کا مصداق ہیں۔

حضرت عمر رضؓ کے اس فیصلہ سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) فئ کا اطلاق غنیمت پر ہوتا ہے۔

(۲) آیت حشر منسوخ نہیں ہے اگر آیت منسوخ ہوتی تو وہ صحابہ جو تقسیم کے طالب تھے ضرور نسخ کو پیش فرماتے۔

(۳) آیت کریمہ اس قسم کی زمین پر خراج مقرر کرنے کے جواز کو بتلا رہی ہے۔ کیونکہ حضرت عمر رضؓ نے اسی آیت سے

استدلال کرکے سواد کے باشندوں کو برقرار رکھ کر ان پر خراج عائد کیا۔

(۴) جملہ صحابہؓ کا حضرت عمرؓ کی رائے کو مان لینا اس پر دلالت کرتا ہے کہ غانمین فیٔ کی زمینوں کے اگرچہ عنوۃً لی گئی ہوں مستحق نہیں ہوجاتے۔ بلکہ فیٔ کی زمینیں امام کے اختیار کے ماتحت رہتی ہیں۔ جیسے امام کو اختیار ہے کہ جو قیدی مشرک گرفتار ہوں خواہ ان کو قتل کردے خواہ غانمین میں تقسیم کردے۔

(۵) نفس احراز غنیمت سے غازی غلاموں کے بھی مالک نہیں بن جاتے۔

آیت انفال وحشر میں تعارض نہیں ہے

اب رہ جاتی ہے یہ بات کہ سورۂ انفال والی آیت ہر مال غنیمت میں خمس کے وجوب اور باقی چار خمس کو مجاہدین میں تقسیم کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ اور سورۂ حشر کی آیت میں خمس کا تذکرہ نہیں ہے اس لئے یہ آیت سورۂ انفال کی آیت سے متعارض ہوجاتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تعارض نہیں۔ بلکہ دونوں آیات کا محمل پہلے ہی سے الگ ہے۔ سورۂ انفال والی آیت اموال منقولہ میں خمس وتقسیم پر محمول ہے۔ اور آیت حشر اموال غیر منقولہ میں خمس وعدم خمس، تقسیم وعدم تقسیم کے بارے میں اختیار پر محمول ہے۔ اور یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیبر کی تقسیم وعدم تقسیم، ایسے ہی حضرت عمرؓ کے سواد کی عدم تقسیم سے سمجھ میں آرہی ہے۔

علامہ رازی فرماتے ہیں:

فیکون تقدیر الآیتین بمجموعهما واعلموا أنما غنمتم من شیٔ فان للہ خمسه فی الأموال سوی الأرضین وفی الارضین اذ اختار الامام ذالک. وما افاء اللہ علی رسولہ من الارضین فللہ وللرسول ان اختار ترکہا علی ملک اهلها ویکون ذکر الرسول ههنا للتفویض الامر علیه فی صرفه الی من رای الخ۔ (۱)

آیت حشر سے امام کی تخییر پر استدلال۔

کہتے ہیں۔ جب یہ زمینیں وقف ہوئیں تو "للہ" تو برابر ہے۔ پھر "وللرسول" کیوں کہا گیا؟ تو فرماتے ہیں

(۱) احکام القرآن للجصاص ۳/۵۲۹۔

یہاں رسول کا تذکرہ رسول کے مختار ہونے اور رسول کی صوابدید پر مال کو صرف کرنے کا اختیار رسول کے لئے ثابت کرنے کی خاطر یہ لفظ بڑھایا گیا ہے اھ۔

اور ظاہر ہے کہ رسولؐ کے بعد نائبین رسولؐ (ائمہ) کو یہ اختیار حاصل ہوگا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

ابن قدامہؒ کا ارشاد

حضرت علامہ عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلیؒ اپنی مشہور تالیف المغنی میں رقم طراز ہیں:

جن زمینوں کو مسلمین نے ازسرنو عنوۃً فتح کیا ہے تو ان کے بارے میں تین روایات ہیں۔

۱۔ امام کو اختیار ہے کہ ایسی زمینوں کو وہ غانمین میں تقسیم کردے یا جملہ مسلمین کے لئے وقف کردے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طریق ثابت ہیں۔ اور آپؐ کا عمل دونوں باتوں کیلئے حجت ہے۔ نبی کریمؐ نے نصف خیبر کو تقسیم فرمایا اور نصف کو ہنگامی ضرورتوں کے لئے وقف کر دیا۔

حضرت عمر فاروق رضؓ نے شام، عراق، مصر اور بقیہ مفتوح علاقوں کو وقف کر دیا اور علماء صحابہؓ نے حضرت عمرؓ کی تائید فرمائی اور یہی مشورہ دیا۔ نیز حضرت عمرؓ کے بعد دیگر خلفاء نے بھی مفتوحہ علاقوں میں یہی معمول جاری رکھا۔ اور ہمارے علم میں دیگر خلفاء سے مفتوحہ زمینوں کو تقسیم کرنے کا عمل منقول نہیں ہے

۲۔ مسلمین کا استیلاء ہوتے ہی ایسی زمینیں وقف ہوجاتی ہیں۔ کیونکہ صحابہؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقف کے فیصلہ پر متفق ہوگئے۔ نبی کریمؐ کا خیبر کو تقسیم کرنا ابتدائے اسلام کی بات ہے اور یہ تقسیم شدت حاجت کی وجہ سے ہوئی۔ کیونکہ مصلحت وقت (شدت حاجت) کا یہی تقاضا تھا۔ لیکن بعد میں مصلحت اسی پر منحصر ہوگئی۔ کہ وقف کردیا جائے اس لئے وقف متعین و واجب ہے۔

۳۔ ایسی زمینوں کو غانمین میں تقسیم کرنا واجب ہے۔ یہی قول امام مالکؒ اور ابوثورؒ کا ہے (مگر جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ وجوب تقسیم کا قول حضرت شافعیؒ کا ہے حضرت مالکؒ وجوب وقف کے قائل ہیں) اس لئے کہ نبی کریمؐ کا عمل تقسیم کا ہے۔ اور حضرت عمرؓ کے عمل کے مقابلہ میں نبیؐ کا عمل زیادہ لائق اتباع ہے۔ نیز آیت کریمہ "واعلموا انما غنمتم من شیئ فان للہ خمسہ الایۃ" کے عموم سے یہی مفہوم ہوتا ہے۔ کہ چار خمس غانمین کے ہیں۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

والرواية الاولیٰ اَولیٰ لأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعل الأمرین جمیعًا فی خیبر ولأن عمر قال لولا آخر الناس لقسمت الأرض کما قسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیبر فقد وقف الأرض مع علمہ بفعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فدل علی أن فعلہ ذالک لم یکن متعینا کیف والنبی صلی اللہ علیہ وسلم وقف نصف خیبر ولو کانت للغانمین لم یکن لہ وقفہا۔ الخ۔ (۱)

پہلی روایت راجح ہے اس لئے کہ نبی کریمؐ نے خیبر میں دونوں کام کئے (تقسیم وعدم تقسیم) اور اس لئے بھی کہ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ اگر دوسرے بعد کے لوگ نہ ہوتے تو میں اس زمین سواد کو اس طرح تقسیم کر دیتا۔ جس طرح نبی کریمؐ نے خیبر کو تقسیم فرمایا تھا۔ تو حضرت عمرؓ نے نبی کریمؐ کے عمل کا خیبر کے بارے میں علم ہوتے ہوئے سواد کو وقف کر دیا۔ تو حضرت عمرؓ کا یہ عمل دلالت کرتا ہے کہ نبی کریمؐ کا عمل تقسیم۔ تقسیم کی تعیین کے نہیں تھا۔ اور تعیین کے لئے ہو بھی کیسے، جب کہ خود نبی کریمؐ نے نصف خیبر کو وقف کیا۔ اگر غانمین کا حق بن گیا ہوتا تو نبی کریمؐ کیلئے وقف کا اختیار نہ ہوتا۔

اس کے بعد ابن قدامہؒ نے فرمایا کہ امام کو یہ اختیار مصلحت کی بنیاد پر حاصل ہوتا ہے۔ مصلحت کے مطابق تقسیم و وقف امام پر لازم ہے۔ امام اپنی من مانی نہیں چلا سکتا۔

لفظ وقف کا استعمال

پھر اس بات پر بھی متنبہ فرمایا کہ اس طرح مالکین ارض کے لئے زمین چھوڑ دینے اور آئندہ نسلوں کو بذریعۂ خراج فائدہ پہونچانے کے طریق کے لئے لفظ وقف کا استعمال حضرت عمرؓ وغیرہ سے ثابت نہیں ہے۔ اس لئے مطلب یہ ہوگا کہ یہ زمینیں اس طرح چھوڑ دی جائیں گی۔ کہ اس کا کوئی مالک مخصوص نہ ہوگا بلکہ مسلمین کے مصالح کے لئے ان کو باقی رکھا جائے گا۔ مطلب یہ کہ وقف اصطلاحی ہونا ضروری نہیں ہے۔

---

(۱) المغنی ۲/ ۱۸-۲۱۹۔

خلاصۂ بحث

اس جملہ بحث سے یہ خلاصہ نکلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جو زمینیں صلحاً بلا فوج کشی و قتال کے حاصل ہوئیں۔ فیٔ کا لفظ اس کے لئے بھی استعمال ہوا۔ اور ایسی زمینیں خالص نبی کریم کیلئے مخصوص تھیں۔ آپؐ اپنی اور اپنے عیال کے نفقہ میں صرف فرماتے۔ اپنے اختیار سے جس کو چاہے عطا فرماتے اپنی ضرورت سے زائد آمدنی کو آپ نوائب مسلمین میں صرف فرماتے تھے۔ اہل خیبر کا بھی کچھ حصہ صلحاً ملا۔ جو آپؐ کے لئے مخصوص رہا اور فدک بھی مخصوص رہا۔

چنانچہ حضرت یحییٰ بن آدم القرشیؒ (متوفی ۲۰۳) نے اپنے رسالہ الخراج میں ایک اثر نقل کیا ہے۔ زہری عبداللہ بن ابی بکر اور محمد بن مسلمہ کے بعض بیٹوں سے نقل فرماتے ہیں:

"قالوا بقيت بقية من اهل خيبر تحصنوا قالوا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يحقن دماءهم   نفعل نسمع بذالك اهل فدك فنزلوا على مثل ذالك فكانت لرسول الله صلى الله عليه وسلم خالصة لانه لم يوجف عليها بخيل ولا ركاب"[1]

کچھ اہل خیبر جو بچے کچھے تھے کہیں قلعہ بند ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست جاں بخشی کی اور اپنی بستی سے نکل جانے کی۔ آپ نے منظور فرمالیا۔ جب اہل فدک نے سنا کہ اس طرح جاں بخشی ہو جاتی ہے تو انھوں نے بھی اسی طرح صلح کرلی۔ پس فدک خاص رسول اللہؐ کے لئے رہا۔ کیونکہ اس پر فوج کشی نہیں ہوئی تھی (اور قتال کی نوبت نہیں آئی)۔

اور جو زمینیں قہراً فتح ہوئیں ان کو کبھی غانمین میں تقسیم کیا گیا اور کبھی تقسیم نہیں کیا گیا۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں عمل ثابت ہیں۔ فیٔ کا اطلاق قہراً حاصل کردہ زمین پر بھی ہوا ہے جیسے اپنی جگہ پر گذرا۔ خیبر کی تقسیم کے بارے میں حضرت یحییٰ بن آدم القرشی رحؒ نے متعدد روایات لکھی ہیں۔

عن رجال من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ان رسول الله

---

(۱) الخراج ۲/۳۶۔

صلی اللہ علیہ وسلم لما ظہر علی خیبر قسمہا علی ستۃ وثلاثین سہما جمع کل سہم مأۃ سہم فکان لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وللمسلمین النصف من ذالک وعزل النصف الباقی لمن ینزل بہ من الوفود والامور ونوائب الناس۔ (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد صحابہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ؐ جب خیبر پر غالب ہوئے (فتح کیا) تو خیبر کی زمینوں کو چھتیس حصوں پر تقسیم فرمایا۔ ہر حصہ کا مجموعہ سو حصص پر مشتمل تھا۔ پس اس میں سے آدھا رسول اللہ ؐ اور مسلمین کے حصہ میں رہا اور باقی نصف ان وفود کے انتظام کے لئے جو آپ کے یہاں وارد ہوتے تھے۔ اور دیگر ضروری امور اور لوگوں کی ہنگامی حاجات کے لیے الگ کر لیا گیا

عشری اور خراجی زمینوں کی تفصیل

عشری اور خراجی زمینوں میں بنیادی فرق اور اس سلسلہ میں غانمین کے استحقاق وعدم استحقاق کی بحث آجانے کے بعد اب عشری اور خراجی زمینوں کی تفصیل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ حضرت حضرت امام ابویوسف رحنے اپنی کتاب الخراج میں فرمایا۔

أن کل أرض اسلم علیہا سواء کانت من أرض العرب والعجم فہی لہم وہی أرض عشر مثل المدینۃ حین اسلم علیہا اہلہا والیمن الیمن وکذالک ارض العرب من عبدۃ الأوثان الذین لا تقبل منہم الجزیۃ وإن ظہر علیہا الإمام وإذا قسم الإمام ارض العجم التی فتحت عنوۃ بین الفاتحین فہی أرض عشر۔

أما أرض الخراج فہی ارض العجم التی فتحت عنوۃ وترکہا الإمام بین ایدی اہلہا فلم یقسمہا وکذلک أرضہم التی صالحوا المسلمین علی أن یؤدوا الخراج عنہا ویصیروا ذمۃ۔ (۲)

---

(۱) الخراج ۱۰۹ھ (۲) کتاب الخراج

فرمایا:

۱۔۔۔ ہر وہ زمین و ملک جس کے باشندے بخوشی اسلام لے آئے خواہ زمین عرب ہو یا عجم۔ تو زمین مالکین کی ملک میں رہے گی۔ اور یہ زمین عشری ہوگی۔ جیسے مدینہ منورہ، یمن وغیرہ۔

۲۔۔۔ اسی طرح عرب کے بت پرستوں کی زمین جن سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا۔ اگرچہ امام نے ان کو عنوۃ لے لیا ہو تب بھی وہ عشری رہے گی۔

۳۔۔۔ اور عجم کی وہ زمینیں جو بزور مفتوح ہوئیں اور امام نے غانمین کے درمیان تقسیم کر دیں۔ یہ زمینیں بھی عشری ہیں۔

۴۔۔۔ ارض خراج عجم کی وہ زمینیں ہیں جو بزور فتح کی گئیں اور امام نے ان کو غانمین میں تقسیم نہیں کیا اور اصل باشندوں کے قبضہ میں ہی رہنے دیا تو یہ خراجی زمین ہے۔

۵۔۔۔ ایسے ہی وہ زمینیں جن کے بارے میں کفار نے مسلمین سے مصالحت کر لی (متابعت اختیار کر لی) کہ ذمی بن کر رہیں گے۔ اور زمین کا خراج ادا کریں گے تو یہ بھی خراجی زمین ہے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ نے نہایت دقیق انداز میں عشری اور خراجی زمینوں کی تفصیل اور فرق کو واضح فرما دیا۔ کہ جس قدر بھی اقسام عشری یا خراجی کی ضمنی طور پر نکلتی ہیں تو وہ سب اس مبینہ اقسام کے ماتحت آجاتی ہیں۔

علامہ کاسانی کی تشریح

علامہ علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاسانیؒ نے ان اقسام کو مفصل طور پر بیان کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

زمین کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) عشری (۲) خراجی۔

۱۔۔۔ عرب کی پوری زمین عشری ہے۔ حضرت امام محمدؒ نے فرمایا عرب کی زمین عذیب سے مکہ اور عدن ابین اور اقصاء حجر یمن مہرہ تک ہے۔ حضرت کرخیؒ فرماتے ہیں کہ زمین عرب کا اطلاق زمین حجاز، تہامہ، یمن، مکہ، طائف اور بریہ پر ہوتا ہے۔

ان زمینوں کو اس لئے عشری قرار دیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء راشدینؓ نے زمین عرب سے خراج نہیں لیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مذکورہ زمین عرب عشری ہے۔ اس لئے کہ کوئی بھی زمین دونوں مؤنتوں (عشر و خراج) سے خالی نہیں ہوتی (تو جب خراجی نہیں تو عشری ضرور ہے)

زمین عرب پر خراج اس لئے نہیں ہے کہ خراج فی (جزیہ) کے مشابہ ہے تو جس طرح جزیہ اہل عرب کے روٗس پر نہیں آتا تو ان کی زمین پر بھی جزیہ (خراج) نہ آنا چاہئے۔ (واللہ اعلم)

۲۔۔۔۔۔ عشری زمینوں میں وہ زمین بھی ہے جس کے باشندے بخوشی اسلام لے آئے۔

۳۔۔۔۔۔ وہ زمین بھی عشری ہے جو قہراً فتح ہوئی اور مجاہدین میں تقسیم ہوگئی۔ کیونکہ ایک مؤنۃ تو زمین پر لاگو ہوتی ہے عشر یا خراج: اور مسلم ابتداءً خراج عائد کرنے کے لائق نہیں ہے۔ خراج کے اندر حقارت وذلت کا پہلو ہے۔ اور عشر میں عبادت کا پہلو بھی ہے اس لئے مسلم عبادت وعشر کے لائق ہے۔

۴۔۔۔۔۔ عشری زمین میں مسلم کا وہ گھر بھی شامل ہے جس کو مسلم نے باغ بنالیا ہو۔

۵۔۔۔۔۔ وہ بنجر غیر مزروعہ زمین جس کو امام کی اجازت سے کسی مسلم نے قابل کاشت بنایا ہو تو حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک اگر یہ آباد کردہ زمین عشری زمینوں سے ملحق اور اس کے توابع میں سے ہو تو عشری قرار دی جائیگی۔ اور حضرت امام محمدرح کے نزدیک عشری پانی سے سیراب ہوتی ہو تو عشری ہے۔

خراجی زمینیں

۱۔۔۔۔۔ وہ زمین جو عنوۃً (قہراً) فتح کی گئی اور امام نے اس کے مالکین پر کرم فرما کر زمینوں کو مالکین کے قبضہ میں ہی رہنے دیا۔ تو اگر مالکین اسلام نہ لائے تو ان کی ذات پر جزیہ اور ان کی زمینوں پر خراج عاید ہوگا۔

۲۔۔۔۔۔ اگر مفتوحہ علاقے کے باشندے اسلام لے آئے تو ان کی مقبوضہ زمینوں پر صرف خراج ہوگا۔

۳۔۔۔۔۔ ارض سواد پوری خراجی ہے۔ اور سواد کی حد عذیب سے عقبہ حلوان اور علث سے عبادان تک ہے اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے جب ان ممالک کو فتح کیا تو صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں ان پر خراج عائد کیا اور حضرت حذیفۃ ابن الیمان اور حضرت عثمان بن حنیف کو زمین کی پیمائش کے لئے بھیجا اور خراج مقرر کیا گیا۔ کیونکہ کافر پر ابتداءً مؤنت واجب کی جارہی تھی۔ اور کافر خراج کے زیادہ لائق ہے۔ اس لئے کہ خراج میں حقارت کا پہلو ہے۔ عشر میں عبادت کا پہلو ہے۔ کافر اس کا اہل نہیں ہے۔

زمین مکہ کا حکم

اس لحاظ سے مکہ کی زمین خراجی ہونا چاہئے کیونکہ مکہ قہراً مفتوح ہوا ہے اور اس کے باشندے

اسلام لائے۔ کیونکہ زمینوں کو ان کے قبضہ میں ہی چھوڑ دیا گیا۔ لیکن ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کر دیا۔ کیونکہ اہل مکہ پر آپؐ نے خراج عائد نہیں کیا۔ تو حرم کی عظمت کی وجہ سے یہ مکہ مکرمہ کی خصوصیت ہے۔

۴۔ ــــــ وہ زمین بھی خراجی ہے جس کے مالکین پر بتقاضائے نظر کرم نقد مال (دراہم و دنانیر وغیرہ) کی ایک مجموعی میعادِ مقررہ کے عوض صلح کرلی ہو۔ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاری بنی نجران سے ان کے اشخاص کے جزیہ اور ان کی زمینوں کے خراج کے عوض صلح کرلی تھی۔ ایک نقدمال کی مجموعی میعاد مقرر ہو گئی تھی۔ دو ہزار جوڑے اور حضرت علی رضؓ کی روایت کے مطابق دو ہزار دو سو جوڑے مقرر ہوتے تھے جو سال میں دو قسطوں میں واجب الادار تھے۔ نصف رجب میں اور نصف ماہ محرم میں لئے جاتے تھے۔

۵۔ ــــــ وہ زمینیں جن کے اصل باشندوں کو ہٹا کر دوسرے ذمیوں کو اس جگہ بسایا گیا ہو۔

۶۔ ــــــ نصاری بنی تغلب جنھوں نے دو نا عشر ادا کرنے پر مصالحت کی تھی۔ ان کی زمینیں بھی خراجی ہیں۔ کیوں کہ حقیقت میں خراج ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا تم اس کا جو چاہو نام رکھ لو۔ چنانچہ مالکین کے تغیر سے اس مقررہ خراج میں تغیر نہیں ہوتا تھا۔ جو خراجی زمین کا وصف ہے۔

۷۔ ــــــ وہ بنجر غیر مزروعہ زمینیں جس کو امام کی اجازت سے کسی مسلم نے قابل کاشت بنایا ہو۔ تو حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر یہ نو آباد زمین خراجی زمینوں سے ملحق اور ان کے توابع سے ہو تو اس کو خراجی قرار دیا جائے گا اور حضرت امام محمد رحؒ کے نزدیک یہ زمین اگر خراجی پانی سے سیراب ہوئی ہو خراجی شمار ہوگی۔

حضرت امام محمد رحؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ مسلم خراج کے لائق نہیں ہے۔ لیکن خود مسلم ہی سبب خراج کو اختیار کرلے تو اس پر خراج عائد ہو جائے گا۔ چنانچہ جب مسلم نے ملوک کی بڑی نہروں سے پانی لیا تو کیونکہ ان نہروں پر فئ کا حکم لگا ہوا ہے اس لئے مسلم سے بھی وہ متعلق ہو جائے گا۔ جیسے مسلم نے خراجی زمین کو خرید لیا تو مسلم پر خراج عائد ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ کسی شیئ کے ملحقات و توابع اصل شیئ کے حکم میں شمار ہوتے ہیں۔ جیسے گھر کا صحن گھر کے تابع ہے۔ چنانچہ اس سے انتفاع (اجارہ وغیرہ میں) جائز ہے۔ اسی لئے کسی گاؤں کے متصل زمینوں کے احیار کا حق دوسرے لوگوں کو نہیں مل سکتا۔ کیونکہ گاؤں سے اتصال کی بنا پر اہل قریہ کا حق احیار اس زمین سے متعلق ہو چکا ہے ــــــ علامہ شامی نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ (مرتب، ردالمحتار)

بصرہ کی زمین کا استثنائی حکم

حضرت امام ابویوسفؒ کے قیاس کے مطابق بصرہ کی زمین خراجی ہونا چاہئے اس لئے کہ وہ ارض خراجی کی حیز میں واقع ہے اگرچہ مسلمین نے اس کو قابل کاشت بنایا ہے۔ لیکن اجماع صحابہؓ کی وجہ سے قیاس متروک ہوگیا۔

۸ـــــــ جس زمین کو کسی ذمی نے قابل کاشت بنایا وہ بھی خراجی ہے۔

۹ـــــــ غنیمت کی وہ زمین جو امام نے کسی ذمی کو مسلمین کے ساتھ قتال میں شرکت کی وجہ سے بطور رضخ (بلا سہم غنیمت کچھ دے دینا) کے طور پر دی ہو خراجی ہے۔

۱۰ـــــــ ذمی کا گھر جس کو ذمی نے بستان بنالیا ہو تو خراج عائد ہوگا۔

عشری اور خراجی پانی

مارِ خراج ان چھوٹی نہروں کے پانی کو کہتے ہیں جو عجمیوں نے کھود کر تیار کی ہوں۔ قدرتی نہ ہوں جیسے نہر نیرد جرد وغیرہ جو مملوک ہوں اور کسی کے قبضہ ذاتی یا سرکاری میں نہ ہوں یعنی ان پر قبضہ رکھا جاسکتا ہو تو مفتوح ہونے کے بعد غنیمت ہونے اور تقسیم نہ کئے جانے کی بنا پر خراج عائد ہوگا۔ اس کا پانی خراجی قرار دیا جائے گا۔

اسی طرح بیت المال کے صرفہ سے جو نہریں چشمے اور نالیاں نکالی گئی ہوں ان کا پانی خراجی ہے حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک بڑی ندیوں (دریاؤں) کا پانی بھی خراجی ہے۔ اس لئے کہ ان پر قبضہ رکھنا ممکن ہے ـــــ کشتیوں کی قطار کے ذریعہ قبضہ کیا جاسکتا ہے۔

عشری پانی

بارش کا پانی۔ کنوؤں کا پانی۔ قدرتی چشموں اور بڑے دریاؤں (ندی) کا پانی جو کسی کے قبضہ میں نہیں ہیں جیسے سیحون جیحون۔ دجلہ اور فرات اور ان کے جیسی ندیاں۔ اس لئے کہ ان کے پانیوں کو قبضہ اور حفاظت میں لینے کی کوئی سبیل نہیں۔ (۱)

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/ ۵۸۔

خلاصۂ کلام یہ کہ عنوۃً مفتوحہ علاقہ پر کفار کو برقرار رکھا گیا تو کفار پر خراج عائد ہوگا۔ اگرچہ عشری پانی سے زمین سیراب ہو۔ اور اگر غانمین میں مفتوحہ زمینیں تقسیم کردی گئی ہیں تو عشر آئے گا۔ اگرچہ خراجی پانی سے سیراب ہورہی ہوں۔ جو زمین خراجی قرار دی گئی وہ خراجی رہے گی۔ اگرچہ مسلم نے خرید لی ہو اور جو زمین عشری ہے اگر کافر نے خریدی تو خراجی بن جائے گی۔

صرف اس زمین کا تعلق عشری اور خراجی پانی سے ہوگا جس کو کسی مسلم نے قابل کاشت بنایا ہو امام محمدؒ کے قول کے مطابق۔ عشری پانی سے سیراب ہوں تو عشری۔ خراجی پانی سے سیراب ہو تو خراجی ہوجائے گی۔ صاحب درمختار نے یہ فرمایا ہے۔ لیکن جیسے کہ اس سے قبل لکھا جاچکا ہے کہ مفتی بہ قول عشری اور خراجی ہونے میں حضرت امام ابویوسفؒ کا ہے کہ نو کاشت زمین کا حکم اس کے ماحول کی زمینوں کا رہے گا۔

فتحصل أن الماء يعتبر فيما لو احيا مسلم أرضا أو جعل داره بستانا بخلاف المنصوص على أنه عشري أو خراجي وقدمنا عن الدر المنتقى أن المفتى به قول أبي يوسف أنه يعتبر القرب الخ۔ (۱)

حضرت امام شافعیؒ کے یہاں عنوۃً مفتوحہ زمینیں سب عشری رہیں گی۔ تقسیم واجب ہے ان کے نزدیک عشر و خراج ایک مالک پر مجتمع ہوسکتے ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

وہ زمینیں جو نہ عشری ہیں نہ خراجی

وہ زمینیں جو نہ عشری ہیں نہ خراجی یہ زمین کی تیسری قسم ہے جن کو اراضی بیت المال۔ ارض المملکۃ اور اراضی الحوز کہا جاتا ہے۔

حضرت علامہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی کتاب "اسلام کا نظام اراضی" میں فرماتے ہیں۔

"اراضی بیت المال میں چند قسم کی اراضی داخل ہیں۔

الف وہ زمینیں جو ملک فتح ہوتے وقت کسی کی ملک میں داخل نہیں تھیں۔ فتح کے بعد وہ بیت المال میں داخل ہوں گی۔ کما ہو ظاہر

---

(۱) ردالمحتار ۳/۱۸۵۔

(ب) وہ زمینیں جو اگرچہ ابتداءً کسی شخص خاص کی ملک تھیں۔ مگر وہ لاوارث مر گیا اور یہ زمین بیت المال میں داخل ہوگئی۔ اس قسم کی زمینوں کو اصطلاح فقہاء میں اراضی مملکت یا اراضی حوز یا اراضی سلطانیہ کہا جاتا ہے۔(۱)

(ج) جس صورت میں مفتوح ملک کی مملوکہ زمینیں غانمین میں تقسیم کی جائیں جس کی تفصیل اراضی مملوکہ کے بیان میں آئندہ آئے گی۔ تو ان میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا نکالا جائے گا۔ یہ زمینیں بھی اراضی بیت المال میں شامل ہوں گی۔

(د) جب کوئی ملک جنگ کرکے قہرًا و غلبہ کے ساتھ فتح کیا جائے تو اس کی مملوکہ زمینوں میں امام کو یہ بھی اختیار ہے کہ پوری اراضی مملوکہ کو بیت المال کے قبضہ و تصرف میں لے لے۔ نہ غانمین میں تقسیم کرے نہ اصل مالکوں کی ملک میں رکھے۔ اس صورت میں یہ سب اراضی بھی اراضی بیت المال ہو جائیں گی۔

(ہ) قہرًا فتح ہونے کی صورت میں یہ بھی اختیار ہے کہ اراضی مملوکہ میں سے خاص خاص زمینوں کو بیت المال کیلئے مخصوص کرلے۔ جیسے حضرت عمر فاروق رضؓ نے عراق کی زمینوں سے یا کسریٰ اور اس کے متعلقین کی زمینیں اور جو شخص زمین چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس کی زمین جو شخص معرکہ میں قتل ہوگیا اس کی اراضی"۔

"اسی طرح خاص خاص دوسری زمینیں بیت المال کے لئے مخصوص فرمائی تھی اور انھیں میں سے لوگوں کو جاگیریں دیتے تھے۔ امام ابویوسفؒ کی کتاب الخراج اور امام ابو عبید کی کتاب الاموال میں اس کی تفصیل مذکور ہے"۔

حدیث میں ہے:

عادی الارض للّٰه و للرسول ثم هي لکم قال ابوعبید والعادی کل ارض کان بها ساکن فی اٰباد الدهر فانقرضوا فلم یبق منهم انیس فصار حکمها الی الامام۔(۲)

اراضی بیت المال کا حکم عشر و خراج کے بارے میں

خراج مقاسمہ اور خراج موظف

علامہ شامی رحؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی زمینوں کا حکم یہ ہے کہ امام کو اختیار ہے۔ اس کے لئے جائز ہے

(۱) شامی ۳/۲۵۳ باب العشر والخراج (۲) اموال ابی عبید ۲۷۸۔ اسلام کا نظام اراضی ۱/۱۸-۱۷۔

کہ اس قسم کی زمینیں کسانوں کو دیوے یا تو کسانوں کو قائم مقام مالکین کے بنادے زراعت میں اور خراج ادا کرنے میں یا کسانوں کو یہ زمین محض اجرت کے طور پر دیدے۔ اجرت خراج کے بقدر ہو۔ امام کے حق میں یہ خراج ہوگا اور کسانوں کے حق میں محض اجرت ہوگی۔ نہ اس کو عشر کہیں گے نہ خراج۔

پھر یہ اجرت اگر دراہم و نقد کی صورت میں مقرر ہوئی ہے تو یہ خراج موظف کہلائے گا۔ اور بعض پیداوار کے عوض زمین دی ہے۔ پیداوار اجرت ہے تو یہ خراج مقاسمہ کہلائے گا۔ جو بھی لیا جائے گا وہ محض اجرت ہوگی۔

علامہ شامی فرماتے ہیں۔ اس بنیاد پر ان کسانوں پر نہ عشر ہے نہ خراج۔ ہاں صاحبینؒ کے قول کے مطابق مستاجر پر عشر آتا ہے۔ اس لئے عشر کا احتمال ہے۔ لیکن تمہیں معلوم ہے کہ یہ کلی طور پر اجرت بھی نہیں ہے۔ بلکہ امام کے حق میں خراج ہے۔ اور عشر و خراج مجتمع نہیں ہو سکتے۔ فرماتے ہیں میں نے فتاوی خیریہ میں یہ مسئلہ دیکھا ہے کہ وقف کی زمین میں کسان عامل بالحصہ ہوتا ہے اور مستاجر کے مانند ہوتا ہے۔ اس پر خراج نہیں ہوتا۔ اسعاف میں ہے کہ وقف کا متولی وقف کی زمین مزارعت پر دیدے تو عشر و خراج اہل وقف کے حصہ میں آئے گا۔ اس لئے کہ یہ معنوی اجارہ ہے۔ تو اسی طرح بیت المال کی زمین کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ جب مزارعت پر دی جائے تو کسانوں سے لیا ہوا مال بدلِ اجارہ ہے (اجارہ کا بدل) خراج نہیں ہے۔ چنانچہ کمال وغیرہ نے صراحت کی ہے کہ یہ خراج مقاسمہ ہے۔

اس کے ایک اشکال کا جواب دیا ہے۔ کہ اس صورت میں یہ استیجار الارض ببعض الخارج منہا میں داخل ہوگا۔ اس لئے اجارہ فاسدہ ہوگا۔ تو جواب یہی ہے کہ اس کو مزارعت قرار دیا جائے گا جو معنوی اجارہ ہے حقیقی اجارہ نہیں ہے اسی لئے فتح القدیر میں فرمایا کہ ماخوذ بدل اجارہ ہے۔(۱)

بیت المال کی کسانوں کو دی ہوئی زمینوں کا حکم

جب یہ اراضی بیت المال کسانوں کے قبضہ میں ہوں تو جب تک خود پر واجب الادا فریضہ کو ادا کرتے رہیں گے زمینیں ان سے واپس نہیں لی جائیں گی۔ البتہ کسان ان زمینوں کو فروخت بھی نہیں کر سکتے۔ ہاں کسانوں کی اولاد ہو تو یہ زمینیں زراعت کے لئے ان کی طرف منتقل ہو جائیں گی۔ اس انتقال کا کوئی عوض نہیں لیا جائے گا۔

اگر کسان لاوارث مر جائے یا تین سال تک زراعت نہ کرے۔ زمین کو بیکار چھوڑے رکھے یا کم و بیش

---

(۱) ردالمحتار ۴/۱۸۰۔

مدت جس سے زمین کے قابل کاشت رہنے میں نقصان آتا ہو تو دوسرے کسان کو دیدی جائے گی، سلطان یا نائب سلطان کی اجازت کے بغیر کسی بھی کسان سے لیکر دوسرے کو نہیں دی جاسکتی

ثم اعلم أن أراضي بيت المال المسمى بأراضي المملكة وأراضي الحوز إذا كانت في أيدي زراعها لاتنزع من أيديهم الخ. (۱)

محور ثانی

محور ثانی کے بارے میں آپ کی موعود معلومات موصول نہیں ہوئی ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی کتاب "اسلام کا نظام اراضی" میں جو تحقیق پیش فرمائی ہے۔ اسی کے حوالہ پر اکتفاء کیا جارہا ہے کیونکہ وہ عمدہ تحقیق ہے اور بندہ اس سے متفق ہے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابْ

---

(۱) ردالمحتار ۴/۱۸۰۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اسلام کا نظامِ عشر و خراج سے متعلق جوابات

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی

محورِ اوّل: عشر و خراج کی حقیقت

اسلامی نظام محاصل و مالیات کے قدیم ترین مآخذ کتاب الخراج لابی یوسف و لیحیی بن آدم القرشی اور کتاب الاموال لابی عبید القاسم بن سلام وغیرہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے درج ذیل چار طرح کی زمینوں کو عشری قرار دیا ہے۔

(۱) وہ زمینیں جن کے مالکین کسی جنگ و جدال کے بغیر مسلمان ہو گئے ہوں۔

(۲) وہ زمینیں جو بزور قوت فتح ہوئی ہوں اور انھیں مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا ہو۔

(۳) عام سرکاری زمینیں جو کسی مسلمان کو بطور جاگیر دی گئی ہوں۔

(۴) افتادہ زمینیں جنھیں کوئی مسلمان قابل کاشت بنالے۔

وہ ممالک جو کسی صلح یا معاہدہ کے ذریعہ اسلامی حکومت کے زیر نگیں ہوئے ہوں وہاں کی زمینوں کے ساتھ معاملہ حسب معاہدہ ہوگا۔

وہ علاقے جو بزور قوت فتح ہوئے ہوں اور ان کی زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کرنے کے بجائے ان کے قدیم مالکین کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی ہوں وہ سب خراجی زمینیں سمجھی جائیں گی۔ خراجی زمینوں کے مالکین مسلمان ہو جائیں یا حسب اختلاف مسلمانوں کو فروخت بھی کر دیں تو بھی خراج ساقط نہیں ہوگا۔

کتاب و سنت، تعامل عہد صحابہ و تابعین اور فقہاء امت کے اجتہادات کو پڑھنے کے بعد راقم اس نتیجہ پر پہنچا کہ عشر و خراج دو الگ الگ مستقل واجبات ہیں جو ایک دوسرے کے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔ عشر از قسم زکاۃ ہے جس کی قرآن و حدیث میں بار بار تاکید آئی ہے اور جو کہ از ارکان اسلام ہے۔ یہ زرعی پیداوار پر ہے

اس کا ایک نصاب ہے اس کے مصارف زکاۃ کے مصارف ہیں۔ اور کسی بھی حال میں ناقابل اسقاط ہے جبکہ خراج کی تفصیلات قرآن وحدیث میں نہ کے برابر ہیں۔ اس کا کوئی نصاب نہیں، یہ زمین کے رقبہ پر بھی رہا ہے جیساکہ شروع سے ہارون رشید کے ابتدائی عہد تک تھا، اور پیداوار کی بٹائی پر مبنی ہو سکتا ہے جیساکہ امام ابویوسف کے مشورہ پر خلیفہ ہارون رشید نے اختیار کیا تھا۔ اس کے علاوہ خراج کے مصارف عشر کے مصارف سے الگ ہیں۔ خراج کا شمار اموال مصالح میں سے ہے جس کے مستفیدین بشمول خراج دہندہ سارے شہری ہیں۔ بہتر ہے کہ عشر وزکاۃ کا نظم بھی حکومت کی جانب سے ہو مگر حکومت کی غیر موجودگی بلکہ خود موجودگی میں بھی اس فریضہ کی ادائیگی افراد کے ذمہ کی جاسکتی ہے جب کہ خراج کا تصور بغیر حکومت کے عجیب وغریب معلوم ہوتا ہے۔ خراج بنیادی طور سے سرکاری اخراجات کے لئے حکومت کا ایک اہم ذریعۂ آمدنی ہے۔ اس کی ادائیگی کی شکل شرح اور دیگر تفصیلات حکومت طے کر سکتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں جو بھی حکومت ہے وہ جس شکل میں بھی زمین کا خراج وصول کرتی ہے اس سے مسلمان بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ اگر وہ بالکل معاف کر دیتی ہے تو مسلمانوں کو اپنے طور پر خراج نکالنے کا مکلف نہیں بنایا جاسکتا۔ خراج چوں کہ زمین پر ہے اس لئے اس کو پیداوار کی لاگت میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

محور دوم

محور دوم سے متعلق ضروری معلومات فراہم نہیں کی گئیں۔

محور سوم

محور سوم سے متعلق بھی ضروری معلومات کا انتظار ہے۔

محور چہارم

۱۔ قانون تنسیخ زمینداری کے بعد معاوضہ دے کر حکومت نے جو زمینیں لے کر تقسیم کر دیں اب ان کے مالک وہی ہیں جن کو وہ مل گئی۔ میرا خیال ہے کہ اب اسلامی حکومت بھی ان کو حالت سابقہ پر لانے کی پابند یا مجاز ہو گی یا نہیں؟ قابل غور مسئلہ ہے جو نئی صورت حال پیدا ہونے پر اس وقت کے علماء حل کریں گے۔ اس وقت تو ملکیت کا جو حق قائم ہو چکا ہے اسے تسلیم کرنا ہو گا۔ مذکورہ بالا محور اول کی بحث سے یہ واضح ہے کہ یہاں ہر مسلمان کو عشر دینا ہے، رہا خراج کا معاملہ تو یہ

حکومت کے طے کرنے کا ہے۔ اس کے خراج عائد کرنے یا نہ کرنے سے عشر کے فریضہ کی ادائیگی پر اثر نہیں پڑنا چاہئے۔ اس لئے راقم کے خیال میں اب اس بحث میں پڑنا فضول ہے کہ ہندوستان کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی۔ یہاں کی ہزار سالہ تاریخ میں حکومتوں کے بے شمار تغیرات کے بعد اس کا پتہ لگانا بھی مشکل ہے اور اس کا کوئی خاص حاصل بھی نہیں اگر ہم جمہور ائمہ کی رائے کو مان لیں۔

۲۔ جن اراضی کا عشری وخراجی ہونا متعین نہ ہو سکے ان کے مالکان پر فرض ہے کہ پیداوار پر عشر نکالیں اور حکومت کو خراج دیں۔ احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے اور اس کے حق میں قوی دلائل بھی ہیں۔

۳۔ بے شک سرکار کو دی جانے والی مال گذاری خراج کے حکم میں ہے۔

۴۔ اگر ہندوستان میں کچھ زمینیں عشری اور کچھ خراجی کا پتہ بھی چل جائے تو صورت مسئلہ میں کوئی فرق نہیں واقع ہوگا، مسلمان کو پیداوار عشر یا نصف عشر نکالنا ہے۔ رہا خراج کی ادائیگی کا مسئلہ تو میرے علم کی حد تک تاریخ اسلام میں انفرادی یا رضا کارانہ خراج نکالنے کی کوئی مثال نہیں ملتی اس لئے مسلمانوں کو اپنے طور پر خراج نکالنے اور اس کی خود شرح متعین کرنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔ خراج کی ادائیگی بھی عبادت ہے۔ اگر عبادت کے محدود معنی میں نہیں تو عمومی معنی میں اس کی ادائیگی بھی عبادت ہوگی۔

۵۔ علامہ یوسف القرضاوی نے فقہ الزکاۃ جلد۔ ۱ صفحات ۳۹۱۔ ۳۹۹ میں اس مسئلہ پر کافی وشافی بحث کی ہے اس سے اتفاق کرتے ہوئے ان دلائل کو دہرانے کے بجائے ان پر ایک اور نکتہ کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ غیر معمولی اخراجات کو عشر کی ادائیگی سے قبل وضع کر لینا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر کھاد دوا وغیرہ پر خرچ قرض لے کر کیا گیا ہے تو وضع دین پر سبھی کا اتفاق ہے لیکن اگر ان چیزوں پر اپنی رقم لگائی ہے تو یا تو وہ صاحب نصاب نہیں ہوگا اس شکل میں گویا ہم اس کی اس رقم پر بھی زکاۃ عاید کریں گے جو پیداوار میں لگی ہے لیکن اگر وہ صاحب نصاب ہے جو اس کی اور رقموں کے ساتھ اس پیسہ پر زکاۃ دی گئی ہوگی جو اس نے کھاد دوا وغیرہ پر صرف کی ہے اس شکل میں ہم اس رقم پر دوبارہ زکاۃ عاید کریں گے کیوں کہ وہی رقم اس پیداوار میں لگی ہوئی ہے۔ غرضیکہ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ غیر معمولی اخراجات کو عشر کی ادائیگی سے قبل

منہا کر لیا جائے۔ بہت سے صحابہ کے آثار سے اس کی تائید ہوتی ہے پھر نصف عشر کی علت بھی اس کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۶۔۔۔۔ جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے ان میں مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مالک اور بٹائی دار دونوں پر ان کے حصوں کے مطابق عشر واجب ہو بشرطیکہ ان کا حصہ نصاب بھر پہنچے یا اس کے علاوہ ان کے پاس اور زمینیں ہو جن کی پیداوار سے ملا کر نصاب پورا ہو جاتا ہو۔ اگر ان میں سے صرف ایک کا نصاب پورا ہوتا ہو تو صرف اسی کو اپنے حصہ کا عشر دینا چاہیے۔ یہ اس شکل میں جبکہ دونوں حصہ دار مسلمان ہوں، اگر ان میں سے ایک مسلمان ہے تو وہ اپنے حصہ کی پیداوار کا عشر یا نصف عشر نکالے۔ غیر مسلم پر عشر واجب نہیں ہوگا۔

محور پنجم

۱۔۔۔۔ جمہور ائمہ کے نزدیک زرعی پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب نہیں ہوگا بلکہ اسی وقت عشر واجب ہوگا جب کہ پیداوار پانچ وسق (تقریباً ساڑھے چھ سو کلو گرام) ہو۔ اس سے کم پر عشر واجب نہیں، میری ناچیز رائے میں جمہور کا مسلک قوی ہے۔

۲۔۔۔۔ زمین پر جس چیز کی بھی کھیتی کی جائے اس پر عشر واجب ہونا چاہیے بشرطیکہ وہ نصاب بھر ہو۔ پانی میں کاشت کی جانے والی چیزیں بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہونی چاہئے۔

۳۔۔۔۔ مچھلی اور مرغی جیسی جاندار چیزوں کی فارمنگ کی زکاۃ کے سلسلہ زکاۃ الاموال کا حکم جاری کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۴۔۔۔۔ ریشم کی پیداوار پر بھی زکاۃ الاموال کا معاملہ ہونا چاہئے۔

۵۔۔۔۔ وہ درخت جن سے پھل مقصود نہیں ہوتا بلکہ ان کی پرورش و پرداخت لکڑی کے حصول کے لئے ہوتی ہے ان درختوں کی فروخت کے وقت ان پر زکاۃ الاموال واجب ہونی چاہئے۔

۶۔۔۔۔ خضراوات جو تجارت کے لئے اگائی جاتی ہیں ان پر زکاۃ تمام واجب ہونی چاہئے۔ اس رائے کی موافقت میں قدماء کے بعض اقوال مروی ہیں[۱] جو سبزیاں چھوٹوں یا کچن گارڈن میں اگائی

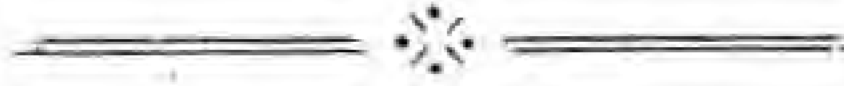
---

[۱] کتاب الخراج لیحییٰ بن آدم ص۱۲۵، کتاب الاموال لابی عبید ص۵۰۲

جاتی ہیں اور جن کی پیداوار نہ تو خمسہ وسق اناج کو اور نہ ہی دو سو درہم چاندی کو پہنچتی ہیں ان پر زکاۃ نہیں ہونی چاہئے، البتہ ان کے تزکیہ کے لئے ضروری ہے کہ آس پڑوسی کے محروم لوگوں کی بھی تواضع کی جائے۔

۷ ـــــــ وقف فی سبیل اللہ ہو تو اس پر عشر نہیں واجب ہوگا۔ اس طرح کی شکل کے بارے میں علماء پہلے ہی رائے دے چکے ہیں۔ راقم کے نزدیک وقف علی الاولاد کی اراضی پر عشر ہونا چاہئے۔

والله اعلم بالصواب



[illegible]

عشر و خراج سے متعلق سوالوں کے جوابات

مولانا نعیم الدین ——————— استاذ جامعہ اسلامیہ، بدرپور، آسام

محور اول۔ عشر و خراج کی حقیقت :۔ اسلام نے کن اراضی کو عشری قرار دیا اور کن کو خراجی؟ عشری اور خراجی زمینوں کے درمیان بنیادی فرق کیا ہے؟ اس سلسلہ میں کتاب وسنت، تعامل عہد صحابہ و تابعین اور فقہائے امت کے اجتہادات سے ہمیں کیا روشنی ملتی ہے؟

جواب ۔ جن ممالک پر اسلام کا غلبہ ہوگیا اور خلیفہ نے وہاں کی زمینیں مفتوحین کفار کے قبضہ میں رہنے دیں یا جن ممالک کفار سے صلح ہو گئی اور وہ اسلامی حکومت میں داخل ہو کر ذمی بن گئے ان کی زمینیں خراجی کہلاتی ہیں۔ اسی طرح جن ممالک پر قہراً یا صلحاً اسلام کا غلبہ ہوگیا ہو اور وہاں کے تمام باشندے خود بخود مسلمان ہو گئے ہوں اور ان کی تمام زمینیں بدستور ان کی ملکیت میں برقرار رکھی گئی تو ان کی یہ تمام زمینیں عشری قرار دی جائیں گی۔ وہ ایسی زمینیں جو ملک فتح ہونے کے وقت نہ کسی کی ملک تھی نہ قابل زراعت۔ بعد میں ان کو اسلامی امیر کی اجازت سے قابل زراعت بنالی گئی۔ یا آبادی میں کوئی مکان تھا اس کو باغ یا مزروعہ زمین بنالیا گیا تو اگر ایسا کرنے والے غیر مسلم ہیں تو ان کی یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی۔ اور اگر مسلمانوں نے اس زمین کو قابل کاشت بنایا ہے تو ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قرب وجوار کی زمینوں پر ہوگا۔ وہ عشری ہیں تو ان کو بھی عشری قرار دیا جائیگا۔ اور اگر قرب وجوار کی زمینیں خراجی ہیں تو ان کو بھی خراجی سمجھا جائے گا۔ اور اگر قرب وجوار میں دونوں قسم کی اراضی ہوں تو یہ نو آباد اراضی عشری ہوں گی۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک مدار اس پانی پر ہوگا کہ جس پانی سے ان زمینوں کو سیراب کیا جاتا ہے وہ پانی عشری ہے تو زمین عشری کہلائے گی اور وہ پانی خراجی ہے تو زمینیں بھی خراجی قرار دی جائیں گی۔ اور علامہ

شامیؒ نے قول ابویوسفؒ کو معتمد قرار دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ملک کی اول فتح کے وقت اسلامی حکومت نے جو زمین کسی کافر کی ملکیت تسلیم کرلی وہ خراجی ہے اور جو کسی مسلمان کو دے دیا وہ عشری ہے۔ اسی طرح زمین کا عشری اور خراجی ہونے میں پانی کا بھی دخل ہے لہذا فقہاء کرام نے اس کی بھی تصریح کردی کہ بارش کا پانی اور کنوؤں اور قدرتی چشموں کا پانی اسی طرح بڑے دریا اور ندیاں جو قدرتی طور سے جاری ہیں نہ ان کے جاری کرنے میں کسی کے عمل دخل ہے اور نہ وہ عادۃً کسی کی ملک ہوتی ہیں جیسے عراق میں دجلہ و فرات، مصر میں نیل، خراسان میں سیحون و جیحون اور ہندوستان میں گنگا جمنا اور پنجاب کے بڑے دریا یہ سب عشری پانی ہے۔ مگر بڑے دریاؤں کے پانی کے بارے میں امام ابویوسفؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک وہ بھی خراجی ہے۔ اور وہ نہریں جو حکومت یا کسی جماعت نے اپنی محنت اور خرچ کے ذریعہ نکالی ہیں وہ عادتاً نکالنے والوں کی ملک ہوتی ہیں جیسے ان دریاؤں سے نکلنے والی نہریں نہر گنگ، جمن وغیرہ۔ وہ چوں کہ فتح اسلام سے پہلے غیر مسلموں کی ملک تھی اس لئے ان کا پانی خراجی پانی ہے۔ عام طور پر اراضی کا عشری یا خراجی ہونے کا مذکورہ بالا ضابطے ہیں جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث و تعامل صحابہ اور آیات قرآنیہ سے فقہاء کرام نے استنباط کئے ہیں۔

ان کے علاوہ خصوصی طور پر بعض بعض موقع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور اجماع صحابہ کی وجہ سے ان ضوابط کا خلاف پایا گیا لہذا ان صورتوں کو بھی استثنائی طور پر ہمیشہ کے لئے اپنی جگہ میں خود بخود علیحدہ ایک اصول کی حیثیت سے قائم رکھا گیا جیسے مکہ مکرمہ قہراً ختم ہوا اس کی زمینیں حضور صلی اللہ علیہ سلم نے مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ سابق مالکان کو ان پر برقرار رکھا ضابطہ کے طور پر وہ ہمیشہ کے لئے خراجی مانا جاتا لیکن صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اس معاملہ میں قیاس کو چھوڑ دیا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احتراماً حرم کی وجہ سے اس کی زمینوں پر خراج عائد نہیں فرمایا اس لئے مکہ مکرمہ کی زمینیں عشری ہیں۔ اسی طرح شہر بصرہ جو حضرت عمر فاروق رضؓ کے زمانۂ خلافت میں بسایا گیا یہ غیر آباد زمین تھی مسلمانوں نے اس کو آباد کیا اور قابل زراعت بنایا مگر اس کا محل وقوع عراق کی خراجی زمینوں کے متصل ہے اس لئے امام ابویوسفؒ کے قول پر ضابطہ مذکورہ کا مقتضی یہ تھا کہ اس کی زمینیں بھی خراجی قرار دی جائیں مگر باجماع صحابہ کرام اس کی زمینوں پر عشر عائد کیا گیا اس لئے یہ ہمیشہ کے لئے عشری ہیں۔

پورے جزیرۃ العرب کی زمینوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشری قرار دیا ہے اور خلفاء

راشدین اور بعد کے ملوک اسلام نے بھی اسی طرح جاری رکھا ہے۔ علامہ شامی ؒ نے نقل کیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں پانچ خطے شامل ہیں، تہامہ، نجد، حجاز، عروض، یمن۔ اسی طرح عراق عرب کی کل زمینیں خراجی ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضؓ نے جب اس ملک کو فتح کیا تو تمام صحابہ کرام کے سامنے اس کی زمینوں پر خراج کا حکم جاری فرمایا۔ اسی طرح اراضی مصر و شام میں بھی جن پر مالکان سابق کو بدستور قائم رکھا گیا ان پر خراج عائد فرمایا گیا اسی طرح بدائع میں ذکر کیا گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاری بنی نجران سے ایک خاص طرح کے خراج پر صلح فرمائی وہ یہ ہے کہ دو ہزار جوڑے کپڑے کے سالانہ ادا کریں، نصف ماہ رجب میں اور نصف ماہ محرم میں اور یہی طریقہ بعد تک جاری رہا۔ نصاری بنی تغلب سے حضرت عمر فاروق رضؓ نے اس پر مصالحت فرمائی کہ ان سے خراج کے بجائے دوگنا عشر وصول کیا جائے مگر شرعی حیثیت سے یہ دوگنا عشر بھی بحکم خراج تھا اور خراج ہی کے مصارف میں صرف ہوتا تھا۔

"واصل الخراج کل بلدۃ فتحت عنوۃ ولم یسلم اهلها ان قسمها الامام بین الغانمین فهی عشریة وان من علیهم فهی خراجیه ان کان یصل الیها ماء الخراج وهوما ء الا نهار التی حفرتها الاعاجم واما السیحون والجیحون والدجلة والفرات فانها خراجیه عند ابی یوسفؒ - وکل بلدۃ فتحت صلحا وقبلوا الجزیة فهی ارض خراج وکل بلدۃ فتحت عنوۃ واسلم اهلها قبل ان یحکم الامام فیهم بشیٔ کان الامام فیهم بالخیار ان شاء قسمها بین الغانمین وتکون عشریة وان شاء منّ علیهم وبعد المن الامام بالخیار ان شاء وضع العشر وان شاء وضع الخراج ان کانت تسقی بماء الخراج" [1]

فتح القدیر میں ہے :

"وحاصله تقسیم ارض الخراج الی مایفتح عنوۃ والی مالم یفتح عنوۃ لکنها تسقی بماء الانهار نعم یجب تقیید الاول بان یقرا هلها علیها

---

[1] خلاصة الفتاوی کتاب الزکوة ۱/۲۳۶

بالضرورة وكان هذا معلوم اذلايبتدأ المسلم في اول الفتح قط بتوظيف الخراج في الاراضي المقسومة كما يجب تقييد الانهار فانها لاتكون خراجيه ما لم تكن حولها الانهار العظام كالنيل والفرات۔ والحاصل ان التي فتحت عنوة ان اقر الكفار عليها لايوظف عليهم الا الخراج ولو سقيت بماء المطر وان قسمت بين المسلمين لايوظف الا العشر وان سقيت بماء الانهار واذا كان كذلك فبالضرورة يراد الارض التي احياها يجي فان التي فتحت عنوة مما يبتدأ فيها التوظيف غير المقسومة والمقرر اهلها عليها ليس الا الموات التي احييت۔ ويصير المعنى كل ارض فتحت عنوة صارت ارض خراج اذا اقام اهلها عليها وكل ارض لم يفتح عنوة بل احياها مسلم ان كان صفتها انها يصل اليها ماء الانهار فهي خراجيه او ماء عين ونحوه فعشرية وهذا قول محمد وهو قول ابي حنيفة ولو شرحه هكذا استغنى به عن ذكر المسئلة التي نانهما هي۔ وحاصلها ان محمد اقال فيمن احيا ارضا ميتته ببئر حفرها او عين استخرجها او ماء دجلة والفرات او باقي الانها العظام التي لايملكها احد او بالمطر فهي عشرية وان احياها بماء الانهار التي شقتها الاعاجم مثل نهر الملك ونهر يزدجرد وهو ملك من العجم فهي خراجيه لان الاعتبار في مثله للماء لانه السبب لنماء الارض ولانه لايمكن توظيف الخراج على المسلم ابتداءً كرها فيعتبر السقي لان السقي بماء الخراج دلالة على التزامه فتصير خراجيه عليه۔ (وعند ابي يوسف تعتبر لحيزها) اي بمايقرب منها (فان كانت من حيز ارض الخراج اي بقربه فخراجيه او ارض العشر فعشريه) لان القرب من اسباب الترجيح فترجح كونها خراجيه الخراج والعشريه كذلك[1]

---

[1] فتح القدير لابن الهمام ج/۳۶۰

بدائع میں ہے :

" وجملة الكلام فيه ان الاراضى نوعان عشرية وخراجية اما العشرية فمنها ارض العرب كلها قال محمدٌ وارض العرب من العذيب الى مكة وعدن ابين الى اقصى حجر باليمين بمهرة وذكر الكرخى هى ارض الحجاز وتهامة واليمين والمكة والطائف والبريه وانما كانت هذه ارض عشر لان رسول الله صلى الله عليه وسلم والخلفاء الراشدين بعدهٗ لم يأخذوا من ارض العرب خراجًا فدل انها عشرية اذ الارض لا تخلو من احدى المؤنتين ولان الخراج يشبه الفئ فلا يثبت فى ارض العرب كما لم يثبت فى رقابهم والله اعلم ۱۲"[1]

محورِ چہارم : اراضی ہندوستان کی شرعی حیثیت کے بارے میں چند سوالات اور جواب۔

۱ــــ ۱۹۴۷ء کی آزادی اور قانون تنسیخ زمین داری کے بعد ہندوستان کی زمینوں کا کیا حکم ہے؟ یہاں کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی؟ اگر کچھ زمینیں عشری ہیں اور کچھ خراجی تو ان کی تفصیل کیا ہے؟ کس بنیاد پر کس زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا؟

جواب :۔ موجودہ ہندوستان کے کچھ اراضی خراجی اور کچھ عشری ہیں اور اس بارے میں فیصلہ کرنے کی بنیادی اصول وضوابط محور اول میں تفصیل کے ساتھ بیان کردئے گئے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ملک کی اول فتح کے وقت اسلامی حکومت نے جو زمین کسی کافر کی ملکیت تسلیم کرلی وہ خراجی ہے اور جو کسی مسلمان کو دے دی وہ عشری ہے۔

اسی طرح جن اراضی پر حکومت ہند کا مالکانہ قبضہ حاصل ہوگیا اور اس کے بعد وہ اراضی مسلمان یا غیر مسلمان میں تقسیم کرکے دے دیا تو ان پر غیر مسلم کی استیلائی وجہ سے خراجی قرار دیا جائے گا اور وہ اراضی جو زمانہ قدیم سے مسلمانوں کی ملکیت میں چلی آئی ہیں اور کسی زمانہ میں بھی ان اراضی پر کسی غیر مسلم کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے وہ عشری ہوگی۔

---

[1] بدائع ۱۵۷/۲

اراضی ہند کے بارے میں مولانا مفتی شفیعؒ صاحب نے جواہر الفقہ[1] کے صفحات میں جو تحقیقات ذکر فرمائے ہیں میرے خیال میں یہی بہت موافق وصواب اور معتمد ہے۔

اس پر زمینوں کے عشری اور خراجی ہونے کے معاملہ میں ایک اشتباہ فقہاء کی بعض روایات سے پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ دارالحرب کی زمینیں نہ عشری ہوتی ہیں نہ خراجی۔ یہ مضمون علامہ ابن عابدین شامی نے درمختار باب الرکاز میں خمس معادن کے وجوب کی شرط فی ارض خراجیہ او عشریہ کے تحت بالفاظ ذیل لکھا ہے:

"ویحتمل ان یکون احترازا عما وجد فی دار الحرب فان ارضھا لیست ارض خراج وعشر"[2]

اسی طرح شمس الائمہ سرخسیؒ نے امام محمد کی کتاب سیر کبیر کی شرح میں ایک مسئلہ کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا:

"لان العشر والخراج انما یجب فی ارض المسلمین وھذہ اراضی اھل الحرب لیست بعشریۃ ولا خراجیہ"[3]

حضرات فقہاء مذکورہ ارشادات سے بعض اہل علم کو یہ اشتباہ پیدا ہوگیا کہ جب انگریزی تسلط کے بعد ہندوستان دارالحرب قرار دے دیا گیا تو اس کی سب زمینیں خواہ وہ غیر مسلموں کے ملک میں ہوں خواہ مسلمانوں کی ملکیت میں نہ عشری رہیں نہ خراجی۔ پھر اس کے نتیجہ میں بعض علمائے تو ہندوستان کے مسلم مالکان اراضی کو بالکلیہ عشر وخراج سے سبکدوش قرار دے دیا اور بعض اہل علم نے قرآن وسنت کی نصوص کے عموم واطلاق سے یہ ثابت کیا کہ اصل وظیفہ مسلمان کی زمین کا عشر ہے۔ خواہ وہ کسی ملک اور کسی جگہ میں ہو اور کسی کافر کی ملکیت سے منتقل ہو کر مسلمان کے پاس آئی ہو یا اول ہی سے مسلمان کی ملک ہو کیونکہ آیت قرآنی واتوحقہ یوم حصادہ عام ہے۔ اسی طرح آیت کریمہ یاایھا الذین امنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض الخ بھی تمام اراضی کے لئے عام ہے۔ اس عموم کا اقتضاء یہ تھا کہ جن زمینوں پر خراج عائد ہو چکا ہے جب وہ مسلمان کی ملکیت میں آجائیں تو ان پر خراج کے ساتھ عشر بھی لازم ہو مگر رسول کریم

---

[1] جواہر الفقہ ۲/۲۶۳ - ۲۶۶

[2] شامی ج-۲، باب الرکاز [3] شرح سیر ۴/۴۳

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا یجتمع علی مسلم خراج وعشر (رواہ ابن عدی فی الکامل از فتح القدیر)

اس حدیث کی وجہ سے خراجی زمین جب مسلمان کی ملک میں آجائے تو اس پر عشر لازم نہیں کیا جاتا۔ یہ سب مضمون مع حدیث مذکور کے محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں بیان فرمایا ہے ـــــ اس کا حاصل یہ ہے کہ خراجی زمین جو مسلمانوں کی ملکیت میں آجائے تو اس پر بھی قاعدہ سے عشر لازم ہونا چاہئے تھا۔ مگر چوں کہ اس پر ایک وظیفہ خراج کا پہلے سے عائد ہوچکا ہے اس لئے دوسرا وظیفہ عشر کا عائد نہیں کیا جا سکتا جس سے معلوم ہوا کہ اگر اس زمین پر خراج نہ ہوتا تو عشر ضرور لازم ہوتا۔

اب مذکور الصدر حکم دار الحرب کو دیکھا جائے کہ اس کی اراضی نہ عشری ہیں نہ خراجی اس قانون کی رو سے خراج کا حکم اراضی ہندوستان سے ساقط ہوگیا اس لئے اصل وظیفہ جو عشر تھا وہ عود کر آیا اور جتنی زمینیں مسلمانوں کی ملکیت میں ہیں خواہ وہ پہلے عشری تھیں یا خراجی لیکن دار الحرب ہونے کے بعد ان میں سے جو بھی مسلمانوں کی ملکیت ہیں وہ سب عشری سمجھی جائیں گی اور سب پر عشر لازم ہوگا۔

یہ وہ تحقیق ہے جو بعض علماء اہل عصر نے لکھی ہے لیکن اول تو اس تحقیق میں یہ خامی ہے کہ فقہاء کی جن عبارات کی بنا پر اراضی دار الحرب سے خراج کے ارتفاع کو ثابت کیا گیا ہے انھیں عبارتوں میں عشر کی بھی نفی موجود ہے تو خراج کی نفی سے عشر کا اثبات ان روایات فقہاء سے کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے۔

اور اصل بات یہ ہے کہ خود یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ اراضی دار الحرب کے عشری اور خراجی دونوں سے خارج ہونے کا مطلب کیا ہے۔ غور کرنے پر شرح سیر کی عبارت سے حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے وہ یہ ہے کہ دار الحرب سے اس جگہ وہ دار الحرب مراد ہے جو اصل سے دار الحرب ہے اس پر نہ کسی وقت مسلمانوں کی حکومت رہی نہ وہاں مسلمانوں کے باقاعدہ بسنے اور زمینیں خریدنے کا کوئی تصور ہے ایسے دار الحرب کی زمینیں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ملک نہیں ہوں گی۔ بلکہ اہل حرب کفار کی ملکیت ہوں گی (یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ وجوب عشر کے لئے ملکیت زمین شرط نہیں اسی لئے اراضی وقف پر بھی عشر عائد ہوتا ہے اور مستاجر و مستعیر پر بھی۔ وجہ یہ ہے کہ ان سب اراضی پر تصرف مسلمانوں کا ہے بخلاف اراضی دار الحرب کے کہ وہاں مسلمانوں کا تصرف ہی نہیں) جو احکام شرعیہ فرعیہ کے مخاطب نہیں اس لئے ایسے دار الحرب کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی۔ شرح سیر کی عبارت اس مضمون کے لئے بالکل واضح ہے اور اس کے الفاظ ذیل پر مکرر نظر کی جائے : لان العشر والخراج انما یجب فی الاراضی المسلمین وھذہ اراضی

اھل الحرب (یعنی کیونکہ عشر و خراج مسلمانوں کی زمینوں پر واجب ہوتا ہے اور یہ زمینیں اہل حرب کی ملکیت ہیں)

اس عبارت میں اراضی المسلمین سے مراد وہ اراضی ہیں جو اسلامی حکومت و اقتدار میں داخل ہیں خواہ ملکیت کسی غیر مسلم کی ہو کیوں کہ یہ بات اپنی جگہ متیقن ہے کہ خراج ابتداءً کسی مسلمان کی ملکیت پر نہیں لگایا جا سکتا۔ اس لئے اس جگہ اراضی المسلمین سے اراضی حکومت مسلمہ مراد ہونا واضح ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ حکم ایسے ہی خطہ ملک کے لئے ہو سکتا ہے جہاں ابتدا سے مسلمانوں کی کوئی ملکیت نہیں ہے۔ ہندوستان کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے وہ تقریبًا آٹھ سو برس دارالسلام رہا ہے یہاں لاکھوں مسلمان اپنی اپنی زمینوں کے آج تک مالک چلے آتے ہیں۔ غیر مسلم اقتدار کے وقت اگرچہ ملک کو دارالحرب کہا جائے گا لیکن یہ دارالحرب اصلی دارالحرب سے مختلف ہوگا جو دارالسلام کے بعد پھر دارالحرب بن گیا ہے کہ اس میں املاک مسلمانوں کی موجود ہیں۔

اس لئے شرح سیر اور شامی باب الرکاز کی روایات اس پر منطبق نہیں بلکہ جب یہاں مسلمانوں کی ملکیت میں زمینیں ہیں تو ان پر احکام عشر و خراج کے عائد ہوں گے شرح سیر کی عبارت خود اس کے لئے کافی دلیل ہے۔ امداد الفتاوی میں حضرت سیدی حکیم الامۃ قدس سرہ کی تحقیق بھی اسی کے قریب قریب ہے (جس کا ایک جزو یہ ہے):

> "پس ثابت ہو گیا کہ ان عبارتوں سے اس پر استدلال نہیں ہو سکتا پھر جس اراضی پر خراجی کی تعریف صادق آئے اس پر خراج ہے اور جس پر عشرہ کی تعریف صادق آئے اس پر عشر ہے۔ البتہ درمختار باب الرکاز کی عبارت مشعر ہے عدم وجوب عشر و خراج کو مگر یہ موقوف ہے دارالحرب ہونے پر اور اس میں گنجائش کلام ہے"۔[۱]

اس فتوی میں دارالحرب کے متعلق گنجائش کلام جو ذکر کی گئی ہے اس کی بناء یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ ملک اصل سے دارالحرب نہیں کچھ زمانے سے بن گیا ہے تو اس کے احکام اصل دارالحرب کے احکام سے کچھ مختلف ہوں گے۔

---

[۱] ۲۲ رمضان ۱۳۳۳ھ تتمہ خامسہ صفحہ ۳، امداد الفتاوی ج ۲ ص ۵۳ - ۵۷

خلاصہ یہ کہ جس ملک میں مسلمانوں کی اپنی ملکیت میں زمینیں موجود ہوں ان پر احکام شرعیہ ضرور عائد ہوں گے اگرچہ بداعمالیوں کے نتیجہ میں وہ ملک اسلامی اقتدار سے نکل کر دارالحرب بن گیا ہو اس لئے صحیح صورت حال ہندوستان کے زمینوں کی وہی ہے جو امداد الفتاوی وغیرہ کے حوالہ سے پہلے بیان ہو چکی ہے کہ جن زمینوں کے مالک مسلمان نسلاً بعد نسل چلے آتے ہیں اور کسی زمانہ میں ان پر کسی کافر کی ملکیت کا ثبوت نہیں وہ ابتدا ہی سے مسلمانوں کی جائز ملکیت قرار دے کر عشری سمجھی جائیں گی۔ اور جن زمینوں پر کسی زمانہ میں ان پر کافر کی ملکیت ثابت ہے اور پھر اس سے منتقل ہو کر مسلمان کے قبضہ میں آئی ہے وہ خراجی قرار پائے گی۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

جواب -۲- اور وہ اراضی جو فی الحال مسلمانوں کے قبضہ میں ہے لیکن اس کے پہلے کا حال معلوم نہیں جس کی وجہ سے عشری اور خراجی ہونا معین نہ ہو سکے تو ان کے بارے میں ابتداء سے مسلمانوں کی ملکیت قرار دے کر عشری سمجھی جائیں گی۔ بدلیل الاستصحاب۔

جواب -۳- سرکار کو دی جانے والی مال گذاری خراج کے حکم میں داخل نہیں ہوں گی، کیوں کہ خراج کا مصرف شریعت میں متعین ہے۔ حکومت ہند اس کو علیحدہ کر کے اس مد میں خرچ نہیں کرتی ہے امیر المسلمین اس مد کے آمدنی کو اس کے شرعی مصرف میں خرچ کرنے کا حقدار ہے۔ لیکن ہندوستان میں نہ اسلامی حکومت ہے نہ اسلامی فوج ہے جس کی خدمت کا معاوضہ خراج کے مد سے دیا جائے اور نہ خود وہ حکومت خراج کے اصول وضوابط پر اس کو وصول کرتی ہے بلکہ وہ حکومت ایک خالص ٹیکس ادا کرتے ہیں جس کے ادا کرنے سے خراج کی شرعی ذمہ داری پوری نہیں ہوتی۔ علامہ ہمایونی سندھی کے رسالہ سراج الہندی خراج السندھ میں اس مسئلہ کو بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ کوئی غیر مسلم حاکم اگر مسلمان کی خراجی زمینوں کا خراج کہہ کر وصول کرے تو اس سے خراج ادا نہیں ہو گا بلکہ از خود مسلمانوں کو رقم خراج نکال کر ان کے ان مصارف پر خرچ کرنا واجب ہو گا جو اس ملک میں موجود ہیں۔ مثلاً علماء، طلباء، عام مصالح ملک و اہل اسلام، سرحدوں کی حفاظت اور فوج کے اخراجات اور عمال حکومت۔ مفتیوں قاضیوں وغیرہ کا گذارہ بقدر کفایت، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر و مرمت وغیرہ۔

"وما جباه الامام من الخراج ومن اموال بنی تغلب وما اهداه اهل الحرب الی الامام والجزیة یصرف فی مصالح المسلمین کسد الثغور وبناء القناطر الا الجسور ویعطی قضاة المسلمین وعمالهم وعلماءهم منه ما یکفیهم ویدفع منه ارزاق المقاتلة وذراریهم) یعطی ایضا للمعلمین والمتعلمین وبهذا تدخل طلبه العلم"[1]

بدائع میں ہے:

"وأما مصرف النوع الثالث من الخراج واخواته فعمارة الدین وأصلاح مصالح المسلمین وهو رزق الولاة والقضاة واهل التقوی من العلماء والمقاتله ورصد الطرق وعمارة المساجد والرباطات والقناطر والجسور وسد الثغور واصلاح الانهار التی لاملك لاحد فیها"[2]

علامہ ہمایونی سندھی نے "سراج الہند فی سراج السندھ" میں تحریر فرمایا ہے:

"پس بداں کہ ہر کسے کہ خراج لازم آید اورا لازم است کہ در مصارف خراج کہ در کتب فقہ مبیّن ہست صرف نماید تا عنداللہ زعہدہ آں بیروں آید و در قیامت ماخوذ نہ گردد واما آنچہ حکام نصاری می گیرند پس در اداے خراج محسوب نمی گردد"[3]

"لان الکافرین لیس لهم ولایة اخذ الخراج من المسلمین وایضا لیسوا بمصارف الخراج حتی اذا ادی المسلمون الیهم ما لابنیة الخراج لایخرجون عن عهدته لانهم لیسوا بمقاتلین لااهل الحرب ولا رانعین اعداء الاسلام عنهم وعن دراهم- انتهی-

جواب۔ ۴- شرعی حیثیت سے زمین کے واجبات دو قسم پر ہیں عشر اور خراج۔ عشر مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے اور خراج غیر مسلموں پر اور قاعدہ یہ ہے کہ جو وظیفہ عشر یا خراج کا کسی زمین پر ابتداءً عائد ہو گیا

---

[1] ہدایة مع فتح القدیر ۴/۳۰۳ [2] بدائع ۲/۶۹

[3] جواهر الفقه ۲/۲۶۸

پھر وہ وظیفہ مالک بدلنے سے مبتدل نہ ہوگا لیکن عشری زمین کسی غیر مسلم کی ملک میں منتقل ہوجائے تو فریضۂ عشر کے وہ اہل نہ ہونے کی وجہ سے اس پر عشر واجب نہ ہوگا بلکہ خراج ہی واجب ہوگا۔ اور اگر کسی غیر مسلم کی خراجی زمین کو کوئی مسلمان خرید لے تو اس مسلمان پر خراج ہی واجب ہوگا۔

حکومت اسلام کی طرف سے عائد ہونے کی حیثیت سے ٹیکس ہونے میں دونوں برابر ہیں لیکن عشر فقط ٹیکس نہیں بلکہ اس میں اس سے زیادہ اصلی حیثیت عبادت مالی کی ہے۔ مثل زکوۃ کے۔ اسی لئے اس کو زکوۃ الارض بھی کہا جاتا ہے لہذا اس کی ادائیگی عبادت ہے۔ اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کی کوئی حیثیت نہیں۔

لیکن جب اصول و ضوابط بالا کی بنا پر کوئی مسلمان خراجی زمین کا مالک بن جائے گا تو وہ شریعت کے مکلف ہونے کی حیثیت سے حقوق اراضی کی بنا پر عشر کی ادائیگی کی طرح ادا کرنا واجب ہوجائے گا اور اسی بنا پر وہ عبادت بن جائے گا۔ اگرچہ اصل وضع کے اعتبار سے وہ خالص ٹیکس ہے کیوں اس وقت ذمیوں کا وظیفہ تھا اب وہ مسلمانوں کا وظیفہ بن گیا جو کہ عبادت کا اہل اور پابند ہے۔ اب وہ انفقوا من طیبٰت ما کسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض میں داخل ہوکر اپنا فریضہ ادا کر کے رضائے مولیٰ حاصل کرے گا۔

خراج کا باقاعدہ نظام حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں قائم ہوا چنانچہ سب سے پہلے عراق کی فتح کے بعد انھوں نے تمام قدماء مہاجرین کو مشورہ کے لئے جمع کیا اور ان لوگوں میں حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے مخالف گروہ کی تائید کی بالآخر حضرت عمرؓ نے ایک عام اجلاس کیا جس میں شرفاء انصار سے دس۔ اوس سے پانچ اور خزرج سے پانچ بزرگ شریک ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہوکر ایک نہایت پرزور تقریر کی اور سب نے ان کی رائے سے اتفاق کرلیا۔ اس طریقہ سے صیغۂ خراج کی مشروعیت وجود میں آئی اس کے بعد انھوں نے اراضی کی پیمائشی کام انجام دیا اور آخر کچھ اراضی کو خالصہ قرار دے کر باقی تمام زمینیں مالکان قدیم کے قبضے میں دے دی گئیں اور ان پر حسب ذیل مال گذاری مقرر کی گئی۔

یہ جو حساب لکھا جارہا ہے وہ سلسلہ دارالمصنفین ۱۷ اسوۂ صحابہ نامی کتاب حصہ دوم ص۲۲ کے مطابق ہے:

گیہوں فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ ———————— دو درہم سالانہ

جو فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	———	ایک درہم سالانہ
لیشکر	" ———	چھ درہم سالانہ
روئی	" ———	پانچ درہم سالانہ
انگور	" ———	دس درہم سالانہ
نخلستان	" ———	"
تل	" ———	آٹھ درہم سالانہ
ترکاری	" ———	تین درہم سالانہ

بدایہ مع شرح فتح القدیر میں ہدایہ کی عبارت میں جو مقدار بیان فرمایا گیا اس کا مضمون یہ ہے :

"عام زمینوں پر فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر گندم یا جو یا جو چیز اس میں بوئی جائے اور ترکاری ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور یا کھجور کا باغ جو متصل درختوں پر مشتمل ہو تو فی جریب دس درہم " لہ

شرح میں فرمایا :

"واعلم ان الرواية عن عمرؓ اختلف كثيراً في تقدير الوظيفة-الخ"

مذکورہ بالا عبارات سے خراج کی مشروعیت کا طرز وطریقہ معلوم ہو گیا نیز خاص متعین کوئی شرح موجود نہیں۔ لیکن اصول وضوابط ضرور ملتے ہیں۔ فی الحال ہم اسی کی طرف مراعات کر کے اس کی شرح متعین کریں گے۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے اس زمانہ کی عام پیداوار کا جائزہ لے کر مذکورۃ الصدر چیزوں کا خراج متعین فرمایا۔ اس کے سوا دوسرے پھلوں کے باغات اور دوسرے مختلف قابل کاشت چیزیں جن کا خراج حضرت فاروقؓ نے متعین نہیں فرمایا ان کے متعلق فقہاء رحمہم اللہ نے فرمایا کہ زمین کی پیداوار کی برداشت کے مطابق خراج لگایا جائے جو خمس پیداوار کی مقدار سے کم نہ ہو اور نصف سے زائد نہ ہو۔ اگر اندازہ لگانے کے بعد تجربہ سے ثابت ہو کہ پیداوار اتنی نہیں تو اس کے مناسب کمی کر دی جائے۔

لہ ہدایہ مع شرح فتح القدیر ج ۳۶۱ – ۳۶۲

(یہ تحقیق ہدایہ کتاب السیر کی ہے۔)

بدائع میں ہے:

"لان مبنى الخراج على الطاقة الا ترى ان حذيفة بن اليمان وعثمان ابن حنيف رضى الله عنهما لما مسحاسوا د العراق بامر عمرؓ ووضعا على كل جريب يصلح للزراعة قفيزا ودرهما وعلى كل جريب يصلح للرطبه خمسه دراهم وعلى كل جريب يصلح للكرم عشرة دارهم فقال لهما عمرؓ لعلكما حملتما ما لا تطيق فقالا بل حملنا ما تطيق ولو زدنا لاطاقت - فدل الحديث على ان مبنى الخراج على الطاقة فيقدر بها فيما وراء الاشياء الثلاثة المذكورة فى الخبر۔

واختلف فيما اذا كانت تطيق اكثر من الموضوع انه هل تزاد ام لا فقال ابو يوسفؒ لا تزاد وقال محمدؒ تزاد ووجه قول محمدؒ ان مبنى الخراج على الطاقة على ما بينا فتجوز الزيادة على القدر الموظف اذا كانت تطيقه ولابى يوسف ان معنى الطاقة انما يعتبر فيها وراء المنصوص والمجمع عليه والقدر الموضوع من الخراج الموظف منصوص ومجمع عليه على ما بينا فلا تجوز الزيادة عليه بالقياس۔

واما الخراج المقاسمه فهو ان يفتح الامام بلدة فيمن على اهلها ويجعل على اراضيهم خراج مقاسمه وهو ان يؤخذ منهم نصف الخارج اوثلثه اوربعه وانه جائز لما روى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم هكذا فعل لما فتح خيبر ويكون حكم هذا الخراج حكم العشر ويكون ذلك فى الخارج كالعشر لانه يتعلق موضع الخراج لانه خراج فى الحقيقة والله اعلم ۱۲ ملخصاً

جواب نمبر ۳ کے ضمن میں جو ذکر کیا گیا اس سے سمجھا جاتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر واجب

۱۔ بدائع ۔ ۲۳۰۰۲

ہے کہ جہاں نظام شرعی قائم ہے وہاں اپنی خراجی زمینوں کا خراج بطور خود یا امیر کی معین کردہ عمال کے ذریعہ نکال کر بیت المال میں جمع کر دے اور بیت المال سے امیر شریعت مدارس اسلامیہ اور علماء طلباء وغیرہ جو مصرف شریعت نے معین کر دیا ہے اس میں صرف کریں یا تو خود بخود مصارف خراج میں صرف کر دے

جواب ۔ ۵ ۔ قانون زکوٰۃ میں شریعت اسلام نے ہر قسم کی زکوٰۃ میں اس بات کو بنیادی اصول کے طور پر استعمال کیا ہے کہ پیداوار میں محنت اور خرچ کم ہے اس میں زکوٰۃ کی مقدار زیادہ اور جتنی محنت اور خرچ کسی پیداوار پر بڑھتا جاتا ہے اتنی ہی زکوٰۃ کی مقدار کم ہوتی جاتی ہے۔ لہذا جدید طریق زراعت میں ہونے والے غیر معمولی اخراجات کی وجہ سے عشر نصف عشر ہو جائے گا۔ اور اصل پیداوار سے عشر یا نصف عشر نکالنے کے بعد ان اخراجات کو باقی سے لیا جائے گا۔

بدائع میں ہے :

" ولایحتسب لصاحب الارض ما انفق علی الغلة من سقی او عمارة او اجر الحافظ او اجر العمال او نفقة البقر لقوله علیه السلام ما سقته السماء ففیه العشر وما سقی بغرب او دالیة ففیه نصف العشر۔ اوجب العشر ونصف العشر مطلقا عن احتساب هذه المؤن۔ ولان النبی صلی الله علیه وسلم اوجب الحق علی التفاوت لتفاوت المؤن ولو رفعت المؤن لارتفع التفاوت " [1]

جواب ۔ ۶ ۔ زمین بٹائی پر دے کر اگر کھیتی کرائی جائے تو دیکھا جائے گا بذر عامل کی جانب سے ہے یا رب الارض کی جانب سے اگر بذر عامل کے جانب سے ہو تو صاحبین کے نزدیک عشر علیہما دونوں پر واجب ہو گا۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف رب الارض پر قبل التقسیم اپنے عین حصہ سے تمیع عشر واجب ہو گا۔ بعد التقسیم وہ اپنا حصہ سے ادا کر دہ نصف عشر بطور دین بٹائی دار کو دے گا۔ اور اگر بذر رب الارض کی جانب سے ہو تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عشر صرف رب الارض پر واجب ہو گا۔

وجوب عشر کے لئے اہلیت شرط ہے اور غیر مسلم عشر ادا کرنے کا اہل نہیں ہے لہذا اس پر عشر

---

[1] بدائع ۲/۶۳

واجب نہ ہوگا۔

بدائع میں ہے:

"ولو دفعها مزارعة فاما على مذهبهما فالمزارعة جائزة والعشر يجب في الخارج والخارج بينهما فيجب العشر عليهما واما على مذهب ابي حنيفة فالمزارعة فاسدة ولو كان يجيزها كان يجب على مذهبه جميع العشر على رب الارض الا ان في حصته جميع العشر يجب في عينه وفي حصة المزارع يكون دينا في ذمته" [1]

فتح القدیر میں ہے:

"ولو زارع بالعشرية ان كان البذر من قبل العامل فعلى قياس قول ابي حنيفة العشر على صاحب الارض كما في الاجارة وعندهما يكون في الزرع كالاجارة وان كان البذر من رب الارض فهو على رب الارض في قولهم" [2]

بدائع میں ہے:

"اما شرط الاهلية فنوعان احدهما الاسلام وانه شرط ابتداء هذا الحق فلا يبتدأ بهذا الحق الا على مسلم بلا خلاف لان فيه معنى العبادة والكافر ليس من اهل وجوبها ابتداء فلا يبتدأ به عليه" [3]

تجویز نجم۔ ۱۔ عشر کا ضابطہ شرعی امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک بلا شرط نصاب و بلا شرط بقا پیداوار پر ہے، پیداوار کم ہو یا زیادہ ہر حال میں اس کا عشر پیداوار کے حساب سے ادا کرنا واجب ہے زکوٰۃ کی طرح کوئی خاص نصاب نہیں جس سے کم ہونے پر عشر ساقط ہو جائے گا۔ وجہ اس کی قرآن و حدیث کے الفاظ کا عموم ہے۔ مما اخرجنا لكم من الارض اور دوسری آیت وآتوا حقه يوم حصاده۔ مقدار واجب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ:

"ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب اودالية ففيه نصف العشر"

---

[1] بدائع ۲/۵۶ [2] فتح القدیر ۲/۸ [3] بدائع ۲/۵۳

اس سے معلوم ہوا کہ جس زمین کی آب پاشی پر کچھ محنت یا خرچ کرنا پڑتا ہے جیسے چاہی زمینوں میں یا نہری زمینوں میں جن کے پانی کی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے تو ان میں پیداوار کا بیسواں حصہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے صاحبین کے نزدیک بشرط بقا پیداوار پر عشر واجب ہے، اور اس کا نصاب پانچ وسق ہے، اس مقدار کی کم میں عشر واجب نہیں ہے۔ انھوں نے نصاب کو ثابت کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو پیش کیا (لیس فیما دون خمسہ اوسق صدقۃ) امام صاحب کی طرف سے اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ اولاً یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادت جائز نہیں۔ ثانیاً یہ حدیث اموال تجارت کی نصاب زکوۃ کے بیان میں ہے۔ انھوں نے شرط بقا کو ثابت کرنے کے لئے دوسری حدیث پیش کی۔ (لیس فی الخضراوات صدقۃ) اس کا جواب امام صاحب کی طرف سے دیا جاتا ہے کہ اولاً اس مضمون کی حدیث حضرت معاذؓ سے ترمذیؒ نے نقل کر کے فرمایا کہ اس کی اسناد صحیح نہیں ہے اور اس باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح کچھ ثابت نہیں ہے۔ ثانیاً اگر اس کو صحیح مان بھی لیا جائے تو وہ محمول ہے اس صدقہ پر جو عاشر اخذ کرتا ہے یعنی خضراوات لے کر جب کوئی زارع عاشر کے پاس سے گذرتا ہے تو اس وقت عاشر چاہتا ہے کہ عین اس خضراوات سے فقراء کے لئے عشر اخذ کرے جب کہ مالک اس پر عائد کردہ عشر کی قیمت دینے سے انکار کرے تو اس صورت میں عاشر کو عشر نہ لینے کا حکم ہے، کیوں کہ عاشر غالباً شہر سے دور ہوتا ہے لہذا شہر میں فقراء کے پاس اس خضراوات کو پہنچانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ بسا اوقات یہ سبزیات فقراء کے پاس پہنچنے سے پہلے خراب ہوجاتا ہے اس قسم کی عین خضراوات کو اخذ کی وجہ سے فقراء کے میں نفع کے بدلہ نقصان ہوجاتا ہے بنا بریں اس کا عشر مالک خود بخود فقراء کو دے دے عاشر عشر میں عین خضراوات کو وصول نہ کرے۔

فتح القدیر میں ہے:

"باب زکوۃ الزروع والثمار (قال ابوحنیفۃؒ فی قلیل ما اخرجتہ الارض وکثیرہ سواء سقی سیحا اوسقتہ السماء الا الحطب والقصب والحشیش وقالا لا یجب العشر الا فیما لہ ثمرۃ باقیۃ اذا بلغ خمسۃ اوسق والوسق ستون صاعا بصاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولیس فی الخضراوات عندھما عشر) فالخلاف فی موضعین فی اشتراط النصاب وفی اشتراط البقاء لھما فی الاول قولہ علیہ الصلاۃ والسلام لیس فیما دون خمسۃ اوسق

صدقة ولانه صدقة فيشترط فيه النصاب ليتحقق الغنى ولابى حنيفةؒ قوله عليه السلام ما اخرجت الارض ففيه العشر من غير فصل وتاويل ما روياه زكاة التجارة لانهم كانوا يتبايعون بالاوساق وقيمة الوسق اربعون درهما ولا معتبر بالمالك فيه فكيف بصفته وهو الغنى ولهذا لا يشترط الحول لانه للاستنماء وهو كله نماء ولهما فى الثانى قوله عليه الصلاة والسلام ليس فى الخضراوات صدقة والزكاة غير منفية فتعين العشر (قوله ولهما فى الثانى قوله عليه الصلاة والسلام) روى نفى العشر فى الخضراوات بالفاظ متعددة سوقها يطول فى الترمذى من حديث معاذؓ وقال اسناده ليس بصحيح وليس يصح فى هذا الباب عن النبى صلى الله عليه وسلم شيئ وروى الحاكم هذا المعنى ايضا وصححه وغلط بان اسحاق بن يحيى تركه احمد والنسائى وغيرهما الخ (وفى العنايه) (ومرويهما) وهو ليس فى الخضراوات صدقة (محمول على صدقة يأخذها العاشر) يعنى اذا مر بالخضراوات على العاشر واراد العاشر ان يأخذ من عينها لاجل الفقراء عند اٰباء المالك عن دفع القيمة لايأخذ (وبه) اى بهذا المروى (اخذ ابو حنيفةؒ) فى حق هذا المحل الذى حملناه عليه وانما قلنا لاجل الفقراء لانه لو اخذ من عينها ليصرفه الى عمالة جاز وانما قلنا عند اٰباء المالك عن دفع القيمة لانه اذا اعطاه القيمة لا كلام فى جواز اخذه وهذا لان الاخذ ثبت نظرا للفقراء ولا نظر ههنا لان العاشر فى الاغلب يكون نائيا عن البلد ولا يجد فقيرا ثمة يصرفه اليه فيحتاج الى ان يبعث بها الى البلد وربما تفسد قبل الوصول الى الفقراء فيؤدى الى الضرر فلا يأخذ بل يؤديه المالك بنفسه الخ[1]

بدائع میں ہے:

" واحق ما تناوله هذه الآية الخضراوات لانها هى المخرجة من الارض

---

[1] فتح القدير ۲/۲-۳

حقیقة واما الحبوب فانها غیر مخرجة من الارض حقیقة بل من المخرج من الارض .... فکان الحمل علی النبات عملا بحقیقة الاضافة اولی من الحمل علی الحبوب .... واما الحدیث فغریب فلا یجوز تخصیص الکتاب والخبر المشهور بمثله او یحمل علی الزکاة او یحمل قوله لیس فی الخضراوات صدقة علی انه لیس فیها صدقة تؤخذ بل اربابها هم الذین یؤدونها بانفسهم فکان هذا نفی ولایة الاخذ للامام وبه نقول واللہ اعلم[۱]

۲ــــــ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زمین سے جو بھی پیداوار ہو جیسے گیہوں، جو، چنا، باجرہ، دھان وغیرہ ہر قسم کے اناج، گنّا، روئی، ہر قسم کی ترکاریاں پھول، پھل، میوے سب میں عشر واجب ہے تھوڑا پیداوار ہو یا زیادہ۔ البتہ ان چیزوں میں عشر واجب نہیں ہے جن کا زمین سے پیدا کرنا مقصود نہ ہو۔ جیسے لکڑی اور نے، سوکھی اور ترگھاس، کھجور کے پتے، گوند، قطران جو ایک درخت کا عصارہ ہوتا ہے۔ خطمی، اشنان، کپاس اور بینگن کا درخت، تربوز اور ککڑی کی بیج اور دوائیاں۔ گنّا میں عشر نہیں ہے لیکن اس کے رس میں عشر ہے اور امام محمدؒ سے ایک روایت آئی ہے کہ سوکھی گھاس میں عشر ہے البتہ بینگن اور کپاس کے درخت میں عشر نہیں ہے مگر خود بینگن اور کپاس میں عشر ہے دواؤں میں عشر نہیں ہے۔

اسی طرح پانی میں کاشت کی جانے والی چیزوں کی بھی یہی حکم ہے کہ زمین سے جن کا پیدا کرنا مقصود نہ ہو ان پر عشر واجب نہ ہوگا۔ چوں کہ مکھانہ، سنگھارہ کا تعلق مٹی سے ہے جو مٹی ہی میں ہوتا ہے اور پھل پانی پر لہٰذا ان کا بھی ایک ہی حکم ہوگا۔

فتاوی ہندیہ میں ہے :

فلا عشر فی الحطب والحشیش والقصب والطرفاء والسعف لان الارض لا تستنمی بهذه الاشیاء بل تفسدها حتی لو استنمی بقوائم الخلاف والحشیش والقصب وغصون النخل او فیها دلب او صنوبر ونحوها وکان یقطعه ویبیعه یجب فیه العشر کذا فی محیط السرخسی، ویجب

---

[۱] فتاوی ہندیہ ۱/۹۵

العشر عند ابی حنیفة رح فی کل ما یخرجه الارض من الحنطة والشعیر والدخن والارز واصناف الحبوب والبقول والریاحین والاوراد والرطاب وقصب السکر والذریرة والبطیخ والقثاء والخیار والباذنجان والعصفر واشباه ذلک مما له ثمرة باقیة اوغیر باقیة قل او کثر هکذا فی فتاوی قاضی خان - سواء یسقی بماء السماء اوسیحا یقع فی الوسق اولا یقع هکذا فی شرح الطحاوی - ویجب فی الکتان وبذره لان کل واحد منهما مقصود کذا فی شرح المجمع - ویجب فی الجوز واللوز والکمون والکزبرة هکذا فی المضمرات - ویجب العشر فی العسل اذا کان فی ارض العشر وکذا المن اذا سقط علی الشوک الاخضر فی ارضه کذا فی خزانة المفتین - ومایجمع من ثمار الاشجار التی لیست بمملوکة کاشجار الجبال یجب فیها العشر کذا فی الظهیریة ولاعشر فیما هو تابع للارض کالنخل والاشجار وکل مایخرج من الشجر کالصمغ والقطران لانه لایقصد به الاستغلال کذا فی البحر الرائق - ولایجب فی البذور التی لاتصلح الاللزراعة اوللتداوی کبذر البطیخ والناخواه والشونیز کذا فی المضمرات - ولایجب فی القنب والصنوبر وشجر القطن والباذنجان والکندر والموز والتین هکذا فی خزانة المفتین۔[1]

۳ ـــــ مچھلی کی کاشت زمین کی پیداوار نہیں۔کیوں کہ یہ مما اخرجنا لکم من الارض میں داخل نہیں علاوہ ازیں شرائط وجوب عشر چار ہیں (پہلی شرط مسلمان ہونا۔ دوسری زمین کا عشری ہونا تیسری زمین سے پیداوار کا حاصل ہونا۔ چوتھی پیداوار کوئی ایسی چیز ہو جس کو اگانے اور پیدا کرنے کا رواج ہو اور عادتاً اس کی کاشت کرکے نفع اٹھایا جاتا ہو۔) ان چاروں میں سے تیسری شرط مفقود ہے۔ لہٰذا اس کو زکوٰۃ اموال میں شمار کرکے اسی کا حکم جاری کرنا ہوگا۔ نیز مچھلی پانی

---

[1] فتاوی ھندیہ ۱/۹۵

کا پیداوار ہے اس میں عشر نہیں ہے مگر اس کو آمدنی کے ذریعہ بنانے کی صورت میں اس پر زکوۃ واجب ہوگا۔ خلاصۃ الفتاوی میں مچھلی کو مستخرج من البحر میں شامل کیا :

" ولا شیئ فیما یستخرج من البحر کالعنبر واللؤلؤ والسمک "[1]

۴ —— ریشم کے کیڑوں کے بارے میں جہاں تک نقول منقول ہیں عشر واجب نہیں۔

" بخلاف دود القز لانه یتناول الاوراق ولا عشر فیها "[2]

لیکن آمدنی کے غرض سے باقاعدہ کاشت کی جائے تو اس پر عشر واجب ہو جائے گا جس طرح شجر مثمرہ میں شجر مقصود نہیں اس لئے شجر پر عشر نہیں ثمر مقصود ہے لہذا ثمر پر عشر واجب ہو جائے گا۔

۵ —— عشری زمین میں جلانے کے کام میں لانے کے لئے یا تو عمارت، فرنیچر وغیرہ میں استعمال کے لئے اگر درخت لگایا جائے تو اس صورت میں مقصود ہونے کی وجہ سے اس پر عشر واجب ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر بید کے درخت، گھاس، سرکنڈے اور کھجور کے پتے کی پیداوار بالارادہ اور کسی مقصود کی خاطر کسی قطعہ زمین میں کی گئی ہو یا چنار یا صنوبر کے درخت لگائے گئے ہوں انھیں کاٹ کر فروخت کرنا اور ان سے نفع اٹھانا مقصود ہو تو ایسی چیزوں میں بھی عشر واجب ہوگا۔

فتح القدیر میں ہے :

" حتی لو اتخذ ها مقصبه او مشجرة او منبتا للحشیش یجب فیها العشر "[3]

اسی طرح شامی :

" وفی المعراج قصب العسل یجب العشر فیه دون خشبه منسبلا لیه "[4]

اسی طرح فتاوی ہندیہ جو اس ورق میں فلا عشر فی الحطب والحشیش سے لے کر او فیها دلب او صنوبر

---

[1] خلاصۃ الفتاوی ۱/۲۳۶ [2] ھدایۃ ۱/۹۳

[3] فتح القدیر ۲/۳-۲ ، فتاوی ھندیه ۱/۳۶ [4] شامی ۲/۳۵

ونحوها وکان یقطعه ویبیعه یجب فیه العشر کذا فی محیط السرخسی تک ذکر کیا گیا اسی سے بھی یہ حکم صاف طور پر صادر ہوتا ہے۔

۴ ــــ سبزیاں کی کاشت کر کے باقاعدہ تجارت کرنا مقصود ہو تو اس کاشت میں عشر واجب ہو جائے گا۔ اس کی دلیل نص کی عمومیت ہے۔ مکان کے گرد و پیش میں یا اپنی چھتوں پر جو سبزیاں اگا لیتے ہیں اس میں عشر واجب نہ ہوگی۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"ولو کان فی دار رجل شجرة مثمرة لا عشر فیها۔ کذا فی شرح المجمع لابن المالک"[1]

بدائع میں ہے:

"والحول لیس بشرط لوجوب العشر حتی لو اخرجت الارض فی السنة مرارا یجب العشر فی کل مرة لان نصوص العشر مطلقة عن شرط الحول۔ ولان العشر فی الخارج حقیقة فیتکرار لواجب بتکرار الخارج"[2]

بحر الرائق میں ہے:

"والفرق بین الارض والدار علی احدی الروایتین وهی روایة الجامع الصغیر ان الدار ملکت خالیة عن المؤن دون الارض ولذا وجب العشر او الخراج فی الارض دون الدار فکذا هذه المؤنة حتی قالوا لو کان فی الدار نخلة طرح کل سنة اکرارا من الثمار لا یجب فیه شیء لما قلنا بخلاف الارض - وفی ص۲۵۶ (قوله وان جعل مسلم داره بستانا فمؤنته تدور مع مائه) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ولو لم یجعلها بستانا وفیها نخل تغل أکرار الاشیء فیها"[3]

---

[1] فتاوی هندیه ۱۹۶/۱ [2] بدائع ۶۲/۲

[3] البحر الرائق ۲۵۳/۲

۷ ـــــ اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر واجب ہے۔ کیوں کہ ملکیت زمین وجوب عشر کے لئے شرط نہیں۔

الخانیہ میں ہے:

" یجب العشر فی الاراضی الموقوفة "[1]

بحر الرائق میں ہے:

" وکذا ملك الارض لیس بشرط للوجوب لوجوبه فی الارض الموقوفة "[2]

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

" وکذا ملك الارض لیس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج فیجب فی الاراضی التی لامالك لها وهی الاراضی الموقوفة لعموم قوله تعالیٰ الخ "[3]

رد المحتار میں ہے:

" والحاصل ان الارض تبقی وظیفتها بعد الوقف کما کانت قبله (وایضا قال) فیجب فی الاراضی الموقوفة لعموم قوله تعالیٰ الخ "[4]

کتب فقہ کی ان تمام عبارات اراضی موقوفہ میں وجوب عشر پر دال ہیں لیکن خلاصۃ الفتاویٰ[5] میں لکھا ہے کہ اراضی موقوفہ میں عشر واجب نہیں ہے " ولایجب العشر فی الارض الموقوفة وارض الصبیان والمجانین ان کانت عشریة ۔ خلاصہ کی یہ عبارت منقول دیگر کتب مذکورہ کی نقول کے مقابلہ میں قابل قبول نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

[1] الخانیہ ص۲۷۶ [2] البحر الرائق ۲/۵۵۲ [3] بدائع ۲/۷۵، فتاویٰ ہندیہ

[4] رد المحتار ۲/۷۱ [5] خلاصۃ الفتاویٰ ۱/۲۴۶

مقالة سريعة
في
تعيين العشر والخراج في الأراضي الهندية

ان : مفتي عبد الرحمن - مركز الفكر الاسلامي - ڈھاکہ - بنگلادیش

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى وعلى آله وصحابته أجمعين :

بعد السلام والتحية : نقدم مقالتي الموجزة حول " العشر والخراج في الأراضي الهندية "

ولكن قبل أن ندخل في البحث المشير نفضل أن نشير اشارة سريعة إلى أقسام الأراضي العامة في البلاد المفتوحة بالإيجاز -

علمًا ، أن الأراضي العامة في البلاد المفتوحة منقسمة إلى قسمين أساسيين : الأراضي المملوكة والأراضي غير المملوكة -

أما الأراضي غير مملوكة : فهي على ثلاثة أنواع وبيانها كالتالي -

أولاً : أرض غير مملوكة تتعلق بها مصالح سكان البلد أو القرية وتشغل في مرافق البلدة ، حكمها : أنها مشتركة بين أهلها ومحفوظة كالموقوفة مثل الشوارع والمقبرة وغيرها وليس للإمام حق التملك ولا الاقطاع ، وفي حكمها أراضي الملح والنفط وغيرها -

في البدائع : وكذا ما كان خارج البلدة من مرافقها محتطبا بها أهلها أو مرعى لهم لايكون مواتًا حتى لايملك الامام اقطاعها فهو حق أهل البلدة وفي الاقطاع إبطال حقهم -

بدائع ٦/١٩٤

ثانيًا: أرض غير مملوكة لا تتعلق بها مصالح البلدة ولا قابلية لها للزراعة والمنفعة حاليًا أو (أرض الموات).

حكمها: تثبت الملكية لمن استحياها سواء كان مسلمًا أم كافرًا ولكن يشترط إذن السلطان عند الامام الأعظم وبدونه أيضًا عند صاحبيه.

قال صلى الله عليه وسلم: من أحيا أرضًا ميتة فهي له. (انظر كتاب الأموال لأبي عبيد)

وفي البدائع: فالملك في الموات يثبت بالاحياء بإذن الامام عند أبي حنيفة رح و عند أبي يوسف ومحمد يثبت بنفس الاحياء وإذن الامام ليس بشرط. (١)

ثالثًا: أرض غير مملوكة ليست منشغلة في مرافق البلدة ولكنها قابلة للزراعة والمنفعة حاليًا فهي أرض بيت المال وتدخل في هذا القسم أربعة من أنواع الأراضي المباحة وهي:

(الف): أرض غير مملوكة من الأصل إلى أن فتحت البلدة،

(ب): أرض كانت مملوكة ثم مات أربابها بلا وارث فهي أراض سلطانية.

(ج): خمس أرباعها دفعه الإمام إلى بيت المال من أموال الغنيمة.

(د): أرض أخذها السلطان لبيت المال بعد فتح البلدة عنوة.

أما الأراضي المملوكة:

فهذه على ثلاثة أنواع. نوعان في حالة الفتح البلد صلحًا ونوع واحد في حالة فتح البلدة عنوة، وبيان أنواعها الثلاثة كالتالي:

أولاً: أرض مملوكة فتحت صلحًا بأن أسلم عليها أهلها فهم مالكون لرقابها ولا خيار للسلطان أن يأخذ من أهلها أبدًا وهي كقوله صلى الله عليه وسلم: عصموا مني دماءهم وأموالهم. هذه الأرض عشرية بلا ريب.

في كتاب الأموال: وجدنا الآثار عن رسول الله صلى الله عليه وسلم والخلفاء بعد قد جاءت في افتتاح الأرضين بثلاثة أحكام: أرض أسلم عليها أهلها فهي لهم ملك أيمانهم وهي أرض عشر لا شئ عليهم غيره.

بدائع ٦/٩٣

ثانياً: أرض مملوكة فتحت البلدة صلحاً مشروطاً بأن أقر الامام تركها فى أيديهم بالخراج المعين المعلوم والأرض هذه خراجية بلاريب .

فى الشامية : إذا فتح الامام بلدة صلحاً جرى على موجبة وكذا من بعده من الأمراء وأرضها تبقى مملوكة لهم - (١)

ثالثاً: أرض مملوكة فى يد الكفار وفتحت البلدة عنوة فهى مثل هذه الأراضى خيارات ثلاثة للسلطان

الف : جعلها كالغنيمة يقسمها السلطان ويجعل خمسها لبيت المال وأربعة أخماسها بين المجاهدين فأراضى المجاهدين فى هذه الحالة عشرية بلاريب -

فى الأموال : أرض أخذت عنوة فهى التى اختلف فيها المسلمون وقال بعضهم سبيلها سبيل الغنيمة فتخمس وأربعة أخماسها محططاً بين الذين افتتحوها .

ب : وللإمام أن يتركها فى أيدى المفتوحين خراجية أيضاً .

فى أحكام القرآن للجصاص : اختلف أهل العلم فى أحكام الأرضين المفتحة عنوة - فقال أصحابنا والثورى إذا افتتحها الامام عنوة فهو بالخيار إن شاء قسمها....... وإن شاء أقر أهلها عليها وجعل عليها وعليهم الخراج ويكون ملكاً لهم - (٢)

ج : وللامام أن يأخذها لبيت المال بدون القسمة فهى أراضى بيت المال - فمن هذه الأقسام الست للأراضى العامة فى البلدة المفتحة نعدد خمسة أنواع للعشرية وخمسة أنواع للخراجية كما يلى :

أنواع الأراضى العشرية :

أولاً: أراضى أسلم عليها أهلها عند فتح البلدة صلحاً .

ثانياً: أراضى قسمها السلطان بين المجاهدين جعلهم مالكا لها بعد فتح البلدة عنوة -

ثالثاً: أرض الموات أحياها المسلمون بإذن الامام عند أبى حنيفة وبدون اذنه أيضاً عند صاحبيه ولكنها وقعت متصلة بجوار الأراضى العشرية فحسب .

---

(١) باب المغنمة والقسمة (٢) احكام القرآن للجصاص ٣/٥٣٠

رابعاً : أرض الموات أحياها المسلمون بإذن الامام أو بدونه ولكنها وقعت متصلة بالأراضى العشرية والخراجية معاً.

خامساً : أرض الموات أحياها الحكومة الاسلامية أو الحكومة البريطانيا ثم دفعها إبتداء إلى المسلمين فهى عشرية مطلقاً (لأنها فى ملكية المسلمين بدائياً)

أنواع الأراضى الخراجية

أولاً : أراضى تركها السلطان فى أيدى أهلها بخراج معلوم بعد أن فتحت الدولة صلحاً مشروطاً.

ثانياً : أراضى تركها السلطان فى أيدى أهلها بخراج معلوم وجزية معلوم بعد فتح البلدة عنوة.

ثالثاً : أرض الموات استحياها غير مسلم بإذن الامام أو بدونه.

[illegible] ض الموات استحيتها الحكومة الاسلامية أو الكافرة ثم دفعها إلى غير المسلمين ملكية بدائية.

خامساً : أرض الموات استحياها المسلم بإذن الامام ولكنها متصلة مع الأراضى الخراجية المحضة، فهى عشرة أنواع للأراضى العشرية والخراجية بالإجمال.

كيفية فتوح الهند مع الأحكام المتعلقة بالأراضى

قبل أن نتدارس أنواع الأراضى الهندية لابد لنا أن نشير إلى كيفية فتوح الهند هٰهنا.

علماً :- أن كل بلدة تفتح بأحد طرق ثلاثة.

أولاً : فتحت البلدة صلحاً بأن أسلم أهلها عند الفتح.

ثانياً : فتحت البلدة صلحاً بأن تكون بين المجاهدين والمفتوحين شروط للصلح.

ثالثاً : فتحت البلدة عنوة وللامام فى أراضى هذه البلدة المفتحة ثلاث خيارات :-

(أ) أن يوزع الأراضى بين الغانمين والخمس لبيت المال.

(ب) أن يأخذ كلها أو بعضها لبيت المال.

(ج) أن يترك الأراضى فى أيدى أهلها ويعين عليهم الخراج المعلوم والجزية المعلومة.

وقد بحثت فى الكتب التاريخية لسلطنة الغزنوية والغورية والخلجية فعرفنا

أن الطريقة الثلاثة المذكورة حققت فى فتح بلاد الهند إلا أن الطريقة الأولى يعنى أسلم أهلها عندالفتح فهذه نادرة قليلة وقد ذكر المورخ إبن الأثير نماذج لها فى ديارالهند .

أما الطريقة الثانية والثالثة توجدكثيرة فى فتح البلدة ولكن الخيارات الثلاثة كلها فى الطريقة الثالثة لم توجد فى فتح البلدة لأن التاريخ يشهد أن الأراضى الهندية لم يوزعها الامام بين الغانمين كذلك لم توجد فى التاريخ أن الأراضى كلها أخذتها الحكومة الإسلامية أو السلطان لبيت المال ماعدا تلك الأموال التى كانت مملوكة للسلاطين المفتوحين فأخذتها السلطان وأدخلتها فى بيت المال بل الصورة التى توجد فى القارة الهندية كثيرة جدًا هى ترك الأراضى على أيدى أهلها ملكا وأخذ الخراج والجزية منهم فحسب .

أما النظام الأقطاعى فى الأراضى الهندية

والأراضى التى أقطعها السلطان للجيش والمجاهدين لا يتعلق هذا النظام بالملكية ولم تؤثر فى ثبوت الملكية لأهلها لأن الأقطاعين لهم حق لأخذ جزء الخراج الذى هو حق للحكومة وأهل الأراضى يدفعونه لهولاء الاقطاعين كما يدفعونه فى بيت المال ولا علاقة للاقطاعيين بالملكية فى هذه الأراضى .

إلا أن فى الظروف الشاذة أعطت الحكومة للاقطاعين ملكية للأراضى وربما هذه الأراضى هى اراضى بيت المال التى أخذتها الحكومة من الأموال السلطانية المفتوحين والله أعلم .

إذًا اتفق العلماء على :

أن الأراضى الهندية فى أحكامها مثل أحكام الشام والعراق والمصر حيث لم توزع أرضها بين الغانمين كالغنيمة بل صارت الأراضى كالتالى :

١ ــــ أخذت الحكومة بعض أرضها لبيت المال .

٢ ــــ أخذت بعضها لبيت المال ثم دفعتها بعض المستحقين ملكية .

٣ ــــ ومعظم أراضيها تركتها فى أيدى أهلها بخراج معلوم .

أقسام الأراضي الهندية وأحكامها

إن الأراضي الهندية باعتبار المملوكة أغيرها منقسمة إلى الأقسام التالية:

الأول:- أرض أسلم عليها أهلها عند بداية الفتح صلحاً أو تركها السلطان في أيدي أهلها حسب شروط الصلح وفتحت البلدة صلحاً. فهذه الأراضي مملوكة لأهلها بلاريب.

الثاني:- أراض تركت على أيدي أهلها بعد فتح البلدة عنوةً وقد تثبت بالتصريحات التاريخية بأن السلطان أقر على ملكيتها. وهذه ملكية لأهلها أيضاً.

الثالث: أراض غير مملوكة من الأصل أو كانت مملوكة ثم مات أربابها بلاوارث ثم أخذتها الحكومة وأعطتها المستحقين ملكاً أو كانت الأرض مملوكة للكفار ثم أخذتها الحكومة الاسلامية بوجه ما ثم دفعتها إلى المستحقين فهي ملكية للمستحقين أيضاً.

الرابع: أرض الموات أحياها مسلم أو غير مسلم بإذن الامام والسلطان أو بدونه حسب الأقوال، فهذه مملوكة لمن أحياها.

الخامس: أراض يملكها من الكفار بعد فتح البلدة ولكن لم توجد عندهم أية بينة ووثيقة من السلطان بأنه أقر على ملكيتهم. فهذه هي مملوكة عند جماهير العلماء وإن اختلف فيه بعض العلماء كالشيخ جلال تهانيسري رحمه الله فقال أنه غير مملوك.

فهذه هي الأنواع الخمسة كلها مملوكة لصاحبها.

السادس: أراض متشغلة في مصالح الناس وفي مرافق البلدة كالمقبرة والشوارع. فهي غير مملوكة لأحد محفوظة كالموقوفة.

السابع: أراض تتعلق بالمنفعة العامة وتنبت منها الأشياء الضرورية للمجتمع كالبترول والملح فهذه غير مملوكة لأحد وتكون محفوظة كالموقوفة.

الثامن: أراض لم تكن مملوكة لأحد أخذتها الحكومة لبيت المال فهي حق لبيت المال غير مملوكة لأحد.

التاسع: أراض مملوكة للسلاطين المفتوحين فتحت الدولة الإسلامية عنوةً وأخذتها

لبيت المال فهي كذلك و ليس لأحد حق التملك .

العاشر: أراضي أخذتها الحكومة بعد سيطرتها على الكفار بفتح البلدة عنوة وادخلتها كلها في بيت المال فهي أيضًا غير مملوكة لأحد.

فهذه الأنواع الخمسة للاراضي كلها غير مملوكة لأحد إلاّ أن الثلاثة الأخيرة للامام والسلطان الخيار أن يدفعها إلى مستحقيها ملكية فتثبت الملكية لهم

الحادى عشر: أراضي مملوكة كانت في يد الاقطاعيين ثم بعد فترة طويلة غلبوا عليها أوادعت أنها مملوكة للاقطاعيين والحكومة الانجليزية أقرت بملكيتها للاقطاعين فضلاعن أهلها. فتكون هذه ملكية للاقطاعين ومن اشترها منهم أوحصلوا عليها إرثاً فهم مالكون لها. لانها تعتبر استيلاء من الكفار ثم تسليمها الى الأقطاعين ملكية .

الثانى عشر: أراضي سيطرت عليها الحكومة البريطانية وضبط لنفسها ثم دفعتها المسلم أوغير المسلم أو باعت في يد المسلم أو غيره فهذه مملوكة لمن يشتريها أو يأخذها.

بيان الأراضي الهندية العشرية والخراجية

فمن هذه الأنواع الاثنى عشر من الأراضي الهندية فحسب الأنواع العشرية كمايلي:

اما العشرية :

أولاً: ـــــ كل أرض أسلم أهلها عند بداية الفتح ـ فهذه عشرية بلا ريب .

ثانياً: ـــــ كل أرض قسمها السلطان للغانمين فهي عشرية بلاريب إلاّ أن هذا القسم من الأراضي غير موجودة في ديار الهند كما قلنا من قبل وان وجدت فرضاً فهي عشرية .

ثالثاً: ـــــ كل أرض كانت غير مملوكة ثم مات أربابها بلا وارث ثم أخذتها الحكومة الإسلامية ودفعتها المسلمين ابتداءً فهي أراضي عشرية .

رابعاً: كل أرض أخذتها الحكومة الاسلامية من المفتوحين ثم دفعتها المسلمين ملكاً إبتدائياً فهي أيضاً عشرية. إلا أنها نادرة لم توجد في القارة الهندية كما ذكرنا قبل.

خامساً: كل أرض كانت مواتاً وأحييها الحكومة البريطانية أو الحكومة الاسلامية ثم دفعتها المسلمين ملكية ابتدائية فهي أيضاً عشرية.

سادساً: كل أرض كانت مواتاً ثم أحياها المسلمون بإذن الامام فإن اتصلت هذه الأرض بالأراضي العشرية المحضة أو واقعة بين الاراضي العشرية والاراضي الخراجية معاً فهي إذاً عشرية عند الامام أبي يوسف رح وعليه الفتوى.

سابعاً: كل أرض تركها الهندوس في أرض باكستان وبنغلاديش ثم دفعتها الحكومة الباكستانية أو البنغلاديشية المسلمين ملكاً فهي أيضاً عشرية.

أما الأراضي الخراجية في القارة الهندية

أولاً: كل ارض تركها السلطان في أيدي المفتوحين حسب شروط الصلح عند فتح البلدة صلحاً فهذه الأراضي في أيدي أهلها خراجية.

ثانياً: كل أرض تركها السلطان في يد أهلها بعد فتح البلدة عنوة فهي أرض خراجية ايضاً.

ثالثاً: كل أرض كانت غير مملوكه أوكانت مملوكة ثم مات أربابها بلا وارث ثم أخذتها الحكومة الاسلامية ودفعتها الكفار ملكية ابتدائية فهي أرض خراجية.

رابعاً: كل أرض غير مملوكة أو مملوكة مات أربابها بلا وارث ثم أخذتها الحكومة البريطانية ودفعتها الكفار ثم اشتراها منهم المسلمون فهي أرض خراجية.

خامساً: كل أرض ميتة أحياها الكافر بإذن الامام فهي أراض خراجية.

سادساً: كل أرض ميتة أحياها مسلم بإذن الامام ولكنها متصلة بالأراضي الخراجية المحضة فهي خراجية أيضاً.

سابعاً: كل أرض يملكها الكافر بعد فتح البلدة وليس لديهم آية وثيقة حكومية

تدل على أنها أقرت على ملكيتها فهذه الأراضي خراجية أيضًا .

ثامنًا: كل أرض تركها المسلمون في ديار الهند ثم أخذتها الحكومة الهندية ودفعتها المسلمين ملكية فهي خراجية أيضًا و لاستيلاء الكفار عليها

تاسعًا، كل أرض كانت لبيت المال ثم دفعتها الحكومة الاسلامية المستحقين غير المسلمين إبتداء فهي أيضًا خراجية .

وههنا نذكر بعض أنواع الأراضي التي ليست عشرية ولاخراجية كالآتي :

الأول: كل أرض منشغلة بمصالح العباد ومرافق البلدة كالشوارع والمقبرة فهي غيرمملوكة فليست عشرية ولاخراجية .

الثاني: كل أرض تنبت فيها المعادن كالبترول والملح وغيرها فليست عشرية ولا خراجية.

الثالث: كل أموال أدخلتها الحكومة في بيت المال مثل أراضي غيرمملوكة أو أراضي السلاطين المفتوحين بعد فتح البلدة عنوة أو أراضي الكفار أخذتها الحكومة الاسلامية بوجه ما وأدخلتها في بيت المال فهي كلها حق لبيت المال لاعشرية ولاخراجية .

وفي الأخير: نضيف في البحث شيئًا هامًا وهو إننا لانعرف حتميًا أن الأراضي الموجودة في أيدي المسلمين اليوم في الهند من أي نوع من الانواع السابقة وهل هي كانت المسلمين بدائيًا أو متروكة للكفار ؟ لذا نحتاج إلى ضابطة هامة إلى تعيين الحكم . والفتوى بأنها في هذه الحالة عشرية وفيها خراجية .

فنقول : الضوابط ههنا كالتالي:

الضابطة الأولى :

كل أرض في أيدي مسلمي الهند اليوم إذا علم ذلك علمًا جازمًا بأنها كانت مملوكة للمسلمين إرثًا أو شراء وعلم جرًا فهي أرض عشرية بلاريب لأنها من الغالب أن الحكومة الاسلامية تركتها في أيدي المسلمين عند الفتح ، كان أوصلحًا أو أن أهلها أسلموا عند بداية الفتح .

الضابطة الثانية

كل أرض مملوكة فى أيدى مسلمى الهند اليوم إن لم يعلم علمًا جازما من التاريخ بأنها جاءت فى ملكية المسلمين منتقلة من ملكية الكفار بل تواريخها مجهولة فهذه الأراضى عشرية كذلك باستصحاب الحال .

الضابطة الثالثة

كل أرض مملوكة فى أيدى المسلمى الهند اليوم إن علم علما جازما أنها جاءت ملكيه المسلمين منتقلة من ملكية الكفار أو بعد استيلاء الكفار فهى أراضى خراجية بلاريب .

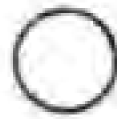
الضابطة الرابعة

كل أرض ميتة استحياها الحكومة الكافرة أو الإسلامية ثم أعطيتها المسلمين ابتداء فهى أرض عشرية وإن قبضت الحكومة البريطانية أو الهندية على اراضى المسلمين بسبب ما ثم أعطتها المسلمين ملكية ابتدائية فهى أرض خراجية لإستيلاء الكفار وهذا بالايجاز

وفقكم الله وإيانا للوصول إلى الحق — اللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه . آمين.

تجاویز

اسلامک فقہ اکیڈمی کے چھٹے فقہی سیمینار میں پیش کردہ مقالات و مباحث کے بعد جو تجاویز طے ہوئیں وہ درج ذیل ہیں ——————



تجاویز بابت اراضی ہند

شریعت اسلامی نے جس طرح دوسرے اموال میں زکوٰۃ واجب قرار دی ہے، زرعی پیداوار سے بھی غرباء کا حق متعلق کیا ہے، جس کو عشر و خراج کہا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں کتاب و سنت کی ہدایات اور قرون خیر کے تعامل کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہاء نے زمین کی درج ذیل قسموں کو عشری قرار دیا ہے:

۱ —— وہ زمینیں جن کے مالکوں نے اسلامی فتوحات سے پہلے ہی اپنی خوشی سے اسلام قبول کرلیا ہو۔

۲ —— کسی علاقہ کو مسلمانوں نے فتح کیا ہو اور مفتوحہ زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کردی ہوں۔

۳ —— جو زمینیں مسلم حکومتوں کی طرف سے مسلمانوں کو بطور جاگیر عطا کی گئی ہوں۔

۴ —— جزیرۃ العرب کی تمام زمینیں جن کی فقہاء نے حد بندی کردی ہے۔

۵ —— مسلمانوں کی رہائشی زمینیں جو قابل کاشت بنالی گئی ہیں اور ان کے قرب و جوار کی زمینیں بھی عشری ہیں۔

۲ــــــ مسلمان ملک کی افتادہ زمینیں جن کو کسی مسلمان نے قابل کاشت بنایا ہو اور ان کے قرب و جوار کی زمینیں بھی عشری ہوں گی۔

اور درج ذیل صورتوں کو خراجی قرار دیا گیا ہے:

۱ــــــ مسلمانوں کی مفتوحہ زمینیں جو غیر مسلم باشندوں ہی کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی ہوں۔

۲ــــــ وہ زمینیں جہاں کے غیر مسلم باشندوں نے مسلمانوں سے صلح کر لی اور زمین انھیں کے پاس رہنے دی گئی ہو۔

۳ــــــ مسلمانوں کی زمینیں جو غیر مسلموں کی ملکیت میں چلی جائیں اور پھر ان کو مسلمان حاصل کریں۔

۴ــــــ جو زمینیں مسلمان حکومت کی طرف سے جاگیر کے طور پر غیر مسلموں کو دی گئی ہوں۔

البتہ اصولی طور پر شریعت نے مسلمانوں کی زمین میں عشر اور غیر مسلموں کی زمین میں خراج واجب قرار دیا ہے، عشر میں بنیادی تصور عبادت کا ہے اور یہ زکوٰۃ ہی کی ایک قسم ہے، اس لیے مسلمانوں کے حق میں اصل عشر ہے اور چوں کہ عشر کو ساقط کرنا ایک عبادت کو ساقط کرنا ہے، اس لیے جہاں عشر کے ساقط ہونے کی صراحت اور اس پر کوئی قوی نص موجود نہ ہو وہاں احتیاط کا تقاضا ہے کہ مسلمانوں کے حق میں عشر ہی کے حکم کو باقی رکھا جائے ــــــ عشر کے سلسلہ میں ان بنیادی اور متفقہ اصولوں اور ہندوستان کے موجودہ سیاسی نظام کو سامنے رکھ کر ہندوستان کی اراضی کی شرعی حیثیت کے متعلق سمینار اس نتیجہ پر پہونچا ہے کہ:

۱ــــــ ہندوستان میں مسلمانوں کی زرعی زمینوں کے متعلق یہ خیال کہ ان میں عشر واجب ہے نہ خراج، درست نہیں ہے۔

۲ــــــ ہندوستان کی زمینیں مندرجہ ذیل صورتوں میں بالاتفاق عشری ہیں:

(الف): مسلمان حکومت کی طرف سے مسلمانوں کو عطا کردہ زمینیں جو اب تک مسلمانوں کے پاس چلی آرہی ہیں

(ب): جس علاقہ کے لوگ مسلم حکومت کے قیام سے پہلے برضا خوشی مسلمان ہو گئے ہوں اور ان کی زمینیں ابھی تک مسلمانوں ہی کے پاس چلی آرہی ہیں۔

(ج): جو زمینیں عرصہ دراز سے مسلمانوں کے پاس ہیں اور تاریخی طور پر ان کا خراجی ہونا ثابت نہیں ہے۔

(د): جو مزروعہ یا افتادہ زمینیں حکومت ہند کی طرف سے مسلمانوں کو حاصل ہوں، اس صورت کو

بعض حضرات خراجی قرار دیتے ہیں۔

۳۔۔۔۔ جو زمینیں غیر مسلم حکومت یا افراد سے کسی مسلمان کو حاصل ہوئی ہوں، ان کے بارے میں شرکاء سمینار کی رائیں مختلف ہیں، بعض حضرات کے نزدیک ہندوستان میں مسلمانوں کی تمام ہی زمینیں عشری ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک اس صورت میں خراج واجب ہے ۔۔۔۔۔ تاہم اس پر اتفاق ہے کہ احتیاط تمام ہی زمینوں میں عشر ادا کرنے میں ہے۔

(۲)

تجاویز بسلسلۂ مکھانہ، مچھلی و ریشم

۱۔۔۔۔ پانی میں کاشت کی جانے والی چیزیں مثلاً مکھانہ، سنگھاڑا وغیرہ زمینی پیداوار میں سے ہیں اور ان سے استغلال ارض ہوتا ہے اس لیے ان پر عشر واجب ہوگا۔

۲۔۔۔۔ تالابوں میں بغرض تجارت مچھلیوں کی پرورش کی جاتی ہے، یہ زمینی پیداوار میں سے نہیں، بلکہ اموال تجارت میں سے ہے اس لیے ان پر عشر کے احکام جاری نہ ہوں گے، بلکہ مال تجارت کی زکوٰۃ کا حکم ہوگا۔

۳۔۔۔۔ اگر عشری زمین میں شہتوت کی کاشت ریشم پیدا کرنے کے لیے کی جاتی ہے اور شہتوت کے پتوں کو ریشم کے کیڑوں کی غذا کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ جن اراضی کو شہتوت کے پتوں کے ذریعہ، ذریعۂ آمدنی بنایا جاتا ہے، ایسی اراضی پر شہتوت کے پتوں پر عشر واجب ہوگا۔ بعض شرکاء سمینار کی رائے میں پتوں پر عشر واجب نہیں، اس سے حاصل شدہ ریشم پر زکوٰۃ اموال کی شرائط کے ساتھ واجب ہوگی۔

(۳)

تجویز بابت عشر زمینی پیداوار، درخت و خضراوات

۱۔۔۔۔ زکوٰۃ کی طرح عشر بھی ایک فریضہ ہے جس کا تعلق زمینی پیداوار سے ہے۔ قرآن کریم میں اہل ایمان کو پاکیزہ کمائی سے زکوٰۃ اور زمینی پیداوار سے عشر کی ادائے گی کا حکم دیا گیا ہے،

"یٰایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم مما اخرجنا لکم

من الارض "

عشر زمین کی ہر پیداوار پر واجب ہے یا کچھ چیزیں وجوب عشر سے مستثنیٰ ہیں، اس سلسلے میں قرآن وحدیث کے عمومی دلائل شرکاء سیمینار کے مقالات وآراء پر غور وفکر کے بعد کمیٹی اس نتیجہ پر پہونچی کہ

۱ ــــــ بشمول گھاس و درخت وغیرہ ہر ایسی زمینی پیداوار پر عشر واجب ہے جس کی پیداوار سے مقصود زمین کی نما ہوتی ہے، اور جسے آمدنی کی غرض سے زمین سے پیدا کیا جاتا ہے، لہٰذا تمام غذائی اجناس، میوہ جات، پھلوں اور پھولوں پر عشر واجب ہے، البتہ خودرو درخت اور گھاس جن سے حصول آمدنی مقصود نہ ہو، اس پر عشر واجب نہیں۔

۲ ــــــ وہ درخت جن سے پھل مقصود نہیں ہوتا ہے بلکہ جلانے یا فرنیچر اور عمارت وغیرہ میں استعمال ہوتے ہیں، جیسے صنوبر، ساکھو، شیشم، ساگوان وغیرہ ــــــ اگر کسی عشری زمین کو ایسے درختوں کے لیے خاص کرلیا گیا ہو اور ان کی کاشت سے آمدنی مقصود ہو، ایسے درختوں کے تیار ہونے میں چاہے جتنی مدت درکار ہو، کاٹے جانے کے وقت ان سے یا ان کی آمدنی سے عشر کی ادائے گی واجب ہوگی۔

۳ ــــــ وہ سبزیاں جو عشری زمین میں بوئی جائیں اور جن سے مقصود آمدنی ہو، ان میں عشر واجب ہے، البتہ اپنے مکان کے گرد وپیش کی افتادہ اراضی یا اپنی چھتوں پر اگائی جانے والی سبزیاں وجوب عشر سے مستثنیٰ ہیں۔

(۴)

مکان کے اندر کی اراضی یا اس کی چھتوں یا مکان کے گرد وپیش کی افتادہ اراضی میں ہونے والی سبزیوں، پھلوں وغیرہ اسی طرح اوقاف کی اراضی خصوصاً وقف علی الاولاد کی اراضی میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں طے کیا گیا کہ

۱ ــــــ چوں کہ وجوب عشر کے لیے زمین کا عشری ہونا شرط ہے اور مکان کی زمین نہ عشری ہے اور نہ ہی خراجی، اس لیے مکان کے اندر کی اراضی یا اس کی چھتوں یا مکان کے گرد وپیش کی افتادہ

اراضی کی سبزیوں اور پھلوں وغیرہ میں عشر واجب نہیں ہوگا۔

۲۔۔۔۔ چوں کہ وجوب عشر کے لیے زمین کا مالک ہونا ضروری نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ غیر مملوکہ اراضی میں بھی عشر واجب ہے، نیز عشر پیداوار میں واجب ہے نہ کہ زمین میں، اس لیے اراضی اوقاف میں بھی عشر واجب ہوگا، خواہ اوقاف عامہ کی اراضی ہوں یا وقف علی الاولاد کی۔ فقط

(۵)
مزارعت میں عشر کی تفصیل

جن عشری زمینوں کی کاشت بہ طور بٹائی کے کرائی جاتی ہے ان کی پیداوار پر عشر کے واجب ہونے کے سلسلہ میں طے کیا گیا کہ

۱۔۔۔۔ اگر زمین کا مالک اور بٹائی دار دونوں مسلمان ہوں تو دونوں پر اپنے اپنے حصہ کے بقدر عشر واجب ہوگا۔

۲۔۔۔۔ اگر مالک زمین مسلمان اور بٹائی دار غیر مسلم ہوں تو مسلمان مالک پر اس کے حصہ کے بقدر واجب ہوگا۔

(۶)
تجویز بابت نصاب

۱۔۔۔۔ فقہی سمینار کے سامنے یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ آج کل کاشت کے جدید طریقوں میں زراعت کے اخراجات قدیم طرز کی کھیتی کے مقابلے میں کہیں زائد ہوتے ہیں، لہٰذا ان بڑھے ہوئے اخراجات کو واجب عشر کی ادائے گی سے پہلے اصل پیداوار سے منہا کیا جائے تاکہ کاشت کاروں کو سہولت حاصل ہو۔ سمینار نے اس مسئلہ پر غور کیا اور اس کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد سمینار اس نتیجہ پر پہونچا کہ عشر اور نصف عشر شریعت کی طرف سے منصوص مقادیر ہیں، اور شریعت نے کاشت کو سیراب کرنے کی بنیاد پر اخراجات کی کمی و زیادتی کو اساس تسلیم کرتے

ہوئے مقدار واجب میں فرق کیا ہے۔ اور دیگر کسی قسم کے اخراجات کی رعایت کرتے ہوئے مقدار واجب میں تبدیلی کا اعتبار نہیں کیا ہے اور جو مقدار واجب شریعت نے طے کر دی ہے اس میں عقل وقیاس کا دخل نہیں اور نہ کسی کو مقدار واجب میں تبدیلی کا حق ہے۔

دوسری طرف یہ بھی واقعہ ہے کہ کاشت کے جدید طریقوں پر جہاں اخراجات زائد ہوتے ہیں پیداوار کی مقدار میں بھی معتد بہ اضافہ ہوتا ہے۔

لہٰذا سمینار یہ طے کرتا ہے کہ کاشت کے جدید طریقوں پر کھاد یا دوا وغیرہ مصارف پر ہونے والے زائد اخراجات اصل پیداوار سے منہا نہیں کیے جائیں گے۔

(۲) حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور بعض دیگر فقہاء کی رائے میں آیات اور بعض احادیث کے عموم کو پیش نظر رکھ کر وجوب عشر کے لیے پیداوار کی مقدار کا کوئی نصاب نہیں، ہر وہ شئی جو زمین سے پیدا ہو، چاہے وہ قلیل مقدار میں ہو یا کثیر میں، عشر کا نکالنا واجب ہوگا۔ امام ابویوسف اور امام محمد و دیگر جمہور ائمہ کے نزدیک حدیث لیس فیما دون خمسة أوسق صدقة کی روشنی میں پانچ وسق سے کم اگر پیداوار ہو تو ایسے لوگوں پر عشر واجب نہیں ہے۔ سمینار کی رائے میں چھوٹے کاشت کار یا قدرتی آفات کی وجہ سے بہت کم مقدار میں پیداوار حاصل ہونے کی صورت میں مطلقاً وجوب عشر کے قول کے نتیجے میں دشواریوں میں مبتلا ہوتے ہیں، اس لیے ایسے حالات میں جب کہ کسی کاشت کار کی کل پیداوار پانچ وسق یعنی چھ کوئنٹل ۵۳ کلو سے کم ہو تو صاحبین و دیگر جمہور ائمہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے اگر کوئی ضرورت مند شخص اس پر عشر نہ نکالے بلکہ پوری پیداوار کو اپنے ذاتی استعمال میں لائے تو ایسا کرنا جائز ہوگا۔ بعض شرکاء کا رجحان ہے کہ اگر نصاب سے کم پیداوار ہو اور دوسرے ذرائع کفالت موجود نہ ہوں تو خود استعمال کرنے کی گنجائش ہوگی۔

(۷)

ادائے گی خراج کا طریقہ اور خراج سے سرکاری محصول کی منہائی

۱۔ بعض شرکاء سمینار کی رائے میں مسلمانوں پر خراج واجب نہیں ہوتا —— لیکن جو شرکاء سمینار ہندوستان کی خراجی زمینوں میں خراج لازم قرار دیتے ہیں اور خراج کو حق شرعی قرار دے کر واجب الاداء کہتے ہیں ان کا عام رجحان یہ ہے کہ زمین کا سرکاری لگان ادا کرنے سے خراج شرعی ادا

نہیں ہوگا، بلکہ مسلمان مالک زمین پر لازم ہے خراج خود نکال کر مصارف خراج میں صرف کرے۔

اور بعض شرکاء سمینار کی رائے ہے کہ خراج شرعی سے سرکاری لگان منہا کرنے کے بعد خراج کی باقی مقدار مصارف خراج میں صرف کرنا ضروری ہے۔

(۲) ہندوستان کی خراجی زمینوں پر خراج مقاسمہ لازم ہے یا خراج موظف۔ اس سلسلہ میں بعض شرکاء سمینار نے ادائے گی اور حساب کی سہولت کے پیش نظر تمام خراجی زمینوں میں خراج مقاسمہ لازم قرار دیا ہے۔

لیکن وجوب خراج کا رجحان رکھنے والے اکثر حضرات کے نزدیک جن زمینوں کے بارے میں تاریخی طور پر ثابت ہے کہ فتح اسلامی کے بعد ان پر خراج مقاسمہ لازم قرار دیا گیا تھا (مثلاً گجرات و راجپوتانہ) ان میں خراج مقاسمہ لازم ہوگا اور اس کی مقدار وہی ہوگی جو اسلامی فتوحات کے وقت متعین کی گئی تھیں، اور باقی تمام خراجی زمینوں میں خراج موظف کی ادائے گی لازم ہوگی۔

(۳) وجوب خراج کا رجحان رکھنے والے اکثر شرکاء سمینار نے توظیف عمری کی بنیاد بنا کر غلہ اور کپاس جیسی عام پیداوار کی خراجی زمینوں میں فی جریب ایک درہم نقد یعنی ساڑھے تین ۳ ½ ماشہ چاندی یا اس کی قیمت) اور پیداوار میں سے ایک صاع (یعنی تین کیلو تین سو پچیس گرام) لازم قرار دیا ہے اور سبزیوں کی زمین میں فی جریب پانچ درہم یا اس کی قیمت اور انگور یا کھجور کے متصل درختوں والے باغ فی جریب دس درہم چاندی یا اس کی قیمت لازم قرار دی ہے۔

(۸)

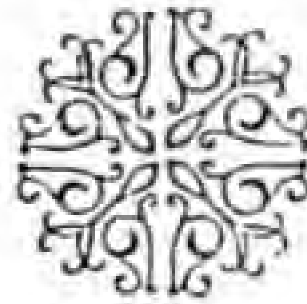
المجمع الفقہی الاسلامی کے چھٹے سمینار میں بینکنگ اور شیئرز سے متعلق بھی کچھ مسائل زیر بحث آئے اور بحث کے نتیجے میں درج ذیل اتفاقی نقطے سامنے آئے۔

(۱) اسلامی مالیاتی ادارہ کو رزرو بینک کے حکم کی وجہ سے جبراً اپنے سرمایہ کا پانچ فی صد حصہ سرکاری تمسکات میں محفوظ کرنا پڑتا ہے، اس پر حکومت سود بھی دیتی ہے۔ تو سمینار کے نزدیک یہ صورت درست ہے کہ اس محفوظ سرمایہ پر ملنے والے سود کو بہ تدریج محفوظ سرمایہ بنا دیا جائے اور اصل سرمایہ دھیرے دھیرے نکال لیا جائے۔

(۲) ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار خالص حلال ہے اسلامی مالیاتی ادارہ یا کوئی بھی مسلمان اس کے شیرز خرید سکتا ہے۔

(۳) ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار خالص حرام ہے، اس کے شیرز کی خریداری ہرگز جائز نہیں ہے۔

(۴) بینکنگ و شیرز کے دوسرے بہت سے مسائل جو کہ سمینار میں پیش کیے گئے، ان کے متعلق یہ سمینار المجمع الفقہی کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ وہ ان مسائل کی پورے طور پر تحقیق و تنقیح کے لیے ماہرین علماء کا ایک خصوصی اجلاس منعقد کرے تاکہ وہ غور کے بعد کسی آخری رائے تک پہونچ سکیں۔



ادارۃ القرآن کراچی کی چند اہم اور مفید مطبوعات

کیا آپ موت کیلئے تیار ہیں	اللہ کا خطاب (اہل ایمان سے)
بنیادی فقہی احکام	اشرف المکتوبات
اجتماعی ختم قرآن کی شرعی حیثیت	احکام وآداب طہارت، وضو، نماز
جدید تجارتی شکلیں	حج عمرہ اور انکے جدید مسائل
سوال و جواب (آپکے مسائل اور انکے حل کیلئے ہ ج)	شیئرز اور کمپنی طریقہ کار واحکام
ضرورت وحاجت کا احکام شرعیہ میں اعتبار	لڑکے اور لڑکیوں کے نکاح کا اختیار
وقف املاک کے شرعی احکام	ذکر سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم
اہم فقہی فیصلے	طبی اخلاقیات
تعلیم سیرت	مسند ابوداؤد طیالسی ۲ جلد
بائبل قرآن سائنس	فضائل اعمال اعلیٰ
طشت جواہر	نکاح مشروط
جواہر حکیم الامت	نبیوں کی سچی کہانیاں
جدید فقہی مباحث ۱۷ جلد	JESUS .... (پیغمبر اسلام حضرت عیسیٰ) The Authority of Sunnah (حجیت حدیث) ISLAM AN INTRODUCTION (تعارف اسلام)
جوتم مسکراؤ تو سب مسکرائیں	The Life and Message. (خطبات مدراس) SHAMAA-IL TIRMIDHI (شمائل ترمذی) BIBLE QURAN & SCIENCE (بائبل قرآن اور سائنس)
دل کی دنیا	"Life Exumple of P.U.H" (اسوۂ رسول اکرم ﷺ) "The Islamic way in the Death" (احکام میت) COMPENDIUM OFISLAMIC LAW مجموعۂ قوانین اسلامی

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ